ط

۱۔ طاغوت

(طغیان ۔ طاغون)

طغیٰ - اس مادہ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں حدود اور پیمانوں سے باہر ہو جانا۔ جب دریا کا پانی ساحلوں کو توڑ کر سیلاب بن جائے تو اس وقت کہتے ہیں طغی الماء (۶۹ : ۵) اسی کو طغیانؔ بھی کہا جاتا ہے۔ الطّاغی کے معنی ہوتے ہیں وہ شخص جو حدود اور قوانین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یکسر سرکشی پہ اتر آئے۔ اسی سے لفظ طاغوت ہے جو ہر اسی طاقت کیلئے بولا جاتا ہے، جو قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرلے۔ اس جہت سے شیطان اور طاغوت مرادف المعنیٰ ہیں۔ عملاً اس سے مراد ہوگا وہ نظام، وہ معاشرہ، وہ حکومت، وہ عدالت، جو قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر، غیر خداوندی قوانین کیمطابق فیصلے کرے۔

۲۔ اس سے بہ ہیئتِ مجموعی مراد عدمِ توازن ہوگا۔ (UN-BALANCED LIFE) یا حدود فراموشی۔

طاغوت

۱۔ کفار کے دوست طاغوت ہوتے ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں۔ (۲۵۷ : ۲)

۲۔ ہر رسول کی تعلیم یہ تھی کہ محکومیت خدا کی اختیار کی جائے اور طاغوت سے اجتناب کیا جائے۔ (۳۶ : ۱۶)

۳۔ جو لوگ طاغوت کی عبودیت سے بچتے ہیں وہی اہلِ بشارت ہیں۔ (۱۷ : ۳۹)

۴۔ عبد الطاغوت پر خدا کی لعنت اور غضب ہوتا ہے۔ (۶۰ : ۵)

۵۔ مومن خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار طاغوت کی راہ ہیں۔ (۷۶ : ۴)

۶۔ ایمان کا دعوےٰ اور اپنے معاملات کو تصفیہ کے لئے طاغوت کے پاس لے جانا۔ یہی تو کفر ہے۔ شیطان چاہتا ہی

یہ ہے کہ انہیں گمراہ کردے۔ (۴ : ۶۰)

۷۔ طاغوت سے کفر اور اللہ پہ ایمان۔ یہ ہے محکم سہارا۔ یعنی ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت ضروری ہے۔ اسی کے معنی لا الہ الا اللہ ہیں۔ ہر غیر خداوندی آلہ، طاغوت ہے جس کا انکار ضروری ہے۔ (۲ : ۲۵۶)

۸۔ اہل کتاب جبت اور طاغوت پہ ایمان رکھتے تھے۔ (۴ : ۵۱)

متفرق

۱۔ جب پانی میں طغیانی آگئی تو حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں سوار کرا لیا گیا۔ (۶۹ : ۱۱)

۲۔ فرعون اور قوم ثمود نے سرکشی اختیار کر لی۔ (۲۰ : ۲۴)۔(۲۰ : ۴۳)۔(۲۰ : ۴۵)۔(۷۹ : ۱۷)۔(۸۹ : ۱۱)۔ (۳)۔ قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے رسول کی تکذیب کی۔ (۹۱ : ۱۱)۔ قوم نوحؑ نے بھی۔ (۵۳ : ۵۲)

۳۔ رسول اللہؐ کی آنکھ نہ تو کسی دوسری طرف پھری، اور نہ ہی حد سے بڑھی۔ (۵۳ : ۱۷)

۵۔ طغیان بمعنی قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنا۔ (۲ : ۱۵)۔(۵ : ۶۸)۔(۶ : ۱۱۱)۔(۷ : ۱۸۶)۔(۱۰ : ۱۱)۔(۱۷ : ۶۰)۔(۱۸ : ۸۰)۔(۲۳ : ۷۵)

۶۔ یہ قوم طاغین ہیں۔(۳۷ : ۳۰)۔(۳۸ : ۵۵)۔(۵۱ : ۵۳)۔(۵۲ : ۳۲)۔(۶۸ : ۳۱)۔(۷۸ : ۲۲)

۷۔ ثمود کو طاغیہ سے ہلاک کیا گیا۔ (ان کی سرکشی کی وجہ سے۔ یا بجلی کے کڑکے سے)۔ (۶۹ : ۵)

۸۔ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۷۹ : ۳۷)

۹۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ آپؐ اور جماعتِ مومنین، احکامِ خداوندی پہ جم کر کھڑے رہو اور ان سے سرکشی نہ برتو۔ (۱۱ : ۱۱۲)

۱۰۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ رزقِ حلال و طیب کھاؤ اور اس میں سرکشی نہ برتو۔ (۲۰ : ۸۱)

۱۱۔ تم میزان کو ہموار رکھو۔ اس میں کمی بیشی نہ ہونے دو۔ متوازن زندگی بسر کرو۔ (۵۵ : ۸)

۱۲۔ وحی سے بے نیاز ہو کر انسان زندگی کا توازن کھو بیٹھتا ہے (۹۶ : ۶)

۱۳۔ طغیٰ۔ کسی کو حدود فراموشی پہ آمادہ کرنا۔ (۵۰ : ۲۷)

۱۴۔ قرآن سے، مخالفین کا کفر اور طغیان بڑھ جاتا ہے۔ (۵ : ۶۴)

---(.)---

۲۔ طلاق

قرآن کریم کی رو سے "ایک بالغ، عاقل مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے، ان حقوق اور ذمہ داریوں کے ساتھ جو اس باب میں خدا نے مقرر کی ہیں۔ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے معاہدہ کا نام نکاح ہے۔ (دیکھئے عنوان "نکاح") لیکن یہ معاہدہ ایسا نہیں کہ ایک دفعہ طے کر لینے کے بعد، پھر فسخ نہ ہو سکے۔ یہ معاہدہ باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ اس لئے جب فریقین میں سے کسی کی رضامندی باقی نہ رہے، تو یہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اسے طلاق کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنی آزاد ہو جانے کے ہیں۔ چونکہ اس معاہدہ کے فسخ ہونے کے نتائج اور عواقب کچھ اور بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کے لئے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اور ان شرائط کے پورا کرنے کے لئے، اسے انفرادی نہیں بلکہ معاشرتی مسئلہ قرار دیا ہے۔ یعنی اس معاہدہ کے فسخ کر دینے کا حق تو میاں اور بیوی دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہے، لیکن اس کے عواقب سے متعلق معاملات کے تصفیہ کے لئے معاشرہ کا عدالتی نظام دخیل ہوتا ہے۔

۲۔ ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ طلاق کا حق مرد کو بالکلیہ حاصل ہے اور وہ جب چاہے لفظ طلاق کہہ کر عورت کو الگ کر سکتا ہے۔ اگر اس نے ایک بار یا دو بار طلاق کا لفظ کہا ہے تو وہ عورت کو واپس لے سکتا ہے لیکن اگر تین دفعہ یہ لفظ کہہ دیا تو پھر اُسے واپس نہیں لے سکتا۔ تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے شادی کر کے اس سے طلاق لے لے۔ (اسے حلالہ کہتے ہیں)

یہ سارا تصور اور طریق خلافِ قرآنی قانون ہے۔ طلاق کے معنی نکاح کی پابندی سے آزاد ہو جانا ہے اور اس کے لئے قرآن نے ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جب فسخِ نکاح اس طریق کے مطابق ہوگا تو اسے طلاق کہا جائے گا۔ اور اس عورت کو مطلقہ۔ طلاق کا لفظ زبان سے کہہ دینے سے فسخِ نکاح نہیں ہو جاتا۔

۳۔ طلاق کے ضمن میں مہر اور عدت کے سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے

تعلقات کی کشیدگی

ازدواجی زندگی میں بعض اوقات وقتی طور پر کشیدگی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی بیشتر وجہ اشتعال میں آجانا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی ہدایات، یہ ہیں ۔

۱۔ اگر کوئی شخص غصے میں آکر جہالت سے بیوی کو ایسا کچھ کہہ دے جس سے وہ اس پر حرام قرار پا جاتی ہو (مثلاً اسے ماں کہہ دے) تو اس سے وہ اس پر سچ مچ حرام نہیں ہو جاتی۔ (۴ : ۳۳)۔ اسے اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں لغویات میں شمار ہوتی ہیں۔ (۲ : ۲۲۵)

۲۔ اس قسم کی لغو قسم توڑنے کا کفارہ۔
(۱) ایک غلام آزاد کرنا۔ یہ اس زمانے کا حکم ہے جب عربوں کے معاشرہ میں غلام ہوتے تھے۔ (اسلام نے غلامی کو ختم کر دیا) اگر غلام نہ ہو تو (۲)۔ دو ماہ کے مسلسل روزے۔ اور (۳)۔ جس میں اس کی طاقت نہ ہو تو وہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے۔ (۴-۳ : ۵۸)

۳۔ اگر کوئی شخص ٹھنڈے دل سے، بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے (اسے ایلآء کہتے ہیں)۔ تو اسے چار ماہ کی مہلت حاصل ہوگی۔ اگر وہ اس مدت میں رجوع کرے تو ہوالمراد۔ ورنہ طلاق کی کاروائی کی جائیگی۔ (۲۶-۲۲۷ : ۲)۔

۴۔ اس قسم کی بالارادہ قسم توڑنے کا کفارہ۔ (۱) غلام کو آزاد کرنا۔ یا (۲) دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا۔ (۳) یا تین دن کے روزے رکھنا۔ (۸۹ : ۵)

طلاق

۱۔ میاں بیوی میں شدید قسم کی کشیدگی پیدا ہو جائے تو معاشرہ کو چاہیئے کہ ایک نمائندہ خاوند کی طرف سے اور ایک نمائندہ بیوی کی طرف سے، ملا کر ایک مصالحتی بورڈ قائم کرے جو ان میں مصالحت کی کوشش کرے۔ مصالحت ہو جائے تو ہوالمراد۔ ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ (۳۵ : ۴)۔ اس کے لئے عورت اور مرد دونوں کو یکساں حق حاصل ہے۔ (۱۲۸ : ۴) اور عورت بھی سلسلہ جنبانی کر سکتی ہے۔ (۱ : ۵۸)۔ طلاق کا اعلان اس قاعدے کے مطابق ہونا چاہیئے جو حکومت کی طرف سے مقرر ہو۔ (۱ : ۶۵)

۲۔ نکاح، مرد اور عورت دونوں کی بطیبِ خاطر رضامندی سے ہوا تھا۔ (۳ : ۴) - (۱۹ : ۴)۔ اس لئے طلاق کے لئے ان میں سے کسی کی عدم رضامندی (ناپسندیدگی) کافی وجہ ہے لیکن اس میں اشتعال اور جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے (۱۹ : ۴)۔ جب مصالحت کی کوشش ناکام رہ جائے تو اس باب میں مزید وجوہات کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ عدالت صرف فسخ نکاح کے عواقب کے متعلق فیصلہ کرے گی۔

۳۔ اگر معاہدۂ نکاح مرد کی طرف سے فسخ ہوتا ہے تو پھر عورت کو کچھ دینا نہیں پڑتا۔ (۲۰ : ۴) بجز اس کے کہ عورت

فحش کی مرتکب ہو۔ (۱۹ : ۴)

۴۔ اگر معاہدۂ نکاح عورت کی طرف سے فسخ ہوتا ہے تو عدالت عورت سے کچھ ہرجانہ دلا سکتی ہے (۲۲۹ : ۲) یہ اس لئے کہ مرد نے عورت کو نکاح کے وقت مہر وغیرہ دیا تھا اور یہ ہو سکتا ہے کہ عورت محض مہر لینے کے لئے نکاح کرلے اور پھر اسے فسخ کروا لے۔ قانون کے اس طرح ناجائز استعمال کی روک تھام کے لئے یہ شق مقرر کر دی گئی ہے۔

۵۔ مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ فسخ نکاح تو وہ خود کرنا چاہے لیکن عورت کو تنگ کرے تاکہ فسخ نکاح کی سلسلہ جنبانی اس (عورت) کی طرف سے ہو۔ اور یوں وہ ہرجانہ کا مطالبہ کر سکے۔ (۲۰ : ۴)

۶۔ طلاق (فسخ نکاح) کے بعد، عورت کے لئے عدت شروع ہو جاتی ہے۔ اس مدت میں وہ دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔ (دیکھئے عنوان عدت) مرد کے لئے عدت کی مدت نہیں۔ بس یہ ایک بات ایسی ہے جس میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں افضلیت حاصل ہے۔ ورنہ دوسرے تمام امور میں ان کے حقوق یکساں ہیں۔ (۲۲۸ : ۲)

۷۔ عدت کے دوران، عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہو گی۔ (۱-۷ : ۶۵)۔ (۲۴۱ : ۲)

۸۔ عدت کے دوران، طلاق واپس لی جا سکتی ہے۔ (بجز اس صورت کے جسے ۱۱ میں بیان کیا گیا ہے) یعنی اگر طلاق عورت نے دی ہے تو اسے اس کے واپس لے لینے کا اختیار ہے۔ اور اگر مرد نے دی ہے اور عورت بھی رضامند ہے تو مرد کو اس کا حق حاصل ہے۔ (۲۲۸ : ۲)۔ لیکن ایسا کرنے میں نیت یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ عورت کو دوبارہ گھر لا کر تنگ کیا جائے۔ (۲۲۹ : ۲)۔ (۲۳۱ : ۲)۔ (۲ : ۶۵)

۹۔ عدت کے دوران، طلاق واپس لے لینے کی صورت میں تجدید نکاح کی ضرورت ہو گی یا نہیں، اس کے لئے قرآن نے دو جگہ "بمعروف" کہا ہے (۲ : ۶۵)۔ (۲۲۹ : ۲) یعنی اس طریق کے مطابق جسے قرآنی معاشرہ، خدائی راہ نمائی کی روشنی میں صحیح تسلیم کرلے۔ ایک جگہ "نکاح" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (۲۳۲ : ۲)۔ اس کے لئے ذیلی قوانین اسلامی حکومت مرتب کرے گی۔

۱۰۔ اگر طلاق واپس لے لی گئی ہے تو ہو المراد۔ ورنہ اس امر کی تصدیق کے لئے کہ طلاق واپس نہیں ہوئی تھی، دو گواہوں کی ضرورت ہو گی۔ (۲ : ۶۵)

۱۱۔ اگر شق (۱) کے مطابق فسخ نکاح ہو جائے تو اسے پہلی مرتبہ کی طلاق کہا جائے گا۔ اگر اس کے بعد یہ میاں بیوی، شق (۸) کے مطابق ازدواجی رشتہ قائم کرلیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طلاق کی نوبت آ جائے تو اسے دوسری مرتبہ کی طلاق کہا جائے گا۔ اس کے بعد بھی یہ میاں بیوی (شق ۸ کے مطابق) ازدواجی رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کر لیا

اور پھر نوبت طلاق کی آگئی تو یہ تیسری مرتبہ کی طلاق ہوگی۔ اس تیسری مرتبہ کی طلاق کی صورت میں ان میاں بیوی میں ازدواجی رشتہ استوار نہیں ہو سکے گا۔ ہاں اگر وہ عورت کسی اور جگہ شادی کرے اور قاعدہ کے مطابق وہ نکاح فسخ ہو جائے تو پھر یہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکے گی۔ (۳۰-۲۲۹ : ۲)

۱۲۔ نکاح کے بعد اگر زناشوئی تعلقات نہ بھی قائم ہوئے ہوں، فسخِ نکاح کے لئے طلاق کا طریق پھر بھی اختیار کرنا ہوگا۔ (۲۳۷ : ۲۳۶ : ۲) - (۴۹ : ۳۳)

۱۳۔ رسول اللہ کے لئے خصوصی احکام۔ (۵۲-۵۰ : ۳۳) - (۲۸ : ۳۳) - (۵ : ۶۶)

۱۴۔ نبی کو مخاطب کر کے عام طلاق کے احکام دیئے گئے ہیں۔ نبی اس مقام پر عدالت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ کے بعد یہی فریضہ اسلامی حکومت کا ہو جائے گا۔ (۷-۱ : ۶۵)

۱۵۔ آیت (۲۳۷ : ۲) میں الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد عورت کا مختار یا حاکم مجاز ہے۔

۲۔ طمانیت (اطمینان)

اس مادہ (ط-م-ن) کے بنیادی معنی ساکن ہونے کے ہیں۔ لیکن یہ سکون وہ نہیں جو حرکت کی ضد ہوتا ہے۔ وہ سکون تو موت کے مرادف ہے۔ اس کے معنی ہیں انسانی قلب کا شکوک و شبہات اور اضطراب انگیز توہمات و خطرات سے پاک ہونا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اطمینان، فریبِ نفس کا نام نہیں۔ یہ انسان کو علیٰ وجہ البصیرت حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس یقین (ایمان) کی بنیادی شرط ہے جس پر اعمالِ حیات کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ کسی بات پر علیٰ وجہ البصیرت دل کا ٹھک جانا اطمینان کہلاتا ہے۔ اس کے بعد اس میں کسی قسم کی لغزش پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اسے پھر دھرا دیا جائے کہ یہ کیفیت علیٰ وجہ البصیرت حاصل ہونی چاہیئے۔ اندھی عقیدت سے جو اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ فریبِ نفس کہلاتا ہے۔ اطمینان نہیں۔ ان دونوں میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے قرآن نے سکینت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

اطمینان

۱۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی عبودیت، کنارے پر کھڑے ہو کر اختیار کرتے ہیں۔ اگر انہیں فائدہ پہنچتا ہے تو مطمئن رہتے ہیں۔

اگر نقصان ہوتا ہو تو منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں میں تباہی ہے ۔ (۱۱ : ۲۲)

۲۔ حالتِ خوف میں صلوٰۃ کے بعد کہا کہ جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو پھر یوں کرو۔ یہاں اطمینان بمقابلہ خوف آیا ہے ۔ (۱۰۳ : ۴)

۳۔ جن لوگوں نے دنیاوی زندگی کے مفادات کو اپنا نصب العین بنا لیا اور ان کے حصول کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ اب کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں ۔ یہاں یہ لفظ جھوٹے اطمینان (فریبِ نفس) کے لئے آیا ہے ۔ یہ مومنین کا اطمینانِ قلب نہیں ۔ (۷ : ۱۰) — (۴) مومنین کے دل کو ذکر اللہ (قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے) سے اطمینان حاصل ہوتا ہے (۲۸ : ۱۳)

۵۔ حضرت عیسٰےؑ کے حواریوں نے کہا کہ ہمارے رزق کا سامان، نظامِ ربوبیتِ خداوندی کی رو سے کیا جائے تاکہ ہمارے قلب کو اطمینان نصیب ہو ۔ (۱۱۳ : ۵)

۶۔ میدانِ جنگ میں ملائکہ کے ذریعے نصرت، اطمینان کا موجب تھی ۔ (۱۲۵ : ۳) ۔ (۱۰ : ۸) ۔ یعنی اس سے نفسیاتی توازن حاصل ہو گیا تھا اور یہ بڑی چیز ہے ۔

۷۔ حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ مجھے دکھا کہ اس قسم کی مردہ قوم کو زندہ کرنے کا طریقہ کیا ہے، تو خدا نے کہا کہ کیا تیرا اس پر ایمان نہیں ۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ایمان تو ہے ۔ لیکن میں اطمینانِ قلب کے لئے ایسا چاہتا ہوں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ایمان کو علیٰ وجہ البصیرت دلائل یا مشاہدات سے تقویت حاصل ہو تو اسے اطمینان کہا جاتا ہے اس لئے اطمینان وہی ہے جو علیٰ وجہ البصیرت حاصل ہو ۔ (۲۶۰ : ۲)

۸۔ وہ بستی جس میں رزق فراوانی سے حاصل ہوتا تھا، اس کے باشندوں کے متعلق کہا کہ انہیں امن بھی حاصل تھا۔ اور اطمینان بھی ۔ امن، خارجی خطرات سے محفوظ ہونے کا نام ہے اور اطمینان، دل کے اضطرابات سے مامون ہونے کا نام ۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۹۔ جس سے اکراہاً کفر کا کوئی کام کرایا جائے، حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو، تو اسے کفر نہیں کہا جائے گا۔ (۱۰۶ : ۱۶) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اطمینان، دل کی رضامندی سے کسی بات کے ماننے یا کرنے کو کہا جائے گا۔

۱۰۔ اگر زمین میں ملائکہ اطمینان سے بستے ہوتے تو ان کی طرف ملائکہ میں سے رسول بھیجا جاتا ۔ (۹۵ : ۱۷)

۱۱۔ نفسِ مطمئنہ، کا جنت میں داخلہ ۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ "خدا کے بندوں" میں شامل ہو۔ اس لئے جنت یا اس قسم کا صحیح اطمینان، انفرادی شے نہیں ۔ اجتماعی نظام کے اندر حاصل ہو سکتا ہے ۔ (۳۰-۲۷ : ۸۹)

سکینت

۱۔ بنی اسرائیل کے تابوت میں سامان سکینت تھا۔ (۲ : ۲۴۸)

۲۔ صلح حدیبیہ کی "فتح" سے قلوب مومنین کو سکینت حاصل ہوئی جس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔ (۴ : ۴۸) ۔ (۱۸ : ۴۸) ۔ (۲۶ : ۴۸)

۳۔ جنگ میں ملائکہ کی مدد سے سکینت (رسول اور مومنین کے قلوب میں)۔ (۲۶ : ۹)

۴۔ غار میں، صاحب رسولؐ اللہ کے دل میں سکینت۔ (۴۰ : ۹)

۵۔ رسولؐ سے کہا گیا کہ ان کے حسن عمل پر ان کی حوصلہ افزائی کیا کرو۔ اس سے انہیں سکینت حاصل ہوتی ہے۔ (۱۰۳ : ۹)

۶۔ رات آرام (سکون) کے لئے بنائی۔ (۱۳ : ۶) ۔ (۹۷ : ۶) ۔ (۶۷ : ۱۰) ۔ (۸۶ : ۲۷) ۔ (۳ - ۲ - ۲ : ۲۸) ۔ (۶۱ : ۴۰) ۔ مکانات بھی۔ (۸۰ : ۱۶)

۷۔ تمہیں ازدواج بنایا تاکہ باہمی تسکین حاصل ہو۔ (۱۸۹ : ۷) ۔ (۲۱ : ۳۰) ۔

(۰)

۴۔ طہارت

طھر ۔ اس کے معنی دور لے جانے یا دور کرنے کے ہوتے ہیں۔ آلائش وغیرہ دور کر کے پاک اور صاف کرنے کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی رُو سے جسمانی پاکیزگی کے علاوہ، قلب و نگاہ کی پاکیزگی بھی نہایت ضروری ہے یعنی انسانی خیالات کو غیر قرآنی تصورات سے پاک رکھنا۔ اس ہنج سے یہ لفظ پاکیزگیٔ سیرت و کردار کے لئے بھی آئے گا اور تطہیرِ فکر و نگاہ کے بھی۔

طبعی پاکیزگی

۱۔ آسمان سے پاکیزہ پانی برسایا۔ (۴۸ : ۲۵) ۔ جنگ کے میدان میں بارش۔ (۱۱ : ۸)

۲۔ عورتوں کے پاس ان کے حیض سے پاک ہو جانے کے بعد جاؤ۔ (۲۲۲ : ۲) ۔ اللہ مطہرین کو دوست رکھتا ہے۔

(۲ : ۲۲۲) ۔ (۳)۔ وضو۔ غسل۔ تیمم کے احکام ۔ (۴ : ۴۳) ۔ (۵ : ۶)

قلب و نگاہ کی پاکیزگی

۱۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ (۷۴ : ۴) ۔ اس کے معنی سیرت و کردار (شخصیت) کی پاکیزگی بھی ہیں اور یہ بھی کہ اپنی دعوت کو غلط عناصر سے پاک اور صاف رکھو۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا کہ میرے گھر کو طائفین کے لئے پاک و صاف رکھو۔ (۲ : ۱۲۵) ۔ (۲۲ : ۲۶)

۳۔ حضرت مریمؑ سے کہا گیا کہ خدا نے تجھے منتخب کر لیا ہے اور وہ تجھے اہلِ ہیکل کی آلودہ نگہی سے پاک اور صاف رکھے گا۔ (۳ : ۴۲) ۔ (۴)۔ اہلِ جنت کے لئے شرابِ طہور ۔ (۷۶ : ۲۱)

۵۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ ان سے صدقات وصول کرکے انہیں مزکّی اور مطہر بنا دو۔ (۹ : ۱۰۳)

۶۔ اے اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس دور کرکے تمہیں پاک و صاف بنا دے۔ (۳۳ : ۳۳)

۷۔ جنت میں ازواجِ مطہرہ۔ یعنی پاکیزہ سیرت رفقاء۔ (۲ : ۲۵) ۔ (۳ : ۱۴) ۔ (۴ : ۵۷)

۸۔ قرآن کو صحفِ مطہرہ کہا گیا۔ (۸۰ : ۱۴) ۔ (۹۸ : ۲)

۹۔ تمسک بالقرآن صرف وہی کرسکتے ہیں جو اپنے خیالات کو غیر قرآنی تصورات سے پاک اور صاف کرلیں۔ لا یمسہٗ الا المطھرون ۔ (۵۶ : ۷۹)

۱۰۔ وہ مسجد جسے تقویٰ کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا اس میں وہ لوگ آتے ہیں جنکی قلب و نگاہ پاکیزہ ہوتی ہے۔ اور اللہ مطہرین کو درست رکھتا ہے ۔ (۹ : ۱۰۸) ۔ (: ۲۲۲

۱۱۔ حضرت عیسیٰؑ سے کہا گیا کہ اللہ تجھے وفات دے گا۔ تیرے درجات بلند کرے گا۔ اور تجھے ان لوگوں سے دور لے جائے گا۔ (مطہرکؑ) جو کفر کرتے ہیں ۔ (۳ : ۵۴)

۱۲۔ عائلی قوانین کی اطاعت سے مزکّی و مطہر ہو جانا۔ (۲ : ۲۳۲)

۱۳۔ پردے کے احکام کے اتباع سے قلوب کی پاکیزگی ۔ (۳۳ : ۵۳)

۱۴۔ رسول اللہ سے پرائیویٹ مشورہ کرنے سے پہلے صدقہ دینا، اطہر بنا دیتا تھا۔ (۵۸ : ۱۲)

۱۵۔ منافقین اور آلودہ سیرت لوگوں کے قلوب پاکیزہ نہیں ہوتے ۔ (۵ : ۴۱)

متفرق

۱۔ دور لے جاتے کے معنوں میں ۔خدا حضرت عیسیٰ کو مخالفین کی گرفت سے بچانے کے لئے کسی دور دراز مقام کی طرف لے گیا۔ (۳ : ۵۴)۔ (۲) حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ میری بیٹیاں (قوم کی عورتیں) تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ (۱۱ : ۷۸)۔ (۳) قوم لوط نے آپس میں کہا کہ حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کو بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاکیزہ بنے پھرتے ہیں۔ (۷ : ۸۲)۔ (۲۷ : ۵۶)

۵۔ طیب

طیب ۔ ہر وہ شے جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی ۔ جو طبیعی معیار کے مطابق بھی خوشگوار، پسندیدہ، منفعت بخش ہو اور انسانی ذات کی نشو ونما کا بھی موجب بنے ۔ قرآن کریم نے کھانے پینے کی بعض چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی سب حلال ہیں ۔لیکن حلال کے ساتھ اس نے طیب کے لفظ کا بھی اضافہ کیا ہے ۔یعنی ہر حلال شے کا کھانا ضروری نہیں ۔ حلال اشیاء میں سے جو چیزیں منفعت بخش، خوشگوار اور پسندیدہ ہوں ۔ وہ کھائی جائیں ۔ اس میں اصول صحت کے علاوہ، انفرادی مزاج اور ذاتی ذوق کی بھی رعایت رکھ دی گئی ہے ۔

ارضِ طیب اس زمین کو کہتے ہیں جو بڑی زرخیز ہو۔ اس کے مقابل خبیث آیا ہے جس کے معنی بنجر یا نکمی زمین کے ہیں اس سے بھی طیب کا مفہوم واضح ہو گیا۔

۱۔ طوبیٰ کے معنی ہیں نہایت خوشگوار اور پسندیدہ زندگی ۔ (۲)۔ حرام اور حلال کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے۔

۳۔ اس کے ساتھ عنوان خبیث بھی دیکھئے۔

حلال وطیب

۱۔ مالِ غنیمت میں سے حلال وطیب کھاؤ۔　(۸ : ۶۹)

۲۔ جو کچھ زمین سے اگتا ہے۔ (جو کچھ زمین میں ہے) اس میں سے حلال وطیب کھاؤ۔　(۲ : ۱۶۸)

۳۔ اللہ کے رزق سے حلال و طیّب کھاؤ ۔ (۲ : ۵۷) —(۲ : ۱۷۲) —(۵ : ۸۸) —(۱۶ : ۱۱۴) —(۲۰ : ۸۱) ۔

۴۔ خدا نے جو طیبات حلال قرار دی ہیں انہیں حرام مت ٹھہراؤ ۔ (۵ : ۸۷)۔ بنی اسرائیل کے جرائم کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں ۔ (۴ : ۱۶۰)

۵۔ خدا نے طیبات کو حلال قرار دیا ہے ۔ (۵ : ۴)۔ (۵ : ۵)۔ اور خبائث کو حرام قرار دیا ہے ۔ (۷ : ۱۵۷)

۶۔ تمام رسولوں سے کہا کہ طیب کھاؤ ۔ (۲۳ : ۵۱)

رزقِ طیب

۱۔ خدا نے جماعتِ مومنین کو اپنی مملکت دی اور اس طرح انہیں رزقِ طیب عطا کیا ۔ (۸ : ۲۶)

۲۔ خدا نے رزقِ طیب دیا ہے ۔ (۱۰ : ۹۳)۔ (۱۶ : ۷۲)۔ (۱۷ : ۷۰)۔ (۴۰ : ۶۴)۔ (۴۵ : ۱۶)

۳۔ وہ کون ہے جو رزقِ طیب کو حرام ٹھہرا سکتا ہے ؟ (۷ : ۳۲)

ارضِ طیب

۱۔ بلدِ طیب فراوانی سے پیداوار دیتا ہے ۔ خبیث بہت نکمی اور کم پیداوار دیتا ہے ۔ (۷ : ۵۸)۔ (۳۴ : ۱۵)

۲۔ جنت میں مساکنِ طیب ۔ (۹ : ۷۲)۔ (۶۱ : ۱۲)

کلمۂ طیب

۱۔ خوشگوار نظریۂ حیات میں اوپر اٹھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ جب انسانوں کے اعمالِ صالح شامل ہوجائیں تو اسے رفعت مل جاتی ہے ۔ یعنی وہ بہت جلد ابھر آتا ہے ۔ (۳۵ : ۱۰)

۲۔ کلمۂ طیب کی مثال شجرِ طیب کی اور کلمۂ خبیثہ کی مثال شجرِ خبیثہ کی ۔ (۱۴ : ۲۴ - ۲۷)

متفرق (خبیث و طیب)

۱۔ جب دوسروں کے ہاں جاؤ تو اہلِ خانہ کو مبارک اور طیب دعا دو ۔ (۲۴ : ۶۱)

۲۔ اہلِ جنت، یا مستحقینِ جنت کی راہ نمائی طیّب کی طرف ہوتی ہے۔ یعنی صراطِ حمید کی طرف۔ (۲۴ : ۲۲)

۳۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ کرو کہ اس میں سے طیّب (اچھی اچھی) چیزوں کو نکال کر ان کی جگہ خبیث چیزیں رکھ دو۔ (۲ : ۴) — (۴)۔ رسول اللہ سے کہا کہ خدا جماعتِ مومنین کو اسی حالت میں نہیں چھوڑ دے گا۔ ان میں جو خبیث عنصر (منافق) آملا ہے، اسے طیّب سے الگ کر دے گا۔ (۳ : ۱۷۸)

۵۔ جو لوگ خدا کا راستہ روکنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں، وہ خبیث جمع کرتے ہیں خدا طیّب کو خبیث سے الگ کر دے گا۔ اور خبیث کو جہنم رسید کرے گا۔ (۸ : ۳۷)

۶۔ خبیث و طیّب کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ خبیث کی کثرت کتنی ہی نگاہ فریب کیوں نہ ہو۔ (۵ : ۱۰۰)

۷۔ طیّب مٹی سے تیمّم۔ (۴ : ۴۳)۔ (۵ : ۶)

۸۔ جو کچھ تم کماؤ اور جو کچھ زمین سے پیدا ہو، اس میں سے طیب خرچ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ اس میں وہ خبیث (خدا کی راہ میں) دے دو جسے تم خود بھی لینا پسند نہ کرو۔ (۲ : ۲۶۷)

۹۔ خبیث، خبیثوں کے لئے اور طیّب، طیبات کے لئے۔ (۲۴ : ۲۶)

۱۰۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنے حصّہ کی طیبات دنیا ہی میں ختم کر لی تھیں۔ اب یہاں ناخوشگوار چیزیں تمہارے لئے باقی ہیں۔ (۴۶ : ۲۰)

۱۱۔ حضرت زکریاؑ نے ذریتِ طیبہ کی دعا مانگی۔ (۳ : ۳۷) — (۱۲)۔ ریح طیّب۔ مساعد ہوائیں۔ (۱۰ : ۲۲)

۱۳۔ مومنین کے لئے (اس دنیا میں بھی) حیاتِ طیّب کا وعدہ۔ (۱۶ : ۹۷)

۱۴۔ مومنین کی وفات طیّب حالت میں ہوتی ہے۔ (۱۶ : ۳۲)

۱۵۔ مومنین کے لئے طوبیٰ اور حسن مآب کا وعدہ۔ (۱۳ : ۲۹)

۱۶۔ اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔ (۴ : ۳)

۱۷۔ اگر بیوی مہر میں سے اپنی رضامندی (طبن) سے کچھ چھوڑ دے تو اُسے لے لینے میں ہرج نہیں۔ (۴ : ۴)

۱۸۔ جنت میں داخلہ کے وقت طیّب استقبالیہ۔ (۳۹ : ۷۳)

ظ

۱۔ ظلم۔ظلمات

ظلم۔ اس کے بنیادی معنی ہیں۔ جس چیز کو جس مقام پر اور جس طرح ہونا چاہیئے، اسے اس مقام پر اور اس طرح نہ رہنے دینا۔ لفظ ظلم کی اس جامع تعریف میں ہر قسم کی بے انصافی۔ دھاندلی۔ استبداد آجاتے ہیں۔ کسی کے حقوق میں کمی کرنا۔ کسی کا واجب ادا نہ کرنا۔ کسی کا حق نہ دینا۔ اور یوں اس پر زیادتی کرنا۔ یہ سب باتیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بکثرت آیا ہے اور اس سے مراد ہے قانون شکنی۔ حدود فراموشی۔ دوسروں کی ملکیت پر ناجائز تصرف کرنے والے۔ دوسروں کے واجبات کو پورا پورا ادا نہ کرنے والے۔ دوسروں کی محنت کو غصب کر لینے والے۔

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ ظلم کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے حالانکہ وہ اس سے خود اپنی ذات پر زیادتی کرتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی زندگی کا مقصد اپنی ذات کی نشوونما ہے اور کسی پر ظلم وزیادتی سے یہ نشوونما رک جاتی ہے۔ اس لئے اس سے خود ظلم کرنے والے کی ذات میں کمی آجاتی ہے۔ اسی کو "اپنے آپ پر زیادتی کرنے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیز، مستبد حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وہ کمزور رعایا پر ظلم کر رہی ہے۔ اس طرح بالادست قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ زیردست، کمزور اقوام پر ظلم کرتی ہیں۔ لیکن یہ ظلم خود ان کی اپنی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتی ہیں۔

قرآن کریم ایسا نظام دیتا ہے جس میں ہر قسم کے ظلم کا استیصال ہوجاتا ہے۔ اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

کس دریں جا سائل و محروم نیست　۔　عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

۲۔ اَلظُّلْمَۃُ۔ اور اَلظُّلُمَۃُ کے معنی تاریکی کے ہیں (اس کی جمع "ظُلُمٰت" آتی ہے)۔ لیکن اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ روشنی ہونی چاہیئے وہاں روشنی کا نہ ہونا۔ ویسے یہ لفظ شدائد اور مصائب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ظلم کا عام مفہوم

زیادتی ۔ بے انصافی ۔ قانون شکنی ۔ حدود فراموشی ۔ سلب و نہب ۔ وغیرہ

۱۔ جو حج کے اجتماع میں ظلم کی نیت سے آئے اسے سخت سزا دی جائے گی ۔ (۲۵ : ۲۲)

۲۔ یتیموں کا مال ظلم سے کھا جانے والے اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں ۔ (۴ : ۱۰)

۳۔ ایمان اور اعمالِ صالح سے ظلم اور غضب کا خوف نہیں رہتا ۔ (۲۰ : ۱۱۲)

۴۔ وحی کو افترا کہنا ظلم اور جھوٹ ہے ۔ (۷ : ۳۷) — (۲۵ : ۴)

۵۔ اہلِ فرعون حضرت موسیٰؑ کی بات کا ظلم اور سرکشی کی وجہ سے انکار کرتے تھے ۔ حالانکہ ان کے دل اس کی صداقت کے معترف تھے ۔ (۲۷ : ۱۴)

۶۔ دوسروں کا مال باطل سے کھا جانے والے ظالم ہیں ۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا ۔ (۴ : ۳۰)

۷۔ ننانویں دنبیوں والا ، غریب کی ایک دنبی چھیننا چاہے تو یہ ظلم ہے ۔ (۳۸ : ۲۴)

۸۔ بنی اسرائیل سے کہا کچھ اور گیا تھا اور اسے انہوں نے بدل کر کچھ اور کر دیا ۔ یا اس کی جگہ وہ کچھ اور ہی کرنے لگ گئے ۔ یہ ظلم تھا ۔ (۲ : ۵۹) ۔ (۷ : ۱۶۲)

۹۔ جو لوگ یونہی زیادتی کرتے جائیں ، ان کا علاج دلیل و حجت سے نہیں ہو سکتا ۔ (۲ : ۱۵۰) ۔ (۲۹ : ۴۶)

۱۰۔ محض دنیاوی زندگی کے مفاد کو مقصود سمجھ لینا ظلم ہے جس کا نتیجہ تباہی ہے ۔ (۳ : ۱۱۶)

۱۱ ظالم ، دوسروں کی محنت پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتا ہے ۔ (۱۱ : ۱۱۶)

۱۲۔ آسمانی دعوتِ انقلاب کے مخالف ۔ (۷ : ۳۷) ۔ (۷ : ۱۰۳) ۔ (۱۰ : ۱۷) ۔ (۱۷ : ۴۷) ۔ (۲۱ : ۳)

۱۳۔ اپنے ہی جذبات کا اتباع کرنے والے (۳۰ : ۲۹) ۔ (۱۴) ۔ غیر خداوندی قوتوں کی محکومیت اختیار کرنے والے (۳۷ : ۲۲-۲۳)

۱۵۔ کسی عام قانون کی خلاف ورزی ۔ (۳ : ۱۲۷) ۔ (۴ : ۶۴) ۔ (۵ : ۳۹) ۔ مومنین سے اگر کبھی ایسا ہو جائے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لے آتے ہیں ۔ (۳ : ۱۳۵)

۱۶۔ قوم ثمود نے ناقہ کے ساتھ زیادتی کی ۔ (۱۷ : ۵۹) ۔ (۱۷) ۔ قوم سبا کے ظلم کی نوعیت ۔ (۳۴ : ۱۸ : ۱۹)

۱۸۔ خدا کے خلاف افتریٰ کرنا (یعنی اپنے آپ بات بنانا اور اسے خدا کی طرف منسوب کرنا) بہت بڑا ظلم ہے ۔ (۳ : ۹۴)

(۶ : ۲۱) ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۷ : ۳۷) ۔ (۱۰ : ۱۷) ۔ (۱۱ : ۱۸) ۔ (۱۸ : ۱۵) ۔ (۲۹ : ۶۸) ۔ (۳۹ : ۳۲) ۔ (۶۱ : ۷)

۱۹۔ تکذیبِ احکامِ خداوندی ظلم ہے۔ (۱۵۸ : ۶)۔(۳۲ : ۳۹)۔ جحود بھی (۳۳ : ۶)۔(۱۷۷ : ۷)۔(۴۹ : ۲۹)۔
غلط نظریۂ زندگی ظلم ہے۔ (۲۷ : ۱۴)

۲۰۔ مساجد اللہ کی آبادی کے راستے میں روک پیدا کرنا ظلم ہے۔ (۱۱۴ : ۲)

۲۱۔ کتمانِ شہادت (یا خدا کی طرف سے جو علم حاصل ہو اسے چھپانا) ظلم ہے۔ (۱۴۰ : ۲)

۲۲۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنا ظلم ہے۔ (۵۷ : ۱۸)۔(۲۲ : ۳۲)۔

۲۳۔ کسی کو قرض دے کر (یا ویسے ہی کچھ دیکر) راس المال سے زیادہ لینا ربوٰا (یعنی ظلم) ہے۔ (۲۷۹ : ۲)

۲۴۔ عام معاشی معاملات میں قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنا۔ اس کا نتیجہ بھوک اور خوف کا عذاب ہے ——
(۱۱۳-۱۱۲ : ۱۶)۔(۳۵ : ۱۸)۔ اختلافات پیدا کرنا ظلم ہے۔ (۶۵ : ۴۳)

۲۵۔ کسی بے گناہ کو پکڑ لینا ظلم ہے۔ (۷۹ : ۱۲)۔(۲۶)۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنا ظلم ہے۔ (۲۲۹ : ۲)

۲۷۔ جو قوانینِ خداوندی کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے (معاملات کے فیصلے نہیں کرتے) وہ ظالم ہیں۔ (۴۵ : ۵)۔
(۴۸ : ۲۴)۔(۲۸)۔ کفار سے یا دشمنوں سے دوست داری رکھنے والے ظالم ہے (۲۳ : ۹)۔(۹ : ۶۰)

۲۹۔ عام معاشرتی معاملات میں بے احتیاطی برتنا بھی ظلم ہے۔ (۱۱ : ۴۹)

۳۰۔ قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۵۴ : ۲)

۳۱۔ منافقت بھی ظلم ہے۔(۵۰-۴۹ : ۲۴)۔ یعنی اپنے فائدے کی بات ہو تو لپک کر آنا۔ ویسے اعراض برتنا۔

۳۲۔ مترفین ظالم ہوتے ہیں۔ (۱۵-۱۱ : ۲۱)۔(۳۳)۔ احکامِ خداوندی کا مذاق اڑانا ظلم ہے۔ (۶۸ : ۶)

۳۴۔ قومِ فرعون ظالم تھی۔ (۱۰ : ۲۶)۔(۲۱ : ۲۸)۔(۲۵ : ۲۸)۔(۱۱ : ۶۶)

۳۵۔ آیاتِ خداوندی کے ساتھ ظلم کرنے سے انسان خود ہی نقصان اٹھاتا ہے۔ (۹ : ۷)

۳۶۔ جو لوگوں پر ظلم کریں۔ اور بغیر الحق بغاوت کریں، وہ مجرم ہیں۔ ان کے لئے سخت سزا ہے۔ (۴۲ : ۴۲)

۳۷۔ جرم سے زیادہ سزا دینا ظلم ہے۔ (۱۶۱ : ۲)۔(۳۸)۔ دوسروں کو خدا کی راہ سے روکنا، اس میں کجی تلاش کرنا، ظلم ہے۔ (۱۹-۱۸ : ۱۱)۔(۳۹)۔ کسی مربّی سے خیانت ظلم ہے۔ (۲۳ : ۱۲)

ظالم کی سزا

۱۔ ذوالقرنین نے مفتوح قوم سے کہا کہ جو امن سے رہے گا۔ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن جو ظلم کرے گا اسے سزا

دی جائیگی ۔ (۱۸ : ۸۷)

۲۔ جوظلم کر بیٹھے لیکن اس کے بعد اسے حسنِ عمل سے بدل دے تو اسے معافی مل سکتی ہے ۔ (۴ : ۱۱۰) - (۲۷ : ۱۱) -

۳۔ یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر بعض طیب چیزیں حرام کردی گئیں ۔ (۲ ، ۹۲) - (۴ : ۱۶۰)

۴۔ ظالم اگر دنیا بھر کی دولت فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو نہیں چھوٹ سکے گا ۔ (۱۰ : ۵۴) - (۳۹ : ۴۷)

۵۔ ظلم کی سزا جہنم ہے ۔ (۴ : ۱۶۹) - (۷ : ۴۱) - (۱۸ : ۲۹) - (۱۹ : ۷۲) - (۲۱ : ۲۹) - (۲۳ : ۱۰۷) -
(۴۲ : ۳۴) - (۳۶ : ۲۲-۲۳) - (۳۷ : ۶۳) - (۳۹ : ۲۴) - (۴۳ : ۳۹) - (۵۹ : ۱۷) ———
عذاب الیم ۔ (۳۱ : ۷۶)

۶۔ ظلم کی سزا —— رجزٌ من السماء ۔ (۲ : ۵۹) - (۷ : ۱۶۲)

۷۔ جب ظلم کے نتائج سامنے آتے ہیں تو اس وقت ظالم کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے ۔ (۲ : ۱۶۵) - (۶ : ۹۴)
(۵ : ۷) - (۲۵ : ۲۷) - (۳۴ : ۳۱) - (۴۴ : ۴۲)

۸۔ ظالم کو بڑی سختی سے پکڑا جاتا ہے ۔ (۷ : ۱۶۵) - (۱۱ : ۱۰۲)

۹۔ ظلم کی وجہ سے پورا معاشرہ لپیٹ میں آجاتا ہے ۔ وہ صرف ظالمین تک محدود نہیں رہتا ۔ (۸ : ۲۵)

۱۰۔ ظالم کے لئے کسی رعایت کی بات نہیں کرنی چاہیئے ۔ (۱۱ : ۳۷) - (۲۳ : ۲۷)

۱۱۔ قومیں ظلم کی وجہ سے تباہ ہو جاتی ہیں ۔ (ثمود - ۱۱ : ۶۷) - (مدین - ۱۱ : ۹۴) - مختلف ظالم اقوام - (۶ : ۴۷) -
(۸ : ۵۴) - (۱۴ : ۴۵) - (۱۵ : ۷۸) - (۱۶ : ۱۱۲-۱۱۳) - (۲۱ : ۱۱-۱۴) - (۲۲ : ۴۵) -
(۲۶ : ۱۰) - (۲۶ : ۲۰۹) - (۲۹ : ۳۱) - مخاطبینِ رسول اللہ (۱۰ : ۵۲) - (۱۲ : ۴۶) -
جملہ اقوامِ سابقہ - (۷ : ۱۰۳) - (۱۰ : ۱۳) - (۱۱ : ۸۳) - (۱۱ : ۱۰۱) - (۱۸ : ۵۹) - (۲۳ : ۴۱) -
(۲۷ : ۵۲) - (۲۷ : ۸۵) - (۲۹ : ۱۴) - (۵۳ : ۵۲)

۱۲۔ ظالم اپنی تباہی کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہمیں کچھ اور مہلت مل جائے ۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا ۔ (۱۴ : ۴۴-۴۵) - وہ
اس کا اعتراف بصد حسرت کریں گے کہ وہ واقعی ظالم تھے ۔ (۱۶ : ۲۸) - (۱۶ : ۸۴) - (۱۹ : ۳۹) -
(۲۱ : ۴۶) - (۲۱ : ۹۷) - (۳۰ : ۵۷) - (۴۰ : ۵۲) - (۴۲ : ۲۲) - (۶۸ : ۲۹)

۱۳۔ جب مظلوم بدلہ لینے کے لئے اٹھتا ہے تو ظالم کو نظر آجاتا ہے کہ اسے کہاں پلٹ کر جانا ہے ۔ (۲۶ : ۲۲۷)

۱۴۔ ظالم کے لئے الم انگیز عذاب ۔ (۱۴ : ۲۲) - (۴۲ : ۲۱) - (۴۳ : ۶۵) - عذاب مقیم - (۲۵ : ۱۹) -

(۳۷ : ۲۵) ۔ (۴۵ : ۴۲) ۔ (۳۱ : ۷۶)
۱۵۔ ظلم خود عذاب بن کر مسلّط ہو جاتا ہے (۵۱ : ۳۹) ۔ (۱۶)۔ تمام (ہر زمانے کے) ظالموں کا انجام ایک جیسا ہوتا ہے ۔ (۵۹ : ۵۱) ۔ (۱۷)۔ ظالم کی سزا تباہی در تباہی ہوتی ہے ۔ (۴۷ : ۵۲)
۱۸۔ ظالم کی صرف داستانیں باقی رہ جاتی ہیں ۔ (۱۹ : ۴۴) ۔ (۱۹)۔ بنی اسرائیل پر ظلم کی وجہ سے عذاب صاعقہ ۔ (۱۵۳ : ۴) ۔ (۲۰)۔ سزا سے پہلے مہلت کا وقفہ ہوتا ہے ۔ اگر فوری گرفت ہو جائے تو کوئی متنفس باقی نہ رہے ۔ (۶ : ۱۳) ۔ (۴۲ : ۱۴) ۔ (۶۱ : ۱۶) ۔ (۴۸ : ۲۲)
۲۱۔ کسی قوم پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو جانا ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے (۱۱۳ - ۱۱۲ : ۱۶) ۔ عام معاشی تباہی بھی ۔ (۳۵ : ۱۸) ۔ (۲۲)۔ مترفین کا انجام ۔ تباہی ۔ (۱۵-۱۱ : ۲۱)
۲۳۔ ظالمین کا ٹھکانہ بہت بُرا ہوتا ہے ۔ (۱۵۰ : ۳)
۲۴۔ ظالم کو ظلم کی بھی سزا ملتی ہے اور اگر اس کے ظلم سے تنگ آ کر مظلوم کوئی غلط قدم اٹھائے تو اس کا بار بھی اسی کی گردن پر ہوتا ہے ۔ (۲۹ : ۵) ۔ (۲۵)۔ ظلم کا بدلہ (سزا) بہت برا ہوگا ۔ (۵۰ : ۱۸)
۲۶۔ ظالم کی جب گرفت ہوتی ہے تو اس کا کوئی دوست یا ساتھی اس کی مدد نہیں کر سکتا ۔ (۳۷ : ۳۵) ۔ (۱۸ : ۴۰)
۲۷۔ لوگوں پر ظلم کرنے والوں کی سزا سخت ہے ۔ (۴۲ : ۴۲) ۔ قیامت کے دن ان کی معذرت قبول نہیں کی جائے گی ۔ (۵۷ : ۳۰)

ظالم کامیاب نہیں ہو سکتا

۱۔ ظالم تباہ ہو جاتا ہے ۔ (خاب) ۔ (۱۱۱ : ۲۰) ۔ (۲)۔ ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی ۔ (۱۱۶ : ۳) ۔ (۱۳۵ : ۶) ۔ (۲۳ : ۱۲)
۳۔ ظالم قوم کی جڑ کٹ جاتی ہے ۔ اور دنیا اس سے اطمینان کا سانس لیتی ہے ۔ (۴۵ : ۶)
۴۔ جب تک کوئی ظلم کرتا رہے اسے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی مل ہی نہیں سکتی ۔ یعنی زندگی کی کامیابیوں کی راہ اس پر کشادہ ہی نہیں ہو سکتی ۔ (۲۵۸ : ۲) ۔ (۸۶ : ۳) ۔ (۱۶۸ : ۴) ۔ (۵۱ : ۵) ۔ (۱۴۵ : ۶) ۔ (۱۹ : ۹) ۔ (۱۰۹ : ۹) ۔ (۵۰ : ۲۸) ۔ (۱۰ : ۴۶) ۔ (۷ : ۶۱) ۔ (۵ : ۶۲)
۵۔ ظالم کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ (۲۱ : ۶) ۔ (۳۷ : ۲۸)
۶۔ ہلاک ہوتی ہی ظالم قوم ہے ۔ (۴۷ : ۶)

۷۔ خدا کے وعدے کسی قوم یا نسل سے مخصوص نہیں ہوتے۔ اگر صالح لوگوں کے اخلاف غیر صالح ہو جائیں تو ان کے لئے خدا کے وعدے نہیں ہوتے۔ ظلم کرنے والے اس سے محروم رہ جاتے ہیں - (۲ : ۱۲۴)

۸۔ ظالم، زندگی کی شادابیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ (اس پر لعنت ہوتی ہے) - (۷ : ۴۴) - (۱۱ : ۱۸) - (۱۱ : ۴۴) - (۲۲ : ۵۳) - (۹) - ظالمین کی ہلاکت یقینی ہے - (۱۴ : ۱۳)

۱۰۔ دیکھو کہ ظالمین کا انجام کیسا ہوا - (۱۰ : ۳۹) - (۲۸ : ۴۰)

۱۱۔ ظالمین کی تباہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے - (۷۱ : ۲۸) - اور گمراہی میں بھی - (۷۱ : ۲۴)

۱۲۔ خدا ظالمین کو پسند نہیں کرتا - (۳ : ۵۷) - (۳ : ۱۴۰) - (۴۲ : ۴۰)

۱۳۔ ظالم تباہ ہو جاتا ہے - صحیح نظریۂ زندگی باقی رہتا ہے - (۱۴ : ۲۷)

اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا (نیز دیکھئے ۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا)

۱۔ جس نے بیوی کو تکلیف پہنچائی اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا - (۲ : ۲۳۱) - (۶۵ : ۱)

۲۔ حضرت موسیٰ نے غلطی سے قبطی کو مار دیا تو ندامت سے کہا کہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے - (۲۸ : ۱۶)

۳۔ ملکۂ سبا کا اعتراف کہ میں نے اپنے آپ پر زیادتی کی تھی - (۲۷ : ۴۴)

۴۔ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے آپ پر زیادتی کی تھی - (۲ : ۵۱) - (۲ : ۵۴) - (۷ : ۱۴۸) - (۱۶ : ۱۱۸)

۵۔ آدم اور اس کی زوج کا اعتراف کہ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے - (۷ : ۲۳)

۶۔ تباہ ہونے والی قومیں اپنے آپ پر ظلم کرتی ہیں - (۲ : ۵۷) - (۷ : ۱۶۰) - (۱۱ : ۱۰۱) - (۳۴ : ۱۹)

۷۔ اہلِ جہنم نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا - (۴۳ : ۷۶) - (۸) - محض دنیاوی مفاد کو مقصود سمجھ لینا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے (۳ : ۱۱۷)

۹۔ قانون کی خلاف ورزی یا لغزش بھی اپنے آپ پر ظلم ہے - (۴ : ۶۴)

۱۰۔ قریش کیلنڈر میں کمی بیشی کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے - (۹ : ۳۶)

۱۱۔ امتِ مسلمہ کے تین طبقات - السابقین فی الخیرات - مقتصداً - اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے - (۳۵ : ۳۲)

۱۲۔ معاشی معاملات میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت نہ کرنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے - (۱۸ : ۳۵) - (۱۸ : ۲۹)

۱۳۔ کچھ حسن کارانہ زندگی بسر کرنے والے اور کچھ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے - (۳۷ : ۱۱۳)

۱۴۔ غلط معاشرہ میں بیٹھے رہنا اور وہاں سے ہجرت نہ کر جانا، اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے - (۴ : ۹۷)

۱۵۔ جو برائی کا کام کرے۔ یا اپنے آپ پر ظلم کرے۔ پھر توبہ کرلے تو اسے معاف کیا جاسکتا ہے۔ (۴ : ۱۱۰)

۱۶۔ تکذیبِ آیات سے لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (۷ : ۱۷۷)

خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا

۱۔ خدا کسی بستی کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا۔ اسے پہلے اس کی غلط روش کے نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ (۳ : ۱۱۶)-(۶ : ۱۳۲) (۱۱ : ۱۰۱) - (۱۱ : ۱۱۷) - (۲۸ : ۵۹)-

۲۔ قرآنی احکام وضاحت سے بیان کردیئے۔ اس لئے کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ (۳ : ۱۰۷)

۳۔ خدا اپنے بندوں کے لئے ظلم نہیں چاہتا۔ (۴۰ : ۳۱)۔ وہ اپنے بندوں پر ظلام نہیں۔ (۳ : ۱۸۲)-(۸ : ۵۱) (۲۲ : ۱۰)-(۴۱ : ۴۶)-(۵۰ : ۲۹)

۴۔ یہود کو جو سزا ملی تھی تو یہ ان پر ظلم نہیں تھا۔ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا تھا۔ (۲ : ۵۷)-(۷ : ۱۶۰)- (۱۶ : ۱۱۸)۔

۵۔ اہلِ جہنم پر خدا ظلم نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (۴۳ : ۷۶)

۶۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وہ خود ہی ظالم تھے۔ (۴۳ : ۷۶)

۷۔ خدا ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (۴ : ۴۰)- (۱۰ : ۴۴) - (۱۸ : ۴۹)

۸۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (۳ : ۱۱۶)- (۹ : ۷۰)- (۱۰ : ۴۴)- (۱۶ : ۳۳)- (۲۹ : ۴۰)- (۳۰ : ۹)

۹۔ خدا کے فیصلے حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ (۲ : ۲۸۱) - (۳ : ۲۴) - (۶ : ۱۶۱) - (۱۰ : ۴۷)-(۱۰ : ۵۴) - (۳۹ : ۶۹)

۱۰۔ ارض و سما کا سلسلہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ہر ایک کے عمل کا بدلہ پورا پورا ملے اور کسی پر ظلم نہ ہو۔ (۴۵ : ۲۲)

۱۱۔ ہر ایک کا اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک بتا دیتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ (۲۳ : ۶۲)

۱۲۔ ہر ایک کے مدارج اعمال کے مطابق متعین ہوں۔ اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے۔ اور کسی پر زیادتی نہ ہو۔ (۴۶ : ۱۹)

۱۳۔ کسی پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہ ہو۔ (۴ : ۴۹)-(۴ : ۱۲۴)- (۱۷ : ۷۱)- (۱۹ : ۶۰)

مظلوم

۱۔ مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ پکار کر اپنی فریاد کرے ۔ (۱۴۸ : ۴)
۲۔ مظلومین کو اپنی مدافعت میں جنگ کرنے کی اجازت ۔ (۳۹ : ۲۲) ۔ (۲۲۷ : ۲۶)
۳۔ مظلوم ہجرت کرتا ہے تو اس کی دنیا بھی خوشگوار ہو جاتی ہے اور آخرت بھی ۔ (۴۱ : ۱۶)
۴۔ مظلوم کو مدافعت کی اجازت ہے ۔ (۴۱ : ۴۲)
۵۔ مکہ کے مظلوم فریاد کرتے تھے کہ ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے (۷۵ : ۴)
۶۔ ظالم کے خلاف ضروری اقدامات کی اجازت ہے ۔ (۱۹۳ : ۲)
۷۔ مظلوم مقتول کا دادخواہ خود معاشرہ کو ہونا چاہیئے ۔ (۳۳ : ۱۷)

ظلم ـ بمعنی کمی کرنا ـ عدل نہ کرنا ۔ (نیز دیکھئے ۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا)

۱۔ ہر عمل کا ٹھیک نتیجہ مرتب ہوتا ہے ۔ ظلم قطعاً نہیں ہوتا ۔ (۲۷۲ : ۲) ۔ (۲۸۱ : ۲) ۔ (۲۴ : ۳) ۔ (۱۶۱ : ۳)
(۷۷ : ۴) ۔ (۱۱۱ : ۱۶) ۔ (۴۷ : ۲۱) ۔ (۵۴ : ۳۶) ۔ (۱۷ : ۴۰) ۔ (۲) ۔ ظلم کے معنی کمی ہونا ۔ (۳۳ : ۱۸)
۳۔ کسی کو قرض دے کر صرف اپنا راس المال واپس لو ۔ اس طرح نہ اپنے حق میں کمی کرو ۔ نہ کسی کے مال میں کمی ۔ (۲۷۹ : ۲)
۴۔ جو کچھ تم فی سبیل اللہ انفاق کرو گے وہ پورے کا پورا واپس کر دیا جائیگا ۔ اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ۔ (۶۰ : ۸)

ظلم بمعنی شرک

۱۔ مومن اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملوث نہیں کرتے ۔ (۸۳ : ۶) ۔ اس کے معنی عام ظلم بھی ہو سکتے ہیں ۔
۲۔ شرک ظلم عظیم ہے ۔ اس لئے کہ اس میں غیر خدا کو خدا کا مقام دے دیا جاتا ہے ۔ اور خود انسان اپنے بلند مقام سے گر کر نہایت پست سطح پر آجاتا ہے ۔ (۱۳ : ۳۱)
۳۔ غیر خداوندی قوتوں کے وعدے فریب ہوتے ہیں ۔ یہ ظلم ہے ۔ (۴۰ : ۳۵)
۴۔ یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں ہوتے ہیں ۔ (۱۱ : ۳۱)
۵۔ خدا کے سوا اوروں کو سرپرست بنا لینا ظلم ہے ۔ (۸-۹ : ۴۲) ۔ (۱۰۶ : ۱۰)

ظلمت - ظلمات

۱۔ کالی گھٹا کی رات جس میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں۔ (۱۹ : ۲)

۲۔ کافرین کے اعمال کی مثال ۔ ایسا سمندر جس میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں ۔ (۴۰ : ۲۴)

۳۔ جنین رحم مادر میں ظلمات ثلاثہ (تین پردوں) میں ہوتا ہے ۔ (۶ : ۳۹)

۴۔ تنہا عقل کی راہنمائی میں چلنے والا، چند قدم چل کر پھر تاریکیوں میں رہ جاتا ہے۔ (۱۷ : ۲) - (۲۰ : ۲)

۵۔ دانہ زمین کی تاریکیوں میں دفن ہو کر پھوٹتا ہے ۔ (۵۹ : ۶)

۶۔ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ستارے راہ نمائی کرتے ہیں۔ (۹۸ : ۶) - یہ خدا ہی کی کارفرمائی سے ہو سکتا تھا (۶۳ : ۲۷)
ان کی مشکلات سے بھی وہی نجات دلا سکتا ہے ۔ (۶۳ : ۶)

۷۔ ظلمت اور نور ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ (۱۲۳ : ۶) - (۱۶ : ۱۳) - (۲۰ : ۳۵)

۸۔ تکذیب آیات کرنے والے ، بہرے ، گونگے - ظلمات میں ہیں ۔ (۳۹ : ۶)

۹۔ حضرت یونسؑ نے مشکلات میں خدا کو پکارا ۔ (۸۷ : ۲۱)

۱۰۔ خدا، ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے ۔ (۲۵۷ : ۲) - (۱۶ : ۵) - (۱۲۳ : ۶) - قرآن یہی کرتا ہے ۔
(۱ : ۱۴) - (۹ : ۵۷) - (۱۱ : ۶۵) - غلامی سے آزادی کی طرف لے جانا ۔ (۵ : ۱۴)

۱۱۔ خدا اور ملائکہ کی صلوٰت ، ظلمات سے نور کی طرف لے جاتی ہیں ۔ (۴۳ : ۳۳)

۱۲۔ مُظلم کے معنی وہ جو تاریکی میں ہو ۔ (۲۷ : ۱۰) - (۳۷ : ۳۶)

۱۳۔ خدا انسانوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے ۔ طاغوت انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتا ہے ۔ (۲۵۷ : ۲)

۱۴۔ روشنی اور تاریکی خدا کی پیدا کردہ ہے ۔ لہٰذا مجوس کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ روشنی کا خدا یزداں ہے اور تاریکی کا اہرمن ۔ (۱ : ۶)

متفرق

۱۔ ظلم کرنے والوں کی طرف (مداہنت کی غرض سے) مت جھکو ۔ (۱۱۳ : ۱۱)

۲۔ انسان (اگر وحی کی راہ نمائی میں نہ چلے تو) بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہوتا ہے ۔ (۳۴ : ۱۴)

۳۔ انسان حملِ امانت (امانت میں خیانت) کرتا ہے۔ یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔ (۷۲ : ۳۳)

۴۔ مندر کے پجاریوں نے حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں کہا کہ ہم ہی نے زیادتی کی ہے۔ (۶۴ : ۲۱)

۵۔ اہلِ جنت کی پکار کہ ہمیں قوم الظالمین یعنی اہلِ جہنم کی معیت میں نہ رہنا پڑے۔ (۴۷ : ۷) ۔ یہی حضرت موسےؑ نے دعا مانگی۔ (۱۵۰ : ۷) ۔ رسول اللہؐ کی دعا۔ (۹۴ : ۲۳)

۶۔ ظالمین ایک دوسرے کے ساتھی ہو جاتے ہیں۔ (۱۳۰ : ۶) ۔ (۱۹ : ۴۵)

۷۔ مومنین کی دعا کہ ہم ظالمین کا تختۂ مشق نہ بن جائیں۔ (۸۵ : ۱۰)

۸۔ جو قرآن کو اس کے مقام پر نہیں رکھتا (ظالم ہے)۔ اس کے نقصان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (۸۲ : ۱۷)

۹۔ ظالم کے پنجہ سے نجات مل جانا، خدا کی رحمت ہے۔ (۲۸ : ۲۳)

۱۰۔ خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل، ظالمین سے واقف ہے۔ (۹۵ : ۲) ۔ (۲۴۶ : ۲) ۔ (۵۸ : ۶)
(۴۷ : ۹) ۔ (۷ : ۶۲)

۱۱۔ آدمؑ سے کہا گیا کہ اگر تم اس شجر کے قریب گئے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔ (۳۵ : ۲) ۔ (۱۹ : ۷)

۱۲۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ اگر آپ اپنے رفقاء کو دھتکار دیں گے تو آپ ظالمین میں سے ہو جائیں گے۔ (۵۲ : ۶) ۔ (۳۱ : ۱۱)

۱۳۔ حضرت یونسؑ کا اعتراف کہ مجھ سے زیادتی ہو گئی۔ (۸۷ : ۲۱)

۱۴۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ اگر تم ان لوگوں کے خیالات کا اتباع کرو گے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔ (۱۴۵ : ۲)

۱۵۔ غلط شہادت دینا ظلم ہے۔ (۱۰۷ : ۵)

۱۶۔ ظالم قوموں کی تباہی پر زمین و آسمان کو رونا نہیں آتا۔ (۲۹ : ۴۴) ۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ (۲۷۰ : ۲)
(۱۹۲ : ۳) ۔ (۷۲ : ۵) ۔ (۷۱ : ۲۲)

۱۷۔ ظالم کو ہزار نصیحت کرو۔ اس کا کفر بڑھتا ہی جاتا ہے۔ (۹۹ : ۱۷)

۱۸۔ مخالفین (ظالم) کہتے ہیں کہ تم ایک رجلِ مسحور کی اطاعت کیوں کرتے ہو۔ (۸ : ۲۵)

۱۹۔ قوم الظالمین کے پاس مت بیٹھو۔ (۶۸ : ۶)

۲۰۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ہم ظالمین کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۷۵ : ۱۲)

۲۱۔ قومِ حضرت ابراہیمؑ کے پجاریوں نے کہا کہ جس نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کچھ کیا ہے، وہ ظالم ہے۔ (۵۹ : ۲۱)

۲۔ ظن

ظن:۔ قرآن کریم میں ظن کا لفظ حق کے مقابلہ میں آیا ہے۔ حق، یقین محکم اور ٹھوس حقیقت کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ ہو۔ لہٰذا، ظن کے معنی قیاس آرائی ہوں گے۔ راغب نے کہا ہے کہ جب علامات سے کوئی نتیجہ مستنبط کیا جائے تو اسے ظن کہتے ہیں۔ جب علامات قوی ہوں تو یہ قیاس، علم کی طرف جھکتا ہے۔ اگر کمزور ہوں تو یہ وہم بن جاتا ہے۔ دین کا سارا مدار یقینیات پر ہے۔ اس لئے جو چیز ظنی ہو گی۔ وہ دین میں سند اور حجت نہیں ہو سکے گی۔

ظن

۱۔ ظن، حق کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ (۳۶ : ۱۰) ۔ (۲۸ : ۵۳)

۲۔ سلسلۂ کائنات کو باطل سمجھنا کفار کا ظن ہے۔ (۲۷ : ۳۸) ۔ (۳) ۔ مومنین کا باہمی ظن نیک ہونا چاہیئے۔ (۱۲ : ۲۴) ۔ (۴) ۔ دنیا کی اکثریت ظن کا اتباع کرتی ہے۔ تم ان کا اتباع مت کرو۔ (۱۱۷ : ۶) ۔ (۳۶ : ۱۰)

۵ مشرکین ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۶۶ : ۱۰)۔ (۲۳ : ۵۳) ۔ (۲۸ : ۵۳)

۶۔ عقیدۂ جبر کے ماننے والے، ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۱۴۹ : ۶)

۷۔ تصلیب حضرت مسیحؑ کے معاملہ میں اختلاف کرنے والے ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۱۵۷ : ۴)

۸۔ ظن سے ہمیشہ بچو۔ بعض ظن تو اثم بن جاتا ہے۔ (۱۲ : ۴۹)

۹۔ کفار کہیں گے کہ ہم الساعۃ کو یونہی ظنی شے سمجھتے تھے۔ حق نہیں سمجھتے تھے۔ (۳۲ : ۴۵)

۱۰۔ حیاتِ آخرت کے منکرین کا دعوےٰ علم پر مبنی نہیں ہوتا، ظن پر ہوتا ہے۔ یہاں ظن، علم کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (۲۴ : ۴۵) ۔ (۱۱) ۔ ان پڑھ لوگ کتاب اللہ کا علم نہیں رکھتے۔ محض قیاسات سے کام لیتے ہیں۔ (۷۸ : ۲)

قرآن کو نہ ماننے والے ظن کا اتباع کرتے ہیں

۱۔ یہ لوگ محض ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۳۶ : ۱۰) ۔ (۲۸ : ۵۳)

خیال کرنے کے معنوں میں

۱۔ جو لوگ خدا کے خلاف افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا خیال ہے؟ (۶۰ : ۱۰)

۲۔ جنگ کی ہونی کیوں سے ڈر کر بعض کمزور ایمان والے خدا کے متعلق زمانۂ جاہلیہ کے انداز کی قیاس آرائیاں کرنے لگ گئے۔ (۱۵۴ : ۳)۔ (۱۰ : ۳۳)۔ (۱۲ : ۴۸)

۳۔ حضرت یوسفؑ نے جو خواب کی تعبیر بتائی تھی تو وہ آپ کا ظن تھا۔ (۴۲ : ۱۲)

۴۔ خدا کے متعلق سوءظنی کرنے والوں کو سزا۔ (۶ : ۴۸)۔ (۵)۔ کفار خیال کرتے ہیں کہ وہ لوٹ کر خدا کے سامنے نہیں جائیں گے۔ (۱۴ : ۴۸)۔ (۶)۔ حضرت یونسؑ نے خیال کیا کہ خدا ان پر گرفت نہیں کرے گا۔ (۸۷ : ۲۱)

۷۔ کھیتی لہلہاتی ہے تو کفار خیال کر لیتے ہیں کہ اب خدا اس پر کوئی اقتدار نہیں رکھتا۔ (۲۴ : ۱۰)

۸۔ (مقدمے کر آنے والوں کے سلسلہ میں) حضرت داؤدؑ نے خیال کیا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (۲۴ : ۳۸)

۹۔ مرنے والے کے متعلق اس کے متعلقین کے خیالات۔ (۲۸ ؛ ۲۵ : ۷۵)

۱۰۔ اگر طلاق رجعی کے بعد میاں بیوی خیال کریں کہ وہ حد اللہ کو قائم رکھ سکیں گے تو پھر میاں بیوی بن سکتے ہیں۔ (۲۳۰ : ۲)

۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کے متعلق تم کیا خیال کئے بیٹھے ہو۔ (۸۷ : ۳۷)

۱۲۔ بادیہ نشینوں نے کہا کہ ہمارا خیال یہی ہے کہ ہم خدا کو شکست نہیں دے سکتے۔ (۷ : ۷۲)۔ (۱۲ : ۷۲)۔ اور یہ کہ لوگ خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے۔ (۵ : ۷۲)

۱۳۔ نیک بندوں کو جب اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہم خیال کرتے تھے کہ ہم نے حساب دینا ہے (یہاں ان کے "خیال کرنے" کے یہ معنی ہوں گے کہ انہیں اس کا ہر وقت احساس رہتا تھا)۔ (۲۰ : ۶۹)

۱۴۔ کفار سے کہا جائے گا کہ تم سمجھتے تھے کہ خدا کو کچھ علم ہی نہیں۔ (۲۳-۲۲ : ۴۱)

۱۵۔ مخالفین سے کہا گیا کہ تم خیال کرتے تھے کہ رسول اور مومنین میدان جنگ سے زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ (۱۲ : ۴۸)

۱۶۔ یہود خیال تک بھی نہیں کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعوں سے نکال دیا جائے گا۔ (۲ : ۵۹)

۱۷۔ مجرمین جہنم کے کنارے سمجھ لیں گے کہ وہ اس میں گرا ہی چاہتے ہیں۔ (۵۳ : ۱۸)

۱۸۔ انہوں نے خیال کیا کہ پہاڑ ان کے اوپر آگرے گا۔ (۱۷۱ : ۷)

۱۹۔ تین صحابہؓ جو پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ان کی پناہ گاہ کہیں نہیں۔ (۱۱۸ : ۹)

۲۰۔ کشتی کے مسافر خیال کرتے تھے کہ طغیانی نے انہیں گھیر لیا۔ (۲۲ : ۱۰)

۲۱۔ کشمکش حق و باطل میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جہاں یہ جماعت خیال کرتی ہے کہ ہمیں شائد غلط امیدیں دلائی گئی تھیں۔ اس وقت خدا کی نصرت آجاتی ہے۔ (۱۱۰ : ۱۲)۔ (۱۰ : ۳۳)

۲۲۔ فرعون نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ موسیٰؑ جھوٹا ہے۔ (۱۰۱ : ۱۷)۔ (۳۸ : ۲۸)۔ (۳۷ : ۴۰)۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ (۳۹ : ۲۸)۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ تیرے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ تو تباہ ہو کر رہے گا۔ (۱۰۲ : ۱۷)

۲۳۔ ابلیس نے (مجرمین) کے متعلق جیسا ظن کیا تھا، اسے سچا پایا۔ (۲۰ : ۳۴)

۲۴۔ مجرمین قیامت میں جان لیں گے کہ ان پر ایک سخت مصیبت آنے والی ہے۔ (۲۵ : ۷۵)

۲۵۔ قیامت میں لوگ خیال کریں گے کہ ہم یونہی تھوڑا سا عرصہ دنیا میں رہے ہیں۔ (۵۲ : ۱۷)

۲۶۔ قوم شعیبؑ نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ ہم خیال کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔ (۱۸۶ : ۲۶)۔ قومِ عاد نے یہی کچھ حضرت ہودؑ کے متعلق کہا۔ (۶۵ : ۷)۔ یہی قوم نوحؑ نے کہا۔ (۲۷ : ۱۱)

۲۷۔ جو خیال کرتا ہے کہ خدا اس کی دنیا میں مدد نہیں کر سکتا تو وہ قوانینِ خداوندی سے اپنا سلسلہ منقطع کر کے بتائے۔ (۱۵ : ۲۲)

۲۸۔ سرمایہ دار اس کا خیال تک دل میں نہیں لاتے کہ انہوں نے خدا کے ہاں بھی جانا ہے۔ یا وہ کبھی راستے سے ہٹائے جائیں گے۔ (۴ : ۸۳)

۲۹۔ طالوت کے لشکر میں سے وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ انہوں نے خدا کے سامنے جانا ہے، انہوں نے دوسروں کو حوصلہ دلایا (۲۴۹ : ۲)۔ انہی معنوں میں یہ لفظ (۴۶ : ۲) میں آیا ہے۔ یہاں یہ لفظ مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے اس لئے اس ظن میں یقین کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

۳۰۔ ان پڑھ لوگ، کتاب اللہ کا علم تو نہیں رکھتے، محض قیاسات سے کام لیتے ہیں۔ (۷۸ : ۲)

۳۱۔ ایک مقام پر یہ لفظ ان معنوں میں آیا ہے کہ "انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ (۴۸ : ۴۱)

۳۲۔ باغ والوں کی مثال میں۔ اس نے کہا کہ میں خیال تک نہیں کرتا تھا کہ میرا باغ تباہ ہو جائے گا۔ (۳۵ : ۱۸)

۳۳۔ انسان خوشحال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی۔ (۵۰ : ۴۱)

۳۴۔ کفار کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ قیامت محض ایک واہمہ ہے۔ (۳۲ : ۴۵)

۳۵۔ خدا کے متعلق غلط خیالات لوگوں کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۴۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ع

ا۔ عائلی زندگی

مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں مختلف عنوانات کے تحت لکھا جا چکا ہے۔ مثلاً نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ مہر وغیرہ۔ نیز "عورت" کے عنوان میں بھی بہت سے امور سامنے لائے جا چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود، بعض ایسے امور بھی ہیں جو ان عنوانات میں نہیں آ سکے، اس لئے کہ ان کا تعلق، مرد اور عورت کی خانگی زندگی کے عمومی گوشوں سے ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں انہی امور سے متعلق آیات سامنے لائی جا رہی ہیں۔

۱۔ میاں بیوی میں فکر و نظر اور عقائد و نظریات کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ اس لیے مشرک مرد سے مومن عورت کی اور مشرکہ عورت سے مومن مرد کی شادی جائز نہیں۔ یہ تضادِ نظریات کی شدید ترین مثال ہے۔ اس قسم کی شادی گھر کو جہنم بنا دیگی۔ (۲:۲۲۱)

۲۔ عورتوں کے فرائض اور حقوق مردوں کے برابر ہیں۔ (۲ : ۲۲۸)۔ صرف عدت کے معاملہ میں اتنا فرق ہے کہ عورت کے لئے عدت ہوتی ہے، مرد کے لئے نہیں۔

۳۔ نکاح پسندیدہ عورتوں سے کیا جائے گا۔ (۴ : ۳)۔ اسی طرح، عورت کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح جائز نہیں ہوگا۔ (۴ : ۱۹)۔

۴۔ عورتوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ کوئی بات اگر ناگوار بھی گذرے تو ذرا تحمل سے کام لو۔ (۴ : ۱۹)

۵۔ نکاح ایک معاہدہ ہے۔ (۴ : ۲۱)

۶۔ نکاح سے مقصود شہوت رانی (مادۂ تولید کا بہانا) نہیں۔ اُسے رحم میں محفوظ کرنا ہے (۴ : ۲۴)

۷۔ اگر عورت کچھ کماتی ہے تو مرد اس کا زبردستی مالک نہیں بن سکتا۔ (۴ : ۳۲)

۸۔ بعض خصوصیات مردوں میں ایسی ہیں جو عورتوں میں نہیں۔ بعض عورتوں میں ایسی ہیں جو مردوں میں نہیں۔ اس

اعتبار سے، نہ مرد عورتوں سے افضل ہیں نہ عورتیں مردوں سے افضل۔ (۴ : ۳۴)

۹۔ عائلی زندگی میں اکتسابِ رزق (گھر کی ضروریات کا پورا کرنا) مرد کی ذمہ داری ہے۔ الرجال قوامون علی النساء سے یہی مراد ہے ۔ (۴ : ۳۴)

۱۰۔ عورت کی طرف سے سرکشی کا ڈر ہو تو پند و نصائح سے اصلاح کی کوشش کرو۔ اور اگر معاملہ آگے بڑھ جائے تو عدالت کی طرف رجوع کرو۔ وہ اسے مجرم ثابت ہونے پر سزا بھی دے سکتی ہے۔ (۴ : ۳۴) ۔ یہی پوزیشن مرد کی طرف سے سرکشی کی صورت میں ہے ۔ (۴ : ۱۲۸)

۱۱۔ میاں بیوی میں اختلاف بڑھ جائے تو معاشرہ کا فریضہ ہے کہ ان میں مصالحت کی خاطر، ایک ثالثی بورڈ بٹھائے جس کا ایک ممبر، مرد کے خاندان سے ہو اور ایک عورت کے خاندان سے ۔ (۴ : ۳۵)

۱۲۔ ایک سے زیادہ بیوی صرف اس صورت میں کی جا سکتی ہے جب معاشرہ میں بیوہ عورتیں اور یتیم نوجوان لڑکیاں اتنی کثرت سے رہ جائیں کہ ان کی حفاظت کا کوئی اور انتظام نہ ہو سکے۔ اس صورت میں بھی بیویوں سے عدل کرنا ضروری ہے ۔ (۴ : ۳) ۔ لیکن یہ عدل حسنِ سلوک تک محدود ہو سکتا ہے۔ جذباتی عدل ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا ہی کیا جا سکتا ہے کہ مرد کسی ایک بیوی کی طرف ایسا نہ جھک جائے کہ دوسری "کالمعلقہ" رہ جائے ۔ (۴ : ۱۲۹) ۔ اگر ایسی شکل باقی نہ رہے تو انہیں علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ (۴ : ۱۳۰)

۱۳۔ رسول بھی بیوی بچوں کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے ۔ (۱۳ : ۳۸)

۱۴۔ بیوی بچوں کی محبت وجہِ جاذبیت بنائی گئی ہے ۔ (۳ : ۱۳) ۔ (۱۶ : ۷۲) ۔ لیکن ان کی خاطر کوئی ناجائز کام نہیں کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں یہ فتنہ بن جائیں گے اور تمہارے دشمن۔ (۸ : ۲۸) ۔ (۹ : ۲۴) ۔ (۱۱ : ۴۵ - ۴۶) ۔ (۱۷ : ۵۸) ۔ (۹ : ۶۳) ۔ (۶۴ : ۱۴-۱۵)

۱۵۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ اپنے اہل کو بھی جہنم سے بچانے کی کوشش کرے۔ اہل میں عام رفقاء بھی شامل ہیں اور اہلِ خاندان بھی ۔ (۶۶ : ۶)

۱۶۔ میاں بیوی کے تعلقات، جسم اور لباس کے سے ہونے چاہئیں۔ (۲ : ۱۸۷)

۱۷۔ معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجرد افراد کے نکاح کا انتظام کرے ۔ (۲۴ : ۳۲)

۱۸۔ اگر نکاح کی استطاعت نہ ہو تو پھر اپنی عفت کو محفوظ رکھو۔ اس سے واضح ہے کہ جنسی جذبہ میں اضطراری حالت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کھانے پینے کی صورت میں اضطراری حالت میں تو حرام کھانے کی اجازت دی گئی، جنسی جذبہ

کی تسکین کے لیے اس کی اجازت نہیں دی گئی - (۳۲ : ۲۴)

۱۹- نسبی رشتوں کے ساتھ، سسرال کے رشتوں کا ذکر - (۵۴ : ۲۵)

۲۰- میاں بیوی کا رشتہ باہمی تسکین، مودّت اور رحمت کے لیے ہے - ایسے تعلقات آیاتِ خداوندی میں سے ہیں (۱۸۹ : ۷) - (۲۱ : ۳۰) - (۲۱)- منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا - (۴ : ۳۳)

۲۲- مردوں اور عورتوں کی یکساں صفات - (۳۵ : ۳۳)-(۵ : ۶۶)

۲۳- خیالات اور زاویۂ نگاہ میں اختلاف ہو تو علیحدہ ہو جانا چاہیئے - (۲۸ : ۳۳)

۲۴- ان حالتوں میں مباشرت منع ہے - ایامِ حیض میں (۲۲۲ : ۲)- حالتِ روزہ میں (۱۸۷ : ۲)- اور حالتِ اعتکاف میں - (۱۸۷ : ۲)

۲- (قومِ) عاد

قرآن کریم بتاتا ہے کہ حضرت ہودؑ، قومِ عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے - یہ قوم، حضرت نوحؑ کی جانشین تھی - جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ابتدا بہت قدیم زمانہ میں ہوئی تھی - سامؔ کے بیٹے ارمؔ کی نسبت سے انہیں عادِ ارمؔ بھی کہا جاتا ہے اس کی پہلی نسل کو عادِ اولیٰ کہا گیا ہے - اور اس کی تباہی کے بعد اگلی نسل کو عادِ ثانیہ - یہ احقاف کے علاقہ میں بستی تھی - جس کے معنی ریگستانی صحرا کے ہیں - یہ عرب کا وہی علاقہ ہے جسے اب رُبعِ خالیہ کہا جاتا ہے -

اس قوم کے حالات کے سلسلہ میں (حضرت) ہودؔ کا عنوان بھی دیکھیئے - (تفصیلی کوائف میری کتاب — جوئے نُور - میں ملیں گے)

قومِ عاد

۱- قومِ عادؔ نے حضرت ہودؔ کی مخالفت کی اور اپنے مستبد امراء کا اتباع کیا - وہ ہلاک ہو گئی - اس دنیا میں بھی لعنت اس کے پیچھے رہی اور قیامت میں بھی - (۶۰-۵۸ : ۱۱)

۲- قومِ عادؔ نے مرسلین کی تکذیب کی - اور آخر الامر حضرت ہودؔ کے زمانے میں تباہ ہو گئی - (۷۴-۷۱ : ۷) —

(۷ : ۱۲۳ - ۱۳۶) — (۴۱ : ۱۳) — (۴۱ : ۱۶) — (۴۶ : ۲۱ - ۲۵) — (۵۱ : ۴۱) —
(۵۴ : ۱۷ - ۲۱) — (۶۹ : ۴ ، ۸)

۳۔ قومِ عادؔ کو رزق بھی فراوانی سے حاصل تھا اور سامانِ آسائش و افراد کی بھی کثرت تھی (۷ : ۶۹) - (۲۶ : ۱۲۸ ز ۳۳) (۸۹ : ۸)

۴۔ اس قوم کے جرائم پیشہ بڑے مستبد اور سخت گیر تھے - (۲۶ : ۱۳۰) - استکبار فی الارض (۴۱ : ۱۵)

۵۔ قومِ ثمود، قومِ عادؔ کی جانشین تھی - (۷ : ۷۴) - اور قومِ نوحؑ کی جانشین، قوم عاد تھی - (۷ : ۶۹)

۶۔ انہیں بڑا تمکن حاصل تھا - اور وہ علم و ہنر میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے - لیکن جب انہوں نے قوانینِ خداوندی کی مخالفت کی تو ان کا علم و ہنر ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ تباہ ہو گئے - (۴۶ : ۲۶) - وہ مستبصرین تھے - (۲۹ : ۳۸)

۷۔ عادؔ کی طرف سے، ان کے بھائی بندوں میں سے (حضرت) ہودؑ مبعوث ہوئے تھے - (۷ : ۶۵) - (۱۱ : ۵۰)

۸۔ عادِ ارم، ذات العماد - (۸۹ : ۶-۸)

۹۔ دیگر اقوام کے ضمن میں عادؔ کا نام - (۹ : ۷۰) - (۱۴ : ۹) - (۲۲ : ۴۲) - (۲۵ : ۳۸) - (۳۸ : ۱۲) - (۴۰ : ۳۱) - (۵۰ : ۱۳) - (۱۰) - عادِ اولیٰ کی تباہی - (۵۳ : ۵۰)

۱۰۔

———(۰)———

۲۔ عاقبت

تعاقب کے معنی پیچھا کرنا ہیں۔ عام طور پر یہ لفظ کسی مجرم کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کرنے اور جرم کی سزا دینے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس لئے "عقوبت" کا لفظ سزا کے لئے آتا ہے۔ لیکن عاقبت کے معنی انجام کے ہیں، خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ ہمارے ہاں عاقبت، آخرت اور قیامت کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد، مرنے کے بعد کا انجام ہی ہو۔ اس دنیا کی زندگی میں بھی مآلِ کار یا انجام کے لئے یہ لفظ آتا ہے۔ اصل مقصد اس قسم کے تمام الفاظ سے "مکافاتِ عمل" ہے۔ یعنی اعمالِ انسانی کا آخری نتیجہ — خواہ وہ اس دنیا میں سامنے آجائے یا مرنے کے بعد۔ قرآن کریم میں اکثر اوقات یہ لفظ، حیاتِ ارض یا حیاتِ اخروی میں۔ انجام کے متعلق متعین طور پر آتا ہے۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق سے سمجھنا ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اس دنیا میں حق اور باطل کا ٹکراؤ ہوتا رہے گا۔ لیکن انجام کار کامیابی اس جماعت کی ہوگی جو حق کی علمبردار ہوگی۔ ان کی یہ کامیابی اس دنیا کی زندگی میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا، قرآن کریم میں جہاں مومنین اور متقین کی "عاقبت" کا ذکر آئے، وہاں اس حقیقت کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے (اس سلسلہ میں فلاح۔ فوز۔ نصرت وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے۔ نیز حق اور باطل کے عنوانات بھی)۔

عاقبت دنیا میں

۱۔ دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے والوں کی عاقبت کیا ہوئی۔ (۱۳۷ : ۳) - (۱۱ : ۶) -
(۷ : ۸۴) — (۷ : ۸۶) — (۷ : ۱۰۳) — (۱۰ : ۲۹) — (۱۰ : ۷۳) — (۱۲ : ۱۰۹) —
(۱۶ : ۳۶) — (۲۷ : ۱۴) — (۲۷ : ۵۱) — (۲۷ : ۶۹) — (۲۸ : ۴۰) — (۳۰ : ۹) —
(۳۰ : ۱۰) — (۳۰ : ۴۲) — (۳۵ : ۴۴) — (۳۷ : ۷۳) — (۴۰ : ۲۱) — (۴۰ : ۸۲) —
(۴۳ : ۲۵) — (۴۷ : ۱۰) — (۶۵ : ۸-۹)

۲۔ عاقبۃ للمتقین - (۷ : ۱۲۸) - (۱۱ : ۴۹) - (۲۰ : ۱۳۲) - (۲۸ : ۸۳)

عاقبتِ اُخروی

کفار کی عاقبت عذاب النار - (۵۹ : ۱۷)

عِقاب

۱۔ خدا شدید العقاب ہے - (۲ : ۱۹۶) - (۲ : ۲۱۱) - (۳ : ۱۰) - (۵ : ۲) - (۵ : ۹۸) -
(۶ : ۱۶۵) - (۷ : ۱۶۷) - (۸ : ۱۳) - (۸ : ۲۵) - (۸ : ۴۸) - (۱۳ : ۶) - (۸:۵۲)
(۴۰ : ۳) - (۴۰ : ۲۲) - (۴۱ : ۴۳) - (۵۹ : ۴) - (۵۹ : ۷)

۲۔ دیکھا! خدا کا عِقاب کیا تھا! (۱۳ : ۳۲) - (۳۸ : ۱۴) - (۴۰ : ۵)

عقبی الدار

۱۔ مؤمنین کا عقبی الدار (انجام کار) - (۲۲ : ۱۳) - (۲۴ : ۱۳) - (۳۵ : ۱۳)

۲۔ کافرین کا عقبی النار (۳۵ : ۱۳)۔

۳۔ کفار عنقریب جان لیں گے کہ عقبی الدار کس کے لئے ہے۔ (۱۳۵ : ۶) - (۴۲ : ۱۳) - (۳۷ : ۲۸)

منفرق

۱۔ خدا "خیر عقبا" ہے یعنی بہترین بدلہ دینے والا۔ (۴۴ : ۱۸)

۲۔ خدا کا قانون، سزا دیتے وقت اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ (۱۵ : ۹۱)

۳۔ عاقبۃ الامور خدا کے لئے ہے۔ (۴۱ : ۲۲) - (۲۲ : ۳۱)

۴۔ خدا کے فیصلے کا پیچھا کرنے والا کوئی نہیں۔ (۴۱ : ۱۳) - (۵) - ہر شخص کے پیچھے نگرانِ اعمال لگے ہوئے ہیں۔ (۱۱ : ۱۳) - (۶) بدلہ یا جرم کی سزا - سزا مطابق جرم - (۱۲۶ : ۱۶) - (۶۰ : ۲۲)

۷۔ منافقت کی سزا - (۷۷ : ۹) - (۸) - دین کی دشوار گزار گھاٹی کو العقبۃ کہا گیا ہے۔ (۱۲-۱۱ : ۹۰)

۹۔ اعقاب کا لفظ پیچھے مڑ جانے یا دین سے پھر جانے کے لئے بھی آتا ہے۔ لیکن اس مفہوم کا تعلق زیرِ نظر عنوان سے نہیں اس لئے ان آیات کا حوالہ یہاں نہیں دیا گیا۔

(۰)

۴۔ عبادت

دین کی بنیاد "عبادت" پر ہے اس لئے اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ عَبد کے معنی غلام اور محکوم کے ہوتے ہیں۔ اس لئے عبادت کے معنی ہیں کسی کی محکومی اور اطاعت اختیار کرنا۔ دین کی بنیاد اس اصولِ محکم پر ہے کہ اطاعت اور محکومیت قوانینِ خداوندی کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اسی کا نام خدا کی عبادت ہے۔ یعنی ہر معاملہ میں قوانین و احکامِ خداوندی کی اطاعت کرنا۔

جب دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو عبادت سے مراد پرستش ہو جاتی ہے۔ پرستش کا تصور دینی (قرآنی) نہیں۔ دین میں خدا کی پرستش نہیں کی جاتی۔ اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ خدا کے لئے آئے گا تو اس کے معنی خدا کی اطاعت ہوں گے لیکن جب یہ لفظ کفار اور مشرکین کے سلسلہ میں آئے گا تو وہاں (ان کے تصور کی رد سے) اس سے مراد پرستش ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اپنے معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور اس کے لئے یہی لفظ بولتے تھے۔ قرآن نے ان مقامات میں اس لفظ کو انہی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ دین اور مذہب میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اطاعت اور محکومیت میں یہ بات ہر وقت دیکھی اور پرکھی جا سکتی ہے کہ خدا کی "عبادت" ہو رہی ہے یا نہیں۔ لیکن "پرستش" محض ایک داخلی جذبہ ہے یا قیاسی تسکین (فریبِ نفس) جسے دیکھا یا پرکھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے ہر پرستش کرنے والا، اپنے دل میں مطمئن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ اطاعت (دین کی عبادت) میں نہ ایسا فریب دیا جا سکتا ہے نہ اس قسم کا جھوٹا اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ معبود کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس کی جگہ الٰہ کا لفظ آیا ہے۔ (دیکھئے عنوان الٰہ)

۳۔ قرآن میں ایک جگہ عابدین کا لفظ عَبِدَ - یَعْبَدُ سے آیا ہے (ورنہ ہر جگہ یہ عَبَدَ - یَعْبُدُ سے آیا ہے)۔ وہاں اس کے معنی نفرت کرنے والے کے ہیں (۴۳ : ۸۱)

۴۔ اس عنوان میں جہاں جہاں یہ لکھا جائے گا کہ "ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں" (یا اسی قسم کے اور الفاظ) تو اس سے مراد ہوگی۔ ہم صرف قوانین و احکامِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔

(اس کے ساتھ اطاعت۔ حکومت۔ الٰہ۔ وغیرہ عنوانات بھی دیکھ لینے ضروری ہیں)

عبادت بمعنی محکومی

۱۔ کوئی بشر بھی، جسے نبوت۔ حکومت یا کتاب ملی ہو، لوگوں سے یہ نہیں کہے گا کہ تم میرے بندے بن جاؤ۔ (۳ : ۷۸)

۲۔ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ (۱۸ : ۱۱۰)۔ دوسری جگہ حکم آیا ہے۔ (۱۸ : ۲۶)

۳۔ عباد بمعنی غلام (۲ : ۱۷۸)۔ (۲ : ۲۲۱)۔ (۱۶ : ۷۵)۔ (۱۹ : ۹۳)۔ (۲۴ : ۳۲)

۴۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا محکوم بنا لیا تھا۔ (۲۳ : ۴۷)۔ (۲۶ : ۲۲)

۵۔ قومِ فرعون نے کہا کہ قومِ موسیٰؑ تو ہماری عابد (محکوم) ہے۔ (۲۳ : ۴۷)

۶۔ وعظِ یوسفی (۱۲ : ۴۰)۔ خدا کے سوا کسی کی محکومیت جائز نہیں۔ حقِ حکومت صرف اس کو حاصل ہے۔

۷۔ خدا کی عبودیت کنارے پہ کھڑے ہو کر کرنے والے۔ (۱۱ : ۲۲)

۸۔ خدا نے جن و انس کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ اس کی محکومیت اختیار کریں۔ (۵۶ : ۵۱)

۹۔ عبادتِ خداوندی کے لئے اپنی آزاد مملکت کی ضرورت۔ (۵۵ : ۲۴)

۱۰۔ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمہاری ہی طرح کے بشر ہیں۔ (۱۹۴ : ۷)

۱۱۔ کائنات کی ہر شے خدا کے لئے ہے۔ جو اس کے پاس ہیں اس کی عبودیت سے تکبر نہیں کرتے۔ (۱۹ : ۲۱)

۱۲۔ ایاک نعبد۔ ہم تیری ہی محکومیت اختیار کرتے ہیں۔ (۵ : ۱)

عبادت بمعنی پرستش

۱۔ معبودانِ باطل اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ (۲۹-۲۸ : ۱۰) - (۸۲ : ۱۹)
(۱۸-۱۷ : ۲۵) - (۶ : ۴۶)

۲۔ قومِ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ ہمارے آباء و اجداد ان بتوں کے عابد تھے۔ (۵۳ : ۲۱) - (۶۶ : ۲۱) - (۷۰ : ۲۶)
(۷۵-۷۴ : ۲۶) - (۸۵ و ۹۵ : ۳۷) - (۲۶ : ۴۳) - (۴ : ۶۰)

۳۔ ملکۂ سبا باطل معبودوں کی پرستش کرتی تھی۔ (۴۳ : ۲۷)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ تم ان اندھے بہرے بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ (۴۲ : ۱۹)

۵۔ معبودانِ باطل کوئی اختیار و اقتدار نہیں رکھتے۔ (۷۶ : ۵) - (۱۸ : ۱۰) - (۷۳ : ۱۶) - (۶۷-۶۶ : ۲۱) -
(۵۵ : ۲۵) - (۱۷ : ۲۹) - وہ تمہارے ہی جیسے بشر ہیں۔ (۱۹۴ : ۷)

۶۔ رسول اللہؐ نے کفار سے کہا کہ تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جائیں گے۔ (۹۸ : ۲۱) - (۲۲ : ۳۷) - (۹۳-۹۱ : ۲۶)

۷۔ قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے کیوں روکتے ہو۔ (۶۲ : ۱۱) - یہی قومِ عاد نے
کہا۔ (۷۰ : ۷) - (۸) - حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ میں اور میری اولاد اصنام کی پرستش نہ کرے۔ (۳۵ : ۱۴)

۹۔ معبودانِ باطل کی پرستش کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش صرف خدا کے مقرب بننے کے لئے کرتے ہیں (۳ : ۳۹) -
یہ ہمارے شفعاء ہیں۔ (۱۸ : ۱۰)

۱۰۔ تمام قوموں نے یہی اعتراض کیا کہ ہم جن کی پرستش کرتے ہیں، انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ (۱۰ : ۱۴)

۱۱۔ ملائکہ سے پوچھا جائے گا۔ کہ کیا یہ تمہاری پرستش کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ یہ جنات کی پرستش کرتے تھے۔ (۴۱-۴۰ : ۳۴)

۱۲۔ قومِ شعیبؑ کی پرستش - (۸۷ : ۱۱)　　(۱۳) مشرکینِ عرب کی پرستش - (۱۰۹ : ۱۱)

۱۴۔ مشرکین اپنی پرستش سے انکار کریں گے - (۲۸ : ۶۳)

ہر رسول کو خدا کی عبودیت کا حکم دیا گیا تھا

۱۔ حضرت نوحؑ - (۲۶ : ۱۱) - (۲۳ : ۲۳) - (۳ : ۷۱) - حضرت ہودؑ (۶۵ : ۷) - (۷۰ : ۷) - (۵۰ : ۱۱) -
(۳۲ : ۲۳) - حضرت صالحؑ - (۴۵ : ۷) - (۶۱ : ۱۱) - (۴۵ : ۲۷) - (۲۱ : ۴۶) - حضرت ابراہیمؑ -
(۵۵ : ۱۴) - (۱۶ : ۲۹) - انہوں نے اپنے والد سے کہا تھا کہ شیطان کی معبودیت مت اختیار کرو - (۴۴ : ۱۹) -
(۶۶ : ۲۱) - (۶۷ : ۲۱) - (۷۵ - ۴۰ : ۲۶) - (۲۶ : ۴۳) - (۴ : ۶۰) - حضرت شعیبؑ - (۸۴ : ۱۱)
(۸۶ : ۱۱) - (۳۶ : ۲۹) - حضرت عیسٰیؑ (۵۰ : ۳) - (۷۲ : ۵) - (۱۱۷ : ۵) - (۳۶ : ۱۹) -

۲۔ ہر رسول کی یہی تعلیم تھی - (۱۰ : ۱۴) - (۳۶ : ۱۶) - (۲۵ : ۲۱) - (۱۴ : ۴۱) -

۳۔ ہر رسول کو یہی حکم تھا - (۹۲ : ۲۱) -　　(۴) - حضرت یوسفؑ کا وعظ - (۴۰ : ۱۲)

۵۔ بنی اسرائیل سے یہی عہد لیا گیا تھا - (۸۳ : ۲) - نصاریٰ سے بھی - (۳۱ : ۹)

۶۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد سے یہی عہد لیا تھا - (۱۳۳ : ۲) - (۷) - تمام اہلِ کتاب کو یہی حکم دیا گیا تھا - (۵ : ۹۸)

۸۔ اصحابِ کہف نے بھی غیر اللہ کی عبودیت اختیار کرنے والوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی - (۱۶ : ۱۸) - حضرت ابراہیمؑ نے بھی -
(۴۹ : ۱۹)

قرآن (رسول اللہ) نے بھی خالص خدا کی عبودیت (محکومیت) کا حکم دیا

۱۔ جو ہماری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں گے - (۱۷۲ : ۴) - (۶۰ : ۴۰)

۲۔ کوئی رسول (نبوت - حکومت - کتاب کا حامل کوئی انسان بھی) لوگوں سے یہ نہیں کہے گا کہ تم میرے بندے (محکوم) بن جاؤ -
(۷۸ : ۳) - (۳) - خدا اپنی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا - (۱۱۰ : ۱۸) - یعنی حکومت میں - (۲۶ : ۱۸)

۴۔ جو خدا کے قریب ہیں، وہ خدا کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے - (۲۰۶ : ۷) - (۱۹ : ۲۱)

۵۔ خدا کی عبادت پر جم کر رہو - (۶۵ : ۱۹)

۶۔ اے جاہلو! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت اختیار کر دوں - (۶۴ : ۳۹)

۷۔ میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف خدا کی عبادت اختیار کرونگا۔ (۱۰۴ : ۱۰)

۸۔ اطاعت کو خدا کے لئے خالص کرتے ہوئے صرف اسی کی عبودیت۔ (۱۱ : ۳۹)

۹۔ میں کیوں نہ اس خدا کی عبودیت اختیار کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ (۲۲ : ۳۶)

۱۰۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبودیت اختیار کروں۔ (۵۶ : ۶) - (۶۶ : ۴۰)

۱۱۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدا کی عبودیت اختیار کروں۔ (۳۶ : ۱۳) - (۹۱ : ۲۷) - (۱۱ : ۳۹)

۱۲۔ صرف خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ (۹۹ : ۱۵) - (۲ : ۳۹) - (۶۶ : ۳۹) - حضرت موسٰیؑ کو حکم۔ (۱۴ : ۲۰) -
تمام نوعِ انسان کو (۲۱ : ۲) - بنی اسرائیل کو حکم۔ (۷۲ : ۵)

۱۳۔ میں صرف خدا کی عبودیت اختیار کرتا ہوں۔ تم جس کی جی چاہے اختیار کرو۔ (۱۵-۱۴ : ۳۹)

۱۴۔ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ (۳۶ : ۴) - (۱۰۳ : ۶) - (۳ : ۱۰) - (۱۲۳ : ۱۱) - (۷۷ : ۲۲) -
(۵۶ : ۲۹) - (۴۳ : ۶۴) - (۶۲ : ۵۳)

۱۵۔ نوعِ انسان سے کہا گیا کہ شیطان کی عبودیت مت اختیار کرو۔ خدا کی کرو۔ (۶۱-۶۰ : ۳۶)

۱۶۔ رسول اللہ کو حکم کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ اور پھر اس کے ساتھ التزاماً متمسک رہو۔ (۶۵ : ۱۹)

۱۷۔ خدا کا فیصلہ یہی ہے۔ (۲۳ : ۱۷)

۱۸۔ اگر تم خدا کی عبودیت اختیار رکھتے ہو تو رزق حلال کھاؤ۔ (۱۷۲ : ۲) - (۱۱۴ : ۱۶) - صرف خدا کے آگے جھکو۔
(۳۷ : ۴۱)۔ (۱۹) - تمام نوعِ انسان سے کہا گیا کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ اور ذرائع رزق کی ملکیت میں اس
کے ہمسر قرار نہ دو۔ (۲۲-۲۱ : ۲) - (۱۷ : ۲۹)

۲۰۔ مومنین کا اقرار - ہم تیری ہی معبودیت اختیار کرتے ہیں۔ (۴ : ۱)

۲۱۔ اہلِ کتاب سے کہا گیا کہ آؤ اس قدرِ مشترک کی طرف کہ خدا کے سوائے کسی کی معبودیت اختیار نہ کی جائے۔ (۶۴ : ۳)

۲۲۔ قریش سے کہا گیا کہ ربّ کعبہ کی عبودیت اختیار کریں۔ (۳ : ۱۰۶)

۲۳۔ اعلان کہ خدا نے کبھی کسی قوم سے نہیں کہا تھا کہ وہ خدا کے علاوہ کسی اور کی معبودیت اختیار کریں۔ (۴۵ : ۴۳) -
اس کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ (۷۱ : ۲۲)

عبادالرحمٰن خدا کے بندے - (عام انسانوں سے متعلق بھی بعض آیات آگئی ہیں)

۱۔ جنہیں تم خدا کی اولاد قرار دیتے ہو، وہ اس کے مکرم بندے ہیں۔ (۲۶ : ۲۱)

۲۔ جنت کے چشمے خدا کے بندے کے اندر سے نکلیں گے۔ (۶ : ۷۶)

۳۔ خدا کے مخلص بندے شرک کی باتیں نہیں کرتے۔ (۱۶۰ : ۳۷)

۴۔ کفار کہیں گے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی رسول آتا تو ہم خدا کے مخلص بندے بن جاتے۔ (۱۶۹ : ۳۷)

۵۔ وہ بندے جو صحیح بات کا اتباع کرتے ہیں، ان کے لئے بشارت ہے۔ (۱۷ : ۳۹)

۶۔ یہ لوگ ملائکہ کو، جو خدا کے بندے ہیں۔ اناث کہتے ہیں۔ (۱۹ : ۴۳)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ خدا کے بندوں کو میرے ساتھ جانے دے۔ (۱۸ : ۴۴)

۸۔ ان سے کہو کہ اے میرے بندو! تقویٰ اختیار کرو۔ (۱۰ : ۳۹) - (۱۶ : ۳۹)

۹۔ خدا کے بندے اکڑ کر نہیں چلتے۔ (۶۳ : ۲۵)

۱۰۔ خدا خبیر بصیر بالعباد ہے۔ (۱۴ : ۳) - (۱۷ : ۱۷) - (۳۰ : ۱۷) - (۵۸ : ۲۵) - (۴۵ ؛ ۳۱ : ۳۵)
(۴۴ : ۴۰) - (۲۷ : ۴۲) - (۱۱) - خدا رؤف بالعباد ہے۔ (۲۰۷ : ۲)- لطیف ہے۔ (۱۹ : ۴۲)

۱۲۔ واحسرتا! یہ بندے رسولوں کے ساتھ استہزا کرتے رہے۔ (۳۰ : ۳۶)

۱۳۔ خدا بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ (۱۸۱ : ۳) - (۵۱ : ۸) - (۱۰ : ۲۲) - (۳۱ : ۴۰) - (۴۶ : ۴۱)
(۲۹ : ۵۰) - (۱۴)۔ خدا اپنے بندوں پر قاہر ہے۔ (۶۱ : ۶)

۱۵۔ حضرت نوحؑ نے خدا سے کہا کہ اگر تو ان کفار کو ایسے ہی چھوڑ دے گا۔ تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔ (۲۷ : ۷۱)

۱۶۔ خدا اپنے بندوں میں فیصلہ کرتا ہے۔ (۴۶ : ۳۹)

۱۷۔ ابلیس، خدا کے مخلص بندوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ (۴۰ : ۱۵) - (۸۳ : ۳۸)۔ اگرچہ اس نے دعوے کیا تھا کہ میں ایسا کروں گا۔ (۱۸ : ۴) - (۴۲ : ۱۵) - (۶۵ : ۱۷)

۱۸۔ خدا نے اپنے بندوں سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۶۱ : ۱۹)۔ اور انہیں اس کا وارث بنایا جائے گا۔
(۶۳ : ۱۹) - (۲۳ : ۴۲) -

۱۹۔ خدا نے اپنے منتخب بندوں کو قرآن کا وارث بنایا۔ (۳۲ : ۳۵)

۲۰۔ خدا اپنے بندوں کو اپنی مشیت کے مطابق قرآن کے ذریعے راہ نمائی دیتا ہے ۔ (۵۲ : ۴۲)
۲۱۔ اگر اللہ اپنے بندوں پہ رزق کھول دے وہ بغاوت کر اٹھیں ۔ (۲۷ : ۴۲)
۲۳۔ اللہ کے منتخب بندوں پر سلام ۔ (۵۹ : ۲۷) ۔ (۲۴)۔ خدا کی سنت جو اس کے بندوں میں چلی آ رہی ہے (۸۵ : ۴۰)
۲۵۔ خدا نے اپنے بندوں کے لئے جو زینت کی چیزیں پیدا کی ہیں انہیں کون حرام قرار دے سکتا ہے ۔ (۳۲ : ۷)
۲۶۔ وہ اپنے بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا ۔ (۷ : ۳۹)
۲۷۔ اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین وسیع ہے ۔ اس لئے میری ہی عبودیت اختیار کرو۔ (۵۶ : ۲۹)
۲۸۔ اے میرے بندو جو زیادتی کر بیٹھے ہو ۔ میری رحمت سے نا امید مت ہو ۔ (۵۳ : ۳۹)
۲۹۔ حضرت موسےٰعؑ سے کہا کہ میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ ۔ (۷۷ : ۲۰) ۔ (۵۲ : ۲۶) ۔ (۲۳ : ۴۴)
۳۰۔ خدا کے بندوں میں داخل ہونے کے بعد جنت میں داخلہ ہوگا ۔ (۲۹ : ۸۹)
۳۱۔ اے ایمان والے بندو! اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کرو ۔ (۳۱ : ۱۴)
۳۲۔ میرے بندوں سے کہو کہ بات اچھی کیا کریں ۔ (۵۳ : ۱۷)
۳۳۔ خدا کے بندے ایمان والے ہوتے ہیں ۔ (۱۰۹ : ۲۳)
۳۴۔ مظاہرِ فطرت میں ہر عبدِ منیب کے لئے نشانیاں ہیں ۔ (۹ : ۳۴) ۔ (۸ : ۵۰)

رسول بھی خدا کے عبد ہوتے تھے

۱۔ حضرت نوحؑ، عبد شکور تھے ۔ (۳ : ۱۷) ۔ (۹ : ۵۴)
۲۔ حضرت عیسےٰؑ (۱۷۲ : ۴) اور ملائکہ بھی ۔ (۳۰ : ۱۹) ۔ (۵۹ : ۴۳)
۳۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر دے ۔ (۱۹ : ۲۷)
۴۔ حضرت ابراہیمؑ ۔ اسحٰقؑ ۔ یعقوبؑ کے بندے تھے ۔ (۱۱۲ : ۳۷) ۔ (۴۵ : ۳۸)
۵۔ سب رسول خدا کے بندے تھے ۔ (۱۷۱ : ۳۷) ۔ (۶) حضرت یوسفؑ ۔ (۲۴ : ۱۲)
۷۔ حضرت موسٰیؑ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو ملے (قرآن سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کوئی خدا کے رسول تھے)
(۶۵ : ۱۸) ۔ (۸) ۔ حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ بھی ۔ (۱۲۲ : ۳۷)
۹۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ ۔ (۱۰ : ۶۶)

۱۰ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل کر دیتا ہے۔ (۹۰ : ۲) - (۲ : ۱۶) - (۱۱ : ۱۴) - (۱۵ : ۴۰)

۱۱۔ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کو مومن بندوں میں سے اکثر پر فضیلت۔ (۱۵ : ۲۷)

۱۲۔ نبی اکرمؐ بھی۔ (۲۳ : ۲) - (۴۱ : ۸) - (۱ : ۱۷) - (۱ : ۱۸) - (۱ : ۲۵) - (۳۶ : ۳۹) -
(۱۰ : ۵۳) - (۹ : ۵۷) - (۲۳-۱۹ : ۷۲) - (۱۰ : ۹۶)

۱۳ حضرت داؤدؑ۔ (۱۷ : ۳۸) - (۴۴) حضرت ایوبؑ۔ (۴۱ : ۳۸)۔ حضرت زکریاؑ۔ (۱ : ۱۹)

غیراز خدا کے بندے (یعنی خدا کے علاوہ اوروں کی اطاعت کرنے والے)

۱۔ عبدالطاغوت - (۶۰ : ۵) (۲) طاغوت کی عبودیت مت اختیار کرو۔ (۳۶ : ۱۶)

۳۔ مومن طاغوت کی عبودیت اختیار نہیں کرتے۔ (۱۷ : ۳۹)

۴۔ شیطان کی عبودیت مت اختیار کرو۔ (۶۲-۶۱ : ۳۶) - (۴۴ : ۱۹)

عابد

۱۔ مومن عورتوں کی خصوصیت۔ عابدات۔ (۵ : ۶۶)

۲۔ مومن خدا کے عابد ہوتے ہیں۔ (۱۳۸ : ۲) - (۱۱۲ : ۹) - (۳)۔ عابد کے معنی محکوم۔ (۴۷ : ۲۳)

۴۔ رسولؐ اللہ کا کفار کو اعلان کہ جس کا میں عابد ہوں تم اس کے عابد نہیں ہو سکتے۔ نہ میں ان کا عابد ہو سکتا ہوں جن کے تم عابد ہو ۔ دین، خدا کا عابد ہونا ہے۔ (۱۰۴ : ۲۰) - (۶-۲ : ۱۰۹)

۵۔ قوم عابد کے لئے قرآنی حقائق میں بلاغ ہے۔ (۱۰۶ : ۲۱)۔ (۶)۔ حضرات انبیاء کرامؑ خدا کے عابد تھے۔ (۷۳ : ۲۱)

۷۔ قوم ابراہیمؑ نے کہا کہ ہمارے آباء و اجداد ان بتوں کے عابد تھے۔ (۵۳ : ۲۱)

۸۔ جو کچھ حضرت ایوبؑ کو دیا گیا تھا وہ عابدین کے لئے یاد دہانی تھی۔ (۸۴ : ۲۱)

عبد (عباد) بمعنی عام انسان (عباد الرحمٰن کے عنوان میں بھی بعض آیات ایسی آگئی ہیں)

۱۔ جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے انسان ہیں۔ (۱۹۴ : ۷)

۲۔ زمین کی پیداوار بندوں کے لئے رزق۔ (۱۱ : ۵۰) -

٣- بنی اسرائیل پر ایسے لوگ مسلط کیے گئے جو سخت مستبد تھے -　(١٧ : ٥)
٤- اس کے بندوں میں سے جو چاہے اُسے خدا کی ہدایت مل سکتی ہے -　(٦ : ٨٩)
٥- اس کے بندوں میں سے جو چاہے اسے خیر مل جاتی ہے - (١٠ : ١٠٧) - بارش بھی -　(٣٠ : ٤٨)
٦- وراثتِ ارض بھی اس کے بندوں کو ملتی ہے - (٧ : ١٢٨) - (٢١ : ١٠٥)
٧- بندوں کے لئے رزق کی بست و کشاد -　(٢٨ : ٨٢) - (٣٤ : ٣٦)
٨- اس کے بندوں میں سے علماء اس کی عظمت کے احساس سے جھکتے ہیں -　(٣٥ : ٢٨)
٩- لوگ، خدا کے بندوں کو اس کا جزو بنا دیتے ہیں -　(٤٣ : ١٥)
١٠- جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں -　(٢ : ١٨٦)
١١- میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور و رحیم ہوں -　(١٥ : ٤٩)
١٢- جو خدا کو چھوڑ کر اس کے بندوں میں سے اولیاء بنا لیتے ہیں وہ کافر ہیں -　(١٨ : ١٠٢)
١٣- میرے بندوں میں سے بہت کم شکرگزار ہیں -　(٣٤ : ١٣)
١٤- میرے بندوں میں سے جو اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھیں، ان سے کہہ دو کہ وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ (٣٩ : ٥٣)

٥- عبرت

موعظت، نصیحت

عبرت - قرآن کریم زندگی کے بنیادی اصول اور مستقل اقدار عطا کرتا ہے - ان میں سب سے زیادہ اہم اصول، قانونِ مکافاتِ عمل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی فرد یا قوم کا کوئی عمل نتیجہ پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا - ہر کام کا ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے - اس مقصد کے لئے وہ اقوامِ سابقہ کے تاریخی کوائف سامنے لاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو کہ اس قوم نے فلاں انداز کا غلط راستہ اختیار کیا تو اس کا نتیجہ اس کی تباہی اور بربادی کی شکل میں برآمد ہوا - اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہو گا - یوں صاحبِ عقل و شعور انسان محسوس واقعات سے استنباطِ نتائج کے بعد، ایک خاص نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے - اسے عبرت کہتے ہیں -

موعظت - وَعَظَ کے معنی ہونے ہیں کسی کام کے اچھے نتائج اور اس کی خلاف ورزی کے مضر عواقب سے آگاہ کر کے، انسان کو اچھے کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔ اس سے لفظ موعظت ہے۔ یعنی عبرت انسان خود حاصل کرتا ہے اور موعظت، دوسرے کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی کو نصیحت بھی کہتے ہیں، جس کے بنیادی معنی چارہ سازی اور خیراندیشی کے ہیں۔ یعنی جب کسی کو اچھی روش اختیار کرنے کے لئے کہا جائے تو اس میں کہنے والے کا اپنا مفاد کوئی نہیں ہوتا۔ اس کا محرک جذبہ دوسرے کی خیرخواہی ہوتا ہے۔

عبرت، موعظت اور نصیحت کے لئے قرآن کریم میں اور الفاظ بھی آتے ہیں، مثلاً تذکرہ وغیرہ۔ اس کے لئے عنوان ذکر دیکھئے۔ نیز آیت کا لفظ بھی بعض مقامات پر، عبرت اور موعظت کے معنوں میں آیا ہے۔ (اسے متعلقہ عنوان میں دیکھئے۔)

عبرت

۱۔ واقعۂ جنگ بدر میں صاحبانِ بصیرت کے لئے عبرت ہے (۱۲ : ۳) ۔ (۲)۔ اقوامِ گذشتہ کی داستانوں میں سامانِ عبرت۔ (۱۱۱ : ۱۲)

۳۔ انعام (مویشیوں) کے نظامِ حیات میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ (۶۶ : ۱۶) ۔ (۲۱ : ۲۳)

۴۔ یہودیوں کے ساتھ جو کچھ جنگِ خیبر میں ہوا، اس میں صاحبانِ بصیرت کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۲ : ۵۹)

۵۔ قومِ فرعون کے انجام میں سامانِ عبرت ہے (۲۶ : ۷۹) ۔ (۶)۔ گردشِ لیل و نہار میں سامانِ عبرت (۴۴ : ۲۴)

موعظت

۱۔ بنی اسرائیل کے سبت کے واقعہ میں، عبرت تھی ان کے ہم عصروں کے لئے اور موعظت ہے متقیوں کے لئے (۶۶ : ۲)

۲۔ اقوامِ گذشتہ کے واقعات میں سامانِ موعظت ہے۔ (۱۳۷ : ۳)

۳۔ غلط کاروں کو، اتمامِ حجت کے لئے موعظت کرتے رہنا چاہیئے۔ (۱۶۴ : ۷)

۴۔ خدا کے راستے کی طرف، حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت دو۔ (۱۲۵ : ۱۶)

۵۔ حضرت ہودؑ کی قوم نے ان سے کہا کہ تم ہمیں ان باتوں کی موعظت کرو یا نہ کرو، ہمارے لئے یکساں ہے (۱۳۶ : ۲۶)

۶۔ الواحِ حضرت موسےٰؑ میں موعظت تھی۔ (۱۴۵ : ۷) ۔ انجیل میں بھی۔ (۴۶ : ۵)

۷۔ قرآن میں انبیاءِ سابقہ کے احوال و کوائف میں مومنین کے لئے موعظت ہے۔ (۱۲۰ : ۱۱)

۸۔ قرآنی احکام اور تاریخ میں موعظت ہے۔ (۲۴ : ۳۴)
۹۔ خدا نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ میں تمہیں یہ نصیحت اس لئے کرتا ہوں کہ تم ناواقف لوگوں میں سے نہ ہو۔ (۴۶ : ۱۱)
۱۰۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات کی موعظت کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تم سوچا کرو۔ (۴۶ : ۳۴)
۱۱۔ جناب لقمان کی اپنے بیٹے کو موعظت۔ (۱۳ : ۳۱)
۱۲۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ منافقین سے اعراض برتو لیکن موعظت کرتے رہو۔ (۶۳ : ۴)
۱۳۔ سرکش عورتوں کو موعظت سے سمجھاؤ۔ (۳۱ : ۴)
۱۴۔ ظہار کے سلسلہ میں احکام اور موعظت۔ (۳ : ۵۸)۔ طلاق کے سلسلہ میں بھی۔ (۲۳۲ : ۲)

قرآن موعظت کے لئے ہے

۱۔ خدا کتاب و حکمت کے ذریعے موعظت کرتا ہے۔ (۲۳۱ : ۲)
۲۔ ربوٰ کی خرابیاں واضح کرنے کے بعد کہا کہ جو اس موعظت کے بعد اس سے باز آجائے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے، اس سے درگذر کر دیا جائے گا۔ (۲۷۵ : ۲)
۳۔ جس بات کی انہیں موعظت کی جاتی ہے، اگر یہ اسے کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (۶۶ : ۴)
۴۔ قرآن خدا کی طرف سے موعظت ہے۔ (۵۷ : ۱۰)
۵۔ طلاق کے احکام کے بعد کہا کہ یہ موعظت ہے مومنین کے لئے۔ (۲ : ۶۵)
۶۔ قرآن میں احکام بھی ہیں اور اقوامِ سابقہ کی تاریخ بھی۔ اور یہ دونوں موعظت ہیں۔ (۳۴ : ۲۴)
۷۔ عدل و احسان کے احکام کے بعد کہا کہ خدا تمہیں وعظ کرتا ہے۔ (۵۸ : ۴)۔ (۹۰ : ۱۶)
۸۔ اس حکم کے بعد کہ افواہوں کو یونہی نہ آگے پھیلا دیا کرو، کہا کہ خدا اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ ایسا نہ کرو۔ (۱۷ : ۲۴)۔

نصیحت

۱۔ رسول، ناصح ہوتے تھے۔ حضرت نوحؑ۔ (۶۲ : ۷)۔ (۳۴ : ۱۱)۔ حضرت ہودؑ (۶۸ : ۷)۔ حضرت صالحؑ۔ (۷۹ : ۷)۔ حضرت شعیبؑ (۹۳ : ۷)

۴۔ نصیحت کے معنی کسی کے ساتھ مخلص ہونا۔ (۹۱ : ۹)۔ (۳)۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ نے باپ سے کہا کہ ہم تو یوسفؑ کے ناصح (خیر خواہ) ہیں۔ (۱۱ : ۱۲)۔ (۴)۔ حضرت موسےٰؑ (نومولود) کے ناصح (خیر خواہ)۔ (۱۲ : ۲۸)

۵۔ شیطان نے آدمؑ و حواؑ سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا ناصح ہوں۔ (۲۱ : ۷)

۶۔ قومِ فرعون کے مردِ مومن نے حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ ملک سے بھاگ جاؤ۔ میں تمہارا ناصح ہوں۔ (۲۰ : ۲۸)

۷۔ توبۃ النصوح کی تاکید۔ (۸ : ۶۶)

۶۔ عداوت

اس مادہ کے بنیادی معنی دُوری (بُعد اور افتراق) کے ہیں۔ اَلعِدیٰ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو دو لکڑیوں کے درمیان دے دی جاتی ہے تاکہ وہ آپس میں ملنے نہ پائیں۔ (اسے WEDGE کہتے ہیں)۔ اس سے عداوت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے

قرآن ایک ایسی جماعت کی تشکیل کرتا ہے جس کے افراد میں آئیڈیالوجی (ایمان) وجہِ اشتراک ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں باہمی عداوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عداوت، باہمی مفاد کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے اور اس جماعت میں سب کے مفاد مشترک ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ، بعض اوقات انسان کے سرکش جذبات اس پر غالب آجاتے ہیں جس سے وہ زندگی کے بنیادی اصول فراموش کر دیتا ہے، اور اس سے باہمی عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں اس قسم کے سرکش جذبات کو شیطان کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس نے بار بار متنبہ کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس سے محتاط رہنا۔

بہر حال وجہ کچھ بھی ہو۔ باہمی محبت، مودّت اور یگانگت انعاماتِ خداوندی میں سے ہیں، اور جماعتِ مومنین کا شیوہ۔ اور عداوت خدا کا عذاب ہے اور تباہی کی موجب۔ سابقہ قومیں باہمی عداوت (تفرقہ۔فرقہ بندی) سے تباہ ہوئیں۔ اور یہی چیز خود ہماری تباہی کا سبب بن رہی ہے۔

انسانوں کی باہمی عداوت

۱۔ ہبوطِ آدم کے وقت کہہ دیا گیا تھا کہ مفادِ باہمی کے ٹکراؤ سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر تم نے وحی کا اتباع کیا تو اس سے محفوظ رہو گے۔ (۳۶-۳۷ : ۲)۔ (۲۴ : ۷)۔ (۱۱۷ : ۲۰)۔ (۱۲۳ : ۲۰)

مختلف اقوام کی باہمی عداوت

۱۔ نصاریٰ کے مختلف فرقوں کی باہمی عداوت ۔ (۵ : ۱۴)

۲۔ یہودیوں میں باہمی عداوت ۔ (۵ : ۶۴)

۳۔ خدا نے متبعینِ حضرت عیسیٰؑ کو ان کے دشمنوں کے خلاف مدد دی ۔ (۶۱ : ۱۴)

شیطان تمہارا دشمن ہے

۱۔ حلال و طیب رزق کھاؤ ۔ اور شیطان کا اتباع مت کرو ۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۲ : ۱۶۸)

۲۔ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ ۔ شیطان کا اتباع مت کرو ۔ وہ تمہارا دشمن ہے ۔ (۲ : ۲۰۸)

۳۔ شیطان تم میں خمر اور میسرہ کے ذریعے دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ (۵ : ۹۱)

۴۔ شیاطین الجن و الانس ، ہر نبی کے دشمن ہوتے تھے ۔ (۶ : ۱۱۳) ۔ مجرمین بھی ان کے دشمن ہوتے تھے ۔ (۲۵ : ۳۱)

۵۔ ابلیس اور اس کی ذریت تمہاری دشمن ہے ۔ (۱۸ : ۵۰)

۶۔ بنی آدم سے کہہ دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ اس کی معبودیت اختیار نہ کرنا ۔ (۳۶ : ۶۰)

۷۔ شیطان تمہارا راستہ روک کر کھڑا نہ ہو جائے ۔ وہ تمہارا دشمن ہے ۔ (۴۳ : ۶۲)

۸۔ شیطان نوعِ انسان (مرد اور عورت) کا دشمن ہے ۔ (۷ : ۲۲)

۹۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۱۲ : ۵)

۱۰۔ کیا تم ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست بناؤ گے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ۔ (۱۸ : ۵۰)

۱۱۔ (حضرت) موسیٰؑ نے جب قبطی کو مکہ مار کر ہلاک کر دیا تو کہا کہ یہ شیطانی کام ہو گیا ۔ وہ دشمن بھی ہے ، اور گمراہ کن بھی ۔ (۲۸ : ۱۵)

۱۲۔ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ اسے دشمن ہی سمجھو ۔ (۳۵ : ۶) ۔ اس کا اتباع نہ کرو ۔ (۶ : ۱۴۲)

۱۳۔ شیطان تم میں باہمی عداوت ڈالنا چاہتا ہے ۔ وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۱۷ : ۵۳)

جماعتِ مومنین سے تاکید

۱۔ تم باہمی دشمن تھے۔ خدا نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ اخوت اسی صورت میں قائم رہے گی کہ تم اعتصام بحبل اللہ رکھو۔ (۳ : ۱۰۲) ۔ (۲) یہ ہو سکتا ہے کہ خود مسلمانوں ہی سے بھی ایک شخص کسی دوسرے کو عمداً یا سہواً قتل کر دے۔ اس کی سزا۔ (۴ : ۹۲ - ۹۳)

۳۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پہ آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے ناانصافی کرو۔ (۵ : ۸)

۴۔ جنت میں باہمی کدورتیں دور ہو جائیں گی۔ (۷ : ۴۳)

۵۔ برائی کو احسن طریق سے رفع کرو۔ اس سے دشمن بھی دوست بن جائے گا۔ (۴۱ : ۳۴)

۶۔ اپنے اور خدا کے دشمن سے دوستی نہ رکھو۔ (۶۰ : ۱-۲)۔ اسوۂ ابراہیمی۔ (۶۰ : ۴)

کون کون ان کا دشمن ہے

۱۔ اہل کتاب مسلمانوں کے دشمن تھے۔ (۴ : ۴۵)

۲۔ جو خدا کا دشمن ہو وہ تمہارا دشمن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس بنا پہ خود اپنے باپ سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ (۹ : ۱۱۴) ۔ (۳) جملہ معبودانِ باطل دشمن ہیں۔ (۲۶ : ۷۷)

۴۔ کفار اللہ کے دشمن ہیں۔ (۴۱ : ۲۸) ۔ تمہارے بھی۔ (۴ : ۱۰۱)

۵۔ اس کا امکان تھا کہ جماعتِ مومنین کے دشمن (ایمان لا کر) ان کے دوست بن جائیں۔ (۶۰ : ۷)

۶۔ تمہاری اولاد اور ازواج بھی تمہارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ (۶۴ : ۱۴)

۷۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ اور اسطرح اپنے اور خدا کے دشمن پہ خوف طاری رکھو۔ (۸ : ۶۰)

۸۔ مجاہدین کو دشمنوں کے ہاتھوں جو ایذا بھی پہنچتی ہے وہ ان کے لئے عملِ صالح بن جاتی ہے۔ (۹ : ۱۲۰)

۹۔ منافق تمہارے دشمن ہیں۔ (۶۳ : ۴)

۱۰۔ شدید ترین دشمن یہودی اور مشرکین۔ نصاریٰ کے دل میں مودت ہے۔ (۵ : ۸۲)

۱۱۔ جماعتِ مومنین کے دشمنوں سے جنگ۔ (۹ : ۸۳)

متفرق

۱۔ یہودی، جبرئیل کے دشمن ہو گئے کہ اس نے نبوت، بنی اسماعیل کیطرف کیوں منتقل کر دی۔ (۹۸-۹۷ : ۲)

۲۔ قومِ فرعون، قومِ موسےٰ کی دشمن تھی۔ (۱۲۹ : ۷)-(۱۵ : ۲۸)-(۱۹ : ۲۸)

۳۔ جس دن اللہ کے دشمن جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (۱۹ : ۴۱)-(۲۸ : ۴۱)

۴۔ محشر میں معبودانِ باطل اپنے پرستاروں کے دشمن ہو جائیں گے۔ (۶ : ۴۶)

۵۔ قومِ فرعون، خدا کی بھی دشمن تھی اور بنی اسرائیل کی بھی۔ (۳۹ : ۲۰)-(۸۰، ۲۰)-(۱۵ : ۲۸)-(۱۹ : ۲۸)

۶۔ یوم الساعت میں دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ (۶۷ : ۴۳)

۷۔ فرعون والوں نے امِّ موسےٰ کے بچہ (حضرت موسےٰؑ) کو اٹھا لیا (تاکہ وہ پروان چڑھ کر ان کا دشمن بنے اور باعثِ حزن و ملال ہو۔ (۸ : ۲۸)۔ (۸)۔ یہودی جبریل سے عداوت رکھتے تھے۔ (۹۷ : ۲)

۹۔ خدا، ملائکہ، رسول، جبریل۔ میکال کے دشمن۔ (۹۸ : ۲)

۱۰۔ حضرت ہارونؑ نے بھائی سے کہا کہ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ نہ دے۔ (۱۵۰ : ۷)

۷۔ عِدّت

عِدّت کے لفظی معنی تو گنتی کے ہیں، لیکن قرآنی اصطلاح میں اس سے مراد وہ مدّت ہے جس میں ایک مطلقہ یا بیوہ عورت شادی نہیں کر سکتی۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ طلاق یا بیوگی کے وقت، وہ عورت حاملہ تو نہیں تھی کیونکہ حاملہ ہونے کی صورت میں اس کا پیدا ہونے والا بچہ، اس کے سابقہ (یا فوت شدہ) شوہر کی اولاد ہوگا۔ مرد کے لئے عدت کی ضرورت نہیں۔ اور نکاح و طلاق کے معاملات میں یہی ایک چیز ہے، جس میں مرد کو عورت پر ایک درجہ حاصل ہے۔ (۲۲۸ : ۲)

۱۔ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض کی مدّت ہے۔ (۲۲۸ : ۲)۔ اسی لئے طلاق اس وقت دی جانی چاہیئے جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے۔ (۱ : ۶۵)

۲- جو عورتیں اتنی سن رسیدہ ہو جائیں کہ وہ حیض کی طرف سے نا امید ہو چکی ہوں۔ یا جنہیں کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ ان کی عدت تین مہینے ہو گی۔ (۶۵ : ۴)

۳- حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ (۶۵ : ۴)۔ انہیں چاہیئے کہ طلاق کے وقت بتا دیں کہ وہ حمل سے ہیں (۲:۲۲۸)

۴- جس عورت کو "ہاتھ لگانے سے قبل" طلاق دے دی جائے اس کی کوئی عدت نہیں۔ (۳۳ : ۴۹)

۵- بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے (۲ : ۲۳۴)۔ اگر وہ حاملہ ہے تو قرآن میں اس کے لئے الگ حکم نہیں دیا۔ اس کے لئے وہی حکم ہو گا جو مطلقہ حاملہ کے لئے ہے۔ (۶۵ : ۴)

۶- عدت کے دوران، مطلقہ عورت کے رہنے سہنے اور خورد و نوش کی ذمہ داری مرد پر ہو گی۔ اور اس کا وہی معیار ہو گا۔ جو ازدواجی حالت میں تھا۔ اسے گھر سے نہیں نکال دینا چاہیئے۔ (۲ : ۲۴۱)۔ (۶۵ : ۱)۔ (۶۵ : ۶-۷)
لیکن اگر یہ اس دوران میں بے حیائی کی مرتکب ہو جائے تو پھر یہ ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ (۶۵ : ۱)۔ عورت کو بھی چاہیئے کہ وہ اس دوران میں اس گھر سے نہ جائے۔ (۶۵ : ۱)۔ (لیکن اگر حالات نا مساعد ہوں تو باہمی رضامندی سے، یا عدالت مجاز کی اجازت سے وہ دوسری جگہ بھی رہ سکتی ہے۔ (۴ : ۱۲۸-۱۳۰)۔ ان آیات کی روشنی میں یہ ہمارا قیاس ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بابت تصریحاً کوئی حکم نہیں۔

۷- بیوہ عورت کے لئے ایک سال تک کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام ضروری ہے۔ اس کے لئے چاہیئے کہ مرد وصیت کر جائے۔ (۲ : ۲۴۰)۔ لیکن اگر وہ خود ہی کسی دوسری جگہ چلی جائے تو پھر یہ ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے (۲:۲۴۰)

۸- عدت کے دوران، عورت دوسری جگہ شادی تو نہیں کر سکتی لیکن نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کی ممانعت نہیں۔ (۲-۲۳۵)
اگر وہ اپنے سابقہ شوہر ہی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے راستے میں حائل نہیں ہونا چاہیئے۔ (۲ : ۲۳۲)۔
(اس کے لئے دیکھئے عنوان طلاق جس میں بتایا گیا ہے کہ طلاق کے بعد نکاح کن صورتوں میں کیا جا سکتا ہے۔)

۸- عدل (قسط)

عدل۔ قرآن کریم کی ایک بنیادی قدر ہے اور جماعت مومنین کا اولین اہم فریضہ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی، دونوں اطراف کا برابر ہونا ہیں۔ افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنے کو اعتدال کہا جاتا ہے۔ کسی کی محنت کا ٹھیک

ٹھیک (محنت کے برابر) معاوضہ دے دینا۔ یا حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا عدل ہے۔ ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جائے گا۔ توازن کی نسبت سے قرآن کریم نے نظامِ عدل کو میزان کہہ کر پکارا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ کائنات کا یہ عظیم نظام 'میزان' کی رو سے قائم ہے اس لئے انسانوں کو بھی چاہیئے کہ اپنے معاشرہ میں میزان کو برقرار رکھیں۔ جس معاشرہ میں عدل باقی نہ رہے اس کی کوئی شے بھی اپنے صحیح مقام پر نہیں رہتی۔ اسی کو فساد کہتے ہیں۔

۲۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ یعنی بعض مقامات پر اس کے معنی عدل سے انحراف کے ہوں گے۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ معنی اس وقت آتے ہیں جب اس کے بعد عَنْ آئے۔ خواہ وہ موجود ہو اور خواہ محذوف۔ لیکن یہ لفظی بحث ہے اس عنوان میں ہم عدل کی قرآنی تفاصیل کو سامنے لائیں گے۔

۳۔ عدل و انصاف کے لئے قرآن کریم میں دوسرا لفظ قسط بھی آیا ہے۔ قسطاس ترازو کو کہتے ہیں۔ اگرچہ عدل اور قسط کے الفاظ مرادف المعنی ہیں لیکن ان میں جو باریک فرق ہے، اسے یوں سمجھئے کہ عدل کے معنی ہوں گے دو آدمیوں میں برابر کا سلوک کرنا اور قسط کے معنی ہوں گے کسی کے حقوق و واجبات کو پورا پورا ادا کرنا۔ یعنی عدل میں، دوسرے کا ساتھ تقابل ہوتا ہے اور قسط میں تقابل کا سوال نہیں ہوتا۔

۴۔ یہ لفظ بھی اضداد میں سے ہے۔ اور قَسَطَ۔ یَقْسِطُ کے معنی جادۂ عدل سے ہٹ جانے کے بھی آتے ہیں۔

۵۔ قرآن کریم میں عدل کے ساتھ احسان کا بھی حکم آیا ہے۔ اس کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے۔ نیز عنوان 'شہادت' بھی۔ اور ظلم بھی۔

عدل کرنے کی تاکید

۱۔ دشمن کے ساتھ بھی عدل کرو۔ یہ تقویٰ سے قریب ترین ہے۔ (۸ : ۵)

۲۔ شہادت کو اللہ کے لئے، قسط (عدل) کے ساتھ قائم رکھو۔ (۱۳۵ : ۴)۔ (۸ : ۵)

۳۔ بات کرو تو عدل کے ساتھ، خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۵۳ : ۶)

۴۔ ناپ تول کے پیمانوں کو قسط کے ساتھ درست رکھو۔ (۱۵۳ : ۶)۔ (۸۵ : ۷)۔ (۸۵ : ۱۱)—— (۳۵ : ۱۷)—— (۱۸۲ : ۲۶)

۵۔ لین دین کے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لایا کرو۔ یہ خدا کے نزدیک اقسط ہے اور کاتب کو چاہیئے کہ عدل کے ساتھ دستاویز تحریر کرے۔ (۲۸۲ : ۲)

۶۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپ کی نسبت سے بلاؤ۔ یہ اقسط ہے ۔ (۵ : ۳۳)

۷۔ متحارب فریقین میں عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور ان میں قسط قائم کرو۔ اللہ قسط قائم کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔ (۹ : ۴۹)

۸۔ اگر تم معاشرہ میں تنہا رہ جانے والے بچوں، جوان لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کے حقوق پورا کرنے کی اور کوئی صورت نہ دیکھو (اَلَّا تُقْسِطُوْا) ۔ تو پھر ان میں سے کسی عورت سے شادی کر لو ۔ دو، تین، چار ۔ اور اگر دیکھو کہ ان میں باہمی عدل (برابر کا سلوک) نہیں کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو (۳ : ۴) ۔ برابر کا سلوک، ضروریاتِ زندگی کے سلسلہ میں ہی ہو سکتا ہے ۔ جذبات میں نہیں ۔ (۱۲۹ : ۴)

۹۔ انسانی جذبات، عدل کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عدل کرتے وقت، جذبات کا اتباع مت کرو۔ (۱۳۵ : ۴)

۱۰۔ جو لوگ تم سے جنگ نہ کریں، ان سے ہمیشہ قسط کا سلوک کرو۔ خدا مقسطین کو پسند کرتا ہے۔ (۴۲ : ۵) ۔ (۸ : ۶۰) ۔

۱۱۔ لوگوں کے معاملات میں ہمیشہ عدل کے ساتھ فیصلے کرو۔ (۵۸ : ۴)

۱۲۔ خدا، عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے ۔ (۹۰ : ۱۶) ۔ (۱۳) ۔ یتامیٰ کے ساتھ قسط کا برتاؤ کرو۔ (۱۲۷ : ۴)

۱۴۔ اے رسولؐ! ان سے کہو کہ میرے رب نے قسط کا حکم دیا ہے ۔ (۲۹ : ۷)

۱۵۔ کائنات کا سلسلہ میزان کے ساتھ قائم ہے ۔ تم بھی میزان کو درہم برہم نہ کرو۔ بلکہ اسے قسط کے ساتھ قائم رکھو۔ (۱۵۲ : ۶)
(۸۵ : ۱۱) ۔ (۳۵ : ۱۷) ۔ (۱۸۲ : ۲۶) ۔ (۷-۹ : ۵۵)

۱۶۔ الحق کے مطابق عدل کرنا صحیح عدل کہلا سکتا ہے ۔ (۱۵۹ : ۷) ۔ (۱۸۱ : ۷)

۱۷۔ قصاص میں عدل قائم رکھو۔ (۱۷۸ : ۲) ۔ (۱۸) ۔ مجرمین کا پشت پناہ بننا جرم ہے۔ (۱۰۵ : ۴) ۔ (۱۷ : ۲۸)

۱۹۔ عدل کی عظیم مثال۔ جو مسلمان عورتیں کفار سے بھاگ کر آ جائیں، ان کے خاوندوں کو وہ کچھ واپس کر دو جو انہوں نے ان کے نکاح کے سلسلہ میں خرچ کیا تھا۔ (۱۰ : ۶۰)

۲۰۔ جنگ میں بھی دشمن پر زیادتی نہ کرو ۔ (۱۹۰ : ۲) ۔ (۱۹۴ : ۲)

۲۱۔ یہ خیال باطل ہے کہ اپنی جماعت سے باہر کے لوگوں کے خلاف سب کچھ جائز ہے ۔ (۷۴ : ۳)

۲۲۔ قانون کا اطلاق یومِ نفاذ سے ہوتا ہے۔ کسی پچھلی تاریخ سے نہیں ۔ (۲۷۵ : ۲) ۔ (۲۲-۲۳ : ۴) ۔
(۹۳ : ۵) ۔ (۹۵ : ۵) ۔ (۳۸ : ۸)

۲۳۔ جرم کی سزا اس کے مثل ہو گی۔ زیادہ نہیں ۔ (۱۶۱ : ۶) ۔ (۲۶-۲۷ : ۱۰) ۔ (۱۲۶ : ۱۶) ۔ (۶۰-۶۲ : ۲۲) ۔

۲۴۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۱۶۵ : ۶)

۲۵۔ مومن کو ظلم یا ہضم کا خوف نہیں ہوگا۔ (ظلم، سزا میں زیادتی۔ ہضم، اجر میں کمی)۔ (۱۱۲ : ۲۰)

انبیاءؑ (اور جماعتِ مومنین) کا شیوہ، عدل کرنا تھا (اور ہے)

۱۔ حضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں میں عدل کریں۔ (۴۲ : ۵) ۔ (۱۵ : ۴۲)

۲۔ جو صاحبانِ علم، قسط کو قائم رکھتے ہیں، وہی لا الہ الا اللہ کی شہادت دے سکتے ہیں۔ (۱۸ : ۳)

۳۔ امم سابقہ کے سرکش ان لوگوں کو قتل کر دیتے تھے جو قسط کا حکم کرتے تھے۔ (۲۱ : ۳)

۴۔ رسولوں کے آجانے کے بعد اس امت کا معاملہ قسط کے ساتھ طے ہو جاتا تھا۔ (۴۷ : ۱۰)

۵۔ ہر رسول کے ساتھ میزان نازل کی تھی کہ وہ نظامِ معاشرہ قسط کے ساتھ قائم رکھیں۔ (۲۵ : ۵۷)

عدل کے معنی جرم کے بدلے میں کچھ دیکر چھوٹ جانا

۱۔ مجرم اگر جرم کے بدلے سب کچھ بھی دینا چاہے تو بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۷۰ : ۶)۔ نہ کسی کی سفارش۔ نہ حمایت۔ نہ روپیہ پیسہ۔ (۴۸ : ۲) ۔ (۱۲۳ : ۲)

۲۔ مجرم کی جگہ کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ (۷۹ : ۱۲)

۳۔ مجرم ساری دنیا کی دولت بھی کفارہ میں دینا چاہے گا تو اس سے قبول نہیں کی جائیں گی۔ (۵۴ : ۱۰)

متفرق

۱۔ قاسطون، بمقابلہ مسلمون آیا ہے۔ یہاں اس کے معنی جادۂ اعتدال سے ہٹ جانے والے ہیں۔ (۱۴ : ۷۲)۔ ان (قاسطین) کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۱۵ : ۷۲)

۲۔ عدل کے معنی دوسری شے کے برابر۔ (۹۵ : ۵)۔ خدا کے برابر کسی اور کو سمجھنا۔ (۱ : ۶) ۔ (۱۵۱ : ۶)

۳۔ فیصلہ صاحبِ عدل سے کرانا چاہیے۔ (۹۵ : ۵)۔ شہادت میں انہی کی ہونی چاہیئے۔ (۱۰۶ : ۵)۔ (۲ : ۶۵)

۴۔ عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والا۔ اور وہ جسے کسی شے پر قدرت ہی حاصل نہیں۔ برابر نہیں ہو سکتے۔ (۷۶ : ۱۶)

۵۔ خدا کے کلمات صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ (۱۱۶ : ۶)

۶۔ خدا نے انسانی تخلیق میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے۔ یعنی صحیح صحیح توازن۔ (۷ : ۸۲)

۷۔ قیامت میں قسط کے ساتھ میزان کھڑی کی جائے گی۔ (۴۷ : ۲۱)۔ لوگوں کے معاملات قسط کے مطابق طے کئے جائیں گے۔ (۴ : ۱۰) ۔ (۸)۔ اعتدال کی راہ سے ہٹ جانے والی قوم ۔(یعدلون)۔ (۶۰ : ۲۷)

۹۔ دانت کے بدلے دانت وغیرہ، تورات کا حکم تھا۔ (۴۵ : ۵)

———(۰)———

۹۔ عذاب

عذاب۔ اس لفظ کے بنیادی معانی میں دکھ، تکلیف اور ایسی اذیت شامل ہے جو انسان کے آرام میں حائل ہو۔ نیز اس کے معنی رکاوٹ کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کی رو سے اس کا مفہوم ہوتا ہے، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے ناخوشگوار یا ہلاکت آفریں نتائج۔ ان نتائج میں طبیعی تکالیف بھی شامل ہوتی ہیں اور انسان کی ذات پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ بھی۔ چونکہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے انسانی ذات کی نشوونما رک جاتی ہے، یعنی یہ چیز اس کے راستے میں رکاوٹ کا موجب بنتی ہے اس لئے اسے بھی عذاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں 'عذاب' کے لفظ سے ذہن اُخروی زندگی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور عذاب سے اُن تکالیف کا تصوّر سامنے آتا ہے جن میں مجرمین (یا مذہب کی اصطلاح میں گنہگار) وہاں مبتلا ہوں گے۔ لیکن قرآن کی رُو سے عذاب، اُخروی زندگی تک ہی محدود نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں بھی جو تکالیف پیش آتی ہیں، انہیں بھی عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ 'مکافاتِ عمل' کے عنوان میں تفصیل سے بتایا گیا ہے، انسانی اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں اور اُخروی زندگی میں بھی۔ اس لئے عذاب، اس دنیا میں آتا ہے اور آخرت میں بھی۔

عذاب سے ہمارا ذہن سزا کی طرف بھی منتقل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "مکافاتِ عمل" کے عنوان کے تابع بتایا گیا ہے، سزا کسی شخص پر خارج سے عائد کی جاتی ہے۔ لیکن مکافاتِ عمل کے معنی ہوتے ہیں، انسان کے کاموں کے فطری نتائج ۔ جیسے سنکھیا کھانے کا فطری نتیجہ ہلاکت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور "سزائے موت" میں بڑا فرق ہے۔

لیکن قرآن کریم میں عذاب کا لفظ، اس سزا کے لئے بھی آیا ہے جو عدالت کی طرف سے مجرمین کو دی جاتی ہے۔ آئندہ صفحات میں، عذاب کی مختلف شکلیں سامنے آئیں گی۔ چونکہ عذاب کا بنیادی تعلق انسانی اعمال کے نتائج سے

ہے۔ اس لئے اس عنوان میں، بہت سی باتیں ایسی بھی آجائیں گی جنہیں 'مکافاتِ عمل' کے عنوان کے تابع بھی بیان کیا گیا ہے۔

دنیاوی زندگی میں نتائج اعمال

۱۔ کتاب کے ایک حصے پر ایمان اور دوسرے سے انکار۔ اس کا نتیجہ دنیا میں ذلت ہے۔ (۲ : ۸۵)۔(۲ : ۱۱۴)۔(۵ : ۳۳)۔

۲۔ اللہ و آخرت پر ایمان سے امن اور رزق ملتا ہے جو اس سے انکار کرتا ہے اسے کچھ وقت کے لئے سامانِ زندگی ملتا ہے، پھر عذابِ نار ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۲۶)

۳۔ کفار تم سے جنگ کرتے ہیں تو تم ان سے جنگ کرو۔ یہی ان کا بدلہ ہے۔ (۲ : ۱۹۱)

۴۔ دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات چاہنے والے۔ اس کے مقابلہ میں صرف دنیا چاہنے والے۔ (۲ : ۲۰۱)۔(۳ : ۱۴۷)

۵۔ کفر کرنے والوں کو دنیاوی زندگی مزین بن کر دکھائی دیتی ہے۔ مومن، قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے۔ (۲ : ۲۱۲)

۶۔ دنیا اور آخرت میں حبطِ اعمال۔ (۲ : ۲۱۷)۔(۳ : ۲۱)۔(۱۴ : ۱۸)

۷۔ مال و دولت دنیاوی زندگی کی متاع ہے۔ اللہ کے ہاں حسن مآب ہے۔ (۳ : ۱۳)

۸۔ یہود پر ذلت و مسکنت کا عذاب۔ (۳ : ۱۱۱)

۹۔ جو دنیاوی زندگی کا ثواب (حصہ) چاہتا ہے اسے وہ مل جاتا ہے جو اس کے ساتھ آخرت کا ثواب بھی چاہتا ہے، اسے وہ بھی مل جاتا ہے۔ (۳ : ۱۴۴)

۱۰۔ "سیروا فی الارض" کے عنوان میں دیکھئے کہ اقوامِ سابقہ کی اس دنیا میں تباہی کی طرف کس طرح توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۱۔ جن اقوام کی طرف رسول بھیجے گئے، انہیں ان کے جرائم کی پاداش میں مصائب و مشکلات میں مبتلا کیا گیا۔ (۶ : ۴۲)۔ (۷ : ۹۴)۔(۷ : ۱۳۳)

۱۲۔ ظلم کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ (۶ : ۴۵)۔(۶ : ۴۷)۔(۶ : ۱۳۲-۱۳۴)۔(۷ : ۴)۔(۷ : ۷۲)

۱۳۔ دنیا میں قوموں پر تباہی (عذاب) کی مختلف شکلیں۔ (۶ : ۶۵)

۱۴۔ دنیاوی زندگی کی تباہی کی شکل میں بھی ثقل و خفتِ موازین۔ (۷ : ۵-۹)

۱۵۔ ہر قوم کی اجل۔ (۷ : ۳۴)۔(۱۰ : ۴۹)۔(۱۳ : ۳۸)۔(۱۵ : ۴-۵)۔(۱۵ : ۲۴)۔ (۱۶ : ۶۱)۔(۲۳ : ۴۳)

۱۶- دنیاوی زندگی میں قوموں کی تباہی - اگر وہ ایمان لاتے تو خوشگواریوں کی زندگی بسر کرتے - (۷ : ۹۶-۹۹)

۱۷- بنی اسرائیل پر اس دنیا میں عذاب - (۷ : ۱۶۲)

۱۸- مخالفین عرب کو اسی دنیا میں عذاب - (۸ : ۳۳) - (۸ : ۳۷) - (۸ : ۴۸)

۱۹- جسے ہلاک ہونا ہے دلیل و برہان سے ہو - جسے زندہ رہنا ہے، دلیل و برہان سے زندہ رہے - (۸ : ۴۲) - (۹ : ۳۹)

۲۰- حیاتِ دنیا میں عذاب - (۹ : ۵۵) - (۹ : ۸۵) - (۱۱ : ۸) - (۱۱ : ۳۹) - (۱۳ : ۳۲) - (۱۴ : ۴۴-۴۵) (۱۴، ۴۵) - (۱۶ : ۱۱۲) - (۱۷ : ۶۸) - (۲۱ : ۱۱-۱۳) - (۲۷ : ۱۷) - (۳۴ : ۱۷) - (۳۹ : ۵۱) - (۴۱ : ۱۶) -

۲۱- جس عذاب سے انہیں متنبہ کیا جاتا ہے، ممکن ہے وہ رسول اللہ کی زندگی ہی میں سامنے آجائے - (۱۰ : ۴۶) - (۱۰ : ۵۰) - (۱۳ : ۴۰) - (۱۴-۱۵ : ۹۱)

۲۲- قومِ فرعون کو دنیا میں عذاب - (۱۰ : ۸۸) - (۲۳) - قومِ یونسؑ سے عذابِ دنیاوی اٹھا لیا گیا - (۱۰ : ۹۸)

۲۴- رسولوں کی اور ان کی جماعت کی حفاظت - مجرمین کو عذاب - (۱۰ : ۱۰۳)

۲۵- استغفار و توبہ سے ایک مدتِ معینہ کے لیے متاعِ حسنہ - (۱۱ : ۳)

۲۶- خدا کے رسول اسی دنیا میں کامیاب ہوئے - (۱۴ : ۱۳-۱۴) - (۲۷) - ہر سرکش ناکام و نامراد رہا - (۱۴ : ۱۵)

۲۸- قوم کی تباہی کو جہنم کہا گیا ہے - (۱۴ : ۲۸-۲۹)

۲۹- مومنین کی یہ زندگی خوشگوار ہوگی - (۱۶ : ۹۷) - (۳۹ : ۱۰) - (۴۷ : ۲)

۳۰- ایمان و عمل کا نتیجہ اسی دنیا میں استخلاف - (۲۴ : ۵۵) - جنت میں یہی کہا ہے (۹ : ۷۲) - استبدالِ قومی - (۴۷ : ۳۸)

۳۱- الحاقۃ - القارعۃ - قومِ عاد و ثمود کے انجام کو کہا گیا ہے - (۶۹ : ۱-۳)

۳۲- تم اپنی جگہ کام کرو - میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں - (دیکھئے مکافاتِ عمل کی شق ۳۷)

اقوام سابقہ پر عذاب

۱- قومِ شعیبؑ پر دنیا میں عذاب عظیم - (۱۱ : ۸۴) - (۲۶ : ۱۸۹-۱۹۰) - قومِ لوطؑ - (۱۱ : ۷۶) - (۱۱ : ۸۲) - (۲۹ : ۲۹) - (۵۱ : ۳۷) - (۵۴ : ۳۸-۳۹) - قومِ ثمود - (۷ : ۷۳) - (۱۱ : ۶۴) - (۲۶ : ۱۵۶) - (۱۷ : ۴۱)

قومِ فرعون - (۱۰ : ۸۸) - (۲۰ : ۴۸) - (۲۰ : ۶۱) - (۴۰ : ۴۵ - ۴۶) - (۴۳ : ۴۸ - ۵۰) - (۸۹ : ۱۳)

قومِ نوحؑ - (۷ : ۵۹) - (۱۱ : ۲۶) - (۱۱ : ۳۹) - (۲۵ : ۳۷) - (۷۱ : ۱)

قومِ عاد - (۱۱ : ۵۸) - (۲۶ : ۱۳۵ - ۱۳۸) - (۴۶ : ۲۱) - (۴۶ : ۲۴) - (۵۴ : ۲۱) - (۶۹ : ۷)

۲- ان سے کہہ کہ اگر تم پہ اللہ کا عذاب آجائے (تو تم کسے پکارو گے -) (۶ : ۴۰)

۳- دنیا میں نیچے سے عذاب - اوپر سے عذاب، باہمی لڑائیوں کا عذاب - (۶ : ۶۵)

۴- جنگ کی شکل میں عذاب (۸ : ۱۴) - (۹ : ۱۴) - (۹ : ۲۶) - (۹ : ۱۰۱) - (۴۸ : ۲۵) - (۵۹ : ۱۵)

۵- اقوامِ سابقہ پہ عذاب - (۶ : ۱۳۵) - (۱۱ : ۴۸) - (۲۵ : ۳۹) - (۶۴ : ۵)

۶- دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب - (۲ : ۸۵) - (۲ : ۱۱۴) - (۵ : ۳۳) - (۵ : ۴۱) -
(۱۰ : ۹۸) - (۱۱ : ۶۰) - (۱۳ : ۳۴) - (۲۲ : ۹) - (۲۲ : ۱۸) - (۲۴ : ۲۳) -
(۳۹ : ۲۶) - (۴۱ : ۱۶) - (۵۹ : ۳)

۷- بُری تدابیر کرنے والوں کا وبال انہی پہ پڑتا ہے - (۳۵ : ۴۳) - (۸) - بیماری کی تکلیف کے لیے لفظ عذاب (۳۸ : ۴۱)

۹- جرائم کی سزا دنیا میں - (۲ : ۱۷۸) - (۳ : ۱۲۷) - (۴ : ۲۵) - (۸ : ۶۸) - (۹ : ۳) -
(۹ : ۹۰) - (۱۲ : ۲۵) - (۱۸ : ۸۶ - ۸۷) - (۲۰ : ۷۱) - (۲۴ : ۸) - (۲۴ : ۱۱) - (۲۴ : ۱۴)
(۲۴ : ۲۳) - (۲۷ : ۲۱) - (۳۳ : ۲۴) - (۳۳ : ۳۰) - (۴۸ : ۶) - (۴۸ : ۱۶ - ۱۷) - (۴۸ : ۲۶)

۱۰- رسول اللہؐ کی مخاطب قوم پہ عذاب - (۶ : ۴۷) - (۸ : ۳۲ - ۳۵) - (۹ : ۱۰۱) - (۹ : ۱۲۶) - (۱۰ : ۵۵) -
(۱۱ : ۸) - (۱۲ : ۱۰۷) - (۱۹ : ۷۵) - (۲۰ : ۱۳۴) - (۲۱ : ۴۶) - (۲۲ : ۴۷) - (۲۳ : ۷۶ - ۷۷)
(۲۵ : ۴۲) - (۲۶ : ۲۰۱ ، ۲۰۴) - (۲۶ : ۲۱۳) - (۲۹ : ۵۳) - (۳۴ : ۳۱ - ۳۳) -
(۳۴ : ۴۶) - (۲۹ : ۴۰) - (۴۴ : ۱۱) - (۵۸ : ۱۵ - ۱۶)

۱۱- معاشرتی تباہی عذاب ہے - (۱۸ : ۵۵) - (۲۳ : ۷۶ - ۷۷) - (۲۴ : ۱۴) - (۲۴ : ۶۳) - (۳۸ : ۸)

۱۲- عام سزا یا اذیت رسانی کے معنوں میں - (۳۶ : ۱۸)

۱۳- اس دنیا میں تباہی کے لیے عذاب الخلد آیا ہے - (۱۰ : ۵۲) - (۱۴) - ذلت آمیز عذاب - (۷ : ۱۶۵ - ۶۶)

۱۵- جماعت مومنین کے ہاتھ سے مخالفین کو عذاب - (۹ : ۵۲)

۱۶- سامانِ رزق کا تلف ہو جانا عذاب ہے (۶۸ : ۳۳) - (۱۷) جناتِ حضرت سلیمانؑ کو سزا - (۳۴ : ۱۴)

۱۸- ہلاکتِ اقوام عذاب ہے - (۴۷ : ۹) - (۲۶ : ۱۶) - (۴۵ : ۱۶) - (۱۱۳ : ۱۶)

۱۹- عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت مل جائے تو ہم اچھے کام کر کے دکھائیں - (۴۴ : ۱۴) -
(۱۱-۱۲ : ۴۴) - (۱۵ : ۴۴) - (۲۰) بھوک اور خوف کا عذاب - (۱۱۲ : ۱۶)

۲۱- قبل اس کے کہ عذاب آجائے خدا کی طرف رخ کر لو - (۵۴ : ۳۹) - (۵۸ : ۳۹)

۲۲- بنی اسرائیل کو دنیا میں سخت عذاب - (۴۹ : ۲) - (۱۸ : ۵) - (۱۴۱ : ۷) - (۱۶۴ : ۷) - (۱۶۷ : ۷) -
(۱۴ : ۶) - (۱۴ : ۷) - (۴۷ : ۳۰) - (۲۳) مترفین کو عذاب - (۶۴ : ۲۳)

۲۴- محکومی عذاب نہیں ہے - (۱۴ : ۳۴) - (۲۵) سیلِ عرم کا بند ٹوٹ جانا عذاب تھا - (۱۶-۱۷ ؛ ۱۹ : ۳۴)

۲۶- دنیا کی ہر بستی ہلاک ہوگی یا عذاب میں مبتلا - (۵۸ : ۱۷) - (۲۷) عذاب قریب - (۴۰ : ۷۸)

۲۸- ایسی تباہی جو ظالمین تک ہی محدود نہیں رہا کرتی - (۲۵ : ۸)

۲۹- رسول کی بعثت سے پہلے عذاب نہیں ہوتا - (۱۳۲ : ۶) - (۱۵ : ۱۷)

۳۰- منافق کہتے ہیں کہ خدا ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا ؟ (۸ : ۵۸)

۳۱- مال و دولت کی کثرت کفار کے لئے دنیا میں عذاب کا موجب بن جاتی ہے - (۸۵ : ۹)

۳۲- کسی بستی کو ظلم سے ہلاک نہیں کیا جاتا - (۱۳۳ : ۶)

۳۳- متقین اور فجار ایک جیسے نہیں ہو سکتے - (۲۸ : ۳۸) - (۲۱ : ۴۵)

عذابِ آخرت

۱- عذاب الجحیم - (۷ : ۴۰) - (۵۶ : ۴۴) - (۱۸ : ۵۲) - تابعین اور متبوعین کے رشتے منقطع ہو جائیں گے -
(۱۶۵ - ۶۷ : ۲) - (۶۲-۶۵ : ۲۸) - (۶۸ : ۳۴) - (۳۳ : ۳۷) - (۵۹-۶۱ : ۳۸) - (۲۹، ۴۳)

۲- عذاب یوم عقیم - (۵۵ : ۲۲) - (۳) عذاب جہنم - (۶۵ : ۲۵) - (۷۴ : ۴۳) - (۶ : ۶۷) - (۱۰ : ۸۵) -
عذاب حمیم - (۷۰ : ۶) - (۴ : ۱۰) - (۴۸ : ۴۴)

۴- عذاب حریق - (۵۰ : ۸) - (۹ : ۲۲) - (۲۲ : ۲۲) - (۱۰ : ۸۵)

۵- عذاب الیم - (۷۶ : ۳) - (۱۸ : ۴) - (۳۶ : ۵) - (۷۰ : ۶) - (۴ : ۱۰) - کتنی ہی لمبی عمر کیوں نہ ہو
جائے عذاب سے نہیں بچ سکتے - (۹۶ : ۲) - (۱۸۷ : ۳)

۶- عذاب مقیم - (۳۷ : ۵) - (۶۸ : ۹) - (۴۵ : ۴۲)

۷- عذاب عظیم - (۱۱۴ : ۲) - (۱۰۴-۱۰۵ : ۳) - (۳۳ : ۵) - (۴۱ : ۵) - (۲۳ : ۲۴)

۸- عذاب ہون و مہین - (۱۴ : ۴) - (۳۷ : ۴) - (۱۵۱ : ۴) - (۹۴ : ۶) - (۵۷ : ۳۳) -
(۲۰ : ۴۶) - (۹) - عذاب اشق - (۳۴ : ۱۳) - (۱۰) عذاب غلیظ - (۱۷ : ۱۴)

۱۱- عذاب شدید - (۷۰ : ۱۰) - (۷ : ۳۵) - (۲۶ : ۵۰) - (۲۰ : ۵۷) - (۲۵ : ۸۹)

۱۲- عذاب یوم عظیم - (۱۵ : ۶) - (۱۵ : ۱۰) - (۱۳ : ۳۹)

۱۳- عذاب النار - (۲۰۱ : ۲) - (۱۵ : ۳) - (۱۹۰ : ۳) - (۲۰ : ۳۲) - (۴۲ : ۳۴) - (۳۴ : ۴۶) -
(۳ : ۵۹) - (۱۴) - عذاب الآخرۃ - (۱۰۳ : ۱۱) - (۱۵) - عذاب الخلد - (۱۴ : ۳۲)

۱۶- عذاب السموم - (۲۷ : ۵۲) - (۱۷) - عذاب یوم القیامۃ - (۳۶ : ۵) - (۲۴ : ۳۹) - (۴۷ : ۳۹) -

۱۸- عذاب اللہ - (۱۱۸ : ۵) - (۲۱ : ۱۴)

۱۹- عذابِ جہنم اور رحمت میں حدِّ فاصل بس ایک دیوار ہے جس میں ایک دروازہ ہے - (۱۳ : ۵۷)

۲۰- ایک جیسی قومیں ایک دوسرے کے ساتھ جہنم میں مل جائیں گی - ان کی باہمی گفتگو - (۳۸-۳۹ : ۷)

۲۱- تبدیلیٔ جلود - (۵۶ : ۴) - (۲۲) عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی - (۴۹ : ۴۰) - زیادہ ہوتا جائے گا -
(۳۶ : ۳۵) - (۳۰ : ۷۸)

(نیز دیکھیے عنوان آخرت اور جہنم)

دنیا اور آخرت دونوں میں نتائجِ اعمال

۱- انہوں نے آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی کو خرید لیا - (۸۶ : ۲) - (۱۷۵ : ۲) - (۷۷ : ۴) - (۳ : ۱۴) -
(۱۰۷ : ۱۶) - (۱۰۳ : ۱۸) - (۳۸ : ۷۹) - (۱۶-۱۷ : ۸۷)

۲- جو اسی زندگی کو منتہائے مقصود قرار دے لے، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا - (۱۰۲ : ۲) - (۲۰۱ : ۲)
(۷۶ : ۳) - (۱۵-۱۶ : ۱۱) - (۱۸-۲۱ : ۱۷) - (۲۰ : ۴۲) - (۲۰ : ۴۶) - (۲۹ : ۵۳)

۳- دنیاوی زندگی میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم - (۸۵ : ۲) - (۱۱۴ : ۲) - (۳۳ : ۵) - (۴۱ : ۵)
(۹ : ۲۲) - (۲۶ : ۳۹) - (۳۳ : ۶۸)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ دنیا اور آخرت دونوں میں برگزیدہ۔ (۱۳۰ : ۲) ۔ (۱۲۲ : ۱۶) ۔ (۲۷ : ۲۹) ۔
حضرت عیسیٰؑ بھی ۔ (۴۴ : ۳)

۵۔ دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات چاہنے والے ۔ (۲۰۱ : ۲) ۔ (۱۴۷ : ۳) ۔ (۱۵۶ : ۷) ۔ (۲۷ : ۱۴)،
(۳۰ : ۱۶) ۔ (۴۱ : ۱۶) ۔ (۷۷ : ۲۸) ۔ (۲۸-۲۹ : ۳۳) ۔ (۲۸ : ۵۷)

۶۔ دنیا اور آخرت دونوں میں حبطِ اعمال ۔ (۲۱۷ : ۲) ۔ (۲۱ : ۳) ۔ (۶۹ : ۹)

۷۔ دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ۔ (۵۵ : ۳) ۔ (۷۴ : ۹) ۔ (۳۴ : ۱۳) ۔ (۷۵ : ۱۷) ۔ (۱۱ : ۲۲) ۔
(۱۹ : ۲۴) ۔ (۲۳ : ۲۴) ۔ (۴۲ : ۲۸) ۔ (۵۷ : ۳۳) ۔ (۵۱ : ۴۰)

۸۔ جو اس دنیا کا ثواب (حصّہ) چاہتا ہے اسے وہ مل جاتا ہے ۔ جو (اس کے ساتھ) آخرت کا بھی چاہتا ہے، اسے
وہ بھی مل جاتا ہے ۔ (۱۴۴ : ۳) ۔ (۱۳۴ : ۴) ۔ (۱۸ - ۲۱ : ۱۷)

۹ کفر کرنے والوں کو دنیا دی زندگی مزین بن کر دکھائی دیتی ہے ۔ مومن قیامت کے دن ان پر فائق ہوں گے ۔ (۲۱۲ : ۲)

۱۰۔ مال و دولت متاعِ دنیا ہے ۔ اللہ کے ہاں حسن مآب ہے ۔ (۱۴ : ۳) ۔ (۷۷ : ۴) ۔ (۳۲ : ۶) ۔ (۱۶۹ : ۷)
(۳۸ : ۹) ۔ (۷۰ : ۱۰) ۔ (۲۶ : ۱۳) ۔ (۲۹ : ۱۳) ۔ (۱۳۱ : ۲۰) ۔ (۶۰-۶۱ : ۲۸) ۔ (۶۴ : ۲۹) ۔
(۷ : ۳۰) ۔ (۳۹ : ۴۰) ۔ (۳۶ : ۴۲) ۔ (۳۶ : ۴۷) ۔ (۲۰ : ۵۷)

۱۱۔ جنگِ اُحد میں ۔ دنیا دی مال چاہنے والے اور آخرت چاہنے والے ۔ (۱۵۱ : ۳)

۱۲۔ رزقِ طیب و اشیائے زینت ۔ دنیا میں مومن و کافر سب کے لئے ۔ اور قیامت میں صرف مومنین کے لئے (۳۲ : ۷)
(۴۶ : ۱۸) ۔ (۱۳) ۔ دنیا دی زندگی پر مطمئن ہو جانے والے لقاءِ رب پر یقین نہیں رکھتے ۔ (۷ : ۱۰)

۱۴۔ متاعِ حیاتِ دنیا کی مثال ۔ (۲۳-۲۴ : ۱۰) ۔ (۲۰ : ۵۷)

۱۵۔ اولیاء اللہ کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں بشارت ہے ۔ (۶۴ : ۱۰) ۔ (۳۰ : ۴۱)

۱۶۔ قومِ عاد کی اس دنیا میں بھی محرومی اور قیامت میں بھی ۔ (۶۰ : ۱۱) ۔ (۹۹ : ۱۱)

۱۷۔ حق کے خلاف تدبیریں کرنے والوں کو دنیا اور قیامت دونوں میں عذاب ۔ (۲۷ : ۱۶)

۱۸۔ یہاں کا اندھا وہاں کا بھی اندھا ہو گا ۔ (۷۲ : ۱۷) ۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۱۹۔ یہاں روزی تنگ ہو جائے گی ۔ اور قیامت کے دن اندھا اٹھے گا ۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۲۰۔ دنیا اور آخرت میں خدا کی نصرت ۔ (۱۵ : ۲۲)

۲۱۔ دنیا میں اپنا حصہ نہ بھلاؤ۔ اور آخرت کی بھی فکر کرو۔ (۲۸ : ۷۷)

۲۲۔ عذابِ اکبر سے پہلے عذابِ اصغر۔ (۳۲ : ۲۱) ۔ (۲۳)۔ حبطِ اعمال۔ (۳ : ۲۱)

۲۴۔ دنیا اور آخرت میں عذاب۔ (۳ : ۵۵)۔ (۹ : ۷۴)۔ (۹ : ۱۰۱)۔ (۱۱ : ۲۰-۲۲)۔ (۱۳ : ۳۴)۔ (۱۸ : ۸۶-۸۷)۔ (۲۵ : ۶۸-۶۹)۔ (۲۷ : ۵)۔ (۲۹ : ۵۳-۵۵)۔ (۳۳ : ۵۷)۔ (۳۹ : ۲۶)۔ (۵۲ : ۴۷)۔ (۵۹ : ۳)۔ (۶۵ : ۸-۱۰)۔ (۶۸ : ۳۳)۔

۲۵۔ اس دنیا میں رزق کی تنگی اور آخرت میں اندھا۔ (۲۰ : ۱۲۴، ۱۲۷)

۲۶۔ عذابِ اکبر سے پہلے چھوٹا عذاب تاکہ یہ غلط روش چھوڑ دیں۔ (۳۲ : ۲۱)۔ (۶۸ : ۳۳)

۲۷۔ عذاب فوق عذاب۔ (۱۶ : ۸۸)

۲۸۔ قتلِ مومن کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں سزا۔ (۴ : ۹۲)

یعذب من یشاء

۱۔ (۲ : ۲۸۴)۔ (۳ : ۱۲۸)۔ (۵ : ۱۸)۔ (۵ : ۴۰)۔ (۱۷ : ۵۴)۔ (۲۹ : ۲۱)۔ (۴۸ : ۱۴)۔
(تفصیل تقدیر اور مشیت کے عنوانوں میں دیکھئے)

عدالتی سزا

۱۔ جب زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں تو یہ "عذاب" پبلک میں دیا جائے۔ (۲۴ : ۲)

۲۔ لونڈیوں کے لئے یہ "عذاب" آزاد عورتوں کی بہ نسبت نصف ہوگا۔ (۴ : ۲۵)

دنیا اور آخرت کی تخصیص کے بغیر عذاب

۱۔ کفار کے لئے عذابِ عظیم۔ (۲ : ۷)۔ (۳ : ۱۰۴)۔ (۳ : ۱۷۵)۔ (۱۶ : ۱۰۶)۔ عذاب۔ (۵ : ۸۰)۔ (۵ : ۱۱۵)۔ (۶ : ۴۹)۔ (۶ : ۱۵۸)۔ (۷ : ۱۵۶)۔ (۱۹ : ۷۹)۔ (۳۰ : ۱۶)۔ (۳۴ : ۸)۔

۲۔ عذابِ الیم۔ (۲ : ۱۰)۔ (۲ : ۱۰۴)۔ (۲ : ۱۷۸)۔ (۳ : ۲۱)۔ (۳ : ۱۷۶)۔ (۳ : ۱۸۲)۔ (۴ : ۱۳۸)۔ (۴ : ۱۷۳)۔ (۵ : ۷۳)۔ (۹ : ۳۴)۔ (۹ : ۶۱)۔ (۱۴ : ۲۲)۔ (۱۵ : ۵۰)۔

(۱۶ : ۶۳) - (۱۶ : ۱۰۴) - (۱۶ : ۱۱۷) - (۱۷ : ۱۰) - (۲۲ : ۲۵) - (۳۱ : ۷) - (۳۳ : ۸)
(۳۷ : ۳۸) - (۴۲ : ۲۱) - (۴۳ : ۶۵) - (۴۵ : ۸) - (۴۶ : ۳۱) - (۵۸ : ۴) - (۶۱ : ۱۰)
(۶۷ : ۲۸) - (۷۳ : ۱۲-۱۳) - (۷۶ : ۳۱) - (۸۴ : ۲۳) -

۲۔ عذاب مہین۔ (۲ : ۹۰) - (۳ : ۱۷۷) - (۴ : ۱۰۲) - (۴ : ۱۵۱) - (۲۲ : ۵۷) - (۳۱ : ۶) -
(۴۵ : ۹) - (۵۸ : ۵)

۴۔ عذاب شدید۔ (۲ : ۱۶۵) - (۳ : ۴) - (۱۴ : ۲) - (۴۱ : ۲۷) - (۵۸ : ۱۵)

۵۔ عذاب من الرحمٰن۔ (۴۵ : ۱۹) - (۶) عذاب من رجز الیم۔ (۳۴ : ۵) - (۴۵ : ۱۱)

۷۔ زلزلۃ الساعۃ کا عذاب۔ (۲۲ : ۱-۲) - (۸) عذاب الحریق۔ (۳ : ۱۸۰)

۹۔ عذاب السعیر۔ (۲۲ : ۴) - (۶۷ : ۵) - (۱۰) - عذاب النار۔ (۲ : ۱۲۶)

۱۱۔ عذاب غلیظ۔ (۳۱ : ۲۴) - (۵۰ : ۴۱) - (۱۲) - عذاب رب سے محتاط رہنا چاہیئے۔ (۱۷ : ۵۷) -
(۷۰ : ۲۷ - ۲۸) - ضرور واقعہ ہوگا۔ (۵۲ : ۷) - (۱۳) عذاب واقع۔ (۷۰ : ۱)

۱۴۔ ظالمین جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا اس کے لوٹ جانے کی کوئی سبیل ہے۔ (۴۲ : ۴۴)

۱۵۔ اللہ انہیں عذاب اکبر دے گا۔ (۲۵ : ۱۹) - (۸۸ : ۲۴)

۱۶۔ عذاب فوق عذاب۔ (۱۶ : ۸۸)

متفرق

۱۔ اللہ کی طرف سے عذاب اور انسانوں کے ہاتھوں سے عذاب۔ (۹ : ۵۲) - (۲۹ : ۱۰)

۲۔ اس عذاب سے انسان کو اس کے قریب ترین رشتہ دار بھی نہیں چھڑا سکیں گے۔ (۷۰ : ۱۱) - (۳۹ : ۴۷) -
(۷۰ : ۱۰ - ۱۴) - (۳) عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ (۲ : ۸۶)

۴۔ بیشتر انسان عذاب کے مستوجب بن جاتے ہیں۔ (۲۲ : ۱۸) - انہیں عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ (۳۹ : ۱۹) -
(۳۹ : ۷۱) - (۵) - آلِ فرعون کو صبح شام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور یوم الساعت کو اشد عذاب
میں ڈالا جائے گا۔ (۴۰ : ۴۶) - (۶) مغفرت کے عوض عذاب خریدنے والے۔ (۲ : ۱۷۵)

۷۔ دنیا میں طیبات سب کے لئے۔ قیامت میں خالصتہً مومنین کے لئے۔ (۷ : ۳۲)

۸۔ قوتِ ارادی و انتخاب اس لیے دی کہ عذاب دیا جا سکے ۔ (۴۳ : ۳۳)

۹۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں کہا کہ اس سے مومنین کے دل میں سکینت پیدا کر دی تاکہ خدا انہیں جنت میں داخل کر دے اور منافقین کو عذاب دے۔ لہٰذا، یہ جنت بھی اسی دنیا کی ہے اور عذاب بھی ۔ (۶ - ۵ : ۴۸)

۱۰۔ اگر تم ایمان لے آؤ تو خدا نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے ۔ (۱۴۷ : ۴)

(٠)

۱۔ عرش

عرش کے لفظی معنی ستون ۔ یا ان سہاروں کے ہیں جن پر مکان کی چھت کھڑی ہو۔ لیکن مجازی طور پر اس کے معنی غلبہ و تسلط اور حکومت و اقتدار کے ہیں۔ قرآن کریم کے سمجھنے میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ کلام تو خدا کا ہے ۔ لیکن دیا گیا ہے انسانوں کی (عربی) زبان میں ۔ اسی لئے اس کے الفاظ کے معانی، انسانی لغت کی رُو سے متعین ہوتے ہیں۔ ہم اپنی زبان میں جب تختِ حکومت کہتے ہیں تو اس سے مراد، لکڑی یا سونے چاندی کا کوئی تخت نہیں ہوتا۔ اس سے مقصود اقتدار اور تسلّط ہوتا ہے ۔ (ویسے، تخت، اس مسند کو بھی کہتے تھے جس پر بادشاہ بیٹھتا تھا)۔ جب یہ کہا جائے کہ "اس نے دہلی کا تخت چھین لیا" تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ (بلکہ خود "دہلی" ۔ یعنی پایۂ تخت ۔ سے بھی مراد وہ ملک ہوگا جس کا دارالسلطنت دہلی تھا) ۔ تخت ۔ تاج ۔ جھنڈا وغیرہ سلطنت اور حکومت کے شعار (علامات) ہوتے ہیں اور انہیں انہی معانی میں لینا چاہیئے۔ اس لئے خدا کے عرش سے مراد، کوئی سچ مچ کا تخت نہیں جس پر خدا بیٹھتا ہے ۔ اس سے مراد اس کا مرکزی کنٹرول ہے جو اسے تمام کائنات پر حاصل ہے ۔ خدا، زمان اور مکان کی نسبتوں سے ماوراء ہے اس لئے اس کا عرش بھی کسی خاص مقام پر نہیں بچھ رہا۔ نہ ہی "استواء علی العرش" سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی خاص تخت پر جم کر بیٹھا ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے تمام نظامِ کائنات پر پورا پورا کنٹرول حاصل ہے ۔ اس کی تمام مخلوق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔

۲۔ قرآن کریم میں "حاملینِ عرشِ خداوندی" کا بھی ذکر آیا ہے ۔ اس سے مراد خدا کے پیدا کردہ وہ وسائط (ذرائع) ہیں جو نظم و نسقِ کائنات کو برقرار رکھنے میں، خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ خارجی کائنات میں انہیں ملائکہ کہا گیا ہے ۔ لیکن جب انسانی دنیا میں حکومتِ خداوندی قائم ہو گی تو جو لوگ اس

حکومت کے قیام و استحکام کے ذمہ دار ہوں گے۔ وہ "حاملینِ عرشِ خداوندی" کہلائیں گے۔

۲۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ہے کہ "خدا کا عرش پانی پر ہے" (۷ : ۱۱)۔ اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے وہ آیت سامنے لانی چاہیئے جس میں کہا گیا ہے کہ "زندگی کا مدار پانی پر ہے" (۳۰ : ۲۱)۔ لہٰذا پانی پر خدا کے عرش سے مقصود یہ ہے کہ زندگی (LIFE) پر بھی کنٹرول خدا ہی کا ہے۔

خدا کا عرش

۱۔ رب العرش۔ (۲۲ : ۲۱)۔ (۸۲ : ۴۳)۔ (۳)۔ رب العرش الکریم۔ (۱۱۶ : ۲۳)

۲۔ رب العرش العظیم۔ (۱۲۹ : ۹)۔ (۸۶ : ۲۳)۔ (۲۶ : ۲۷)

۴۔ صاحبِ عرش خدا ہے۔ (۱۵ : ۴۰)۔ صاحبِ عرشِ مجید۔ (۴۲ : ۱۷)۔ (۲۰ : ۸۱)۔ (۱۵ : ۸۵)

۵۔ سرچشمۂ حیات (یعنی پانی) پر خدا کا عرش۔ (۷ : ۱۱)

استواء علی العرش

۱۔ کائنات کے عرش پر الرحمٰن متمکن ہے۔ (۵ : ۲۰)

۲۔ تخلیقِ کائنات کے بعد اس کے تختِ حکومت پر متمکن۔ (۵۴ : ۷)۔ (۳ : ۱۰)۔ (۴-۲ : ۱۳)۔ (۵۹ : ۲۵)۔ (۴ : ۳۲)۔ (۴ : ۵۷)

حاملینِ عرشِ خداوندی

۱۔ اس دن خدا کے عرش کو آٹھ ملائکہ اٹھائے ہوں گے۔ (۱۷ : ۶۹)

۲۔ عرشِ خداوندی اور اس کے متعلقات (ماحول) کو اٹھانے والے، اپنے فرائض کی تکمیل میں سرگرم اور خدا پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ (۷ : ۴۰)

۳۔ ملائکہ، عرشِ خداوندی کے حاملین۔ (۷۵ : ۳۹)

متفرق

۱۔ ملکۂ سبا کا عرش۔ (۲۷ : ۲۳) - (۲۷ ، ۳۸-۴۲ ، ۲۷)
۲۔ فرعون نے تمسخر سے کہا کہ ایک محل بنا دو تاکہ میں اس پر چڑھ کر خدا کو جھانک آؤں۔ یہ اس کی جہالت تھی۔ خدا کسی مقام پر نہیں بیٹھا ہوا۔ (۴۰ : ۳۶)
۳۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے ماں باپ کو عرش پر بٹھایا۔ (۱۲ : ۱۰۰)
۴۔ ان بستیوں کے کھنڈرات جن کی چھتیں الٹی ہوئی تھیں۔ (۲ : ۲۵۹) - (۱۸ : ۴۲) - (۲۲ : ۴۵)
۵۔ باغات، ٹٹیوں پر۔ (۶ : ۱۴۱)

—(۰)—

۱۱- عفو

عفوٌ۔ اس کے بنیادی معنی ترک کر دینا یا چھوڑ دینا ہیں۔ نیز مٹا دینا۔

کسی سے کوئی غلطی یا جرم ہو جائے تو جہاں عدل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے اس کے جرم کی سزا دی جائے، وہیں یہ تقاضا بھی ہوتا ہے کہ اگر مجرم میں احساسِ ندامت پایا جائے اور اس کا امکان ہو کہ یہ ندامت اس کی اصلاح کی موجب بن جائے گی تو اسے اتنی سی سرزنش کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ اسے عفوِ خطا کہا جائے گا۔ یا اگر سزا دی جائے تو اس کے بعد اس کے ضرر رساں نتائج کو محو کر دیا جائے۔ یہ بھی عفو کی ایک شکل ہوگی۔ قوانینِ خداوندی میں اس لئے عفو کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔ لہٰذا، جہاں جرائم کی سزا کے متعلق عفو کا ذکر ہوگا وہاں اس کا یہی مفہوم ہوگا۔ لیکن جرم اور خطا کا جو اثر انسان کی اپنی ذات پر پڑتا ہے اسے کوئی اور مٹا نہیں سکتا (یعنی معاف نہیں کر سکتا)۔ اس کے لئے قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ایسے اثرات اسی صورت میں مٹ سکتے ہیں کہ خطا کار، اتنے اچھے کام کرے کہ ان کے تعمیری نتائج، خطا کے تخریبی نتائج پر بھاری ہو جائیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات توبہ، مغفرت، حسنات، سیآت وغیرہ)۔ نیز (جرم و سزا)

۲۔ عفو کا لفظ زائد از ضرورت مال یا اشیاء کے لئے بھی آتا ہے۔

خدا کی طرف سے عفو

۱۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت کے سلسلہ میں کہا۔ (۱۸۷ : ۲) - (۲) جنگِ احُد کے سلسلہ میں - (۱۵۱ : ۳) - (۱۵۲ : ۳)
۳۔ قانون نافذ ہونے سے پہلے کے غلط کام قابلِ معافی ہوتے ہیں - (۹۵ : ۵) - (۴) غیر ضروری باتوں کے سوال کرنے کے سلسلہ میں کہا - (۱۰۱ : ۵) - (۵) - بنی اسرائیل کی خطاکوشیوں کا عفو - (۵۲ : ۲) - (۱۵۳ : ۴)
۶۔ اللہ عفوٌ قدیر ہے (۱۴۹ : ۴) - عفوٌ غفور - (۴۳ : ۴) - (۹۹ : ۴) - (۱۴۹ : ۴) - (۶۰ : ۲۲) (۲ : ۵۸) - (۷) - خدا بہت سی باتوں پر عفوؔ سے کام لیتا ہے - (۱۵ : ۵) - (۶۶ : ۹) - (۴۲:۲۵) (۳۰ : ۴۲) - (۳۴ : ۴۲)

انسانوں کی طرف سے عفو

۱۔ جرم کے مطابق سزا دی جا سکتی ہے - لیکن جو مستغیث معاف کر دے اور اس طرح مجرم کی اصلاح کا امکان پیدا کرے، تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگا - (۴۰ : ۴۲)
۲۔ طلاق کی صورت میں عورت مہر طلب کر سکتی ہے - لیکن وہ اگر اسے چھوڑ دے تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (۲۳۷ : ۲)
۳۔ تم دوسروں کی فروگذاشتوں کو معاف کر دیا کرو - (۱۷۸ : ۲) - (۲۲ : ۲۴) - (۱۴ : ٦٤)
۴۔ عافین عن الناس، مومنین کی صفت ہے - (۱۳۴ : ۳)

رسول اللہؐ کو عفو کی تاکید

۱۔ خیانت کرنے والے یہودیوں کو عفو (۱۳ : ۵) - دیگر اہلِ کتاب کے لئے - (۱۰۹ : ۲)
۲۔ اپنے رفقاء کو عفو - (۱۵۹ : ۳)
۳۔ رسول اللہؐ کی فروگذاشت پر خدا کی طرف سے عفو - (۴۳ : ۹)

زائد از ضرورت مال

۱۔ زائد از ضرورت مال، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا رکھو - (۲۱۹ : ۲)

۲۔ اس مال کے متعلق نظامِ اسلامی کو حکم کہ وہ لوگوں سے وصول کر لیا کریں۔ (۱۹۹ : ۷)
۳۔ عفوؔ کے معنی مرفہ الحال ہو جانا۔ یعنی ضروریات سے زائد مال جمع ہو جانا۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ (۹۵ : ۷)

خدا سے دعائے عفو

۱۔ واعف عنا۔ واغفر لنا۔ (۲۸۶ : ۲)

(۰)

۱۲۔ علم وعقل

مذہب (دین نہیں بلکہ مذہب) میں عام تصور یہ ہے کہ ایمان، کسی بات کو بلا سوچے سمجھے مان لینے کا نام ہے۔ مذہبی تقاضوں کی مصلحتیں، منطقی دلائل و براہین سے سمجھ میں نہیں آسکتیں اس لئے انہیں بلا دلیل مان لینا چاہیئے۔ امورِ شریعت میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اور عقل کی جنگ قدیم سے چلی آرہی ہے اور سائنس اور مذہب کے معرکے گویا مسلمات میں داخل ہیں۔

مذہب میں بے شک یہی کچھ ہوتا ہے لیکن (اس کے برعکس) دین اپنے ہر دعوے کی بنیاد علم پر رکھتا اور اُسے دلیل و برہان کی رو سے منواتا ہے۔ دین میں ایمان نام ہے کسی صداقت کو علیٰ وجہ البصیرت، دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے بعد تسلیم کرنے کا۔ آپ قرآن کریم کو کھولیے۔ آپ اس کے ایک ایک ورق پر دیکھیں گے کہ وہ کس طرح علم و عقل کو اپیل کرتا اور فہم و بصیرت کو دعوت دیتا ہے۔ وہ عقل و شعور سے کام نہ لینے والوں کو حیوانات بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ قرار دیتا۔ اور انہیں جہنم کا کندہ بتاتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ دین کے بعض مسلمات، ماورائے طبیعات (غیر مرئی اور غیر محسوس) ہیں۔ ان کا تعلق مادی کائنات سے نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو حقائق ماورائے عالمِ محسوسات ہیں، انہیں علم و بصیرت کی رو سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ ان حقائق کو سمجھنے کے دو طریقے ہیں ــ اور یہ دونوں طریقے علمِ منطق کے مسلمات میں سے ہیں۔ ایک طریق یہ ہے کہ آپ دی کے ذریعے عطا کردہ کسی حقیقت کو صحیح (مبنی بہ صداقت) تسلیم کر کے مشاہدات و تجربات اور تفکر و تدبر سے اس پر غور کرتے جائیں۔ تاآنکہ آپ اسے علیٰ وجہ البصیرت سمجھ لیں۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ آپ خالی الذہن ہو کر حقائقِ کائنات پر غور و فکر کریں اور

اسی طرح محسوسات سے غیر محسوس حقیقتوں تک پہنچ جائیں۔ اس دوسرے طریقہ میں وقت بھی زیادہ لگتا ہے اور محنت بھی کافی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر تم نے صحیح علمی تحقیق کا راستہ اختیار کیا اور اس میں استقامت سے آگے بڑھتے گئے تو آپ اس حقیقت تک علیٰ وجہ البصیرت پہنچ جائیں گے جو وحی نے پیش کی تھی اس لئے کہ وحی اس خدا کا عطا کردہ علم ہے جو خالقِ فطرت اور خبیر و علیم ہے۔ لہٰذا دین علم و بصیرت پر مبنی حقائق کے نام ہے۔ ظن و قیاس یا توہم پرستیوں کا مجموعہ نہیں۔ علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ فہم و بصیرت۔ تفکر و تدبر کے متعلق جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا کسی ایک عنوان کے تحت بتمام و کمال سمٹ جانا مشکل ہے۔ اسے آپ مختلف عنوانات میں دیکھئے۔ زیرِ نظر عنوان میں، اس موضوع کو بہ ہیئتِ مجموعی سامنے لایا جائے گا۔

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ بعض حقائق ایسے ہیں جن کا ادراک ذہن انسانی کما حقہٗ کر ہی نہیں سکتا۔ مثلاً یہ کہ ذاتِ خداوندی کی ماہیت کیسی ہے۔ یا حیات بعد الممات کی نوعیت کسی قسم کی ہوگی۔ انسانی ذہن لامحالہ محدود ہے اور زندگی کی موجودہ سطح پر اس کا ادراک نہ کسی لامحدود کو اپنے احاطہ میں لے سکتا ہے اور نہ ہی کسی غیر محسوس کو محسوسات کی طرح اپنی گرفت میں لے سکتا۔ ان حقائق کا جو تصور قرآن نے پیش کیا ہے۔ ہمیں اس تصور کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں کہا جائے گا کہ انسان کو علمِ خداوندی کے مقابلہ میں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس دائرے کا تعلق ہے جسکا علم انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی مقام پر کھڑے ہو کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ علم اپنی انتہا تک پہنچ گیا ہے اور ہمیں مزید تحقیق و جستجو کی ضرورت نہیں۔ کائنات کے حقائق بے حد و نہایت ہیں اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا جاتا ہے، مستور حقائق بے پردہ ہو کر ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں۔ اس لئے نہ کسی زمانے کا علم، آخری درجہ کا علم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی فرد کا علم، علم کی انتہا۔ علمِ انسانی، زمانے کی رَو کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔

اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی راہ نمائی کے لئے تنہا عقلِ انسانی کافی ہے اور وحی کی راہ نمائی کی ضرورت نہیں، وہ صحیح راستے پر نہیں چلتے۔ صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات کو عقل کے تابع رکھے اور عقل سے وحیٔ خداوندی کی روشنی میں کام لے۔ عقلِ بے باک تو انسانی جذبات کی لونڈی بن کر رہ جاتی ہے۔ علم، عقل، فہم، تدبر، شعور، تفقہ، غور و فکر، سب ایک بلند مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں اور وہ بلند مقصد ہے اقدارِ خداوندی کے مطابق، علیٰ وجہ البصیرت زندگی بسر کرنا تاکہ انسانی ذات، زندگی کی اگلی بلند ارتقائی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

اس عنوان میں علمِ خداوندی کے متعلق بات نہیں کی گئی۔ انسانی علم کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

علم کی فضیلت

۱۔ آدم (آدمی) کو علم الاشیاء کی صلاحیت عطا کی گئی اور اسی سے وہ مسجودِ ملائک قرار پایا۔ (۳۱ : ۲)

۲۔ کسی وقت بھی یہ سمجھ لینا کہ ہمیں مزید علم کی ضرورت نہیں، لقائے خداوندی سے محرومی ہے۔ (۸۸ : ۲)۔ فوق کل ذی علم علیم۔ (۷۶ : ۱۲)۔ رسول اللہؐ کی دعا۔ رب زدنی علما۔ (۱۱۴ : ۲۰)

۳۔ حضرت طالوت کا انتخاب اس لئے عمل میں آیا کہ انہیں جسمانی قوت بھی حاصل تھی اور علمی فضیلت بھی۔ مال وجہِ انتخاب نہیں ہو سکتا۔ (۲۴۷ : ۲)

۴۔ اگر تمہیں علم ہو تو تم جان لو کہ احکامِ خداوندی کس قدر حکمت پر مبنی ہیں۔ (۲۸۰ : ۲)

۵۔ الراسخون فی العلم جانتے ہیں کہ متشابہات سے کیا بیان کرنا مقصود ہے۔ (۷ : ۳)

۶۔ اربابِ علم، توحید کی گواہی دیتے ہیں اور عدل کو قائم رکھتے ہیں۔ (۱۸ : ۳)۔ (۵۴ : ۲۲)۔ (۶ : ۳۴) قرآن کی حقانیت کو بھی سمجھتے ہیں۔

۷۔ قرآنی تعلیم و تدریس۔ (۷۹ : ۳)۔ (۸) یہود کے راسخون فی العلم ایمان لاتے ہیں۔ (۱۶۲ : ۴)

۹۔ حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کی درخواست مت کیا کرو۔ (۴۶ : ۱۱)

۱۰۔ حضرت یوسفؑ کو تاویل الاحادیث کا علم دیا گیا۔ (۱۰۱ : ۱۲)

۱۱۔ قیامت میں صاحبانِ علم کہیں گے کہ آج کفار کے لئے رسوائی ہے۔ (۲۷ : ۱۶)

۱۲۔ ارذل العمر میں انسان کا علم جاتا رہتا ہے۔ (۷۰ : ۱۶)

۱۳۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ سمع۔ بصر۔ قلب۔ سب سے باز پرس ہوگی۔ (۳۶ : ۱۷)۔ نہ ہی ایسی بات منہ سے نکالو۔ (۱۵ : ۲۴)

۱۴۔ خدا کے متعلق۔ کسی جاننے والے (باخبر) سے پوچھو۔ (۵۹ : ۲۵)

۱۵۔ علم سے انسان صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ (۸۰ : ۲۸)

۱۶۔ خدا مثالوں سے بات واضح کرتا ہے لیکن اس سے اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (۴۳ : ۲۹)۔ (۵۸-۵۹ : ۳۰) (۲۱ : ۵۹)۔ (۱۷)۔ قرآن کی آیات اہلِ علم کے سینے میں ہیں۔ (۴۹ : ۲۹)

۱۸۔ قرآن نازل ہی اہلِ علم کے لئے ہوا ہے۔ (۳ : ۴۱)

١٩۔ حضرت ابراہیمؑ کو ایک علیم بیٹے کی بشارت ۔ (٢٨ : ٥١)

٢٠۔ علم حق ہے ۔ اس کے برعکس ظن ہے ۔ ظن حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دے سکتا ۔ (٢٨ : ٥٣) ۔ (٣٦ : ١٠)

٢١۔ انسان کو خدا نے قوتِ بیان عطا کی ۔ (٤ : ٥٥) ۔ قلم اور دوات (١ : ٦٨)

٢٢۔ اہلِ علم کے درجات بلند ہیں ۔ (١١ : ٥٨) ۔ (٢٣) علم الیقین اور عین الیقین ۔ (٧-٥ : ١٠٢)

٢٤۔ سائنس دان اہلِ علم ہیں ۔ وہی خدا کی عظمت کا احساس کرکے اس کے سامنے جھکتے ہیں ۔ (٢٨-٢٧ : ٣٥)

٢٥۔ علم وہی فائدہ دے سکتا ہے جس سے وحی کی روشنی میں کام لیا جائے ۔ (٧٨ : ٢٨) ۔ (٣٨ : ٢٩) ۔ (٤٩ : ٣٩)
(٨٣-٨٢ : ٤٠) ۔ (٢٣ : ٤٥) ۔ (٢٦ : ٤٦) ۔ (٣٠ : ٥٣)

علماء

١۔ قرآن، بعض حقائق کو تمثیلی انداز میں بیان کرتا ہے ۔ جنہیں اہلِ علم (عالم) ہی سمجھ سکتے ہیں ۔ (٤٣ : ٢٩)

٢۔ تخلیقِ ارض و سما اور اختلافِ الوان و السنہ میں آیات ہیں ۔ لیکن انہیں عالم ہی سمجھ سکتے ہیں ۔ (٢٣-٢٢ : ٣٠)

٣۔ کارگہِ کائنات میں قوانینِ خداوندی کس طرح کارفرما ہیں، اسے علماء ہی سمجھ سکتے ہیں جب وہ ان کی کنہ و حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں تو خدا کی کبریائی کے احساس سے ان پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے ۔ (٢٨-٢٧ : ٣٥)

٤۔ علماء بنی اسرائیل قرآن کو جانتے پہچانتے تھے ۔ (١٩٧ : ٢٦)

عقل و فکر کی اہمیت

١۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل لاؤ ۔ (١١١ : ٢) ۔ (٢٤ : ٢١) ۔ (١١٧ : ٢٣) ۔
(٦٤ : ٢٧) ۔ (١٥٧-١٥٦ : ٣٧)

٢۔ قرآنی احکام کی حکمت کو اربابِ عقل و بصیرت سمجھ سکتے ہیں ۔ (١٦٩ : ٢) ۔ (٥٢ : ١٤)

٣۔ اے صاحبانِ عقل و بصیرت، خدا کا تقویٰ اختیار کرو ۔ (١٩٧ : ٢) ۔ (١٠٠ : ٥) ۔ (١٠ : ٦٥)

٤۔ خدا اپنے احکام کی تبیین کرتا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لو ۔ (٢١٩ : ٢) ۔ (٢٣٠ : ٢) ۔ (٢٤٢ : ٢)
(٢٦٦ : ٢) ۔ (١١٧ : ٣) ۔ (٦٥ : ٦) ۔ (١٠٦ : ٦) ۔ (١٥٢ : ٦) ۔ (٣٢ : ٧) ۔ (١٧٦ : ٧) ۔ (١٠ : ٥)
(٢٤ : ١٠) ۔ (٤٤ : ١٤) ۔ (٢٨ : ٣٠) ۔ (١٧ : ٥٧) ۔ (٢١ : ٥٩)

۵- تم دنیا اور آخرت پر غور و فکر کرو۔ (۲ : ۲۲۰)
۶- جسے حکمت دی جائے اُسے خیرِ کثیر دی جاتی ہے۔ اس بات کو صاحبانِ عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (۲ : ۲۶۹)
۷- واقعۂ بدر میں اربابِ بصیرت کے لئے عبرت ہے۔ (۳ : ۱۲)- دیگر قصص میں بھی۔ (۱۲ : ۱۱۱)
۸- تدبر فی القرآن کی تاکید۔ (۴ : ۸۲)- قرآن کو محض سن لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (۶ : ۲۵)-
(۲۳ : ۶۸)-(۲۹ : ۳۸)
۹- بصائرِ خداوندی پر غور و فکر کرنے والے کو فائدہ پہنچے گا۔ اندھا بن کر رہنے والا محروم رہ جائے گا۔ (۶ : ۱۰۵)
۱۰- قرآن، عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (۱۲ : ۲)- (۴۳ : ۳)
۱۱- رسول اللہ کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت تھی۔ یہی طریق حضور کے متبعین کا ہوگا۔ (۱۲ : ۱۰۸)
۱۲- مومن، آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھک پڑتے۔ (۲۵ : ۷۳)
۱۳- حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی عقل کو اپیل کیا۔ (۲۶ : ۲۸)- حضرت ابراہیمؑ نے بھی۔ (۲۶ : ۷۵)
۱۴- عقل و فکر اور علم و بصیرت سے اگر وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے تو وہ تباہی سے نہیں بچا سکتے۔ (۲۹ : ۳۸)-
(۳۹ : ۴۹)- (۱۵)- انبیاء کرام صاحبِ قوت و بصیرت تھے۔ (۳۸ : ۴۵)
۱۶- قرآن کا اتباع کرنے والے ہی اہلِ عقل ہیں۔ (۳۹ : ۱۸)-
۱۷- کتابِ موسیٰؑ میں اہلِ عقل کے لئے ہدایت تھی۔ (۴۰ : ۵۴)
۱۸- صاحبانِ عقل و فکر ہی ایمان والے ہیں۔ یہی لوگ تقویٰ شعار ہوتے ہیں۔ (۶۵ : ۱۰)
۱۹- اربابِ عقل و فکر کے لئے قرآنی شہادات۔ (۵ : ۸۹)
۲۰- قرآن سامنے آجانے سے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس طرح انسان شیطان کے فریب سے بچ جاتا ہے۔
(۷ : ۲۰۱)- (۲۱)- قرآن کے بعد، زندگی اور ہلاکت علیٰ بیّنہ ہوگی۔ (۸ : ۴۲)
۲۲- کفار میدانِ جنگ میں اس لئے مغلوب ہو گئے کہ وہ تفقہ سے کام نہیں لیتے تھے۔ (۸ : ۶۵)-(۱۴-۱۳ : ۵۹)
۲۳- بس تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ تم سوچا کرو۔ (۳۴ : ۴۶)
۲۴ عقل والے وہ ہیں جو قرآن کو بغور سنتے ہیں اور پھر اس پر بطریقِ احسن عمل کرتے ہیں۔ (۳۹ : ۱۸)

عقل و علم سے کام نہ لینے والے

۱۔ خدا کے ذمے ایسی باتیں نہ لگاؤ جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ (۱۶۹ : ۲)۔(۲۸ : ۷)۔(۳۳ : ۷)۔(۶۸ : ۱۰)۔

۲۔ جو نہ ہدایت پر ہو، نہ عقل رکھتا ہو، اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ یہ حیوانی روش ہے۔(۱۷۱-۱۷۰ : ۲)۔

۳۔ کفر سے انسان اندھا۔بہرہ۔گونگا۔لا یعقل ہو جاتا ہے۔(۱۷۱ : ۲)۔(۲۵۱ : ۶)۔(۳۹ : ۶)۔(۱۰۰ : ۷)
(۸۷ : ۹)۔(۹۳ : ۹)۔(۴۵-۴۶ : ۱۷)۔(۹۷ : ۱۷)۔(۵۷ : ۱۸)۔(۱۰۱ : ۱۸)۔
(۴۶ : ۲۲)۔(۵۹ : ۳۰)۔(۳-۵ : ۴۱)۔(۴۴ : ۴۱)۔(۲۳ : ۴۵)۔(۲۶ : ۴۶)۔
(۱۶ : ۴۷)۔(۳ : ۶۳)

۴۔ اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاؤ گے تو غلط فیصلے کرو گے۔ ایسے وقت میں کشودِ کار یہ ہے کہ تم احکامِ خداوندی پر عمل کرو۔ بعد میں تمہیں خود احساس ہو جائے گا کہ تم غلطی پر تھے۔ (۲۱۶ : ۲)۔(۲۳ : ۴۵)

۵۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ (۷۸ : ۴)

۶۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ (۸۲ : ۴)۔(۶۸ : ۲۳)۔(۲۴ : ۴۷)

۷۔ سمع وبصر وقلب کو اگر خدا سلب کر لے تو کوئی انہیں واپس نہیں دے سکتا۔ (۴۶ : ۶)

۸۔ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔(۵۰ : ۶)۔(۲۴ : ۱۱)۔(۱۹ ؛ ۱۶ : ۱۳)۔(۲۲-۱۹ : ۳۵)۔(۹ : ۳۹)۔

۹۔ بلا علم دوسروں کو گمراہ کرنیوالے۔(۱۲۰ ؛ ۶)۔(۶ : ۳۱)۔ بلا علم محض توہم پرستی کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کر دینے والے۔(۱۴۱ : ۶)

۱۰۔ ان کے پاس علم نہیں محض ظن و قیاس سے کام لیتے ہیں۔ (۱۴۹ : ۶)۔(۷۱ : ۲۴)۔(۲۰ : ۴۳)
(۲۸ : ۵۳)۔ (۱۱)۔ دل ہیں لیکن ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ نہ آنکھوں سے دیکھنے کا اور کانوں سے سننے کا کام لیتے ہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں، حیوان ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ یہ جہنم کے مستوجب ہیں۔
(۱۷۹ ؛ ۷)۔ یہ بدترین خلائق ہیں۔ (۲۲ : ۸)۔(۴۴ : ۲۵)

۱۲۔ یہ لوگ اس بات کی تکذیب کرتے ہیں جس پر ان کا علم احاطہ نہیں کر سکا۔ نہ ہی اس کا آخری نتیجہ ان کے سامنے آیا ہے۔ (۳۹ : ۱۰)۔(۸۴ : ۲۷)

۱۳۔ جو اپنے فہم و بصیرت سے کام نہ لے اسے رسول کی تبلیغ بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ (۴۳-۴۲ : ۱۰)۔
(۸۱-۸۰ : ۲۷)۔(۵۲-۵۳ : ۳۰)۔(۲۲ : ۳۵)۔(۴۰ : ۴۳)

۱۴۔ بے علم لوگوں کی راہ مت چلو۔ (۸۹ : ۱۰)

۱۵۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے ان میں رجس (CONFUSION) پیدا ہو جاتا ہے۔ (۱۰۰ : ۱۰) - یہ دل کی بیماری ہے۔ (۱۲۵ : ۹) - (۱۶)۔ بلا علم، خدا کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (۵ : ۱۸)

۱۷۔ بلا علم حق سے اعراض برتتے ہیں۔ (۲۴ : ۲۱) - (۱۸)۔ بلا علم خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ (۶۵ : ۳)-(۸ : ۲۲)-(۲۰ : ۳۱) - (۱۹) - دل کی آنکھ اندھی ہوا کرتی ہیں - (۴۶ : ۲۲)

۲۰۔ بلا علم شرک کرتے ہیں۔ (۷۰ : ۲۲) - اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (۱۱۷ : ۲۳)-(۴ : ۴۶)

۲۱۔ خدا کے بندے (مومن) آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھک پڑتے۔ (۷۳ : ۲۵)

۲۲۔ عقل سے کام نہ لینے والوں کو شیطان گمراہ کرتا ہے۔ (۶۲ : ۳۶)

۲۳۔ مخالفین کہتے ہیں کہ جس بات کی تو دعوت دیتا ہے اس کی طرف سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہے ہیں۔ (۵ : ۴۱)

۲۴۔ جو علم کے علی الرغم جذبات کی رو میں بہہ جائے۔ اس کے سمع۔ بصر۔ قلب سب مفلوج ہو جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۴۵)-(۲۶ : ۴۶) - (۲۵)۔ محض قیاس آرائیاں کرنے والوں کے لئے تباہی ہے۔ (۱۰ : ۵۱)

۲۶۔ جو اسی دنیا کی زندگی کو ہی زندگی سمجھتا ہے، اس کا مبلغِ علم کچھ نہیں - (۳۰ : ۵۳)

۲۷۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ اگر ہم عقل و فکر سے کام لیتے تو آج یہاں نہ ہوتے۔ (۱۰ : ۶۷)

۲۸۔ کسی بات کو سطحی طور پر دیکھنا یا سننا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اس پر غور کرنا ضروری ہے - (۱۹۸ : ۷) (۴۳ - ۴۲ : ۱۰)-(۱۲ : ۴۷)

عقل و جذبات جو وحی کے تابع نہ ہوں

۱۔ جس کا قلب ہمارے ذکر سے غافل ہو گیا اور وہ اپنے جذبات ہی کے پیچھے لگ گیا۔ اس کی اطاعت مت کرو۔ (۲۸ : ۱۸)

۲۔ جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا الٰہ بنا لیا۔ وہ علم و عقل کے باوجود تباہ ہو جاتا ہے۔ (۱۲۰ : ۲)- (۱۴۵ : ۲)-(۴۸ : ۵)-(۷۷ : ۵) - (۵۶ : ۶) - (۱۵۰ : ۶)-(۴۳ : ۲۵)-(۵۰ : ۲۸)-(۱۷ : ۴۵) - (۲۳ : ۴۵) - (۳)۔ بغیر علم جذبات کا اتباع۔ (۱۱۹ : ۶)-(۲۹ : ۳۰)

۴۔ ایسی قومیں عقل و بصیرت کے باوجود تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۲۸ : ۲۹)- (۲۶ : ۴۶)

ذرائعِ علم

۱۔ سمع وبصر ذرائعِ علم ہیں۔ ان سے محروم ہوجانا خدا کا عذاب ہے۔ (۲ : ۲۰) - (۶ : ۴۶)

۲۔ مظاہرِ فطرت پر غور وفکر۔ (۲ : ۱۶۴) - (۳ : ۱۸۹-۱۹۰) - (۶ : ۱۰۰) - (۷ : ۱۸۵) - (۱۰ : ۵-۶)
(۱۰ : ۶۷) - (۱۳ : ۳-۴) - (۱۶ : ۱۰-۱۳) - (۱۶ : ۶۶-۶۷) - (۲۰ : ۵۳-۵۴) - (۲۴ : ۴۳-۴۴) -
(۲۷ : ۶۰-۶۱) - (۲۸ : ۷۱-۷۲) - (۳۰ : ۸) - (۳۰ : ۲۲-۲۳) - (۳۰ : ۲۵) -
(۳۲ : ۲۶-۲۷) - (۳۵ : ۲۷-۲۸) - (۳۹ : ۲۱) - (۴۱ : ۹-۱۳) - (۴۴ : ۲۹) -
(۴۵ : ۳-۶) - (۴۵ : ۱۲-۱۳) - (۵۰ : ۶-۱۱) - (۵۱ : ۴۷-۵۰) - (۵۷ : ۱۷) -

۳۔ مشاہدہ ذریعۂ علم ہے۔ (۲ : ۲۵۹)

۴۔ سمع وبصر وقلب ذرائعِ علم ہیں۔ (۲ : ۳۹) - (۶ : ۴۶) - (۱۶ : ۷۸) - (۱۷ : ۳۶) - (۲۳ : ۷۸)
(۳۲ : ۹) - (۶۷ : ۲۳) - (۷۶ : ۲) - (۹۰ : ۸-۹)

۵۔ تاریخی شواہد میں صاحبانِ عقل کے لئے آیات ہیں۔ (۳ : ۱۲۸) - اقوامِ سابقہ کی بستیوں کے کھنڈرات میں سامانِ عبرت۔ (۲۲ : ۴۵-۴۶) - (۲۷ : ۵۲) - (۲۹ : ۳۵) - (۲۹ : ۳۸) - (۳۰ : ۸-۹) - (۳۲ : ۲۶)
(۳۲ : ۲۶) - (۳۷ : ۱۳۸) - (۳۸ : ۴۳) - (۴۰ : ۸۲-۸۳) - (۵۰ : ۳۶-۳۷)

۶۔ خود اپنے آپ میں غور وفکر سے کام لینا۔ (۳۰ : ۸)

۷۔ تخلیقِ انسانی پر غور وفکر کرنا۔ (۳۰ : ۲۰-۲۱) - (۳۹ : ۴۲) - (۴۰ : ۶۷)

۸۔ علم وایمان والے قیامت میں کہیں گے کہ ہم اتنا عرصہ کتاب اللہ میں رہے تھے۔ (۳۰ : ۵۶)

۹۔ انفس وآفاق کی نشانیاں، قرآن کے مبنی علی الحقیقت ہونے کی دلیل بنتی جائیں گی۔ (۳۰ : ۸) - (۴۱ : ۵۳)
(۵۱ : ۲۰-۲۱) - (۱۰) - قوتِ بیان۔ (۵۵ : ۴) - دوات اور قلم۔ (۶۸ : ۱) - قلم۔ (۹۶ : ۵)

انسانی عقل وعلم کی محدودیت

۱۔ مقتولین فی سبیل اللہ کو کس قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے، تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (۲ : ۱۵۴)

۲۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ (۲ : ۲۱۶) - (۲ : ۲۳۲) - (۳ : ۶۵)

۳۔ خدائی علم میں سے انسان کو اتنا ہی دیا گیا ہے۔ جتنا مشیتِ خداوندی کو مقصود تھا۔ (۲۵۵ : ۲)

۴۔ وحی کے مقابلہ میں انسان کو علم تھوڑا دیا گیا ہے۔ (۸۵ : ۱۷)

۵۔ انسان اپنے علم سے، علمِ خداوندی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ (۱۱۰ : ۲۰)

۶۔ کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ یا کس جگہ اس کی موت واقع ہوگی۔ (۳۴ : ۳۱)

۷۔ خدا نے ہر شے کے جوڑے بنائے۔ لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا انسان علم نہیں رکھتا —— اس سے مراد زمانۂ نزولِ قرآن کے انسان بھی ہو سکتے ہیں۔ (۳۶ : ۳۶)

۸۔ وحی کے سامنے آجانے کے بعد اپنے علم پہ اڑے رہنا غلط ہے۔ (۸۳ : ۴۰)

۹۔ نشأۃِ ثانیہ کی ماہیت کا انسان کو علم نہیں۔ (۶۱ : ۵۶)

۱۰۔ کائنات کی ہر شے "تسبیحِ خداوندی" میں مصروف ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (۴۴ : ۱۷)

وحی بھی علم ہے (انبیاء کو علم وحکمت دی جاتی تھی)

۱۔ خدا نے رسول اللہ کو العلم عطا کیا تھا۔ (۱۲۰ : ۲)۔ (۱۴ : ۱۱)۔ (۳۷ : ۱۳)

۲۔ رسول، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۱۲۹ : ۲)۔ یعنی ان امور کی تعلیم جن کا تمہیں علم نہیں تھا۔ (۱۵۱ : ۲)

۳۔ اہلِ کتاب نے علم آچکنے کے بعد محض ضد کی بنا پہ اختلافات کئے۔ (۱۸ : ۳)۔ علم آجانے کے بعد کٹ حجتیاں کرنے والے۔ (۶۰ : ۳)۔ (۶۵ : ۳)۔ (۹۳ : ۱۰)۔ (۱۴ : ۴۲)۔

۴۔ رسول، خدا کی طرف سے علیٰ بیّنہ ہوتا ہے۔ (۵۷ : ۶)

۵۔ وحی وہ کچھ سکھاتی ہے جس کا علم انسان کو نہیں ہوتا۔ (۹۲ : ۶)۔ (۶۲ : ۷)۔ (۴۳ : ۱۹)۔ (۵ : ۹۶)

۶۔ خدا کی طرف سے بصائر آگئے۔ سو جو آنکھیں کھول کر ان سے فائدہ حاصل کرے گا، وہ ان سے فیض یاب ہو جائے گا۔ جو اندھا بنا رہے گا، وہ محروم رہے گا۔ (۱۰۵ : ۶)

۷۔ پیغمبر کو حکم اور علم دیا جاتا ہے۔ (۲۲ : ۱۲)۔ (۶۸ : ۱۲)۔ (۸۶ : ۱۲)۔ (۷۴ : ۲۱)۔ (۷۹ : ۲۱)
(۱۵–۱۶ : ۲۷)۔ (۱۴ : ۲۸)۔ (۲۰ : ۳۸)۔ (۸) فوق کل ذی علم علیم۔ (۷۶ : ۱۲)

۹۔ قرآن لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (۱ : ۱۴)۔ (۱۱ : ۶۵)

۱۰۔ جنہیں اس سے پہلے العلم دیا گیا ہے۔ وہ قرآن کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ (۱۰۷ : ۱۷)

۱۱۔ جس بزرگ سے حضرت موسےٰؑ (زمانہ قبل از نبوت میں) ملے تھے خدا نے انہیں علم عطا کر رکھا تھا۔ (۱۸: ۶۵)۔

۱۲۔ وحی کے سامنے آجانے کے بعد اپنے علم پہ اڑے رہنا غلط ہے۔ (۴۰: ۸۳)

تدبّر

۱۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے، (۴: ۸۲)۔ (۴۷: ۲۴)

۲۔ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ تم غور و تدبر کرو۔ (۳۸: ۲۹)

تفقہ

۱۔ کائنات کی ہر شے اس کی "تسبیح" میں مصروف ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ (۱۷: ۴۴)

۲۔ یہ مخالفین وہ ہیں جو ذرا سی بات بھی سمجھ نہیں پاتے۔ (۴: ۷۸)

۳۔ ہم آیاتِ قرآنی کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ انہیں سمجھ سکیں۔ (۶: ۶۵)۔(۶: ۹۸)

۴۔ قلب مقامِ تفقہ ہے لیکن انہی کے لئے جو اس سے تفقہ کا کام لے۔ (۷: ۱۷۹)

۵۔ دل پر مہریں لگ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ غور و فکر سے کام لینے کے قابل نہ رہیں۔ (۶: ۲۵)۔(۹: ۸۷)۔(۹:۱۲۷)
(۱۷: ۴۶)۔(۱۸: ۵۷)۔(۶۳: ۳)۔(۶۳: ۷)

۶۔ یہ لوگ اگر سمجھ بوجھ سے کام لیتے تو یہ حقیقت ان پہ واضح ہو جاتی کہ جہنم کی آگ اس سفر کی گرمی سے زیادہ شدید ہوگی (۹:۸۱)

۷۔ قومیں عدمِ تفقہ کی وجہ سے اپنے سے کم تعداد سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔ (۸: ۶۵)

۸۔ منافقین تفقہ سے کام نہیں لیتے۔ (۴۸: ۱۵)۔ (۵۹: ۱۳)۔ (۶۳: ۷)

۹۔ حضرت موسےٰؑ کی دعا کہ فرعون میری بات سمجھ لے۔ (۲۰: ۲۸)

۱۰۔ قومِ شعیبؑ نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ (۱۱: ۹۱)

۱۱۔ پروگرام یہ ہوگا کہ مختلف مقامات کے کچھ لوگ مرکز میں آکر تفقہ فی الدین حاصل کریں اور پھر جا کر اسے دوسرے لوگوں کو سمجھا دیں۔ (۹: ۱۲۲)

تفکّر

۱۔ حضورؐ نے لوگوں سے کہا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم غور وفکر کیا کرو۔ (۳۴ : ۴۶)

۲۔ حضورؐ اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم لوگ غور وفکر کر سکو۔ (۲ : ۲۱۹)-(۲ : ۲۶۶)-(۷ : ۱۷۶)-
(۱۰ : ۲۴)-(۱۳ : ۳)-(۱۶ : ۱۱)-(۱۶ : ۴۴)-(۱۶ : ۶۹)-(۳۰ : ۲۱)-(۳۹ : ۴۲)-
(۴۵ : ۱۳)-(۵۹ : ۲۱)

۳۔ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں! تم غور وفکر سے کام کیوں نہیں لیتے۔ (۶ : ۵۰)

۴۔ اگر تم غور وفکر سے کام لو تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائے کہ تمہارا یہ رفیق (رسولِ اکرمؐ) دیوانہ نہیں ہے (۷ : ۱۸۴)

۵۔ تم خود اپنے آپ میں غور وفکر کرو۔ (۳۰ : ۸)

۶۔ مومن وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے۔ کارگہِ کائنات پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔ (۳ : ۱۹۱)

اولی الالباب۔ صاحبانِ عقل وبصیرت

۱۔ اے اربابِ عقل وبصیرت! تمہارے لئے قانونِ قصاص میں زندگی ہے۔ (۲ : ۱۷۹)

۲۔ تقویٰ وہی اختیار کرتے ہیں جو اولی الالباب ہیں۔ (۲ : ۱۹۷)-(۵ : ۱۰۰)

۳۔ قوانینِ خداوندی کو اربابِ علم وعقل ہی سامنے رکھتے ہیں۔ (۲ : ۲۶۹)-(۳ : ۷)-(۱۳ : ۱۹)-
(۱۴ : ۵۲)-(۳۸ : ۲۹)-(۳۸ : ۴۳)-(۳۹ : ۹)-(۳۹ : ۲۱)-(۴۰ : ۵۴)

۴۔ کارگہِ کائنات میں اربابِ علم وعقل کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۳ : ۱۹۰)

۵۔ تاریخی شواہد میں اربابِ علم وعقل کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۱۲ : ۱۱۱)

۶۔ اولی الالباب ہی ایمان لاتے ہیں۔ وہی تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (۳۹ : ۱۸)-(۶۵ : ۱۰)

فہم

ہم نے سلیمانؑ کو بات سمجھا دی۔ (۲۱ : ۷۹)

عقل

۱۔ کیا تم عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے ؟ - (۲ : ۴۴) - (۲ : ۷۶) - (۳ : ۶۵) - (۶ : ۳۲) - (۷ : ۱۶۹)
(۱۰ : ۱۶) - (۱۱ : ۵۱) - (۱۲ : ۱۰۹) - (۲۱ : ۱۰) - (۲۱ : ۶۷) - (۲۳ : ۸۰) - (۲۸ : ۶۰) -
(۳۶ : ۶۲) - (۳۷ : ۱۳۸)

۲۔ خدا نے حقائق کو وضاحت سے بیان کر دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (۲ : ۷۳) - (۲ : ۲۴۲) -
(۳ : ۱۱۸) - (۶ : ۱۵۱) - (۱۲ : ۲) - (۱۳ : ۴) - (۱۶ : ۱۲) - (۱۶ : ۶۷) - (۲۴ : ۶۱) -
(۲۶ : ۲۸) - (۲۹ : ۳۵) - (۳۰ : ۲۴) - (۳۰ : ۲۸) - (۳۶ : ۶۸) - (۴۰ : ۶۷) -
(۴۵ : ۵) - (۵۷ : ۱۷) - (۴۳ : ۳)

۳۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ اگر ــــ ہم عقل و فکر سے کام لیتے تو آج جہنم میں کیوں ہوتے ۔ (۶۷ : ۱۰)

۴۔ قرآنی حقائق کو اہلِ علم سمجھتے ہیں - (۲۹ : ۴۳)

۵۔ یہ اپنے اسلاف کی تقلید کئے جائیں گے خواہ ان میں ذرا بھی عقل و فکر نہ ہو - (۲ : ۱۷۰)

۶۔ بہرے، گونگے، اندھے، عقل سے کام نہ لینے والے - (۲ : ۱۷۱)

۷۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والے، احکامِ خداوندی کو مذاق سمجھتے ہیں - (۵ : ۵۸) - خدا پہ افترا باندھتے ہیں۔
(۵ : ۱۰۳) - شر الدواب ہیں (۸ : ۲۲)

۸۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کو تبلیغ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی - (۱۰ : ۴۲) - ان پہ بات مبہم رہتی ہے۔
(۱۰ : ۱۰۰) - (۹) - قلب، مقامِ عقل ہے - (۲۲ : ۴۶)

۱۰۔ لوگوں کی اکثریت عقل و فکر سے کام نہیں لیتی - (۲۵ : ۴۴) - (۲۹ : ۶۳) - (۴۹ : ۴)

۱۱۔ ایسا اجتماع جس میں قلوب الگ الگ ہوں، بے معنی ہوتا ہے - ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں
لیتے - (۵۹ : ۱۴) - (۱۲) - یہ لوگ معبودانِ باطل کی پرستش کئے جائیں گے خواہ وہ کچھ بھی عقل و فکر نہ رکھتے ہوں - (۳۹ : ۴۳)

متفرق

۱۔ صاحبِ علم کو چاہیئے کہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے ۔ (۲ : ۲۸۲)

۲۔ کوئی اڑتی ہوئی خبر سنو تو اسے اربابِ حل و عقد تک پہنچا دو تاکہ وہ علم و تحقیق سے استنباط کریں۔ (۴ : ۸۳)۔ سفر یا جنگ میں بھی ایسا ہی کیا کرو۔ (۴ : ۹۴)۔ (۴۹ : ۶)

۳۔ ایک ایک گروہ کرکے مرکز کی طرف آؤ۔ وہاں سے دین میں تفقہ حاصل کرو۔ اور پھر اپنے ہاں واپس جا کر دوسروں کو اس سے آگاہ کرو۔ (۹ : ۱۲۲)

۴۔ جنکے دلوں میں مرض ہے، ان کی کثافت بڑھتی جاتی ہے۔ (۹ : ۱۲۵)۔ (۱۰ : ۱۰۰)

۵۔ علم (ہنرمندی) کا نتیجہ اگر خود غرضی اور سرمایہ پرستی ہو تو وہ موجبِ غضبِ الٰہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ قارون کے قصے میں ہوا۔ (۲۸ : ۷۸)۔ (۳۹ : ۴۹)

۶۔ علم سے اگر وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے تو وہ بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (۲۹ : ۳۸)

(۰)

۱۳۔ عورت

قرآن کریم میں لفظ عورت (جمع عورات)۔ (WOMAN) کے معنوں میں نہیں آیا۔ یہ ستر، پوشیدگی یا پرائیویسی کے معنوں میں آیا ہے۔ جن معنوں میں ہم عورت کا لفظ استعمال کرتے ہیں (یعنی WOMAN) اس کے لئے اَلْمَرْاَۃُ یا اَلْاِمْرَاَۃُ کے الفاظ آتے ہیں۔ (اَلْمَرْءُ کے معنی مرد ہیں)۔ یا اَلنِّسْوَۃُ۔ اَلنِّسَاءُ۔ اَلنِّسْوَانُ کے الفاظ۔ واضح رہے کہ اَلْمَرْءَۃُ کے معنی ہیں "ایک عورت" اس لفظ کی جمع نہیں آتی۔ اور اَلنِّسَاءُ (وغیرہ) کے معنی ہیں بہت سی عورتیں۔ ان الفاظ کا واحد نہیں آتا۔ قرآن کریم میں نِسَاءٌ کا لفظ اضافت کے ساتھ عام عورتوں کے علاوہ، بیویوں کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے نِسَائِکُمْ۔ تمہاری بیویاں۔ مجازی معنوں میں یہ لفظ قوم کے اس طبقہ کے لئے آیا ہے جو جوہرِ مردانگی سے عاری ہو۔

زَوْجٌ کا لفظ (جمع اَزْوَاجٌ) خاوند اور بیوی دونوں کے لئے آتا ہے۔ (دیکھئے عنوان زَوْجٌ)

۲۔ زیرِ نظر عنوان میں ہم انہی آیات کو سامنے لائیں گے جن میں عورت کی عمومی حیثیت (AS A WOMAN) کا ذکر آیا ہے۔ "بیوی" کی حیثیت سے عورت کا ذکر زوج کے عنوان میں بھی آیا ہے۔ نیز "عائلی زندگی" کے عنوان میں۔ نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ مہر وغیرہ کے متعلق گفتگو متعلقہ عنوانات میں کی گئی ہے۔ عورت اور مرد کی پیدائش کے سلسلہ

سلسلہ میں عنوان "انسان" دیکھئے۔

۴۔ قرآن کریم میں ذَکَرٌ (نر۔ مذکر) کے مقابل میں اُنثٰی (مادہ۔ مؤنث) کے الفاظ آئے ہیں۔ (بنین۔ بیٹے کے مقابلے میں اناثٌ۔ بیٹیاں) اس عنوان میں عورت کا ذکر بہ حیثیت تانیث (FEMALE) بھی آجائے گا۔ بنیادی طور پر اُنثٰی کے معنی ضعیف اور کمزور کے ہوتے ہیں یا نرم و نازک کے۔

نساء کا لفظ بیوی کے معنوں میں

۱۔ نساء المومنین سے کہو کہ وہ اپنے جلباب اوپر اوڑھ لیا کریں۔ (۵۹ : ۳۳)۔ لیکن مفہوم یہ بتاتا ہے کہ یہاں نساء المومنین سے مراد صرف مومنوں کی بیویاں نہیں، عام مومن عورتیں ہیں۔

۲۔ نساء النبیؐ عام عورتوں جیسی نہیں تھیں۔ ان کی ذمہ داریاں زیادہ تھیں (۳۲ ، ۳۳)۔ اگر ان میں سے کسی سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس کی (عام عورتوں کے مقابلہ میں) دگنی سزا تھی۔ (۳۰ : ۳۳)

۳۔ حیض کے ایام میں عورتوں سے الگ رہو۔ (۲۲۲ : ۲)

۴۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو۔۔۔۔ (۲۳۲-۲۳۱ : ۲)۔ (۲۳۶-۲۳۵ : ۲)

۵۔ عورتوں کو مہر دیدو۔ (۴ : ۴)۔ ان کی عدت (۴ : ۶۵)

۶۔ عورتوں سے بے حیائی کی باتیں ظاہر ہوں تو۔۔۔۔ (۱۵ : ۴) - (۷)۔ اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔ (۳ : ۴)

۸۔ عورت سے مباشرت کی صورت میں غسل ضروری ہے۔ (۴۳ : ۴)۔ (۶ : ۵)

۹۔ عورتوں کو طلاق۔ (۱ : ۶۵) ——— (۱۰)۔ بیویوں میں عدل۔ (۱۲۹ : ۴)

۱۱۔ قوم لوط، اپنی بیویوں (عورتوں) کو چھوڑ کر مردوں کی طرف مائل ہوتی تھی۔ (۸۱ : ۷)۔ (۵۵ : ۲۷)

۱۲۔ بیوی بچوں کی محبت وجہِ جاذبیت ہے۔ (۱۴ : ۳)

۱۳۔ تمہاری بیویاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں۔ سو جس طرح کھیتی میں تخم ریزی کی جاتی ہے، ان کے پاس بھی اس وقت جاؤ جب تخم ریزی مطلوب ہو۔ (۲۲۳ : ۲)۔ (۱۴)۔ اپنی بیوی کی ماں سے نکاح مت کرو۔ (۲۳ : ۴)

۱۵۔ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانے کی ممانعت نہیں۔ (۱۸۷ : ۲)

۱۶۔ ان بیویوں کی (سابقہ شوہر سے) لڑکیوں سے نکاح حرام ہے جن سے خلوت کی جا چکی ہو۔ (۲۳ : ۴)

۱۷۔ بیویوں سے ظہار (۴-۲ : ۵۸)۔ ایلاء (۲۲۶ : ۲)

عورت کی خصوصیات

۱۔ تمام انسانوں کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔ یعنی زندگی کے اولین جرثومہ سے جس میں ہنوز تانیث و تذکیر کا بھی امتیاز نہیں تھا۔ پھر اس سے اس کا جوڑہ (زوج) بنایا۔ اور ان دونوں سے بکثرت رجالؔ اور نساءؔ پھیلا دیئے۔ یعنی مرد اور عورت کی تخلیق نفسِ واحدہ سے ہوئی۔ لہٰذا پیدائش کے اعتبار سے (بہ حیثیت انسان) ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ (۴ : ۱)
خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا۔ (۳۰ : ۲۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ "نفسِ واحدہ" سے اس کی زوج پیدا کرنے کے سلسلہ میں جو سمجھا جاتا ہے کہ آدمؑ کی پسلی سے اس کی بیوی پیدا کی گئی، وہ صحیح نہیں۔ یہاں من انفسکم تمام انسانوں کے لیئے آیا ہے۔ اس کے معنی "تمہاری ہم جنس" ہیں۔ نیز دیکھئے۔ (۳۵ : ۱۱) اور عنوان آدمؑ۔

۲۔ الناس کو ذکر اور انثیٰ سے پیدا کیا۔ (۴۹ ; ۱۳)

۳۔ خدا نے عورت اور مرد دونوں کو پیدا کیا۔ (۵۳ : ۴۵)۔ (۷۵ : ۳۹)۔ (۹۲ : ۳)

۴۔ رسول ہمیشہ مرد ہوتے تھے۔ (۱۲ : ۱۰۹)۔ (۱۶ : ۴۳)۔ (۲۱ : ۷)

اسلام میں عورت کی پوزیشن

۱۔ ترکہ میں عورتوں کا حصہ۔ (۴ : ۷)۔ (۴ : ۱۱)۔ (۴ : ۱۷۷)

۲۔ یہ صحیح نہیں کہ عورت کو ہر حالت میں مرد سے نصف حصہ ملے گا۔ (مثلاً) ماں اور باپ کا حصہ (اولاد کے ترکہ سے) برابر برابر ہے۔ (۴ : ۱۱)۔ اسی طرح کلالہ کے ترکہ سے، بہن اور بھائی کا حصہ برابر برابر ہے۔ (۴ : ۱۲)۔ (مزید وضاحت کے لیئے عنوان وراثت دیکھئے۔

۳۔ یہ قطعاً حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ (۴ : ۱۹)

۴۔ خانگی زندگی میں، سامانِ رزق کو مہیا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔ (کیونکہ اولاد کی پیدائش اور پرورش و تربیت کے سلسلہ میں، عورت اکتسابِ رزق کے کاموں سے معذور ہو جاتی ہے)۔ (۴ : ۳۴)

۵۔ خدا کسی کام کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یہ ایک دوسرے کا جزو ہیں (یعنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں)۔ (۳ : ۱۹۴)۔ (۴ : ۱۲۴)۔ (۱۶ : ۹۷)۔ (۳۳ : ۷۲)۔ (۴۰ : ۴۰)۔ (۵۷ : ۱۲)

۶۔ اگر مرد مجرم ہو تو اسی کو اور عورت مجرم ہو تو اسی کو سزا ملے گی۔ (۲ : ۱۷۸)

۷۔ اسلام نے عورت کو نشأۃ ثانیہ عطا کر کے، اور کا اور بنا دیا، اور وہی عورت جو اس سے پہلے اپنے معاملات کو بھی وضاحت سے بیان نہیں کر سکتی تھی۔ (۱۸ : ۴۳)، اب نہایت فصیح البیان ہو گئی۔ (۳۶-۳۵ : ۵۶)

۸۔ خدا اپنے قانونِ مشیت (طبیعی قانون) کے مطابق بیٹے بھی دیتا ہے اور بیٹیاں بھی۔ اور بیٹے اور بیٹیاں ملے جلے بھی۔ اور بعض کے ہاں اولاد ہوتی ہی نہیں۔ (۵۰ - ۴۹ : ۴۲)۔ اس لئے بیٹی اور بیٹے میں تفریق کرنا خلافِ قرآن ہے۔ (۹) ۔حضرت لوطؑ نے قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ (۷۸ : ۱۱)۔(۷۱ : ۱۵)

۱۰۔ جو خصوصیات مردوں کی ہیں وہی خصوصیات، انہی الفاظ میں، عورتوں کی بیان کی گئی ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔ (۳۵ : ۳۳)۔(نیز۔ ۵ : ۶۶)

۱۱۔ جو کچھ مرد کمائے وہ اس کا حصہ۔ جو عورت کمائے وہ اس کا حصہ۔ (۳۲ : ۴)

۱۲۔ بعض خصوصیات میں مرد افضل ہیں اور بعض میں عورتیں۔ (۳۴ : ۴)

۱۳۔ سرقہ اور زنا کے جرائم میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں سزا۔ (۳۸ : ۵)۔(۲ : ۲۴)۔(۱۰-۴ : ۲۴)

۱۴۔ بنی آدم سب واجب التکریم ہیں۔ (۷۰ : ۱۷)۔ اس میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں۔

۱۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اہم فریضہ میں عورت اور مرد دونوں شریک ہیں۔ (۷۱ : ۹)

عورت کی پوزیشن زمانۂ قبل از اسلام میں

۱۔ عمران کی بیوی (حضرت مریم کی والدہ) کے جب لڑکی (حضرت مریم) پیدا ہوئی تو انہیں افسوس ہوا کہ لڑکا کیوں نہیں پیدا ہوا۔ (۳۵ : ۳)

۲۔ وہ لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے تھے اور خدا کے لئے بیٹیاں۔ (۴۰ : ۱۷)۔(۱۶ : ۴۳)۔(۳۹ : ۵۲)۔(۲۱ : ۵۳)۔ وہ ملائکہ کو دیویاں قرار دیتے تھے۔ (۱۱۷ : ۴)۔(۱۵۰ : ۳۷)۔(۱۵۳ : ۳۷)۔(۱۹ : ۴۳)۔(۲۷ : ۵۳)۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تھی تو غم کے مارے اس کا رنگ سیاہ پڑ جاتا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ اسے زندہ رکھ کر ذلت برداشت کروں یا زندہ دفن کر دوں۔ کتنا برا ہوتا تھا ان کا یہ فیصلہ۔ (۵۹ : ۱۶)۔(۱۷ : ۴۳)

۳۔ عورت کو اس حالت میں رکھا جاتا تھا کہ وہ اپنے معاملہ کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ (۱۸ : ۴۳)۔ اسی لئے شہادت کے سلسلہ میں کہا گیا تھا کہ ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت بھی مقرر کر لینی چاہیئے کہ اگر ایک گھبرا جائے

تو دوسری اسے بات یاد دلا دے۔ (۲۸۲ : ۲) ۔ ظاہر ہے کہ اگر شہادت دینے والی عورت گھبرائے نہیں تو پھر دوسری عورت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام میں، دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ (۴)۔ خدا کے بیٹے بیٹیوں کا عقیدہ باطل تھا۔ (۱۰۱ : ۶)

۵۔ قوم سبا میں حکمران ایک عورت تھی۔ (۲۳ : ۲۷)

متفرق

۱۔ حضرت مریم کو نساء العالمین پر برگزیدگی عطا فرمائی۔ (۴۲ : ۳)

۲۔ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ (یہاں نساء کا لفظ قوم کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (۱۱ : ۴۹) ۔ یعنی عربوں کے ہاں قوم میں عورتیں شامل نہیں ہوتی تھیں)

۳۔ مکہ میں نساء المؤمنات (اور رجال مؤمنون)۔ (۲۵ : ۴۸) ۔ (۴)۔ محصنات من النساء ۔ شادی شدہ عورتیں۔ (۲۴ : ۴)

۵۔ یتامی النساء۔ بغیر شوہر کے عورتیں۔ خواہ بیوہ ہو یا شادی کی عمر تک پہنچنے کے بے کتخدا۔ (۱۲۷ : ۴)

۶ نسائھن۔ یعنی اپنی جاننے پہچاننے والی عورتیں۔ یا خادمائیں۔ (۳۱ : ۲۴)

۷۔ عورات النساء ۔ عورتوں سے متعلق پرائیویٹ باتیں۔ (۳۱ : ۲۴)

۸۔ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے شادی کی ہو، ان سے نکاح مت کرو۔ (۲۲ : ۴) ۔ (۹)۔ القواعد من النساء۔ بوڑھی عورتیں۔ (۶۰ : ۲۴) ۔ (۱۰)۔ مکے کے کمزور مرد۔ عورتیں۔ بچے تمہیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ (۷۵ : ۴)

۱۱۔ فرعون، بنی اسرائیل کے ابناء کو قتل (ذلیل و خوار) کیا کرتا تھا اور ان کی نساء کو زندگی عطا کرتا تھا۔ (یعنی جن لوگوں میں جوہرِ مردانگی کے آثار دیکھتا، انہیں ذلیل و خوار کرتا، اور جو ان خصوصیات سے عاری ہوتے انہیں بڑھاتا چڑھاتا۔

(۴۹ : ۲) ۔ (۱۲۷ : ۷) ۔ (۱۴۱ : ۷) ۔ (۶ : ۱۴) ۔ (۴ : ۲۸) ۔ (۲۵ : ۴۰)

۱۲۔ وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں۔ (۴ : ۶۵)

۱۳۔ عیسائی مباحثہ کرنے والوں سے آخری حجت کہ تم اور ہم اپنے ابناء اور نساء کو الگ کر لیں۔ باہمی قطع تعلق کر لیں۔ (۶۱ : ۳) ۔ (۱۴)۔ داستانِ حضرت یوسفؑ میں عورتوں کے مکر۔ (۲۸ : ۱۲) ۔ (۳۰ : ۱۲) ۔ (۵۰ : ۱۲)

۱۵۔ پردے کے احکام میں عام عورتوں کا ذکر۔ (۳۱ : ۲۴) ۔ (۵۵ : ۳۳)

(۰)

عہد (معاہدہ - وعدہ)

قرآن کریم میں عہد یا معاہدہ کے لیے عہد - وعدہ - عقد (جمع عقود) یا میثاق کے الفاظ آئے ہیں اور اس نے وعدہ وفائی یا ایفائے عہد پر بڑا زور دیا ہے اس لیے کہ افراد میں باہمی اعتماد اور اقوام میں امن اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ وعدوں کو وفا اور معاہدات کا احترام کیا جائے - خود خدا نے اپنے متعلق بھی کہا ہے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا - خدا کے وعدے درحقیقت وہ قوانین ہیں جن کے مطابق نظامِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے اور انسانی اعمال اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں - یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ قوانین اٹل اور غیر متبدل ہوں "خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا" سے یہی مقصود ہے -

۲- آنے والے انقلاب یا قیامت کے متعلق بھی الوعد کا لفظ آیا ہے - لیکن اس کا ذکر زیرِ نظر عنوان میں نہیں کیا گیا -

۳- "خدا کے وعدوں" کے لیے ایک لفظ وعید بھی آیا ہے - اس کا استعمال بالعموم انسان کے غلط اعمال کے ہلاکت انگیز نتائج کے لیے ہوتا ہے -

خدا کے وعدے

۱- اے بنی اسرائیل! تم اپنا وعدہ پورا کرو - میں اپنے وعدے پورے کروں گا - (۴۰ : ۲)

۲- خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا - (۸۰ : ۲) - (۸ : ۳) - (۱۹۳ : ۳) - (۴ : ۲۲) - (۶ : ۱۳۵) -
(۱۰ : ۴) - (۱۰ : ۵۵) - (۱۱ : ۴۵) - (۱۳ : ۳۱) - (۱۷ : ۵) - (۱۸ : ۲۱) - (۱۸ : ۹۸)
(۳۰ : ۶) - (۳۰ : ۶۰) - (۳۱ : ۹) - (۳۱ : ۳۳) - (۳۵ : ۵) - (۳۹ : ۲۰) - (۳۹ : ۷۴)
(۴۰ : ۵۵) - (۴۰ : ۷۷) - (۴۵ : ۳۲) - (۴۶ : ۱۶-۱۷) - (۵۱ : ۵) - (۷۳ : ۱۸) - (۷۷ : ۷) -

۳- اہلِ جنت خدا کے وعدوں کو برحق پائیں گے - (۷ : ۴۴) - (۲۸ : ۶۱)

۴- بنی اسرائیل کے حق میں خدا کی بات (حکمت ربانی) پوری ہوئی - (۱۳۷ : ۷)

۵- خدا اپنے وعدے پورے کرنے کے لیے سامان پیدا کر دیتا ہے - (۲۸ : ۱۳)

۶- خدا اور رسول کے وعدوں پر یقین نہ رکھنے والے منافق ہوتے ہیں - (۳۳ : ۱۲) - مومن ان پر یقین رکھتے ہیں - (۳۳ : ۲۲)

۷۔ نزولِ قرآن پہ اربابِ علم کا اعلان کہ خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہتا تھا۔ (۱۰۸ : ۱۷)

۸۔ متقیوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے (۳۵ : ۱۳)۔ (۱۵ : ۲۵)۔ (۱۵ : ۴۷)۔ اس وعدے کے متعلق خدا سے بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ (۱۵ : ۲۵)

۹۔ مجاہدین وغیرہ کے لیے خدا کے خوشگوار وعدے۔ (۹۵ : ۴)۔ (۱۰ : ۵۷)

۱۰۔ خدا کا وعدہ کہ ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ جنت ہوگا۔ (۹ : ۵) —(۷۲ : ۹)۔ (۶۱ : ۱۹)۔ (۸ : ۴۰)۔ (۲۹ : ۴۸)۔ استخلاف فی الارض۔ (۵۵ : ۲۴)۔ مغانمِ کثیرہ۔ (۲۰ : ۴۸)

۱۱۔ منافقین کے لیے جہنم کا وعدہ۔ (۶۸ : ۹)۔ کفار کے لیے بھی۔ (۷۲ : ۲۲)

۱۲۔ شیطان اہلِ جہنم سے کہے گا کہ خدا نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ حق نکلا۔ لیکن میں نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ باطل ثابت ہوا۔ (۲۲ : ۱۴)

۱۳۔ بعث بعد الموت، خدا کا وعدہ ہے۔ (۳۸ : ۱۶)۔ (۳۶ : ۲۳)۔ (۸۳ : ۲۳)۔ (۶۸ : ۲۷)۔ —(۵۲ : ۳۶)۔

۱۴)۔ تمام انبیاء کے ساتھ خدا نے اپنے وعدے سچے ثابت کئے۔ (۹ : ۲۱)

۱۵۔ مومن، اپنا جان و مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ اور خدا انہیں جنت عطا کر دیتا ہے۔ یہ سچا وعدہ توریت، انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ (۱۱۱ : ۹)

۱۶۔ تخلیقِ کائنات کا اعادہ خدا کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ (۱۰۴ : ۲۱)

۱۷۔ حسنِ عمل کے نتیجہ میں خدا نے عمدہ وعدہ کر رکھا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ (۶۱ : ۲۸)

۱۸۔ جنت کا وعدہ ایسا ہے جس کے متعلق خدا سے بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ (۱۶ : ۲۵)

۱۹۔ مومنین کی دعائیں کہ اے خدا! جو تم نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا تھا، اسے پورا کر۔ (۱۹۴ : ۳)

۲۰۔ خدا نے حضورؐ سے جو وعدے کئے تھے وہ آپ کی زندگی میں بھی پورے ہو سکتے تھے اور بعد بھی۔ (۴۶ : ۱۰)۔ (۴۰ : ۱۳)۔ (۱۰۹ : ۲۱)۔ (۴۳ : ۲۲)۔ (۷۷ : ۴۰)۔ (۴۲ : ۴۳)۔ (۲۵ : ۷۲)

۲۱۔ جنگ میں کامیابی خدا کے وعدے کے مطابق تھی۔ (۱۵۱ : ۳)

۲۲۔ اس کا خیال تک بھی نہ کرو کہ خدا نے جو وعدے رسولوں سے کر رکھے ہیں، وہ غلط ثابت ہوں گے۔ (۴۷ : ۱۴)۔

۲۳۔ مخالفین پر عذاب آکر رہے گا۔ لیکن اس میں وقت لگے گا۔ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔ (۴۷ : ۲۲)

۲۴۔ جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ (۶۱ : ۱۹)۔ (۱۰۳ : ۲۱)۔ (۵۳ : ۳۸)۔ (۳۰ : ۴۱)۔ (۱۶ : ۴۶)۔ (۳۲ : ۵۰)

(جہنم جس کا وعدہ کیا گیا تھا - (۶۳ : ۳۶)

۲۵- آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے - (۲۲ : ۵۱)

۲۶- اہل کتاب کہتے تھے کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم سوختنی قربانی نہیں دیکھ لیں گے۔ کیونکہ اس کا ہم سے خدا نے عہد کر رکھا ہے۔ (۱۸۲ : ۳)

۲۷- ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کر رکھا تھا۔ (۵۱ : ۲) - (۱۴۲ : ۷)

۲۸- حضرت موسےؑ کی زبانی خدا کے عہد - (۱۳۴ : ۷) - (۴۹ : ۴۳)

۲۹- خدا کے خوشگوار وعدے ظالمین کے ساتھ نہیں ہوتے - (۱۲۴ : ۲)

۳۰- کیا تم لوگوں نے خدا سے کوئی عہد لے رکھا ہے - (۷۸ : ۱۹) - (۸۷ : ۱۹) -

وعید

۱- وعیدِ خداوندی سے ڈرنے والے - (۱۴ : ۱۴) - (۴۵ : ۵۰)

۲- مخالفین نے رسولوں کی تکذیب کی اور خدا کی وعید سچی ثابت ہوگئی۔ (۶۵ : ۱۱) - (۳۱ : ۱۳) - (۱۴ : ۵۰)

۳- نفخ صور کے بعد یوم الوعید - (۲۰ : ۵۰) - (۴) - خدا نے پہلے سے وعید دے رکھی تھی - (۲۸ : ۵۰)

۵- قرآن میں وعید، بار بار لائے گئے ہیں - (۱۱۳ : ۲۰)

۶- جس دن کا کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ان کی تباہی کا دن ہے - (۵۷ : ۱۹) - (۹۷ : ۲۱) - (۲۰۶ : ۲۶)

(۸۳ ، ۴۳) - (۳۵ : ۴۶) - (۶۰ : ۵۱) - (۴۲ : ۷۰) - (۴۴ : ۷۰) - (۲۴ : ۷۲)

۷- مہلت کے وقفہ میں مخالفین بار بار کہتے تھے کہ جس تباہی کا تم وعدہ کرتے ہو اُسے لے کیوں نہیں آتے۔ (۷۰ : ۷)

(۷۷ : ۷) - (: ۱۰) - (۳۲ : ۱۱) - (۳۸ : ۲۱) - (۷۱ : ۲۷) - (۴۸ : ۳۶) - (۲۸ : ۴۰)

(۲۲ : ۴۶) - (۲۵ : ۶۷) - (۲۵ : ۷۲)

۸- بنی اسرائیل کی دو تباہیوں کے وعدے - (۵ : ۱۷) - (۷ : ۱۷) - (۱۰۴ : ۱۷)

میثاق الانبیاؑ وجماعتِ مومنین

۱- جماعتِ مومنین کا خدا کے ساتھ عہد - (۷ : ۵) - اس عہد کو پورا کرو - (۱۵۲ : ۲) - (۲۰ : ۱۳)

۴۔ حضرت اسماعیلؑ صادق الوعد تھے۔ (۵۴ : ۱۹)۔ (۳)۔ اپنے عہد کی رعایت رکھنے والے مومن کامیاب ہیں ——
(۸ : ۲۳)۔ (۳۲ : ۷۰)۔ (۴)۔ خدا نے تمام انبیاء بشمول نبی اکرمؐ سے میثاق لیا۔ (۸۱ : ۳)۔ (۷ : ۳۳)۔
۵۔ بنی آدم سے عہد کہ وہ شیطان کی عبودیت اختیار نہیں کریں گے۔ (صرف خدا کی عبودیت اختیار کریں گے۔ یعنی نوعِ انسانؑ
کی طرف خدا بذریعہ وحی یہ حکم بھیجتا رہا ہے۔ (۶۱ : ۶۰ : ۳۶)
۶۔ بیعت ایک معاہدہ ہے جو خدا اور رسول کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ (۱۰ : ۴۸)
۷۔ خدا نے جماعتِ مومنین سے میثاق لیا تھا۔ اسے پورا کرنا ضروری تھا۔ (۸ : ۵۷)
۸۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو حکم دیا (عہدنا) کہ وہ کعبہ کی تطہیر کریں۔ (۱۲۵ : ۲)

ایفائے عہد کی عمومی تاکید

۱۔ اے بنی اسرائیل! تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ (۴۰ : ۲)
۲۔ نیکی ان کی ہے جو وعدہ پورا کرتے ہیں۔ (۱۷۷ : ۲)
۳۔ جو اپنا عہد پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے۔ تو اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔ (۷۵ : ۳)۔ (۱۱۱ : ۹)
۴۔ اپنے وعدوں کو پورا کرو۔ (۱ : ۵)۔ (۵) عقلمند وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو نہیں توڑتے۔
(۱۵۳ : ۶)۔ (۲۰ : ۱۳)۔ (۹۱ : ۱۶)
۶۔ اپنے عہد کو پورا کرو۔ اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا۔ (۳۴ : ۱۷)۔ (۱۵ : ۳۳)
۷۔ اللہ کے ساتھ جو عہد کیا جائے، اس کی بابت بھی پوچھا جائے گا۔ (۱۵ : ۳۳)
۸۔ جو اللہ کیساتھ اپنا عہد پورا کرے گا، اسے اجرِ عظیم دیا جائے گا۔ (۱۰ : ۴۸)
۹۔ اگر تم مومن ہو تو اپنا عہد پورا کرو۔ (۷ : ۵)۔ (۸ : ۵۷)۔ (۱۰)۔ مومن اپنا عہد پورا کرتے ہیں (۱۷۷ : ۲)
(۲۳ : ۲۳)۔ (۱۱)۔ خدا کے ساتھ جو عہد کرو گے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۱۵ : ۳۳)
۱۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر رکھا تھا جسے وہ پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ (۱۱۴ : ۹)

بین الاقوامی معاہدات

۱۔ تمہارا دشمن جس کے ساتھ جنگ ہو اگر اس قوم میں چلا جائے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے، تو پھر اس کے خلاف

کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ (۹۰ - ۸۹ : ۴)

۲۔ اگر مومن مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کی دیت۔ (۹۲ : ۴)

۳۔ اگر کسی جگہ کے مومن مدد طلب کریں تو ان کی مدد ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ کسی ایسی قوم میں ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس معاہدہ کو مقدم سمجھا جائے گا۔ (۷۲ : ۸)

۴۔ حج اکبر کے دن مشرکین سے انقطاعِ تعلقات کا اعلانِ عام۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تاکید کہ جن لوگوں سے تمہارے معاہدات ہیں، تو ان کی معیاد ختم ہونے تک معاہدہ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ (۴-۳ : ۹) - (۷ : ۹)

۵۔ اگر کسی معاہد قوم کی طرف سے نقضِ عہد کا اندیشہ ہو تو تم یونہی معاہدہ فسخ نہ کر دو۔ بلکہ پہلے انہیں اس سے متنبہ کر کے معاہدہ لوٹا دو تاکہ اس طرح وہ اور تم ایک سطح پہ آجاؤ۔ (۵۸ : ۸)

۶۔ عہد شکن قوم کے خلاف جنگ۔ (۱۳ : ۱۲ : ۹)

انفرادی وعدے

۱۔ اے جماعتِ مومنین۔ اپنے وعدوں کو پورا کرو۔ (۱ : ۵) - (۲) - اپنی قسموں کو پورا کرو۔ (۹۱ : ۱۶)

۲۔ عہد کو پورا کرو۔ اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا۔ (۳۴ : ۱۷)

عہد شکنی

۱۔ فاسق وہ ہیں جو اس عہد کو توڑتے ہیں جو انہوں نے خدا سے کیا ہے۔ (۲۷ : ۲) - (۲۵ : ۱۳)

۲۔ بنی اسرائیل اپنے میثاق سے پھر گئے۔ (۶۴-۶۳ : ۲) - (۸۴-۸۳ : ۲) - (۹۳ : ۲) - (۱۵۵-۱۵۴ : ۴) (۱۳-۱۲ : ۵) - (۷۰ : ۵) - (۱۶۹ : ۷) - قوم معاہدہ کرتی اور ان کا ایک فریق اسے توڑ دیتا۔ (۱۰۰ : ۲) - (۱۳ - ۱۲ : ۵) - نصاریٰ سے عہد۔ (۱۴ : ۵)

۳۔ عہدِ خداوندی کو دنیاوی مفاد کے عوض بیچ دینے والے۔ (۷۶ : ۳) - (۱۸۶ : ۳) - (۹۵ : ۱۶)

۴۔ اکثر لوگ عہد شکنی کرتے ہیں۔ (۱۰۲ : ۷) - (۵) - عہد شکنی کرنے والے شر الدواب ہیں۔ (۵۶ : ۸)

۶۔ عہدِ خداوندی کو توڑنے والے ملعون ہیں۔ (۲۵ : ۱۳) - ان پہ عذاب آتا ہے۔ (۷۷ - ۷۵ : ۹)

۷۔ اپنے عہد کو پورا کر کے توڑ دو نہیں۔ (۹۱ : ۱۶) - (۸) آدم سے ایک عہد لیا لیکن وہ صاحبِ عزم نہ نکلا۔ اس نے اسے فراموش کر دیا۔ (۱۱۵ : ۲۰)

متفرق

۱۔ شیطان تنگدستی کے وعدے کرتا ہے اور فحشا کا حکم دیتا ہے۔ (۲ : ۲۶۸) - اور اللہ مغفرت اور فضلِ عظیم کا وعدہ۔

۲۔ جنگِ بدر سے پہلے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ قریش کی فوج یا ان کے قافلہ میں سے ایک پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائیگا۔ (۸ : ۷)

۳۔ شیطان کے فریب انگیز وعدے۔ (۴ : ۱۲۰) - (۱۷ : ۶۴) - (۴) - یومِ موعود - تباہی کا دن۔ (۸۵ : ۲)

۵۔ مَوْعِدٌ کے معنی تباہی کا وقت یا مقام ہے۔ نیز جس بات کو بھی طے کر لیا جائے۔ جن آیات میں یہ لفظ آیا ہے۔ وہ متعلقہ عنوانات میں ملیں گی۔

حضرت عیسیٰؑ (مسیحؑ)

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے لئے "عیسیٰ" اور "مسیح" دونوں الفاظ آئے ہیں۔ نیز انہیں "ابنِ مریم" کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ سامی اقوام میں یہ عام رواج تھا (اور خود ہمارے ہاں، بالخصوص دیہات میں یہی رواج ہے) کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو، اولاد کو اسی کی طرف منسوب کر کے پکارتے ہیں۔ حضرت مریم نے خانقاہیت کے جس باطل نظام کو توڑ کر یہودی معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا اس کی وجہ سے ان کی شہرت عام ہو گئی تھی۔ ان کے مقابلہ میں ان کے شوہر (انجیل میں جن کا نام یوسف نجار آیا ہے) کسی شہرت کے مالک نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰؑ کو ابنِ مریم کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (حضرت موسیٰؑ کے تذکرہ میں آپ دیکھئے۔ "اُمِ موسیٰؑ" کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ نیز حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کو یَا ابْنَؤُمَّ (اے میری ماں کے بیٹے) کہہ کر پکارتے ہیں۔ (۲۰ : ۹۴) - اس سلسلہ میں عنوان "مریم" بھی دیکھئے۔

حضرت عیسیٰؑ کو انجیل دی گئی تھی۔ اس کے متعلق عنوان "انجیل" دیکھئے۔

۲۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تفصیلی حالات میری کتاب "شعلۂ مستور" میں ملیں گے۔

کوائف حیات

۱۔ حضرت مریمؑ کو ایک لڑکے کی پیدائش کی بشارت۔ لڑکے کی خصوصیات۔ (۳ : ۴۴ - ۴۶)

۲۔ یہودیوں کی خفیہ تدبیریں۔ خدا نے کہا کہ میں تجھے وفات دوں گا اور تیرے درجات بلند کر دوں گا۔ اور تیرے متبعین، تیرے مخالفین پر غالب رہیں گے قیامت تک۔ (۳ : ۵۳-۵۷) - (۳) حضرت عیسیٰؑ مثلِ آدم تھے یعنی ہر آدمی کی طرح ان کی پیدائش ہوئی تھی۔ (۳ : ۵۸)

۴۔ یہودیوں نے نہ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا، نہ صلیب دیا۔ وہ اس باب میں سخت اشتباہ میں رہے، بلکہ خدا نے ان کے درجات بلند کر دیئے۔ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے گا۔ (۱۵۹ - ۱۵۷ : ۴)

۵۔ حضرت عیسیٰؑ کا خدا کے سامنے بیان کہ جب تک میں ان میں رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا۔ جب تو نے مجھے وفات دیدی تو اس کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (۱۱۷ : ۵)۔ (۶)۔ پیدائشِ حضرت عیسیٰؑ سے متعلق تفصیل۔ (۲۹-۱۶ : ۱۹)

۷۔ قرآن کا اعلان کہ سب رسول کھانا کھاتے تھے اور کسی کو بھی دنیا میں حیاتِ جاوید نہیں ملی۔ (۸-۷ : ۲۱)-(۳۵-۳۴ : ۲۱)

۸۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ آیۃ للعالمین تھے۔ (۹۱ : ۲۱)۔ ان کی ربوہ کی طرف ہجرت۔ (۵۰ : ۲۳)

۹۔ حضرت عیسیٰؑ علم للساعت تھے۔ یعنی رسول اللہؐ کے ہاتھوں رونما ہونے والے انقلاب کی نشانی۔ (۶۱ : ۴۳)

آپؑ کی تعلیم

۱۔ آپ کو بیّنٰت دیں، اور روح القدس کی تائید۔ (۲۸۰ : ۲)-(۲۵۳ : ۲)

۲۔ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو کتاب و حکمت یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دی۔ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ نے اس مردہ قوم کو جس طرح دوبارہ زندگی عطا کی تھی، اس کا تشبیہی ذکر۔ حلت و حرمت کے قوانین۔ ایک خدا کی عبودیت کی تعلیم۔ (۵۰-۴۷ : ۳)۔ (۱۱۰ : ۵)-(۳۱ : ۹)

۳۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواری انصار اللہ تھے۔ (۵۲-۵۱ : ۳)-(۱۴ : ۶۱)

۴۔ حضرت عیسیٰؑ تورات کی تصدیق کرتے تھے۔ انہیں انجیل دی گئی تھی۔ (۴۶ : ۵)۔ انجیل میں احکام تھے جن کے مطابق اس کے حامل معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔ موجودہ اناجیل میں احکام نہیں ہیں۔

۵۔ جو حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کو دیا گیا تھا، اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ (۱۳۶ : ۲)-(۸۳ : ۳)

۶۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ وہ صرف خدا کی عبودیت اختیار کریں۔ (۷۲ : ۵)

۷۔ حواریوں کا مائدۃ من السماء طلب کرنا۔ یعنی وہ رزق جو کسی انسان کا احسان اٹھائے بغیر ملے۔ یہ جشنِ عید کا موجب تھا۔ (۱۱۵-۱۱۲ : ۵)۔ (۸)۔ حضرت عیسیٰ عبد اللہ تھے۔ انہیں کتاب دی گئی تھی۔ وہ نبی تھے۔ اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے۔ (۳۵-۳۰ : ۱۹)

۹۔ ایک خدا کی عبودیت کی تعلیم۔ لیکن ان کے متبعین نے بعد میں اختلافات پیدا کر لئے۔ (۳۷-۳۶ : ۱۹)-(۶۵-۶۳ : ۴۳)

۱۰۔ دیگر انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰ نے بھی اقرار لیا تھا۔ (۷ : ۳۳)۔ (۱۱)۔ توحید کی تعلیم۔ (۶۵-۶۳ : ۴۳)

۱۲- رہبانیت، حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم نہیں تھی۔ آپ کے متبعین نے اسے از خود وضع کر لیا تھا۔ لیکن اسے بھی نباہ نہ سکے۔ (۲۷ : ۵۷)۔ (۱۳)۔ آپ نے رسول اللہؐ (احمدؐ) کی پیش گوئی کی تھی۔ (۶ : ۶۱)

۱۴- تمام انبیاء کی طرح آپ کو کتاب دی گئی جس پر مسلمان بھی ایمان لاتے ہیں۔ (۱۳۶ : ۲)۔ (۱۶۳ : ۴)۔ (۹۱ - ۸۵ : ۶)۔ (۱۳ : ۴۲)۔ (۱۵)۔ بنی اسرائیل کی طرف رسول۔ (۶ : ۶۱)

ابنیّت - الوہیت اور تثلیث کے خلاف

۱- حضرت عیسیٰؑ صرف اللہ کے رسول ہیں اور خدا کا حکم جسے حضرت مریم کی طرف القا کیا گیا تھا۔ سو اس باب میں غلو مت کرو۔ تثلیث کا عقیدہ مت رکھو۔ نہ ہی انہیں خدا کی اولاد قرار دو۔ حضرت مسیحؑ کو اس باب میں قطعاً عار نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا عبد کہے۔ (۱۷۲ - ۱۷۱ : ۴)

۲- مسیحؑ کو خدا بنا لینا کفر ہے۔ اگر خدا اس کا ارادہ کر لیتا کہ مسیحؑ اور اس کی والدہ کو ہلاک کر دیا جائے تو اسے اس سے کون روک سکتا تھا۔ (۱۷ : ۵)۔ (۷۲ ; ۲۳ : ۵)

۳- حضرت مسیحؑ صرف خدا کے رسول تھے۔ وہ اور اس کی والدہ، کھانا کھاتے تھے (اس لئے وہ خدا یا فوق البشر کیسے ہو سکتے تھے)۔ (۷۵ : ۵)۔ (۴)۔ حضرت عیسیٰؑ کا (قیامت کے دن) عیسائیوں کے باطل عقائد سے انکار۔ (۱۱۶ - ۱۲۰ : ۵)

۵- ابنیّت کے عقیدہ کی تردید۔ (۱۰۲ : ۶)۔ (۳۱ - ۳۰ : ۹)۔ (۳۵ : ۱۹)

۶- حضرت عیسیٰؑ خدا کے عبد تھے۔ (۵۹ : ۴۳)

متفرق

۱- عیسائیوں کے وفد کے ساتھ آخری حجت کے بعد انقطاع تعلقات (مباہلہ)۔ (۶۰ : ۳)

۲- بنی اسرائیل پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے لعنت کی تھی۔ (۷۸ : ۵)

۳- جب قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکرِ خیر آیا تو مشرکینِ عرب نے اعتراض کیا کہ ہمارے معبودوں کی تکذیب کی جاتی ہے اور عیسائیوں کے معبود کی تعریف۔ اس کا جواب کہ وہ ہمارا ایک عبد تھا۔ (۵۹ - ۵۷ : ۴۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غ

۱۔ غضب

غَضَبْ کے بنیادی معنی شدت اور قوت کے ہیں۔ چنانچہ شیر کو غضبؔ کہتے ہیں۔ اسی سے اس کے معنی غصّہ کی شدّت سے بھڑک اٹھنے کے آتے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ خدا کے لئے بولا جائے گا تو اس سے مراد خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے گرفت اور مؤاخذہ۔ یا غلط کاموں کے تباہ کن نتائج کے ہوں گے۔ اس سے قومیں تباہ ہوتی ہیں اور مغضوب علیہ کہلاتی ہیں۔ "مغضوب علیہم"۔ منعم علیہم کی ضد ہے۔ اس سے غضب کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ خدا کے لئے غضب بمعنی غصہ یا اشتعال کبھی استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ غصہ یا اشتعال انسانی جذبات ہیں جن سے خدا بلند ہے۔ نیز غصّہ اور اشتعال کو تو مومنین کیلئے بھی عمدہ خصائل میں شمار نہیں کیا گیا۔ پھر خدا کے لئے یہ کیسے صفت حسنیٰ ہو سکے گی! اس لئے اس مراد خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت ہے۔

بعض آیات میں غضب کی بجائے سخطؔ کا لفظ بھی آیا ہے۔

غضب کی تشریح

۱۔ مغضوب علیہم، قرآن میں صرف ایک جگہ آیا ہے۔ (۱ : ۶) ۔ (۲)۔ دنیاوی زندگی میں ذلت، غضبِ الٰہی ہے۔ (۷:۱۵۲)

۲۔ بنی اسرائیل پر ذلت و مسکنت کا عذاب۔ (۲ : ۶۱) ۔ (۳ : ۱۱۱)

۴۔ قومِ نوح کی غرقابی غضب ورجس تھی ۔ (۷۱ : ۷)۔ (۵) کسی قوم کی جڑ کٹ جانا غضب ہے ۔ (۲۶ : ۷)

۶۔ قردۃ ۔ خنازیر وعبد الطاغوت بنا دیا ۔ (۶۰ : ۵)۔ (۷)۔ مغضوب علیہ تباہ ہو جاتا ہے ۔ (۸۱ : ۲۰)

۸۔ جس پر خدا کا غضب وارد ہو جائے وہ تباہ ہو جاتا ہے ۔ (۸۱ : ۲۰)۔ (۸۶ : ۲۰)

غضب کے مستوجب کون ہیں

۱۔ ایمان کے بعد بطیبِ خاطر کفر اختیار کرنے والے ۔ (۱۰۶ : ۱۶)۔ (۲)۔ گوسالہ پرستی سے (۱۵۲ : ۷)۔ (۸۶ : ۲۰)

۳۔ دعوت پہنچ جانے کے بعد اللہ کے بارے میں جھگڑے نکالنا ۔ (۱۶ : ۴۲)

۴۔ منافقین پر غضب ۔ ان سے دوست داری رکھنے والوں پر غضب ۔ (۱۴ : ۵۸)۔ (۱۳ : ۶۰)

۵۔ محض حسد کی بنا پر قرآن سے انکار کرنے والے ۔ (۹۰ : ۲)

۶ میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ اٹھنے والے ۔ (۱۶ : ۸)

۷۔ غیر اللہ کی معبودیت سے (قوم نوح کے سلسلہ میں)۔ (۷۱ : ۷)۔ (۸)۔ قتلِ مومن بالارادہ ۔ (۹۳ : ۴)

۹۔ منافقین ۔ مشرکین ۔ جو خدا کے بارے میں بدگمانیاں کرتے ہیں ۔ (۶ : ۴۸)

۱۰۔ طیبٰت میں سے کھاؤ ۔ اور حدود سے تجاوز نہ کرو ۔ ورنہ خدا کا غضب وارد ہو جائے گا ۔ (۸۱ : ۲۰)

۱۱۔ لوگ اپنے اعمال سے غضبِ الٰہی کو دعوت دیتے ہیں ۔ (۸۶ : ۲۰)

سخط اللہ

۱۔ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رہنے والا اس جیسا نہیں ہو سکتا جس پر سخط اللہ وارد ہو جائے ۔ (۱۶۱ : ۳)۔ (۲۸ : ۴۷)

۲۔ کفار سے دوستی رکھنے والے سخط اللہ کے مستوجب ۔ (۸۰ : ۵) ۔ یہ سخط اللہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے ۔
ماقدمت لھم انفسھم ۔ (۸۰ : ۵)

۳۔ رضوان اللہ کے مقابلہ میں ما اسخط اللہ ۔ (۲۸ : ۴۷)

۴۔ جو ما انزل اللہ کو ناپسند کریں ان کی بعض امور میں اطاعت بھی سخط اللہ ہے ۔ (۲۸ - ۲۵ : ۴۷)

۵۔ لوگوں کے مشتعل ہونے کے معنوں میں ۔ (۵۸ : ۹)

متفرق

۱۔ حضرت موسیٰؑ غصّہ میں بھرے ہوئے (غضبان) قوم کی طرف آئے۔ (۷ : ۱۵۰)۔ (۷ : ۱۵۴)۔ (۲۰ : ۸۶)

۲۔ لعان کی صورت میں جھوٹے پر خدا کی لعنت اور غضب۔ (۲۴ : ۷ ; ۹)

۳۔ مومن جب غصّے میں آتے ہیں تو دوسروں کو معاف کر کے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ (۴۲ : ۳۷)۔ انہیں کاظمین الغیظ بھی کہا گیا ہے۔ (۳ : ۱۳۴)

۴۔ حضرت یونسؑ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ (۲۱ : ۸۷)۔ اسے مکظوم بھی کہا گیا ہے۔ (۶۸ : ۴۸)

۲۔ غلامی۔ غلام اور لونڈیاں

قرآن کریم شرف و احترام انسانیت کا ضامن ہے اس لئے اس کے نزدیک کسی انسان کا دوسرے انسان کا غلام بن جانا — انسانیت سوز تصور ہے۔ لہٰذا اسلام میں غلامی کا وجود تو ایک طرف، تصور تک بھی دین کی نقیض ہے لیکن جب قرآن کا نزول ہوا تو اس وقت عربی معاشرہ میں (بلکہ ساری دنیا میں) غلامی کا رواج عام تھا اور عربوں کے ہاں غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ ان کے ہاں رواج یہ تھا کہ جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدی مردوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے تھے۔ اور پھر ان کی اولاد پیدائشی طور پر غلام متصور ہوتی تھی۔ قرآن کریم نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق واضح حکم دیدیا کہ انہیں رہا کرنا ہوگا۔ خواہ فدیہ لے کر اور خواہ احساناً (۴۷ : ۴)۔ قرآن نے غلامی کے سرچشمہ کو یوں ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب رہ گئے وہ غلام اور لونڈیاں جو اس وقت عرب معاشرہ میں موجود تھے سو وہ ان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کا ایسا جزو بن چکے تھے کہ انہیں ایک دن میں معاشرہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے قرآن نے انہیں آہستہ آہستہ اسلامی معاشرہ میں جذب کر لیا۔ یہ جو ہمیں قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق احکام ملتے ہیں اور جن کیلئے عام طور پر ما ملکت ایمانکم کے الفاظ آتے ہیں، تو یہ انہی غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق ہیں جو اس وقت وہاں موجود تھے اور جنہیں تدریجاً جزوِ معاشرہ بنانا مقصود تھا جب یہ اس طرح جذب ہو گئے تو پھر غلامی کا تصور تک باقی نہ رہا۔ اس کے بعد تاریخ میں جو ہمیں مسلمان بادشاہوں اور امراء وغیرہ کے ہاں غلام اور لونڈیاں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں۔ اسلام نہیں۔ اسلام میں کسی کو غلام بنانے

کی قطعاً اجازت نہیں۔

قرآن کریم میں ان احکام کی موجودگی کا اب یہ مطلب ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں کسی وقت غلام اور لونڈیاں موجود ہوں۔ اور وہ معاشرہ اپنے آپ کو اسلامی بنانا چاہے تو وہ اپنے ہاں کے غلاموں اور لونڈیوں کو یوں جزوِ معاشرہ بنائے۔ یہ نہیں کہ مسلمان پہلے، دوسروں کو غلام بنالیں اور پھر قرآن کے ان کے احکام کے مطابق انہیں آزاد کرتے جائیں۔ ایسا تصوّر تو تلاعب بالدین ہو جائے گا۔

۲۔ غیروں کی محکومی کو جو غلامی کہا جاتا ہے، اس کے لئے دیگر عنوانات دیکھئے۔

۳۔ قرآن کریم میں غلاموں کے لئے (ما ملکت ایمانکم کے علاوہ) عبد کا لفظ بھی آیا ہے اور رقبۃ کا بھی۔ تحریر رقبۃ کے معنی ہیں غلاموں کو آزاد کرنا۔ اس نے کہا ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا اور کرانا دین کی اصل ہے۔ (۲ : ۱۷۷) ۔ (۹ : ۶۰) ۔ (۹۰ : ۱۱۳) ۔ یاد رکھئے۔ قرآن کریم میں ہر جگہ غلاموں کو آزاد کرنے کی تاکید ہے کسی ایک جگہ بھی غلام بنانے کا حکم (یا اجازت) نہیں۔

ما ملکت ایمانکم۔ غلاموں اور لونڈیوں کے لئے

۱۔ ما ملکت ایمانکم "جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں" اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو کچھ ڈال دے کر انہیں آزاد کر دو۔ اسے مکاتبت کہتے ہیں۔ (۲۴ : ۳۳)

۲۔ ان کے مالک انہیں، اپنے مال و دولت میں شریک نہیں کیا کرتے تھے۔ (یہاں اس کے معنی ماتحت عملہ بھی ہو سکتے ہیں)(۳۰ : ۲۸)

۳۔ مخصوص حالات میں چار بیویوں تک کی اجازت۔ اگر عدل نہ کر سکو تو پھر ایک ہی بیوی یا ما ملکت ایمانکم۔ (۴ : ۳)

۴۔ تمام شوہر والی عورتیں حرام ہیں بجز ما ملکت ایمانکم۔ (۴ : ۲۴)

۵۔ اگر پاک دامن آزاد عورتیں میسر نہ آسکیں تو ما ملکت ایمانکم سے نکاح کر لو۔ باقاعدہ نکاح۔ زن و شوئی کی زندگی بسر کرنے کے لئے۔ نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو۔ اور ان کا مہر بھی ادا کرو۔ (۴ : ۲۵)

۶۔ ما ملکت ایمانکم سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ (غلام و لونڈیاں۔ یا ماتحت عملہ) ۔ (۴ : ۳۶)

۷۔ ازواج یا ملکِ یمین کے علاوہ، جنسی تعلقات ناجائز ہیں۔ (۲۳ : ۶-۷) ۔ (۷۰ : ۳۰)

۸۔ پرائیویسی اوقات میں ملکِ یمین اجازت لے کر اندر آئیں۔ (اس کے معنی غلام یا گھر کے ملازم دونوں ہو سکتے ہیں)(۲۴ : ۵۸)

۹۔ رسول اللہ کے لئے ازواج اور ملکِ یمین کی اجازت۔ نیز عام مومنین کے لئے۔ (۳۳ : ۵۰) ۔ (۳۳ : ۵۲)

غلاموں اور لونڈیوں کے لئے مختلف الفاظ

۱۔ جرمِ قتل کی سزا میں، حُر (آزاد) کے بدلے حُر اور عبد (غلام) کے بدلے غلام قتل کیا جائے گا۔ (۲ : ۱۷۸)

۲۔ نکاح کے لئے مومن لونڈی (اَمَۃٌ) مشرک (آزاد عورت) سے بہتر ہے اور عبد (غلام) مومن مشرک (آزاد) مرد سے بہتر ہے۔ (۲ : ۲۲۱) - (۲۴ : ۳۲)

۳۔ تحریر رقبۃ ۔ غلام کا آزاد کرنا۔ (۴ : ۹۲) - (۵ : ۸۹) - (۵۸ : ۳)

۴۔ فی الرقاب ۔ غلام اور قیدی، دونوں معانی میں - (۹ : ۶۰) - (۵) - عبدِ مملوک - (۱۶ : ۷۵)
فتیٰتکم ۔ تمہاری لونڈیاں - (۴ : ۲۵) - (۲۴ : ۳۳)

غلاموں کی حالت

۱۔ عبدِ مملوک کسی شے پر اقتدار نہیں رکھتا تھا۔ (۱۶ : ۷۵)

۲۔ غلام، آقا کے مال میں شریک نہیں کیا جاتا تھا۔ (۳۰ : ۲۸)

ما ملکت ایمانکم دوسرے معنوں میں

۱۔ تمہارا ماتحت عملہ تمہارے مال میں شریک نہیں ہوتا۔ (یہ اس دور کی بات بتائی گئی ہے) - (۳۰ : ۲۸)

۲۔ ما ملکت ایمانکم کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اس کے معنی ماتحت عملہ بھی ہو سکتے ہیں - (۴ : ۳۶)

۳۔ پرائیویسی کے اوقات میں، ما ملکت ایمانکم اجازت لے کر اندر آئیں۔ اس کے معنی گھر کے ملازم بھی ہو سکتے ہیں (۲۴ : ۵۸)

۴۔ جو عورتیں نکاح میں آچکی ہوں ان کے لئے بھی یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ (۳۳ : ۵۲)

۵۔ تم اپنا زائد از ضرورت مال، اپنے ماتحتوں کو کیوں نہیں دے دیتے۔ (۱۶ : ۷۱)

۶۔ عورتیں اپنی زینت کا اظہار ما ملکت ایمانھن پر کر سکتی ہیں۔ (۲۴ : ۳۱) - (۳۳ : ۵۵)

غلاموں کے متعلق احکام

۱۔ قتلِ مومن سہواً میں کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ (۴ : ۹۲)

۲ قسم کے کفارہ کے طور پر بھی۔ (۸۹ : ۵)۔(۳)۔ صدقات، فی الرقاب کے لئے۔ غلام یا قیدی۔ (۶۰ : ۹)

۴۔ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دیا کرو۔ (۳۲ : ۲۴)

۵۔ اپنے غلاموں کو کچھ مال دے کر آزاد کر دیا کرو اگر ان میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت دیکھو۔ اسے مکاتبت کہتے ہیں۔ (۳۳ : ۲۴)۔(۶)۔اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور مت کرو۔ (۳۳ : ۲۴)

۷۔ ظہار کا کفارہ تحریر رقبۃ۔ (۳ : ۵۸)

۸۔ فک الرقبۃ۔ دین کی سخت گھاٹی ہے۔ (۱۳ : ۹۰)۔ غلاموں کو چھڑانے کے لئے مال خرچ کرنا اصل نیکی ہے۔(۱۷۷ : ۲)

۹۔ لونڈی کی فحش کاری کی سزا آزاد عورت سے نصف ہے۔ (۲۵ : ۴)

۱۰۔ ما ملکت ایمانکم کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ (۳۶ : ۴)

(۰)

۳۔ غنی

اَلْغِنٰی۔ حاجات سے بے نیازی۔ جسے کسی قسم کی احتیاج نہ ہو وہ غَنِیٌّ کہلاتا ہے۔ نیز اس کے معنی ہیں کافی ہو جانا یعنی کسی کو ایسا کر دینا کہ اسے کسی اور چیز کی حاجت نہ رہے۔

قرآن کریم میں خدا کی ایک صفت اَلْغَنِیُّ بھی آتی ہے یعنی جسے کسی کی احتیاج نہ ہو۔ جو ہر قسم کی احتیاج سے مستغنی ہو۔ جن مقامات میں یہ صفت آتی ہے ان میں سے اہم مقامات کے حوالے ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ غنی حمید (۲۶۷ : ۲)۔ غنی عن العالمین (۹۷ : ۳)۔ غنی ذو رحمۃ (۱۳۴ : ۶)۔ غنی کریم۔ (۴۰ : ۲۷)۔ غنی عنکم (۷ : ۳۹)

۲۔ کفار طعن زن ہوتے تھے کہ ہم اغنیاء ہیں اور خدا محتاج ہے۔ (۱۸۱ : ۳)۔ کہا کہ غنی درحقیقت خدا ہے۔ اور تمام نوع انسان اس کی محتاج ہے۔ (۱۵ : ۳۵)

۳۔ خدا خود غنی ہے اور دوسروں کو غنی کرتا ہے۔ (۴۸ : ۵۳)۔ رسول اللہ خوشحال نہیں تھے۔ خدا نے انہیں اتنا دیا کہ آپؐ بے نیاز ہو گئے۔ (۸ : ۹۳)

۴۔ دولت کی تقسیم ایسے نہ کرو کہ وہ معاشرہ کے اغنیاء کے اندر ہی گردش کرتی رہے۔ (۷ : ۵۹)

غوایت

غوایت۔ قرآن کریم میں بھٹک جانے یا گمراہ ہو جانے کے لئے ضلالت اور غوایت، دونوں الفاظ (اور ان کے اخوات) آئے ہیں۔ لیکن غوایت میں، بھٹک جانے کے علاوہ اور معانی بھی آ جاتے ہیں۔ یعنی دھوکا کھانا۔ تباہ و برباد ہو جانا۔ معیشت کا تنگ ہو جانا۔ زندگی کا خراب ہو جانا۔ کسی شے میں فساد پیدا ہو جانا۔ اَلْغَادِیْ۔ ٹڈی دل کو کہتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں اَلْغَیُّ۔ اَلرُّشْدُ کے مقابلہ میں آیا ہے (۲ : ۲۵۶)۔ جہاں کہا ہے۔ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ یعنی صحیح راستہ اور غلط راستہ دونوں نکھر کر الگ الگ ہو گئے۔ لہٰذا غوایت، بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی ضد ہے اور اس کی دیگر مفاہیم غلط راہ روی کے نتائج و عواقب۔ سورہ النجم میں ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی۔ (۵۳ : ۲) یہاں ضلالت اور غوایت الگ الگ معانی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ ضلالت کے معنی میں راستہ کی تلاش میں سرگرداں پھرنا اور غوایت کے معنی، راستہ پا کر بھٹک جانا۔ یا دھوکا کھا جانا۔

ابلیس اور غوایت

۱۔ ابلیس نے خدا سے کہا کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا ہے۔ یا تباہ و برباد کر دیا ہے۔ (۷ : ۱۶)۔ تو میں بھی انسانوں کو بھٹکا کر چھوڑوں گا۔ (۱۵ : ۳۹)۔ (۱۵ : ۴۷)۔ (۳۸ : ۸۲)

۲۔ شیطان کے بھائی بند لوگوں کو غوایت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ (۷ : ۲۰۲)

۳۔ ابلیس کے متبعین غاوین میں سے ہیں۔ (۱۵ : ۴۲)۔ خدا کے بندوں پر اس کا کوئی غلبہ نہیں ہو سکے گا۔

اکابرین اور غوایت

۱۔ جہنم میں اکابرین اور اصاغر کا مقابلہ۔ اصاغر کا اعتراض کہ تم نے ہی ہمیں بھٹکایا تھا۔ اکابرین کا اعتراف۔ (۲۸ : ۶۳)۔ (۳۲:۳۷)

غاوین

۱۔ جہنم غاوین کے لئے نمود میں لایا جائے گا۔ (۲۶ : ۹۱)۔ (۲۶ : ۹۴)

۲- شعراء کا اتباع غاوین کرتے ہیں۔ (۲۶ : ۲۲۴)

۳- اکابر کہیں گے کہ ہم خود غاوین تھے اس لئے ہم نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ (۳۷ : ۳۲)

۴- آیاتِ خداوندی کو چھوڑ دینے والے کے پیچھے شیطان لگ جاتا ہے۔ اور وہ غاوین میں سے ہو جاتا ہے۔ (۷ : ۱۷۵) – (۵)- ابلیس کے متبعین غاوین ہیں۔ (۱۵ : ۴۲)

متفرق

۱- یہ تمہارا ساتھی (رسولؐ) نہ تو راستے کی تلاش میں سرگرداں ہے اور نہ ہی راستہ پا کر بھٹک گیا ہے۔ (۵۳ : ۲)

۲- آدم نے معصیت برتی تو وہ تباہ ہو گیا۔ اس کی معیشت تنگ ہو گئی۔ (۲۰ : ۱۲۱)

۳- حضرت موسیٰؑ نے فریادی سے کہا کہ تم غلطی پہ ہو۔ (۲۸ : ۱۸)

۴- غیّ بمقابلہ رُشدؔ۔ (۲ : ۲۵۶) - (۷ : ۱۴۶)

۵- صلوٰۃ کو ضائع اور شہوات کا اتباع کرنے والوں کو غَیّاً (تباہی) کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (۱۹ : ۵۹)

۶- حضرت نوحؑ نے مخالفین سے کہا کہ اگر قانونِ خداوندی کے مطابق تم نے غلط راستے پر چلنے کی ٹھان لی ہے تو میرے نصائح تمہیں کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ (۱۱ : ۳۴)

(○)

ف

۱۔ فؤاد (جمع افئدۃ)

فؤاد (مادہ ف۔ أ۔ د)۔ ہمارے ہاں جو مفہوم "دل" کے لفظ کا ہے اس کے لئے قرآن کریم میں دو لفظ آئے ہیں۔ فؤاد اور قلب۔ "دل" سے مراد ایک تو وہ عضو (مضغۂ گوشت) ہے جو سینے میں لٹکتا ہے اور جس کا فریضہ خون کو گردش دینا ہے۔ انگریزی، بلکہ ڈاکٹری اصطلاح میں، اسے (HEART) کہا جاتا ہے۔ اس طبیعیاتی دل کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔

دل سے دوسری مراد (MIND) ہوتا ہے۔ اور انگریزی کا یہ وہ لفظ ہے جس کا مرادف ہمارے ہاں (اردو زبان میں) ابھی تک وضع نہیں ہوا۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے۔ اسے انسانی فکر و شعور کا مرکز بھی سمجھا جاتا ہے، اور اس کے احساسات و جذبات کا سرچشمہ بھی۔ قرآن کریم میں (MIND) کے لئے فؤاد اور قلب کے الفاظ آئے ہیں بلکہ بعض مقامات پر نفسیاتی احوال و کوائف کے لئے بھی یہ استعمال ہوئے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے محلِ استعمال میں کوئی خاص امتیاز نہیں کیا جا سکتا اگرچہ مادہ (ROOT) کے اعتبار سے فؤاد کو جذبات و احساسات کا مرکز سمجھنا چاہیئے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی سوز و گداز (بھونتے) کے ہیں۔ لیکن، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، ان دونوں لفظوں کے استعمال میں اس قسم کا امتیاز نہیں۔ کہیں فؤاد فکری امور کے لئے آیا ہے اور قلب، جذباتی کوائف کے لئے۔ زیرِ نظر عنوان میں ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کریم میں فؤاد کا لفظ کن معانی میں آیا ہے۔ قلبؔ کی بحث قلبؔ کے عنوان میں ملیں گی۔ عصرِ حاضر کی سائیکالوجی میں ایک اور اصطلاح (PSYCHE) کی آئی ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم میں نفسؔ کا لفظ آیا ہے۔ لیکن اس کے بعض کوائف قلبؔ اور فؤاد کے الفاظ میں بھی ملتے ہیں۔

فؤاد

۱۔ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو۔ تمہاری سماعت، بصارت اور فؤاد ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔ (۳۶ : ۱۷)۔ ظاہر ہے کہ یہاں سماعت و بصارت سے مراد وہ حواس ہیں جو بیرونی دنیا کے متعلق معلومات (MIND) تک پہنچاتے ہیں اور پھر (MIND) ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ لہٰذا فؤاد سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جو مدرکات (SENSE-PERCEPTION) سے استنباطِ نتائج کرتی ہے۔ نیز

(۴۶ : ۲۳) - (۴۶ : ۲۶) - (۳۲ : ۹) - (۲۳ : ۷۸) - (۱۶ : ۷۸)

۲۔ شدتِ جذبات سے موسیٰؑ کی ماں کا دل (فؤاد) بے قرار ہو گیا۔ (۱۰ : ۲۸)۔ یہاں فؤاد سے مراد "انسانی احساسات و جذبات کی آماجگاہ ہے۔

۳۔ رسول اللہؐ نے جو کچھ مقامِ نبوت پہ فائز ہو کر دیکھا، آپؐ کے دل (فؤاد) نے اس کی تکذیب نہیں کی۔ (۱۱ : ۵۳)

۴۔ اے رسولؐ! تمہیں انبیائے سابقہ کے احوال و کوائف سے اس لئے آگاہ کیا جاتا ہے کہ تیرے دل (فؤاد) کو اس سے ثبات (استقامت) حاصل ہو۔ (۱۲۰ : ۱۱)۔ اس مقصد کے پیشِ نظر قرآن بتدریج نازل کیا گیا ہے۔ (۳۲ : ۲۵)۔

(۵)۔ کفار جس بات کے ماننے سے ایک دفعہ انکار کر دیں، پھر لاکھ کوشش کیجئے، وہ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ان کی نگاہیں اور فؤاد پھر جاتے ہیں۔ (۱۱۱ : ۶)۔ یہاں اس سے مراد نفسیاتی ذہنیت ہے۔

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ لوگوں کے دل کعبہ والوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ (۳۷ : ۱۴)

۷۔ جہنم کی آگ کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ (۷ : ۱۰۴)

۸۔ جنگ کی ہولناکیوں سے ان کے دل (حوصلوں سے) خالی ہو گئے۔ (۴۲-۴۳ : ۱۴)

۲۔ فتح

فتح (ف۔ت۔ح)۔ ہمارے ہاں فتح کے معنی دشمن پہ کامیابی (VICTORY) حاصل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن

عربی زبان میں اس مادہ کے بنیادی معنی کھول دینے کے ہوتے ہیں۔ چونکہ کامیابی سے کشائش کے دروازے کھل جاتے ہیں اس لئے یہ لفظ کامیابی کے معنوں میں استعمال ہوجاتا ہے۔

اس لفظ کا استعمال فیصلہ کرنے کے معنوں میں بھی ہوتا ہے کیونکہ فیصلہ کرنے والا حقیقت کو کھول کر سامنے لے آتا ہے۔ اس اعتبار سے الفتاح، بہت بڑے فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

فتح کا لفظ نصرت کے ساتھ بھی آتا ہے۔ وہاں اس کے معنی مدد یا غلبہ حاصل یا طلب کرنے کے ہوتے ہیں۔

مختصراً یوں سمجھئے کہ زندگی کی راہوں کا کشادہ ہوجانا۔ مدافعات کا دور ہوجانا۔ حقائق کا منکشف ہوجانا۔ ایک فیصلہ کن انقلاب کا برپا ہوجانا۔ حق و باطل کا نکھر کر الگ الگ ہوجانا، فتحؐ کہلائے گا۔

فتح۔ ایسی کامیابی جس سے زندگی کی راہیں کشادہ ہوجائیں

۱۔ صلح حدیبیہ کو خدا نے فتح مبین قرار دیا۔ کیونکہ اس سے کامیابیوں کی راہیں کشادہ ہوگئی تھیں۔ (۱ : ۴۸)

۲۔ الفتح (یعنی فتح مکہ) سے پہلے کے مجاہدین اور بعد کے، ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ قبل از فتح کے مجاہدین کے مدارج بلند ہیں۔ لیکن خوشگواریوں کے وعدے ان سب کے ساتھ یکساں ہیں۔ (۱۰ : ۵۷)

۳۔ نصرٌ من اللہ و فتح قریب۔ (۱۸ : ۴۸)۔ (۲۷ : ۴۸)۔ (۱۳ : ۶۱)

۴۔ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہونا شروع ہوجائیں۔ (۱ : ۱۱۰)

فتح۔ فیصلہ کرنا

۱۔ خدا، انسانوں کو جمع کرے گا اور ان میں فیصلہ کرے گا۔ وہ الفتاح العلیم ہے۔ (۲۶ : ۳۴)

۲۔ حضرت شعیبؑ نے دعا مانگی کہ اے خدا! ہم میں اور اس قوم میں فیصلہ کر دے۔ (۸۹ : ۷) یہی حضرت نوحؑ نے کہا۔ (۱۱۸ : ۲۶)

۳۔ مخالفین نے رسولوں کے خلاف فیصلہ چاہا اور فیصلہ یہ تھا کہ وہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ (۱۵ : ۱۴)

۴۔ میدانِ جنگ میں فیصلہ ہوگیا۔ (۱۹ : ۸)

۵۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کن انقلاب کب آئے گا۔ ان سے کہو کہ جب وہ آئے گا تو تمہارا ایمان لانا کسی کام نہیں آسکے گا۔ (۲۹-۲۸ : ۳۲)

فتح۔ غلبہ

۱۔ یہودی، رسول اللہؐ کی آمد سے پہلے، ایک آنے والے کے منتظر تھے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کریں گے۔ (۸۹ : ۲)

۲۔ اگر میدانِ جنگ میں فتح حاصل ہو جاتی، تو یہ منافقین کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (۱۴۱ : ۴)-(۵:۵۲) ۔

فتح۔ دروازے کھول دینا۔ زندگی کی راہیں کشادہ کر دینا

۱۔ جب لوگ قوانین خداوندی سے منہ موڑ کر غلط طریق اختیار کر لیتے ہیں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کی آسائش اور عیش سامانیاں ان پر عام ہو جاتی ہیں ......(۴۴ : ۶)

۲۔ اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ (۹۶ : ۷)

۳۔ اگر ہم ان (مخالفین) کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ بھی کھول دیتے۔ تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (۱۴ : ۱۵)

۴۔ عذابِ شدید کا دروازہ کھل جانا۔ (۷۷ : ۲۳)۔ جہنم کے دروازوں کا کھل جانا۔ (۷۱ : ۳۹)۔ اور جنت کے (۵۰ : ۳۸) – (۷۳ : ۳۹)

۵۔ طوفانِ نوحؑ کے لئے آسمان سے بارش کے دروازے کھل گئے۔ (۱۱ : ۵۴)

۶۔ اللہ رحمت کے جو دروازے کھول دے انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ (۲ : ۳۵)

۷۔ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔ (۱۹ : ۷۸)

۸۔ تکذیب کرنے والوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں۔ اور جنت میں داخل نہیں کیا جائیگا۔ (۴۰ : ۷)

متفرقات

۱۔ یہودی اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ جو حقائق خدا نے تم پر منکشف کئے ہیں، ان کے متعلق مسلمانوں سے گفتگو مت کرو۔ (۷۶ : ۲)

۲۔ جب برادرانِ یوسفؑ نے گھر آکر اپنی بوریاں کھولیں تو ان میں اپنی پونجی بھی موجود پائی۔ (۶۵ : ۱۲)

۳۔ یاجوج و ماجوج کا دروازے کھول کر یلغار کرنے کے لئے نکل پڑنا۔ (۹۶ : ۲۱)

۴۔ مفاتح الغیب خدا کے پاس ہیں۔ (۵۹ : ۶)

۵۔ جن گھروں کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں ان کے ہاں سے کھانے میں حرج نہیں۔ (۶۱ : ۲۴)

۶۔ قارون کے خزانے کی چابیاں۔ (۷۶ : ۲۸)

۳۔ فتنہ

فتنہ (ف۔ت۔ن)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں، چاندی یا سونے کو آگ میں تپا کر اس کے کھوٹ کو الگ کرنا۔ اس اعتبار سے فتنہ وہ طریق کار یا ذریعہ ہوگا جس سے کسی شے کی اصل و حقیقت نکھر کر سامنے آجائے۔ اس کی مضمر صلاحیتیں ابھر آئیں۔ اس نہج سے یہ لفظ آزمائش کے معنوں میں آتا ہے۔ جہاں اس سے مقصود ہوتا ہے، کسی کی نمود ذات کے مواقع بہم پہنچانا۔ (اس سلسلہ میں ابتلا کا لفظ بھی دیکھنا چاہیئے۔) اور آگ میں ڈالنے کے اعتبار سے یہ لفظ مصیبت۔ تکلیف یا عذاب کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ نیز فساد برپا کرنے کے معانی میں بھی۔ اس میں ہر قسم کی شرارت بھی آجاتی ہے۔

واضح رہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ "خدا آزمائش میں ڈالتا ہے" تو اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ شخص اس امتحان میں پورا اترتا ہے یا نہیں۔ خدا تو علیم و خبیر ہے۔ وہ سینہ میں چھپے ہوئے رازوں تک کو بھی جانتا ہے اور لوگوں کی نیتوں سے بھی باخبر ہے اس لئے اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ فلاں شخص امتحان میں کیسا اترتا ہے۔ آزمائش سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص خود اپنے متعلق جان لے کہ اس میں کتنی صلاحیت ہے اور وہ تکالیف اور مشقتوں کو کسی حد تک برداشت کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے خود لفظ "آزمائش" بھی مشقت اور مصیبت کے معنوں میں آتا ہیں۔

فتنہ۔ عام آزمائش کے معنوں میں

۱۔ لوگ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کون اپنے دعوٰئے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔ (۳ : ۲۹)۔ مومنین کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جائے گا۔ (۲ : ۲۹)

۲۔ انسانوں کو متاعِ دنیا ملتی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے۔ اس لئے ان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ (۲۰ : ۱۳۱) - (۲۹ : ۴۹) - (۱۷-۱۶ : ۷۲)

۳۔ یاد رکھو! تمہاری دولت اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ (۸ : ۲۸) - (۶۴ : ۱۵)

۴۔ رسول اللہ کا خواب لوگوں کے لئے فتنہ (آزمائش) کا موجب بن گیا۔ (۱۷ : ۶۰)۔

۵۔ مکافاتِ عمل میں، مہلت کا وقفہ، فتنہ (آزمائش) کے لئے ہوتا ہے۔ (۲۱ : ۱۱۱)

۶۔ شیطان، رسول کی وحی میں آمیزش کر دیتا تھا جو لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب بن جاتی تھی۔ (۲۲ : ۵۳-۵۲)

۷۔ یہ بات کہ رسول بھی عام انسانوں جیسے ہوتے تھے، لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب بن جاتی تھی۔ (۲۵ : ۲۰)

۸۔ شجرۃ الزقوم، ظالمین کے لئے فتنہ ہے۔ (۱۷ : ۶۰) - (۳۷ : ۶۳)

۹۔ ناقۂ حضرت صالحؑ، قومِ ثمود کے لئے فتنہ تھی۔ (۵۴ : ۲۷)

۱۰۔ جہنم کی تفصیلات کا تشبیہی بیان، کفار کے لئے فتنہ کا موجب بن جاتا ہے۔ (۷۴ : ۳۱)

۱۱۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ زلزلہ، خدا کی طرف سے فتنہ (آزمائش) تھا۔ (۷ : ۱۵۵)

فتنہ۔ کسی کو اذیت دینا۔ تکلیف بہم پہنچانا۔ باعثِ آزار بننا۔ راہِ راست سے برگشتہ کر دینا

۱۔ جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو اذیت دیتے ہیں، ان کے لئے عذابِ جہنم ہے۔ (۸۵ : ۱۰)

۲۔ اس کی احتیاط رکھو کہ مخالفین تمہیں ما انزل اللہ سے برگشتہ نہ کر دیں۔ (۵ : ۴۹)

۳۔ مخالفین اس کوشش میں رہتے تھے کہ رسول اللہ کو ما انزل اللہ سے بہکا دیں۔ (۱۷ : ۷۳)

۴۔ جن لوگوں نے ہجرت کی، بعد اس کے کہ مخالفین نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ (۱۶ : ۱۱۰)

۵۔ کفار کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے فتنہ کی وجہ سے ہے۔ (۵۱ : ۱۴-۱۳)

۶۔ کفار صرف انہی کو برگشتہ کر سکتے ہیں جو جہنم میں جانا چاہیں۔ (۳۷ : ۱۶۳-۱۶۲)

۷۔ رسولوں کی مخالفت کرنے والے سمجھتے تھے کہ انہیں کسی قسم کی مشقت میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ (۵ : ۷۰)

فتنہ بمعنی آزمائش یا مشقت میں ڈالنا

۱۔ خدا ایک جماعت کے ذریعے دوسری جماعت کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔ (۶ : ۵۳)

۲۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تیری عدم موجودگی میں تیری قوم فتنہ میں پڑ گئی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا۔
(۸۵ : ۲۰) - (۹۰ : ۲۰)

۳۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو قوم فرعون کی طرف بھیج کر اسے (قوم فرعون) کو فتنہ میں ڈالا۔ (۱۷ : ۴۴)

۴۔ اہلِ جہنم نے دنیا میں اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال کر گمراہی اختیار کر لی تھی۔ (۱۴ : ۵۷)

۵۔ منافقین کہتے تھے کہ ہمیں جنگ میں ساتھ لے جا کر مشقت میں نہ ڈالیں۔ (۴۹ : ۹)

۶۔ اے بنی آدم! دیکھنا شیطان کہیں تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ جس طرح اس نے تمہارے آباء کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔
(۲۷ : ۷) - (۷) - فرعون کی طرف سے فتنہ کے خوف سے حضرت موسیٰؑ پر بہت کم لوگ ایمان لائے۔ (۸۳ : ۱۰)

۸۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پر جو نحوست چھا رہی ہے، وہ میری وجہ سے نہیں۔ تم فتنے میں مبتلا کی گئی ہو۔ (۴۷ : ۲۷)

۹۔ کفارِ عرب، سال میں ایک دو مرتبہ فتنہ میں مبتلا کئے جاتے تھے (یہاں اس کے معنی جنگ کے بھی ہو سکتے ہیں)۔ (۱۲۶ : ۹)

۱۰۔ خیر کے مقابلہ میں لفظ فتنہ آیا ہے۔ (۱۱ : ۲۲)

۱۱۔ فتنہ، عذابِ الیم سے کم درجہ کی مصیبت یا تکلیف کے لئے آیا ہے۔ (۶۳ : ۲۴)

۱۲۔ منافق، لوگوں کی طرف سے پہنچاتی ہوئی مصیبت کو خدا کا عذاب سمجھتا ہے۔ (۱۰ : ۲۹)

۱۳۔ جس گروہ پر خدا کی طرف سے فتنہ (مشقت کا عذاب) آجائے، اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ (۴۱ : ۵)

۱۴۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انہیں محض زبانی ایمان کی بنا پر چھوڑ دیا جائے گا اور مشقتوں میں سے گذارا نہیں جائیگا۔ (۲ : ۲۹)

۱۵۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم اپنے فتنہ کا مزہ چکھو۔ اس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ (۱۴-۱۳ : ۵۱)

فتنہ۔ بمعنی شرارت۔ فساد۔ جنگ

۱۔ منافقین ہر موقع پر فتنہ (شرارت۔ فساد) برپا کرتے رہتے ہیں۔ (۴۹-۴۸ : ۹)

۲۔ اگر تمہیں مخالفین کی طرف سے فتنہ کا ڈر ہو تو قصرِ صلوٰۃ کر لیا کرو۔ (۱۰۱ : ۴)

۳۔ کفارِ عرب، سال میں ایک دو مرتبہ فتنہ میں مبتلا کئے جاتے تھے۔ (۱۲۶ : ۹)

۴۔ "الفتنۃ اشد من القتل"۔ فتنہ جنگ سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔ اگلی آیت نے بتا دیا کہ یہاں فتنہ سے مراد، دین میں جبر ہے۔ (۹۳-۱۹۱ : ۲) - (۲۱۷ : ۲) - (۳۹ : ۸)

۵۔ جن کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کی تاویل سے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ (۷ : ۳)۔ (۳۱ : ۷۴)

۶۔ فتنہ بمعنی جنگ۔ (۹۱ : ۴)۔ (۱۴ : ۳۳)

۷۔ مومنین سے کہا گیا کہ تم نظامِ خداوندی کی اطاعت کرو۔ اور اس فتنہ سے خائف رہو جو اگر آجائے، تو اس کی لپیٹ میں صرف وہی ظالمین ہی نہیں آیا کرتے۔ سب آجاتے ہیں۔ (اس سے مراد جنگ سے پیدا شدہ تکالیف ہیں)۔ (۲۵ : ۸)

۸۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم قربانیوں کے لئے تیار نہیں رہو گے تو زمین میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ (۷۳ : ۸)

۹۔ مومنین کی دعا کہ ہمیں مخالفین کے لئے فتنہ (تختۂ مشق) نہ بنا۔ (۸۵ : ۱۰)۔ (۵ : ۶۰)

فتنہ۔ نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچانا

۱۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد، ان کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اور اس طرح اسے اپنی صلاحیتوں کی نمود کا موقع ملا لیکن وہ ایک جسدِ بے روح ثابت ہوا۔ (۳۴ : ۳۸)

۲۔ حضرت موسیٰؑ کی بچپن کی زندگی سے شبابؑ مدین تک کی زندگی کے مختلف مراحل کو گنانے کے بعد خدا نے کہا کہ اس طرح ہم نے تمہیں مختلف کٹھالیوں میں گدازا اور جب تو نے اس طرح ثابت کر دیا کہ تو نبوت کے بارِگراں کے اٹھانے کے قابل ہے، تو تجھے ہم نے اس منصبِ جلیلہ کے لئے منتخب کیا۔ (۴۰ : ۲۰)

۳۔ جب حضرت داؤدؑ کے پاس دو فریق مقدمہ لے کر آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ ان کی قوتِ فیصلہ کی آزمائش کا موقعہ ہے۔ (۲۴ : ۳۸)

۴۔ ہم خیر اور شر کے پہلو بدل بدل کر تمہاری نمودِ ذات کے مواقع (فتنہ) بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ (۳۵ : ۲۱)

متفرقات

۱۔ مفتون بمعنی مجنون۔ یا مصیبت زدہ۔ برگشتہ خاطر۔ (۶ : ۶۸)

۲۔ بابل کے فرشتے (یہودیوں کے قول کے مطابق) لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم تو خود فتنہ (میں مبتلا) ہیں۔ سو تم کفر مت کرو۔ (۱۰۲ : ۲)

۳۔ یہ کہنا کہ مال و دولت جو مجھے حاصل ہوتا ہے، یہ سب میری اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہے، فتنہ ہے۔ (یہ قارون کا قول تھا)۔ (۴۹ : ۳۹)۔ (۴)۔ فتنہ کے معنی عذر۔ معذرت۔ (۲۳ : ۶)

۴۔ فجور ۔ فاجر

فجور۔ ہمارے ہاں، فسق و فجور اور فاسق و فاجر کے الفاظ عام طور پر اکٹھے بولے جاتے ہیں اور ان کے معنی گناہ کے لئے جاتے ہیں ۔ جیسا کہ فسق کے عنوان میں بتایا جائے گا قرآن کریم میں گناہ کے مفہوم کے لئے مختلف الفاظ آتے ہیں اور ان میں سے ہر لفظ اپنا خصوصی مفہوم رکھتا ہے ۔

فجر کے معنی ہیں شق کر دینا ۔ پھاڑ دینا ۔ خدا نے ہر انسان کو اس کی ذات (PERSONALITY) ودیعت کر کے دیدی ہے ۔ لیکن یہ ذات غیر نشوونمایافتہ شکل میں ملتی ہے ۔ اس میں اس کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ یہ صحیح اعمال سے نشوونما حاصل کر لے اور اس کی بھی کہ یہ غلط کاموں سے غیر نشوونمایافتہ رہ جائے ۔ نشوونمایافتہ ذات کو (INTEGRETED PERSONALITY) کہا جاتا ہے اور غیر نشوونمایافتہ کو (DISINTEGRATED) اس کے لئے قرآن میں فجورھا کا لفظ آیا ہے ۔ (۹۱ : ۸)۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ انسانی ذات میں اس کے فجور کی بھی صلاحیت رکھ دی ہے اور اس سے بچنے کی صلاحیت بھی ۔ (فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا)۔ یہاں سے فاجر کے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں ۔ یعنی وہ جس کی ذات میں انتشار ہو چکا ہو ۔ لہٰذا ہر وہ کام جو انسانی ذات میں انتشار پیدا کرے اور اس کی سالمیت کو ضعف پہنچائے ، فجور ہے ۔ اس عنوان میں اس مادہ (ف ۔ ج ۔ ر) کا صرف یہی مفہوم سامنے لایا گیا ہے ۔ دیگر معانی متعلقہ عنوانوں میں ملیں گے ۔

نوٹ :۔ قرآن کریم میں الہام کا لفظ مندرجہ بالا آیت (۹۱ : ۸) کے سوا کہیں نہیں آیا ۔

فاجر

۱۔ حضرت نوحؑ نے دعا کی کہ کفار کی قوم کو ختم کر دے ورنہ ان کی نسل سے فاجر و کفار پیدا ہوں گے ۔ (۷۱ : ۲۷)

۲۔ دوسری جگہ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ انہی معانی میں آیا ہے ۔ (۸۰ : ۴۲)

۳۔ متقین کے مقابلہ میں فجار آیا ہے ۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ (۳۸ : ۲۸)

۴۔ ابرار کے مقابلہ میں فجار ۔ (۸۲ : ۱۳۔۱۴) ۔ (۵)۔ تقویٰ کے مقابلہ میں فجور ۔ (۹۱ : ۸)

۶۔ فجار کا اعمالنامہ سجین میں ہو گا ۔ (۸۳ : ۷)

فجور کا نتیجہ

۱۔ رو سیاہی۔ (۸۰ : ۴۰-۴۲)	(۲)۔ فجار جہنم میں۔ (۸۲ : ۱۴)
۴۔ کتاب الفجار سجین میں ہو گی۔ (۸۳ : ۷)

(٥)

۵۔ فحش۔ فحشاء

فحش۔ اس مادہ کے بنیادی معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ ایک تو حدود بھی کئی قسم کی ہوتی ہے پھر، تجاوز کرنے کی بھی نوعیتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ کہیں تجاوز میں ذرا سی لغزش ہو گی۔ کہیں انتہائی اقدام۔ اس لئے لفظ فحش کا ہر مقام پر ایک معنی یا مفہوم نہیں ہو گا۔ مثلاً عام بے حیائی بھی فحش ہو گی اور زنا جیسا سنگین ترین جرم بھی فحش۔ ہر خیال، جذبہ یا اقدام جو ناجائز جنسی جذبہ کے لئے محرک ہو، فحش کے ضمن میں آجائے گا۔

عربوں کے ہاں جود و سخا کو انتہائی فضیلت سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے بخل ان کے ہاں شدید ترین قابلِ نفرت عیب تھا۔ اس اعتبار سے وہ بخل کو فحشاء سے تعبیر کرتے تھے۔

وسیع تر مفہوم کی رُو سے یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس بات میں بھی ذلت۔ کمینگی۔ شناعت یا ذم کا پہلو ہو، وہ فحش ہو گی۔ اس کے بعد دیکھنا یہ ہو گا کہ اس فحش کی نوعیت اور شدت کتنی ہے۔ اسی نسبت سے اس کے خلاف ردِ عمل ہو گا۔ قرآن کریم میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

فحشاء

۱۔ شیطان تمہیں برائیوں (ناہمواریوں) کا اور فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ وہ تمہارا دشمن ہے۔ اس کے نقش قدم پر نہ چلو۔ (۲ : ۱۶۹)
۲۔ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اس لئے فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ یہاں فحشاء کے معنی بخل یا خود غرضی کے ہیں۔ (۲ : ۲۶۸)

۳۔ جب یہ لوگ کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان سے کہو کہ خدا فحشآء کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا۔ یہاں فاحشۃً اور فحشآء ایک ہی مفہوم کے لئے آیا ہے۔ (۲۸ : ۷)

۴۔ حضرت یوسفؑ نے جب عزیز کی بیوی کی ہر خواہشِ بد کو ٹھکرایا تو اس کے لئے کہا گیا کہ یوسف نے اپنے آپ کو سوٓء اور فحشآء سے بچا لیا۔ (۲۴ : ۱۲)

۵۔ اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور فحشاء و منکر سے روکتا ہے۔ یہاں فحشآء، عدل کے مقابلہ میں آیا ہے یعنی ہر بات جو عدل کے خلاف ہوگی فحشاء کے زمرے میں آجائے گی۔ (۹۰ : ۱۶)

۶۔ عفت مآب عورتوں کے خلاف بہتان تراشی اور تشہیر کے سلسلہ میں کہا کہ تم شیطان کا اتباع مت کرو۔ وہ تمہیں فحشآء اور منکر کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲۱ : ۲۴)

۷۔ صلوٰۃ الفحشآء اور منکر سے روکتی ہے۔ (۴۵ : ۲۹)

فاحشۃ (جمع فواحش)

۱۔ مومنین سے جب کبھی کوئی فاحش کام ہو جاتا ہے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لاکر اس سے مجتنب ہو جاتے ہیں۔ (۱۳۴ : ۳)

۲۔ جو عورتیں کسی فاحشۃ کی مرتکب ہوں، اس کے لئے چار گواہ لاؤ اور پھر انہیں پابندِ مسکن کر دو۔ (۱۵ : ۴)۔ ظاہر ہے کہ یہاں فاحشۃ سے مراد زنا نہیں۔ عام بے حیائی کی باتیں ہے کیونکہ زنا کے لئے تو سو کوڑوں کی سزا متعین طور پر آئی ہے۔ (دیکھئے ۲ : ۲۴)

(۳) جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہو ان سے واپس نہ لو بجز اس کے کہ وہ کسی کھلی ہوئی بے حیائی (فاحشۃ مُبَیِّنۃ) کی مرتکب ہوئی ہوں۔ (۱۹ : ۴)

۴۔ اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح مت کرو۔ یہ فاحش بات ہے۔ (۲۲ : ۴)

۵۔ منکوحہ لونڈی اگر فاحشۃ کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت کی سزا سے آدھی ہے۔ (۲۵ : ۴) یہاں فاحشۃ سے مراد زنا ہے کیونکہ متعین سزا (سو کوڑے) زنا ہی کی ہے۔ (۳ : ۲۴)

۶۔ جب یہ لوگ کسی فاحشۃ کے مرتکب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ اور خدا نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔ (۲۸ : ۷)

۷۔ قومِ لوطؑ کے فعلِ شنیع (اغلام بازی) کو فاحشۃ کہا گیا ہے۔ (۸۰ : ۷) - (۵۴ : ۲۷) - (۲۸ : ۲۹)

۸۔ زنا کے قریب تک نہ جاؤ کیونکہ وہ فاحشۃ ہے۔ (۳۲ : ۱۷)

۹۔ واقعۂ افک کے ضمن میں کہا کہ جو لوگ فاحشۃ کی تشہیر چاہتے ہیں، ان کے لئے عذابِ الیم ہے۔ (۱۹ : ۲۴) یہاں فاحشۃ میں ہر قسم کی بے حیائی کی باتیں آجاتی ہیں۔

۱۰۔ نبیؐ کی عورتوں سے کہا گیا کہ تم میں سے جو کوئی فاحشۃ مبینۃ کی مرتکب ہوگی تو اسے دوہری سزا ملے گی۔(۳۰ : ۳۳) ایک ہی قسم کے جرم میں، لونڈی کی سزا عام عورتوں کی سزا سے آدھی اور نبی کی عورتوں کی سزا دگنی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جرم کی سزا دیتے وقت مجرم کی ذہنی سطح۔ تمدنی حالت۔ تعلیم و تربیت اور ذمہ داری کی پوزیشن کا سامنے رکھنا ضروری ہے۔

۱۱۔ مطلقہ عورت کو گھر سے نہیں نکالنا چاہیئے، بجز اس کے کہ وہ فاحشۃ مبینۃ کی مرتکب ہوئی ہو۔ (۱ : ۶۵)

۱۲۔ فواحش کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن۔ (۱۵۲ : ۶) - باطن سے مراد چھپ چھپا کر بے حیائی کے کام کرنا نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بے حیائی کا خیال تک بھی تمہارے دل میں نہ آئے۔ ہر عمل کی ابتداء، نیت، خیال اور ارادے سے ہوتی ہے۔ قرآن، بے حیائی کے امور کو ان کے سرچشمہ (خیالات) سے روکنا چاہتا ہے۔

۱۳۔ مومن کبائر الاثم اور فواحش سے بچتے ہیں۔ (۳۷ : ۴۲) - (۳۲ : ۵۳) میں، اس کے ساتھ اِلَّا اللَّمَمَ آیا ہے۔ یعنی چھوٹی موٹی قابلِ ملامت لغزشیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسی لغزشوں کے متعلق محتاط نہیں رہنا چاہیئے۔ محتاط تو ہر قسم کی لغزش سے رہنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی سے بھولے چوکے ایسی لغزش ہو جائے تو اس پر طوفان نہیں برپا کر دینا چاہیئے۔

(۱)

ف-خ-ر

فخر۔ ہمارے ہاں فخر کا لفظ، مستحسن مواقع پر استعمال ہوتا ہے۔ قابلِ فخر بات، بڑی مستحسن ہوتی ہے۔ لیکن عربی زبان میں بالعموم، اور قرآن کریم میں بالخصوص یہ لفظ مذموم معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں الفخور اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جس کے تھن تو بڑے بڑے ہوں لیکن ان میں دودھ بہت کم ہو۔ اس سے فخر کا مطلب سمجھ میں آسکتا

ہے۔ یعنی "ھوتھا جیسا باجے گھنا"۔ اس اعتبار سے الفخار، بڑے بڑے مٹکوں کو کہا جاتا ہے۔ یا اس مٹی کو جو سوکھ کر کھنکنے لگ جائے۔ مقصد ہوگا ایسے لوگ جن میں، جوہرِ ذاتی ہوں نہیں اور نمائش و نمود بہت زیادہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز مذموم ہے، مستحسن نہیں۔

فخور

۱۔ جس شخص کو تھوڑی سی خوش حالی بھی میسّر آجائے تو وہ بہت شیخی خورہ ہوجاتا ہے۔ (۱۰ : ۱۱)

۲۔ ایسے لوگ، معیارِ خداوندی کی رُو سے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ (۳۶ : ۴)۔ (۱۸ : ۳۱)۔ (۲۳ : ۵۷)۔ (۳) جوہرِ ذاتی کے بغیر دنیاوی مال و متاع، باہمی تفاخر کا موجب ہوتا ہے اور بس۔ یعنی ایک دوسرے سے نمود و نمائش میں سبقت لے جانے کا باعث۔ (۲۰ : ۵۷)

نوٹ:۔ تخلیقِ انسانی کے سلسلہ میں فخّار کا لفظ (۱۴ : ۵۵) میں آیا ہے۔

ف ر ض

فرض۔ اس مادہ کے بنیادی معنی، کسی چیز کے کاٹنے کے ہیں۔ چونکہ کاٹنے سے اس چیز کے حصے متعین ہو کر الگ الگ ہوجاتے ہیں، اس لئے یہ الفاظ، کسی بات کے متعین یا مقرر کردینے کے لئے استعمال ہوتا ہے، خواہ اسے خدا نے مقرر کردیا ہو یا انسانوں نے خود اپنے لئے مقرر کر لیا ہو۔ نیز اس کے معنی اندازہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔

خدا نے (قرآن کریم میں) جس بات کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی تعمیل مسلمانوں پر لازم ہے۔ اسے خدا کی طرف سے عائد کردہ فریضہ کہا جائے گا۔ اور جس بات سے اس نے منع کر دیا ہے۔ اس سے رک جانا ضروری ہے۔ اسے حرام کہا جائے گا۔ "فرض" کے ساتھ دوسری اصطلاحات (مثلاً واجب۔ مستحب وغیرہ)۔ یا دوسری طرف "حرام" کے ساتھ دوسری اصطلاحات (مثلاً مکروہ وغیرہ) فقہ کی اصطلاحات ہیں قرآن کی نہیں۔

خدا کی طرف سے فریضہ (فرض عائد کر دینے) کا لفظ قرآن کریم میں بہت کم آیا ہے لیکن ہم اس کا استعمال بڑی

کثرت سے کرتے ہیں، حالانکہ فریضۂ خداوندی صرف اسی کو کہنا چاہیئے جسے خود خدا نے (قرآن کریم میں) مقرر کر دیا ہو۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہاں لفظ "فرض" آیا ہو۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، فرض کا لفظ تو قرآن کریم میں بہت کم آیا ہے۔ خدا کی طرف سے دیئے گئے احکام کے لئے قرآن میں دیگر الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً اَمَرَ۔ کُتِبَ۔ حتیٰ کہ اگر قال اللہ کے بعد بھی کوئی حکم ہو گا۔ تو وہ بھی فریضۂ خداوندی میں داخل ہو گا۔ لہٰذا اس عنوان میں، وہ تمام احکام نہیں آئیں گے جن کی تعمیل مسلمانوں کے لئے فرض ہے۔ اس میں صرف فرض سے متعلق گفتگو ہو گی۔

خود عائد کردہ فرائض

۱۔ جو حج کو اپنے اوپر فرض قرار دے لے (یعنی حج کرنے کا تہیہ کر لے) اسے حج میں رفث، فسوق اور جدال سے مجتنب رہنا چاہیئے۔ (۱۹۷ : ۲)

۲۔ مہر مقرر کرنے کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ (۲۳۶ : ۲) - (۲۳۷ : ۲) - (۲۴ : ۴)

متفرق

شیطان نے خدا سے کہا کہ میں تیرے بندوں سے اپنا مقررہ حصہ وصول کر کے چھوڑوں گا۔ (۱۱۸ : ۴) - ظاہر ہے کہ یہ حصہ وہ ہے جسے مذہبی پیشوا لوگوں سے خدا کے نام پہ وصول کرتے ہیں۔

(ف)

۸۔ فرعون

فرعون - قدیم زمانہ میں شاہانِ مصر کا لقب فرعون تھا (جیسے ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ، روم کے شہنشاہوں کا لقب قیصر تھا) قرآن کریم نے قصۂ بنی اسرائیل اور آویزشِ حضرت موسٰےؑ اور فرعون کے سلسلہ میں جس بادشاہ کا ذکر کیا ہے، اس کا نام کہیں نہیں لیا۔ اسے صرف اس کے لقب (فرعون) سے تعبیر کیا ہے۔ (بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت موسٰےؑ کو یکے بعد دیگرے دو فرعونوں سے واسطہ پڑا تھا۔ یعنی پہلے فرعون کے مرنے کے بعد اس کا جانشین، دوسرا فرعون بھی آپ سے برسرِ پیکار رہا۔ قرآن کریم چونکہ تاریخ کی کتاب نہیں اس لئے اس نے اس فرعون (یا فراعنہ) کے

حسب، نسب، نام، عہد وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا مقصد حق و باطل کی آویزش کا بیان تھا اور اس سلسلہ میں اس نے فرعون کی جس ذہنیت، اور سیاست کا ذکر کیا ہے، وہ دنیا کے ہر مستبد حاکم کا آئینہ ہے۔ آویزشِ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا مقصود درحقیقت، مستبد قوتوں کے خلاف اس داعیؑ انقلاب کی معرکہ آرائیوں کا بیان ہے جو وحی کی روشنی میں انسانی حکومت کی جگہ خدا کی حکومت کا تختِ اجلال دنیا میں بچھانا چاہے۔

فرعون کا ذکر "بنی اسرائیل" اور "موسیٰؑ" کے عنوانوں میں بھی آیا ہے۔ یہاں براہِ راست اس کا تذکرہ سامنے آئے گا۔

فرعون کا انجام

۱۔ غرقِ بحر اور فرعون کی غرقابی۔ (۵۰ : ۲) - (۱۳۷ - ۱۳۶ : ۷)۔ آخری وقت میں ایمان۔ اس کی لاش کی حفاظت۔
(۱۰ : ۹۰ - ۹۲) - (۱۷ : ۱۰۳) - (۲۰ : ۷۸ - ۸۰) - (۲۶ : ۶۳ - ۶۷) - (۲۸ : ۴۰ - ۴۲)
(۴۰ : ۵۱) - (۲)۔ آلِ فرعون کا انجام عبرت ناک ہے۔ (۱۰ : ۳) - (۷ : ۱۰۳) - (۸ : ۵۲؛ ۵۴)

۳۔ آلِ فرعون پر ہنگامی عذاب۔ (۷ : ۱۳۰ - ۱۳۴) - (۱۷ : ۱۰۱) - (۲۷ : ۱۲)

۴۔ اس دنیا میں بھی گرفتارِ لعنت اور آخرت میں بھی۔ (۱۱ : ۹۸ - ۹۹) - (۲۸ : ۴۱ - ۴۲) - (۴۰ : ۴۵ - ۴۶)
(۶۹ : ۲۵ - ۲۶) - (۵)۔ وہ ایک پارینہ داستان بن گئے۔ (۴۳ : ۵۵ - ۵۶)

۶۔ دیگر اقوام کی طرح تباہ ہوگئے۔ (۵۰ : ۱۲ - ۱۴) - (۵۴ : ۴۱ - ۴۲) - (۶۹ : ۹) - (۸۵ : ۱۸) -
(۸۹ : ۱۰ - ۱۳) - (۷)۔ فرعون و ہامان اور ان کے جنود کا انجام - (۲۸ : ۵ - ۶)

فرعونیت

۱۔ فرعون کی ساحرین کے خلاف گرج کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر ربِ موسیٰؑ پہ ایمان کیوں لے آئے۔ سنگین ترین سزا کی وعید۔ ساحرین کا تبسمِ حیات افروز۔ (۷ : ۱۲۳ - ۱۲۶) - (۲۰ : ۷۱ - ۷۳) - (۲۶ : ۴۷ - ۴۹)

۲۔ فرعون نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے ڈر سے بنی اسرائیل، حضرت موسیٰؑ پہ ایمان نہیں لائے تھے —
(۱۰ : ۸۳ - ۸۵) - (۲۰ : ۲۴) - (۲۰ : ۴۳)

۳۔ فرعون کو بڑی دولت و حشمت حاصل تھی اور اس کے نشہ میں بدمست، لوگوں کو غلط راہوں پہ ڈالتا تھا۔ (۱۰ : ۸۸)

۴۔ فرعون اور اس کی قوم ظالم تھے۔ (۲۶ : ۱۰)۔ سرکش۔ فاسق۔ مفسد۔ (۲۷ : ۱۲ - ۱۴)

۵۔ سرکش تھا۔ قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کرتا تھا۔ (۴ : ۲۸)
۶۔ استکبار بغیر حق ۔ (۳۹ : ۲۸) ۔ استہزاء ۔ (۳۸ : ۲۸) ۔ (۳۶-۳۷ : ۴۰) ۔ (۴۷ : ۴۳) ۔ (۷) ۔ استکبار ۔ (۳۹ : ۲۹)
۸۔ یہ (موسیٰ) ایک ذلیل انسان ہے ۔ میں بہت بڑا ہوں ۔ یہ ویسے بھی عزیب ہے ۔ (۵۲-۵۳ : ۴۳)
۹۔ فرعون نے قوم سے کہا ۔ یہ ملک کس کا ہے ۔ اس میں نہریں کس کی ہیں ۔ (۵۱ : ۴۳)
۱۰۔ اس نے قوم کو بھڑکایا ۔ (۵۴ : ۴۳) ۔ (۱۱) ۔ انا ربکم الاعلیٰ ۔ (۲۴ : ۷۹)
۱۲۔ سرکش ۔ مفسد ۔ (۱۱-۱۲ : ۸۹)

حضرت موسیٰؑ اور فرعون

۱۔ حضرت موسیٰؑ کا دربارِ فرعون میں آنا ۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ ۔ تفصیلی بیان ۔ (۱۰۳-۱۲۶ : ۷) ۔ (۷۵-۸۲ : ۱۰) (۱۰۱ : ۱۷) ۔ (۲۴-۷۹ : ۲۰) ۔ (۱۰-۴۵ : ۲۶) ۔ (۳۶-۴۲ : ۲۸) ۔ (۲۳-۲۷ : ۴۰) ۔ (۴۶-۵۴ : ۴۳) ۔ (۳۸-۳۹ : ۵۱) ۔ (۱۷-۲۵ : ۷۹)
۲۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا ۔ (۹۶-۹۷ : ۱۱) ۔ (۴۵-۴۷ : ۲۳) ۔ (۱۰ : ۲۶)
۳۔ فرعون کے محلات میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش ۔ (۸-۲۱ : ۲۸) ۔ (۴) ۔ فرعون نے تکذیب کی ۔ (۱۲ : ۳۸)
۵۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر ۔ (۲۸-۴۴ : ۴۰)
۶۔ حضرت موسیٰؑ فرعون کی طرف ۔ اسی طرح رسول اللہ قریش کی طرف ۔ (۱۵ : ۷۳)

فرعون کی بیوی

۱۔ وہ مومنہ صادقہ تھی ۔ (۱۱ : ۶۶)

بنی اسرائیل اور فرعون

۱۔ ذبحِ ابناء اور استحیاءِ نساء کا عذاب اور اس سے نجات ۔ (۴۹ : ۲) ۔ (۱۴۱ : ۷) ۔ (۶ : ۱۴) ۔ (۴ : ۲۸) ان کے ابناء جو ایمان لائے تھے ۔ (۲۵ : ۴۰) ۔ (۲) ۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی مملکت کے ایک حصے کا مالک بنا دیا ۔ (۵-۶ : ۲۸) ۔ (۵۷-۵۹ : ۲۶)

۹۔ فساد۔مفسدین

اصلاح اور فساد قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحات ہیں اور ایک دوسرے کی ضد۔ ہمارے ہاں فساد کا لفظ دنگا فساد یا لڑائی جھگڑے کے معنوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صلح کا لفظ صلح صفائی کے معنوں میں اور اصلاح 'ریفارم کے معنوں میں۔ لیکن عربی زبان اور قرآن کریم میں یہ اصطلاحات ان سے کہیں زیادہ وسیع مفاہیم کے لئے آتی ہیں۔ صلح کے بنیادی معنی ہوتے ہیں "جس چیز کو جس حال میں ہونا چاہیئے اس کا ٹھیک ٹھیک اسی حال میں ہونا"۔ معاشرہ کی ناہمواریوں کے دور ہو جاتے اور افراد کی صلاحیتوں کے مناسب نشوونما پالینے کے لئے بھی یہی الفاظ آتے ہیں۔ فساد اس کی بالکل ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں، بگاڑ پیدا ہو جانا۔ جیسے جس حالت میں ہونا چاہیئے اس کا اس حالت میں نہ رہنا۔ ناہمواریاں پیدا ہو جانا۔ مضمحل ہو جانا۔ توازن بگڑ جانا۔ قرآن کریم کی رو سے فرد، معاشرہ، یا اشیائے کائنات اس صورت میں اصلاح پذیر ہو سکتی ہیں جب وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کریں۔ لہٰذا جس معاشرہ کا نظام، قوانینِ خداوندی کے مطابق نہیں ہوگا، اس میں فساد رونما ہوگا جس کا نتیجہ تباہی ہے۔ اس سلسلہ میں عنوانات۔ اصلاح اور صلح بھی دیکھئے۔

فساد کی مختلف نوعیتیں

۱۔ بنی اسرائیل نے ملک میں دو دفعہ فساد کیا۔ اس کے معنی نظامِ مملکت کے تہ وبالا کر دینے کے اور لاقانونیت پھیلا دینے کے ہوئے۔ (۴ : ۱۷)

۲۔ قانون کی اطاعت کے برعکس۔ (۲۲-۲۱ : ۴۷)۔ (یہ منافقین کے متعلق ہے)۔ منافقین سے کہا گیا کہ ملک میں فساد مت برپا کرو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مصلحین ہیں۔ (۱۲-۱۱ : ۲)

۳۔ معاشی ناہمواریاں پیدا کرنا۔ جیسا کہ قومِ شعیبؑ کرتی تھی۔ (۸۵ : ۷)۔(۸۵ : ۱۱)۔(۱۸۳ : ۲۶)۔ (۳۶ : ۲۹)

۴۔ خوف اور طمع میں قوانینِ خداوندی کو بلاؤ۔ اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ۔ (۵۶ : ۷)

۵۔ ملائکہ نے کہا کہ آدم زمین میں خون ریزیاں کرے گا اور فساد پھیلائے گا۔ یعنی انسان اگر وحی کی روشنی میں نہیں چلے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ (۳۰ : ۲)

۶۔ یتیموں کے معاملات کی اصلاح نہ کرنا۔ (۲۲۰ : ۲)

۷۔ اگر خدا ایسا انتظام نہ کر دے کہ زیادتی کرنے والے گروہوں کی مدافعت دوسرے لوگ کریں تو زمین میں فساد مچ جائے۔ (۲۵۱ : ۲)

۸۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ اگر موسےٰ کو ویسے ہی چھوڑ دیا تو یہ ملک میں فساد برپا کر دے گا۔ (۱۲۷ : ۷) - (۲۶ : ۴۰)

۹۔ صداقتوں سے انکار کرنا اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنا فساد ہے۔ (۸۸ : ۱۶)

۱۰۔ مسرفین کو مفسدین کہا گیا ہے۔ ان کی اطاعت سے روکا گیا ہے۔ (۱۵۲-۱۵۱ : ۲۶)

۱۱۔ قوم ثمود کے دارالسلطنت میں نو مفسد تھے۔ جو ساری تباہی کے ذمہ دار تھے۔ (۴۸ : ۲۷)

۱۲۔ خدا کے عہد کو توڑنا اور انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا فساد ہے۔ (۲۷ : ۲) - (۲۵ : ۱۳)

۱۳۔ یاجوج و ماجوج مفسد تھے۔ (۹۴ : ۱۸)

۱۴۔ خدا کے رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ (۶۰ : ۲)

۱۵۔ حضرت صالحؑ نے قوم سے کہا کہ ملک میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کا معاشی نظام فساد تھا۔ (۷۴ : ۷)

۱۶۔ یہودیوں کی فتنہ پردازیوں اور جنگ سامانیوں کو فساد کہا۔ (۶۴ : ۵)

۱۷۔ جب حضرت موسےٰؑ طور پہ گئے تو حضرت ہارونؑ سے کہا کہ اصلاح کی کوشش کرنا اور مفسدین کا اتباع مت کرنا۔ (۱۴۲ : ۷)

۱۸۔ قارون کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کو فساد کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۷۷ : ۲۸)

۱۹۔ عیسائی گروہ کو سمجھاؤ۔ اگر وہ اس پہ بھی اعراض برتیں تو وہ پھر مفسدین میں سے ہوں گے۔ (۶۲ : ۳)

۲۰۔ کفارِ عرب مفسدین تھے۔ (۷۳ : ۸) - (۴۰ : ۱۰)

۲۱۔ فرعون مفسدین میں سے تھا۔ (۹۱ : ۱۰)۔ وہ ملک میں پارٹیاں بناتا تھا اور ناکاروں کو آگے بڑھاتا اور قابل لوگوں کو دھتکار کر رکھتا تھا۔ (۴ : ۲۸) - (۴ : ۲۸)

۲۲۔ خدا اور رسول (اسلامی نظامِ مملکت) کے خلاف بغاوت فساد ہے۔ (۳۳ : ۵)

۲۳۔ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کے بحر و بر میں فساد رونما ہو چکا تھا۔ (۴۱ : ۳۰)

۲۴۔ ہلاکتِ فصل و نسل فساد ہے۔ (۲۰۵ : ۲) - (۲۵)۔ عاد۔ ثمود۔ فرعون سب فساد پھیلاتے تھے۔ (۱۲ : ۸۹)

۲۶۔ ملوک جب دوسرے ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو فساد مچا دیتے ہیں۔ اَعِزّہ کو اَذِلّہ بنا دیتے ہیں۔ (۳۴ : ۲۷)

۲۷۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ہم چوری کر کے ملک میں فساد برپا نہیں کرنا چاہتے۔ (۷۳ : ۱۲)

۲۸۔ مخالفین کو جہاد کے ذریعے نہ روکو گے تو وہ فساد برپا کر دیں گے۔ (۷۳ : ۸)

۲۹۔ یہودی جنگ کی آگ بھڑکاتے اور اس طرح فساد مچاتے رہتے ہیں۔ خدا فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (۶۴ : ۵)

۳۰۔ قومِ لوط کو مفسد کہا گیا۔ حضرت لوطؑ کی دعا کہ انہیں ان پر غلبہ حاصل ہو۔ (۳۰ : ۲۹)

مفسدین کا انجام

۱۔ قومِ شعیبؑ کی تباہی کے سلسلہ میں کہا کہ دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ (۸۶ : ۷)

۲۔ فساد کا نتیجہ تباہی در تباہی ہے۔ (۸۸ : ۱۶) ۔ (۳) مفسدین نقصان اٹھائیں گے۔ (۲۷ : ۲)

۴۔ قومِ فرعون کی تباہی کے بعد کہا کہ دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ (۱۴ : ۲۷)

۵۔ مفسدین کے کام کبھی نہیں سنورتے (۸۱ : ۱۰)۔ (۶)۔ صالحین اور مفسدین کی زندگی ایک جیسی نہیں ہو سکتی۔ (۲۸ : ۳۸)

۷۔ فرعون کا انجام تباہی تھا۔ (۱۰۳ : ۷) ۔ (۹۱ : ۱۰) ۔ (۸) بغاوت کی سزا۔ (۳۳ : ۵)

۹۔ لوگوں کو فساد سے روکنا ضروری ہے، ورنہ ہلاکت ہو جاتی ہے۔ (۱۱۶ : ۱۱)

۱۰۔ فساد کو روکنے کے لئے سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ (۳۲ : ۵)

مومن کی صفات

مومنین نہ سرکشی اختیار کرتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ (۸۳ : ۲۸)

ارض و سموٰت میں فساد

۱۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو ارض و سموٰت میں فساد برپا ہو جائے۔ (۷۱ : ۲۳)

۲۔ اگر خدا کے علاوہ اور الٰہ بھی ہوتے تو کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔ (۲۲ : ۲۱)

فسق ۔ فاسق

فسق (ف۔س۔ق) ہمارے ہاں فسق (یا فسق و فجور) کا لفظ عام گناہوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جتنے الفاظ "گناہ" کے مفہوم کے لئے استعمال کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک، الگ خصوصیت رکھتا ہے۔ یہی کیفیت لفظ فسق کی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر پھل کے اوپر ایک چھلکا ہوتا ہے اور وہ پھل اس چھلکے کے اندر رہتے ہوئے پختگی تک پہنچتا ہے۔ اگر کوئی پھل اس چھلکے کو شق کر کے کسی ایک طرف کو نکل جائے تو وہ گل سڑ جاتا ہے۔ پختہ نہیں ہوتا۔ کسی پھل کے اس طرح اپنے چھلکے سے باہر نکل جانے کو عرب، فسق سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن کریم نے یہ لفظ انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔

زندگی کا مقصد انسانی ذات کی نشوونما یا اس کی انسانی صلاحیتوں کی برومندی ہے۔ اس مقصد کے لئے قرآن نے ایک قالب (PATTERN) تجویز کیا ہے۔ جس کے اندر رہتے ہوئے، انسانی ذات نشوونما حاصل کرتی ہے۔ اس قالب کو اسلامی نظامِ زندگی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس نظام کے دائرے سے باہر نکل جائے تو اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔ اسے قرآنی اصطلاح میں فسق اور ایسا کرنے والے کو فاسق کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں ہر وہ چھوٹی بڑی لغزش آجائے گی جس سے انسان دائرۂ حق سے باہر نکل جائے اور یوں اس کی ذات کی نشوونما رک جائے۔ لہٰذا باہمی سب وشتم جیسے معاشرتی اور اخلاقی ذمائم سے لے کر کفر تک سب فسق میں داخل ہیں۔ قرآن کریم نے فسق کی مختلف شکلوں کی وضاحت مختلف مقامات پر کی ہے۔

فسق کیا ہوتا ہے

۱۔ ابلیس نے سجدہ کے انکار سے اپنے رب کے حکم سے سرتابی برتی۔ (۱۸ : ۵۰)

۲۔ کفر کو فسق کہا گیا ہے۔ (۲ : ۹۹)۔(۴۶ : ۲۰)

۳۔ بنی اسرائیل نے حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کی۔ اسے فسق کہا گیا۔ (۲ : ۵۹)۔(۷ : ۱۶۳)

۴۔ تکذیبِ آیات، جو ایمان کی ضد ہے، فسق ہے۔ (۶ : ۴۹)

۵۔ موعظتِ خداوندی کو بھلا دینا ظلم ہے۔ اسے فسق بھی کہا گیا ہے۔ (۷ : ۱۶۵)

۶۔ قومِ لوط کی فحش کاری کو فسق کہا گیا ہے۔ (۲۱ : ۷۴)۔(۲۹ : ۳۴)

۷۔ بتوں کے استھانوں پہ جانور ذبح کرنا۔ یا پانسوں سے تقسیم کرنا (قرعہ اندازی وغیرہ) فسق ہے۔ (۵ : ۳)

۸۔ جس پہ اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے کھانا فسق ہے۔(۶ : ۱۲۲)۔(۹)۔ حرام چیزوں کا کھانا فسق ہے۔ (۶ : ۱۴۶)

۱۰۔ جب فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ (یہاں فاسق ناقابلِ اعتماد کے معنوں میں آیا ہے)۔(۴۹ : ۶)

۱۱۔ میثاقِ خداوندی سے پھر جانا، فسق ہے۔ (۳ : ۸۱)۔ (۱۲)۔ ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہ کرنا (فیصلے نہ کرنا) فسق ہے۔ (۵ : ۴۷)۔ اسے ظلم بھی کہا گیا ہے۔ (۵ : ۴۵)۔ اور کفر بھی۔ (۵ : ۴۴)

۱۳۔ اہلِ کتاب میں سے ایمان نہ لانے والے فاسق ہیں۔ (۵ : ۵۹) - (۵ : ۸۱)

۱۴۔ مشرکینِ عرب جو جنگ میں عہد و پیمان کا بھی پاس نہیں رکھتے تھے، فاسق تھے۔ (۹ : ۸)

۱۵۔ منافق، فاسق ہیں۔ (۹ : ۶۷)۔ فاسق بھی اور کافر بھی۔ (۹ : ۵۳)۔ (۹ : ۸۰) - (۹ : ۸۴) -

(۹ : ۹۶) - (۶ : ۶۳) - (۱۶) جھوٹی تہمت لگانے والا فاسق ہے۔ (۲۴ : ۴)

۱۷۔ جو اسلامی مملکت کے قیام کے بعد بھی کفر اختیار کرے، وہ فاسق ہے۔ (۲۴ : ۵۵)

۱۸۔ دین الحق کے مخالفین کو فاسق کہا گیا ہے۔ (۴۶ : ۳۵)۔

۱۹۔ مرورِ زمانہ سے اہلِ کتاب کے دل سخت ہو گئے اور یوں وہ فاسق ہو گئے۔ (۵۷ : ۱۶)

۲۰۔ نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کر لی۔ ان میں بعض ایمان لے آئے اور دوسرے فاسق رہے۔ اس اعتبار سے رہبانیت فسق ہے۔ (۵۷ : ۲۷)۔ (۲۱)۔ خدا کو بھلا دینے والے خود اپنی ذات کو بھلا دیتے ہیں۔ اور یہ فاسق ہیں (۵۹ : ۱۹)

۲۲۔ فاسقین گمراہ ہیں۔ یعنی وہ خدا کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جنہیں جوڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے انہیں کاٹ دیتے ہیں۔ اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (۲ : ۲۶-۲۷)

۲۳۔ بنی اسرائیل کی مختلف حرکتوں کے بعد کہا کہ وہ فاسق تھے۔ (۵ : ۲۵-۲۶)۔ (۷ : ۱۴۵)۔ (۵ : ۶۱)

۲۴۔ شہادت ٹھیک ٹھیک نہ دینا۔ اور یوں تقویٰ شعار نہ ہونا، فسق ہے۔ (۵ : ۱۰۸)

۲۵۔ ایمان لانے کے بعد اپنے عہد پر قائم نہ رہنا فسق ہے۔ (۷ : ۱۰۲)

۲۶۔ ماں باپ۔ بھائی بہن۔ خویش و اقارب۔ مال و دولت۔ غرضیکہ دنیا کی کسی چیز کو، خدا اور رسول اور جہاد پر ترجیح دینا فسق ہے۔ (۹ : ۲۴)

۲۷۔ قومِ فرعون فاسق تھی۔ (۲۷ : ۱۲)۔ (۲۸ : ۳۲)۔ (۴۳ : ۵۴)۔ (۲۸)۔ قومِ نوح فاسق تھی۔ (۵۱ : ۴۶)

۲۹۔ یہودِ مدینہ کو، جن کے خلاف جنگ کی گئی تھی، فاسق کہا گیا ہے۔ (۵۹ : ۵)

۳۰۔ اپنے دلوں کو راہِ راست سے پھیر لینا فسق ہے۔ (۶۱ : ۵)

۳۱۔ حج میں فسوق اور جدال نہیں ہونا چاہیئے۔ (۲ : ۱۹۷)

۳۲۔ شہادت درست دو۔ کاتب کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ ایسا کرنا فسوق ہے۔ (۲ : ۲۸۲)

۳۳۔ دوسروں کے برے برے نام رکھنا (اسم الفسوق) بہت بری بات ہے۔ (۴۹ : ۱۱)

۳۴۔ خدا نے کفر۔ فسوق اور عصیان کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (۴۹ : ۷)

فسق کا نتیجہ

۱۔ فسق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایمان نہیں لاتا۔ (۳۳ : ۱۰)
۲۔ مترفین فسق کرتے ہیں تو بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۱۶ : ۱۷)۔ (۳)۔ فاسق جہنم میں۔ (۲۱ : ۳۲)۔ (۲۰ : ۴۶)
۴۔ بنی اسرائیل پر فسق کی وجہ سے دنیا میں عذاب۔ (۵۹ : ۲)
۵۔ فسق کا نتیجہ عذاب۔ (۴۹ : ۶)۔ (۱۶۵ : ۷)۔ (۶)۔ قومِ لوط پر فسق کی وجہ سے عذاب۔ (۳۴ : ۲۹)
۷۔ قومِ فاسقین ہی ہلاک ہوتی ہے۔ (۳۵ : ۴۶)۔ (۸)۔ انسان اپنی ذات کو بھلا دیتا ہے۔ (۱۹ : ۵۹)
۹۔ بنی اسرائیل پہ ارضِ موعودہ چالیس سال تک حرام قرار دے دی گئی۔ (۲۶ : ۵)
۱۰۔ فاسقین کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۱۰۸ : ۵)۔ (۲۴ : ۹)۔ (۸۰ : ۹)۔ (۵ : ۶۱)۔ (۶ : ۶۳)

فسق کا تقابل

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۸ : ۳۲)۔ (۲) مومن جنت میں۔ فاسق جہنم میں۔ (۲۱ : ۳۲)
۳۔ مومن بمقابلہ فاسق۔ (۱۰۹ : ۳)۔ (۴)۔ ہدایت یافتہ کے مقابل میں فاسق۔ (۲۶ : ۲)۔ (۲۴ : ۹)۔ (۲۶ : ۵۷)
۵۔ ایمان کے مقابلہ میں فسق۔ (۲۶ : ۵۷)۔ (۶)۔ خدا نے کفر، فسوق اور عصیان کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (۷ : ۴۹)

متفرق

۱۔ اکثر لوگ فاسق ہوتے ہیں۔ (۴۹ : ۵)۔ (۵۹ : ۵)

---(o)---

۱۱۔ فضل

(فضیلت۔ افضلیت)

فضل۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی کا نہ ہونا بلکہ جس قدر ضرورت ہے اس سے بھی زائد ہونا۔ اس لئے فضیلت

یا افضلیت کے معنی دوسروں پر برتری یا فوقیت کے آتے ہیں کیونکہ برتری سے مراد ہی یہ ہوتی ہے کہ اس شخص کو دوسروں سے زیادہ خصوصیات حاصل ہیں۔ یوں تو فضل کا لفظ، زندگی کی ہر ضرورت اور آسائش کے لئے بولا جاتا ہے لیکن عام طور پر اس سے مفہوم رزق کی خوشحالی اور فارغ البالی ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک طرف، رزق کی افراط اور فراوانی کو خدا کا فضل کہا گیا ہے تو دوسری طرف وحی جیسی موہبتِ کبریٰ کو بھی فضلِ ایزدی سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ، ایک انسان میں جسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے ایسی منفرد خصوصیت تھی جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہوتی تھی۔ امتیازی خصوصیت کا یہ اضافہ فضلِ خداوندی تھا۔

غرضیکہ، ہر قسم کی فراوانی اور بہتات، خواہ وہ دنیاوی سامان زلیست و آسائش میں ہو، یا جوہرِ ذاتی کے سلسلہ میں، فضل کی جامع اصطلاح میں آجائے گی۔ خواہ وہ افراد میں ہو یا اقوام میں۔

ایک دوسرے پر فضیلت

۱۔ پیدائشی طور پر مردوں اور عورتوں کو الگ الگ خصوصیات دی گئی ہیں تاکہ وہ فطری وظائف کو کما حقہ پورا کرسکیں۔ ان کی وجہ سے احساسِ کمتری یا مہتری پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ (۳۲ : ۴)

۲۔ شق ۱ میں جن انفرادی خصوصیات کا ذکر ہے ان کی بنا پر مرد کے ذمہ، اہلِ خانہ کے لئے سامان رزق مہیا کرنا ہے۔ (۳۴ : ۴) ۔ (۳)۔ مجاہدین کو قاعدین پر افضلیت حاصل ہے۔ (۹۵ : ۴)

۴۔ اکتسابِ رزق کی استعداد میں مختلف افراد میں فرق ہوتا ہے۔ جنہیں زیادہ استعداد حاصل ہو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی زائد از ضرورت آمدنی اپنے زیر دستوں کو دیدیں۔ کیونکہ ان کی استعداد کی زیادتی نعمتِ خداوندی ہے۔ (۷۱ : ۱۶)

۵۔ بنی اسرائیل کو ان کی ہم عصر اقوام پر فضیلت دی گئی تھی۔ (۴۷ : ۲)۔ (۱۲۲ : ۲)۔ (۱۴۰ : ۷)۔ (۱۶ : ۴۵)

۶۔ رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی۔ (۲۵۳ : ۲)۔ (۵۵ : ۱۷)

۷۔ رسولوں کو دیگر افراد پر فضیلت دی گئی۔ (۸۶ : ۶)

۸۔ طبیعی دنیا میں جو شخص بھی قاعدے قانون کے مطابق محنت کرے گا۔ اسے اس کا پھل ملے گا۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا مشاہدہ مختلف اقوام میں کیا جا سکتا ہے۔ (۲۱ : ۱۷)

۹۔ نوعِ انسان (بنی آدم) کو اکثر مخلوق پر فضیلت دی گئی ہے۔ (۷۰ : ۱۷)

۱۰۔ کھانے میں بعض پھلوں کو ——— دوسرے پھلوں پر افضلیت حاصل ہے۔ (۴ : ۱۳)

۱۱۔ سرداران قوم نے عوام کو بھڑکایا کہ (حضرت) نوحؑ تم پر افضلیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (۲۴ : ۲۳)

۱۲۔ دوزخ میں لیڈروں اور عوام کا مکالمہ۔ ایک دوسرے پر الزام کہ تم بھی ہمارے جیسے ہی تھے۔ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ (۳۹ : ۷)

عام طبیعی زندگی کی خصوصیات اور متاعِ حیات

۱۔ کفار اور مشرکین چاہتے ہی نہیں تھے کہ مومنین کو خیر ملے۔ لیکن اللہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ یہاں فضل سے مراد دین کی راہ نمائی اور اس کی رو سے حاصل شدہ زندگی کی آسائشیں وغیرہ سب ہیں۔ (۱۰۵ : ۲)

۲۔ باہمی معاملات میں، عدل (جو کچھ قانون کی رو سے دیا جانا واجب ہو) سے آگے فضل کو بھی ملحوظ رکھا کرو۔ یعنی اس سے زائد بھی دے دیا کرو۔ (۲۳۷ : ۲)

۳۔ جنگ میں کامیابی اور مالِ غنیمت خدا کا فضل ہے۔ (۱۷۴ : ۳) ـ (۷۳ : ۴)

۴۔ اقوامِ عالم میں امتیازی مقام حاصل ہو جانا خدا کا فضل ہے۔ (۲۹ : ۸)

۵۔ انابت الی اللہ سے زندگی کی متاعِ حسنہ ملتی ہے اور یوں ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل (حصہ) مل جاتا ہے۔ (۳ : ۱۱) ـ (۶) ۔ سردارانِ قوم نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ تمہیں یا تمہارے متبعین کو ہمارے مقابلہ میں کچھ بھی سامانِ زیست (فضل) حاصل نہیں۔ اس لئے ہم تمہارے متبع کیسے بن جائیں۔ (۲۷ : ۱۱)

۷۔ جن لوگوں کو متاعِ حیات فراوانی سے ملا ہے وہ تنگدستوں کی اعانت سے اس لئے ہاتھ نہ روک لیں کہ ان سے انہیں کوئی ذاتی رنجش پہنچی ہے۔ (۲۲ : ۲۴)

۸۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ جس قدر شوکت و حشمت انہیں حاصل ہوئی ہے، خدا کا فضل ہے۔ (۱۶ : ۲۷) ـ (۴۰ : ۲۷) حضرت داؤدؑ کو بھی۔ (۱۰ : ۳۴) ـ (۹) ۔ رات کا راحت و آرام کا ذریعہ ہونا خدا کا فضل ہے۔ (۶۱ : ۴۰)

۱۰۔ زندگی کی متاع فضلِ خداوندی ہے۔ (۱۸۰ - ۱۶۹ : ۳) ـ (۳۷ : ۴) ـ (۲۸ : ۹) ـ (۵۹ : ۹) ـ (۷۴ : ۹) ـ (۷۶ - ۷۵ : ۹)

فضل بمعنی رزق (خصوصی طور پر)

۱۔ اس مفہوم کے لئے ذیلی عنوان "ایک دوسرے پر فضیلت" دیکھئے جس میں رزق کے معاملہ میں ایک دوسرے پر فضیلت کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً۔ (۷۱ : ۱۶) ـ (۲۱ : ۱۷) ـ (۷۰ : ۱۷) ـ (۱۴ : ۴۵)

۲۔ جب صلوٰۃ سے فارغ ہو جاؤ تو تلاشِ رزق میں چل نکلو۔ (۱۰ : ۶۲)

۳۔ جماعتِ مومنین کے افراد کو تلاشِ رزق کے لئے بھی جانا ہوتا ہے۔ (۲۹ : ۴۸)۔(۸ : ۵۹)۔(۲۰ : ۷۳)

۴۔ حج میں تلاشِ رزق کی ممانعت نہیں۔ (۱۹۸ : ۲)

۵۔ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ خدا تمہیں کشائشِ رزق کی دعوت دیتا ہے۔ (۲۶۸ : ۲)

۶۔ بیت الحرام میں امن میں زندگی گزارنے والے بھی تلاشِ رزق کرتے ہیں۔ (۲ : ۵)

۷۔ دن، تلاشِ رزق کے لئے ہے۔ (۱۲ : ۱۷)۔(۷۳ : ۲۸)۔(۲۳ : ۳۰)

۸۔ سمندروں میں تلاشِ رزق۔ (۱۴ : ۱۶)۔(۶۶ : ۱۷)۔(۴۶ : ۳۰)۔(۱۲ : ۳۵)۔(۱۲ : ۴۵)۔

۹۔ اللہ رزق میں اضافہ بھی کر دیتا ہے۔ (۳۸ : ۲۴)

خدا کا فضل

۱۔ بنی اسرائیل کو ان کی خطاکوشیوں کی معافی مل جانا، خدا کا فضل تھا۔ (۶۴ : ۲)۔(۲۴۳ : ۲)

۲۔ اللہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ (۱۰۵ : ۲) — (۳)۔ خدا مستبد لوگوں کی مدافعت دوسری جماعتوں سے کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انسانوں کے لئے صاحبِ فضل ہے۔ (۲۵۱ : ۲)

۴۔ وحی اور ہدایت خدا کا فضل ہے۔ (۷۳-۷۲ : ۳)۔(۵۴ : ۴)۔(۱۱۳ : ۴)۔(۱۷۴-۱۷۵ : ۴)۔
(۵۸ : ۱۰)۔(۶۰ : ۱۰)۔(۳۸ : ۱۲)۔(۸۷ : ۱۷)۔(۴۷ : ۳۳)۔(۲۹ : ۵۷)۔(۴ : ۶۲)

۵۔ دشمن پر غلبہ عطا کرنا اور معرکۂ کارزار میں چھوٹی موٹی لغزشوں سے درگزر کرنا، خدا کا فضل ہے۔ (۱۵۱ : ۳)

۶۔ مقتولین فی سبیل اللہ کو جو کچھ فضلِ ایزدی سے ملتا ہے، وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ (۱۷۰-۱۶۹ : ۳)

۷۔ میدانِ جنگ میں کامیابی اور مالِ غنیمت کا حاصل ہونا، خدا کا فضل ہے۔ (۱۷۳ : ۳)

۸۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہو جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۷۰-۶۹ : ۴)

۹۔ غلط افواہیں پھیلانے والوں کے شر سے محفوظ رہنا، خدا کا فضل ہے۔ (۸۳ : ۴)۔(۱۴ : ۲۴)۔(۲۱-۲۰ : ۲۴)

۱۰۔ غلط قدم اٹھانے سے بچ جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۱۱۳ : ۴)

۱۱۔ سچے معنوں میں جماعتِ مومنین کا وجود میں آجانا، خدا کا فضل ہے۔ (۵۴ : ۵)

۱۲۔ قوم کو امتیازی مقام حاصل ہو جانا۔ ناہمواریوں کا دور ہو جانا۔ سامانِ حفاظت حاصل ہو جانا، خدا کا فضل ہے (۲۹ : ۸)

۱۳۔ خدا کی طرف سے صحیح قوانین کا مل جانا جن میں انسانی کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، خدا کا فضل ہے۔ (۱۰ : ۲۴)

۱۴۔ قانونِ مکافات میں مہلت کا وقفہ مل جانا خدا کا فضل ہے۔ (۳۰ : ۲۷)

۱۵۔ جنت کا مل جانا خدا کا فضل ہے۔ (۳۵ : ۳۵)۔ (۴۲ : ۲۲)۔ (۵۷ : ۴۴)۔ (۲۱ : ۵۷)

۱۶۔ وراثتِ کتاب خدا کا فضلِ کبیر ہے۔ (۳۲ : ۳۵)

۱۷۔ رات کو راحت و آرام کا ذریعہ بنانا خدا کا فضل ہے۔ (۶۱ : ۴۰)

۱۸۔ رسولؐ جیسے راہ نما کا امت میں ہونا خدا کا فضل ہے۔ (۸-۷ : ۴۹)

۱۹۔ زندگی کی متاع۔ دولت۔ سب خدا کا فضل ہے (۱۷۹ : ۳)۔ (۳۷ : ۴)

۲۰۔ خدا سے اس کا فضل مانگا کرو۔ (۳۲ : ۴)۔ (۲۱)۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کے کاموں کا اجر ملتا ہے اور خدا اپنے فضل سے اضافہ بھی کر دیتا ہے۔ (۱۷۳ : ۴)۔ (۳۸ : ۲۴)۔ (۳۰ : ۳۵)۔ (۲۶ : ۴۲)

۲۲۔ اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو خدا تمہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے گا۔ (۲۸ : ۹)۔ (۵۹ : ۹)۔ (۷۴ : ۹)۔ (۷۶-۷۵ : ۹)۔ (۳۲ : ۲۴)۔ (۳۳ : ۲۴)

۲۳۔ خدا اگر کسی کو خیر سے نوازے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ (۱۰۷ : ۱۰)

۲۴۔ ایمان اور اعمالِ صالح کا بدلہ خدا کے فضل سے ملتا ہے۔ (۴۵ : ۳۰)

جوہرِ ذاتی کی خصوصیات (نیز وحی)

اس کے لئے ذیلی عنوان "ایک دوسرے پر فضیلت" دیکھئے جس میں مختلف گوشوں میں تقابلی افضلیت کا ذکر ہے۔ مثلاً (۲۵۳ : ۲)۔ (۹۵ : ۴)۔ (۸۷ : ۶)۔ (۵۵ : ۱۷)

۱۔ کفار نہیں چاہتے تھے کہ مومنین کو خیر حاصل ہو لیکن خدا صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ اسی میں وحی کی راہ نمائی اور اس سے حاصل شدہ زندگی کی تمام آسائشیں ہیں۔ (۱۰۵ : ۲)

۲۔ وحی اور ہدایت خدا کا فضل ہے۔ (۹۰ : ۲)۔ (۷۳-۷۲ : ۳)

۳۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین کی رفاقت نصیب ہو جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۷۰-۶۹ : ۴)

۴۔ جن باتوں کا تمہیں علم نہیں تھا۔ ان کا علم عطا کرنا فضلِ خداوندی ہے۔ (۱۱۳ : ۴)

فطرت[۱۲]

(قوانینِ فطرت۔ مظاہرِ فطرت)

فطرت (ف۔ ط۔ ر) یوں تو اس مادہ کے بنیادی معنی، شق کرنا۔ پھاڑنا۔ کھودنا یا بنانا ہیں لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کام کو پہلی مرتبہ کیا جائے۔ لہٰذا فَطَرَ کے معنی ہوں گے اس نے اس کام کو پہلی مرتبہ کیا۔ اس اعتبار سے خدا کو فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۶ : ۱۴) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ جس نے کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ وہ جو اسے عدم سے وجود میں لایا۔ اسی کو دوسری جگہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کہا گیا ہے۔ (۶ : ۱۰۲)۔ اس نہج سے فطرت اللہ کے معنی ہوں گے، خدا کا وہ قانونِ تخلیق جس کے مطابق وہ اشیائے کائنات (اور انسان) کو عدم سے وجود میں لایا۔ جس کی رو سے اس نے انہیں تخلیق کیا۔

لیکن ہمارے ہاں فطرت کا لفظ (NATURE) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور نیچر سے مراد ہوتی ہے کسی شے کی وہ خصوصیت جو اٹل ہو۔ جو غیر متبدل ہو یعنی ایسی خصوصیت جس سے اس شے کا تشخص (IDENTITY) وابستہ ہے مثلاً آگ کی فطرت، حرارت پہنچانا ہے۔ اگر وہ حرارت نہیں پہنچاتی تو وہ آگ نہیں۔ پانی کی فطرت ایک خاص ٹمپریچر پر سیال ہو کر نشیب کی طرف بہنا ہے۔ اسی طرح شیر کی فطرت درندگی اور بکری کی فطرت چرندگی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ کوئی شے اپنی فطرت کو بدل نہیں سکتی۔ لہٰذا فطرت، مجبور اشیاء کی ہوتی ہے جو صاحبِ اختیار و ارادہ ہو اس کی کوئی فطرت نہیں ہوتی۔ لہٰذا، ان معنوں میں نہ خدا کی کوئی فطرت ہو سکتی ہے نہ انسان کی۔ البتہ خدا نے جو قوانین بنائے ہیں، انہیں فطرت اللہ کہا جا سکتا ہے۔ انہی کو سنت اللہ بھی کہتے ہیں۔ اور کلمۃ اللہ بھی۔ جب یہ قوانین، فارمولا کی شکل میں ہوں تو انہیں کلمۃ اللہ کہا جائے گا۔ اور جب وہ عملی شکل اختیار کر لیں تو انہیں سنت اللہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ (دیکھئے عنوان سنت اللہ اور کلمۃ اللہ)۔

خارجی کائنات سے متعلق قوانین کو قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے اور انہیں انسانی علم کے ذریعے دریافت کر لیا جا سکتا ہے۔ تسخیرِ ارض و سما سے مراد یہ ہے کہ سلسلۂ کائنات ان قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے۔ جنہیں انسان اپنی سعی و کاوش سے دریافت کر سکتا ہے۔ جب اس قانون کو معلوم کر لیا جائے جس کے تابع کوئی شے سرگرمِ عمل ہے تو وہ شے خود انسان کیلئے مسخر ہو جاتی ہے۔ لیکن انسانی زندگی سے متعلق قوانین، وحی کے ذریعے، بوساطت حضرات انبیاء کرام ملتے تھے اور اب وہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ جب ان قوانین کو سمجھ کر، ان پر عمل کیا جائے تو اس سے انسان خود اپنے آپ کو

مسخر کر لیتا ہے۔ اسی کو ضبطِ خویش کہا جاتا ہے۔ جو انسانی ترقی کا سنگِ بنیاد ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان کی کوئی فطرت ہی نہیں تو اسلام کو دینِ فطرت کہنا بھی صحیح نہیں۔ اس کے دینِ فطرت ہونے سے مراد، زیادہ سے زیادہ اس کا وہ گوشہ ہو سکتا ہے جس کا تعلق اشیائے فطرت سے ہے۔ جہاں تک انسانی زندگی کا تعلق ہے، اسلام، دینِ فطرت نہیں کہلا سکتا۔

زیرِ نظر عنوان میں ہم، قوانینِ فطرت سے بحث کریں گے۔ اسی کو فطرت اللہ کہا گیا ہے اور الدین القیم (۳۰ : ۳۰)۔ اس لئے کہ یہ دین (قوانینِ فطرت) اٹل اور غیر متبدل ہے۔

قرآن کریم کوئی سائنس کی کتاب نہیں اس لئے اس میں قوانینِ فطرت کی کوئی فہرست نہیں دی گئی۔ اس کا مقصد انسان کے سامنے خدا کا صحیح تصور لاکر، اس کی (انسان کی) ذات کی بالیدگی اور ارتقا ہے۔ لہٰذا، اس میں مظاہرِ فطرت کا بیان، اس سلسلہ میں ضمناً آجاتا ہے۔ اور انہی مظاہرِ فطرت سے قوانینِ فطرت مستنبط ہو جاتے۔ قوانینِ فطرت کی فہرست تو طول طویل ہے لیکن ان کی عمارت دو بنیادی اصولوں پر اٹھتی ہے۔ یعنی وحدتِ کائنات کا اصول (LAW OF UNIFORMITY OF NATURE) اور قانونِ علت و معلول (LAW OF CAUSE AND EFFECT)۔ قرآن میں یہ دو بنیادی اصول شرح و بسط سے بیان ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ قوانینِ فطرت کا اتباع بھی خدا ہی کے قوانین کا اتباع ہے۔ لیکن یہ اطاعتِ خداوندی نا تمام ہے۔ یہ مکمل اس وقت ہوتی ہے جب قوانینِ فطرت کے اتباع سے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، انہیں قرآن میں عطا کردہ قوانین کے مطابق استعمال کیا جائے۔ اس طرح انسان کی دنیا بھی سنورتی ہے اور اس کا مستقبل (اُخروی زندگی) بھی۔ صرف قوانینِ فطرت کے اتباع سے اس زندگی کے طبعی مفاد تو حاصل ہو سکتے ہیں، انسانی سطحِ زندگی سنور نہیں سکتی۔ لہٰذا، اسلام نام ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں قرآن کی مستقل اقدار کے مطابق صرف کرنا۔ ان دو شقوں میں سے اگر ایک بھی شق گم ہے تو وہ زندگی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

نظامِ فطرت

۱۔ قانونِ خداوندی کی رو سے، رات کی تاریکی، دن کی روشنی کے اندر چلی جاتی ہے۔ اور دن کی روشنی، رات کی تاریکی میں۔ (۳ : ۲۶)۔ (۳۱ : ۲۹)

۲۔ کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے اور ان کا ہر قدم اس کی طرف اٹھتا ہے۔ طوعاً یا کرھاً۔ یہ دینِ خداوندی ہے۔

کیا انسان اپنے لئے اس دین کے خلاف کوئی اور دین چاہتا ہے؟ (۸۲ : ۳) - (۱۵ : ۱۳) - (۵۰ - ۴۸ : ۱۶)

۳- دابّہ ہوں یا طائر، سب انسانوں کی طرح امم ہیں - کوئی شے ایسی نہیں جس کے لئے خدا نے کتاب فطرت میں قانون نہ رکھ دیا ہو - پھر یہ سب اسی کی طرف جمع ہوں گے - (۳۸ : ۶) - (۳ : ۳۴)

۴- خدا، فالق الحب والنویٰ ہے - زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے، مردہ سے زندہ کو - صبح کی نمود - رات کا سکون اس کے قانون کی رو سے ہوتا ہے - اس نے شمس اور قمر کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے - اور ستاروں کو راہ نمائی کا ذریعہ - وہ بادلوں سے بارش برساتا ہے اور اس سے سبزیاں - فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں - (۱۰۰ - ۹۶ : ۶) - (۱۹ : ۳۰)

۵- تخلیقِ ارض و سما - اختلافِ لیل و نہار - تسخیرِ شمس و قمر و نجوم - خلق اور امر اس کے لئے ہے - (۵۴ : ۷)

۶- بارش سے پہلے مژدہ نواز ہواؤں کا بھیجنا - اور بارش سے نباتات کا اگنا - (۵۷ : ۷)

۷- وہ تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے گردشیں دیتا ہے - سورج کو ضیا اور قمر کو نور بنایا - اور اس کی منازل مقرر کر دیں، تاکہ ان سے حساب رکھنے کا کام لیا جا سکے - (۵-۴ : ۱۰)

۸- رات کو سکون کے لئے اور دن کو روشنی کے لئے بنایا - (۶۷ : ۱۰) - (۸۶ : ۲۷)

۹- نظامِ کائنات اس لئے ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالح کا بدلہ انصاف کے ساتھ دیا جائے - (۴ : ۱۰)

۱۰- اجرامِ فلکی بغیر ستونوں کے معلق کھڑے ہیں - شمس و قمر مسخر ہیں - سب ایک اجلِ مسمّٰی تک کے لئے چل رہے ہیں - زمین پھیلا دی گئی اور اس پر پہاڑ کھڑے کر دیئے گئے ہیں - زمین میں قطعات ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں لیکن ان میں پھل اور فصلیں مختلف اقسام کی اگتی ہیں - (۴-۲ : ۱۳) - (۸ : ۳۰) - (۱۰ : ۳۱) - (۲۹ : ۳۱) - (۱۳ : ۳۵) - (۵ : ۳۹)

۱۱- برق، خوف و طمع کی علامت ہوتی ہے - بادل تیرتے پھرتے ہیں - رعد اس کی حمد کرتی ہے - ملائکہ اس سے خائف ہوتے ہیں - کڑک بھی اس کی طرف سے آتی ہے - (۱۳-۱۲ : ۱۳)

۱۲- ارض و سما میں جو کچھ ہے سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہے - اور ان کے سائے بھی - (۱۵ : ۱۳) - (۴۹ - ۴۸ : ۱۶) (۱۹ : ۲۱) - (۱۸ : ۲۲) - (۱۱ : ۴۱)

۱۳- خدا زمین کی اطراف کم کرتا جا رہا ہے - (یا اسے بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ سے چھینتا جا رہا ہے) (۴۱ : ۱۳)

۱۴- تخلیقِ ارض و سما اور تسخیرِ شمس و قمر - اس کی نعمتیں بے حد و شمار ہیں - تمہاری ہر ضرورت کا سامان اس نے مہیا کر رکھا ہے - (۳۴ - ۳۲ : ۱۴)

۱۵۔ آسمان میں بروج (اجرامِ فلکی) جنہیں دیکھنے والوں کے لئے وجہِ زینت بنایا۔ (شہابِ ثاقب کا بھی ذکر ہے)۔ زمین کو پھیلایا۔ نباتات اگائی۔ اس میں تمہارے لئے معاش ہے اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔ خدا کے ہاں رزق کے خزانے ہیں لیکن اس میں سے بقدرِ معلوم باہر نکلتے ہیں۔ ہوائیں بھی اس کے قانون کے مطابق چلتی ہیں۔ (۲۳-۱۶ : ۱۵)۔(۶۲-۶۱ : ۲۵)
(۷-۶ : ۳۶)۔(۱۲ : ۴۱)۔(۶ : ۵۰)۔(۵ : ۶۷)

۱۶۔ بارش۔ روئیدگی۔ نباتات و ثمرات کی مختلف قسمیں۔ تسخیرِ مظاہرِ فطرت۔ اجرامِ فلکی۔ اس کی نعمتیں بے حد و شمار ہیں۔ (۱۵-۱۰ : ۱۶)

۱۷۔ زمین تمہیں اپنے اوپر اٹھائے مصروفِ گردش ہے۔ (۱۵ : ۱۶)۔ (۳۱ : ۲۱)۔ (۱۰ : ۳۱)

۱۸۔ انعام (مویشیوں) کا دودھ دینے کا نظام۔ کھجوروں اور انگوروں سے رزق اور سکر۔ شہد کی مکھی کا نظام۔ ان سب میں آیات ہیں۔ (۶۹-۶۶ : ۱۶)

۱۹۔ رات اور دن کی گردش۔ رات سکون کے لئے۔ دن تلاشِ معاش کے لئے۔ اور حساب و شمار رکھنے کے لئے۔ (۱۲ : ۱۷)

۲۰۔ زمین کو مہد بنایا۔ بارش اور نباتات کا نظام۔ (۵۴-۵۳ : ۲۰)

۲۱۔ سلسلۂ کائنات کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (۱۶ : ۲۱)۔ باطل پیدا نہیں کیا۔ (۱۹۰-۱۸۹ : ۳)۔ بالحق پیدا کیا ہے (۳۰ : ۸)

۲۲۔ ارض و سموات پہلے ایک ہیولیٰ تھے۔ پھر انہیں الگ الگ کیا۔ پانی سے ہر زندہ شے کو پیدا کیا۔ فضائے آسمان کو زمین والوں کے لئے سقفِ محفوظ بنایا۔ اجرامِ فلکی سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ (۳۳-۳۰ : ۲۱)۔(۳۰ : ۹)

۲۳۔ بنجر زمین سے نباتات کی پیدائش۔ (۵ : ۲۲)

۲۴۔ لیل و نہار کی تبدیلی۔ بارش اور روئیدگی کا نظام۔ (۶۵-۶۱ : ۲۲)

۲۵۔ تمہارے اوپر سبع طرائق بنائے۔ (۱۷ : ۲۳)

۲۶۔ خدا تخلیق کی طرف سے غافل نہیں۔ (۱۷ : ۲۳)۔ یخلق ما یشاء۔ (۴۵ : ۲۴)۔ وہ موسع ہے۔ یعنی (EXTEND) کرنے والا۔ (۴۷ : ۵۱)۔ تخلیق میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ (۱ : ۳۵)

۲۷۔ نظامِ باراں اور نباتات۔ مویشی اور ان کا دودھ۔ (۲۲-۱۸ : ۲۳)

۲۸۔ اختلافِ لیل و نہار اس کے لئے ہے۔ (۸۰ : ۲۳)۔ (۲۹)۔ پانی سے تمام دابّہ پیدا کئے۔ (۴۵ : ۲۴)

۳۰۔ بارش کا نظام۔ تقلیبِ لیل و نہار۔ دابّہ کی پانی سے تخلیق۔ (۴۵-۴۱ : ۲۴)

۳۱۔ نظامِ لیل و نہار۔ باد و باراں۔ دو دریا ملتے ہوئے۔ ایک نمکین دوسرا میٹھا۔ (۵۳-۴۵ : ۲۵)۔(۱۲ : ۳۵)۔
(۲۰-۱۹ : ۵۵)

۳۲۔ زمین میں مختلف اقسام کی نباتات پیدا کی۔ اس میں آیت ہے۔ (۸-۷ : ۲۶)

۳۳۔ نظامِ فطرت کی تفاصیل کے بعد کہا کہ وہ کون ہے جو ایسا کر سکتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ اور الٰہ بھی ہیں۔ (۶۴-۶۰ : ۲۷)

۳۴۔ اللہ نے ہر شے کو بہترین طور پہ پیدا کیا۔ (اَتْقَنَ)۔ (۸۸ : ۲۷)

۳۵۔ اگر لیل و نہار کی گردش رک جائے تو اسے کون جاری کر سکتا ہے۔ (۷۳-۷۱ : ۲۸)

۳۶۔ ان سے اگر پوچھو کہ تخلیقِ ارض و سما کون کرتا ہے اور زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ کون عطا کرتا ہے تو یہ کہیں گے اللہ۔ (۶۳-۶۱ : ۲۹)

۳۷۔ زمین کی حیاتِ تازہ۔ نظامِ ابر و باراں۔ اولے وغیرہ۔ (۵۰-۴۶ : ۳۰)۔ (۹ : ۳۵)

۳۸۔ خدا بارش برساتا ہے اور جانتا ہے کہ ارحام میں کیا ہے۔ (۳۴ : ۳۱)۔ (۲۷ : ۳۲)۔ (۳-۲ : ۳۴)

۳۹۔ کائنات کی چھوٹی بڑی چیز سب کتابِ مبین میں ہے۔ (۳ : ۳۴)

۴۰۔ سمندر سے موتی اور تازہ گوشت۔ کشتیاں۔ (۱۲ : ۳۵)

۴۱۔ نظامِ فطرت پر غور و فکر کرنے والے علماء ہی خدا کی عظمت کے سامنے سربسجود ہو سکتے ہیں۔ (۲۸-۲۷ : ۳۵)

۴۲۔ نظامِ نباتات و زراعت میں آیات۔ (۳۶-۳۳ : ۳۶)

۴۳۔ نظامِ فلکی۔ شمس اپنے مستقر کی طرف جا رہا ہے۔ قمر کی منازل متعین ہیں۔ تمام اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ (۴۰-۳۸ : ۳۶)۔ (۴۴)۔ نظامِ باد و باراں و نباتات۔ (۲۱ : ۳۹)

۴۵۔ نظامِ کائنات کے متنوع گوشے۔ (۶۴-۶۱ : ۴۰)۔ (۴۶)۔ مویشیوں کا نظام۔ (۸۰-۷۹ : ۴۰)

۴۷۔ سماء دُخان تھا۔ سما اور ارض سے کہا کہ تمہیں طوعاً و کرھاً آنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم طوعاً آتے ہیں۔ سماء کو سبع سمٰوٰت بنایا۔ (۱۲-۹ : ۴۱)۔ (۴۸)۔ سماء میں امرِ خداوندی کو وحی کر دیا۔ (۱۲ : ۴۱)

۴۹۔ زمین میں بھی ذی حیات اور سماء (اجرامِ فلکی) میں بھی۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ کسی وقت انہیں جمع کر دے۔ (۲۹ : ۴۲)

۵۰۔ زمین کو مہد بنایا۔ آسمان سے بارش برسائی۔ سمندروں میں کشتیاں چلائیں۔ (۱۲-۱۰ : ۴۳)

۵۱۔ ارض و سماء۔ نباتات و ثمرات وغیرہ کا انتظام۔ (۱۱-۶ : ۵۰)

۵۲۔ آسمان کو ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ (۴۷ : ۵۱)

۵۳۔ خدا "مُوْسِعٌ" ہے۔ یعنی کائنات کو وسعت دینے والا۔ (EXTEND) کرنے والا۔ (۴۷ : ۵۱)

۵۴۔ ہر شے کا جوڑہ بنایا۔ (۴۹ : ۵۱)۔ (۵۵)۔ مشرقین اور مغربین کا رب۔ (۱۷ : ۵۵)۔ مشارق و مغارب۔ (۴۰ : ۷۰)

۵۶۔ اس نے بحرین کو ملایا۔ ان کے درمیان برزخ ہے۔ ان میں سے موتی نکلتے ہیں اور کشتیاں چلتی ہیں۔ (۲۳-۱۹ : ۵۵)

۵۷۔ فصلیں پیدا کرنے میں نظامِ فطرت کا کس قدر حصہ ہے اور انسان کا کس قدر۔ (۷۳-۶۳ : ۵۶)۔ (۳۲-۲۴ : ۸۰)

۵۸۔ مواقع النجوم کی شہادت۔ (۷۵ : ۵۶)۔ (۵۹)۔ تخلیقِ ارض و سما۔ نظامِ ارض و باران۔ (۶-۴ : ۵۷)

۶۰۔ تخلیقِ سماوات اور ارض مثلھن۔ ان میں امرِ خدا کا نزول۔ (۱۲ : ۶۵)

۶۱۔ تخلیقِ خداوندی میں کہیں کوئی نقص نہیں۔ جھول نہیں۔ فطور نہیں۔ (۵-۳ : ۶۷)

۶۲۔ زمین میں چلو پھرو۔ اس میں سے رزق کھاؤ۔ (۱۵ : ۶۷)۔ (۶۳)۔ پرندے کس طرح ہوا میں اڑتے رہتے ہیں۔ (۱۹ : ۶۷)

۶۴۔ سبع سمٰوٰت کو طباقاً بنایا۔ قمر کو نور اور شمس کو سراج۔ ارض کو بساط۔ (۱۹؛ ۱۶-۱۵ : ۷۱)

۶۵۔ لیل و نہار کے پیمانے خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ (۲۰ : ۷۳)

۶۶۔ چاند۔ رات اور صبح کی شہادت۔ (۳۴-۳۲ : ۷۴)

۶۷۔ زمین کو کفات بنایا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ (۲۷-۲۵ : ۷۷)۔ (۶۸)۔ نظامِ کائنات سے یوم الفصل پر شہادت۔ (۱۷-۶ : ۷۸)۔ (۶۹)۔ تمہاری تخلیق زیادہ محکم ہے یا آسمانوں کی۔ (۲۷ : ۷۹)

۷۰۔ اجرامِ فلکی۔ لیل و نہار۔ ارض کا اپنے ہیولیٰ سے چھٹ کر الگ ہو جانا۔ اس میں نباتات کا پیدا ہونا۔ (۳۲-۲۸ : ۷۹)

۷۱۔ مختلف ستاروں کی شہادت۔ (۱۸-۱۵ : ۸۱)۔ شفق و لیل و قمر کی شہادت۔ (۱۸-۱۶ : ۸۴)۔ آسمان اور طارق کی شہادت۔ (۳-۱ : ۸۶)۔ (۷۲)۔ بادل۔ سما۔ ارض۔ پہاڑوں پر غور و فکر۔ (۲۱-۱۷ : ۸۸)

۷۳۔ شمس۔ قمر۔ لیل۔ نہار۔ سما۔ ارض کی شہادت۔ (۶-۱ : ۹۱)۔ (۷۴)۔ رات اور دن کی شہادت۔ (۲-۱ : ۹۲)

فاطر السمٰوٰت والارض

۱۔ وہ فاطر السمٰوٰت والارض ہے۔ (۱۴ : ۶)۔ (۷۹ : ۶)۔ (۱۰۱ : ۱۲)۔ (۱۰ : ۱۴)۔ (۵۶ : ۲۱)۔ (۱ : ۳۵)۔ (۴۶ : ۳۹)۔ (۱۱ : ۴۲)

۲۔ انسانوں کا فاطر۔ (۵۱ : ۱۱)۔ (۵۱ : ۱۷)۔ (۷۲ : ۲۰)۔ (۲۲ : ۳۶)۔ (۲۷ : ۴۳)

۳۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا۔ (۳۰ : ۳۰)

مظاہرِ فطرت میں آیات

۱۔ تخلیقِ ارض و سما اور گردشِ لیل و نہار میں اربابِ عقل و فکر کے لئے آیات۔ (۱۸۹ : ۳)

۲۔ نظامِ فطرت میں مومنین کے لیے آیات۔ (۱۰۰ : ۶)۔ متقین کے لیے۔ (۶ : ۱۰)۔ سننے والی قوم کے لیے۔ (۶۷ : ۱۰)
عقل و فکر والوں کے لیے۔ (۴-۳ : ۱۳)۔ (۱۳-۱۲-۱۱ : ۱۶)۔ (۱۲ : ۱۶)۔ (۵۴ : ۲۰)۔ (۸۰ : ۲۳)۔
(۸۶ : ۲۷)۔ (۲۵-۲۱ : ۳۰)۔ (۲۱ : ۳۹)۔ (۱۳-۵ : ۴۵)۔ (۶۹ و ۶۷ : ۶۵)
صبار و شکور کے لیے۔ (۳۳ : ۴۲)

۳۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں نہ آیاتِ فطرت کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں نہ خدا کے نذیر۔ (۱۰۱ : ۱۰)

۴۔ مظاہرِ فطرت کی آیات کو اس لیے نکھار کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ تم خدا کے سامنے جانے پر یقین کرلو۔ (۲ : ۱۳)

۵۔ انعام میں عبرت ہے۔ (۶۶ : ۱۶)۔ (۲۱ : ۲۳)۔ نظامِ باد و باراں میں بھی۔ (۴۴-۴۳ : ۲۴)

۶۔ لیل و نہار میں آیات۔ (۱۲ : ۱۷)۔ (۸۶ : ۲۷)

۷۔ کیا یہ لوگ مظاہرِ فطرت کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ یہ ان آیات سے اعراض کیوں برتتے ہیں۔ (۳۲-۳۰ : ۲۱)۔
(۶ ، ۴۵)۔ (۸)۔ نظامِ فطرت میں آیاتِ مبینات۔ انہی سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ملتی ہے۔ (۴۶ : ۲۴)

۹۔ مظاہرِ فطرت کی داستان اس لیے بار بار دہرائی جاتی ہے کہ لوگ غفلت نہ برتیں۔ لیکن اکثر لوگ اس سے اِبا کرتے ہیں (۵۰ : ۲۵)

۱۰۔ زمین میں مختلف اقسام کی نباتات پیدا کی۔ اس میں آیت ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۸-۷ : ۲۶)

۱۱۔ نظامِ کائنات کے مختلف گوشوں میں آیات۔ (۲۵-۲۱ : ۳۰)

۱۲۔ نظامِ فطرت پر غور و فکر کرنے والے علماء ہی عظمتِ خداوندی کے سامنے سربسجود ہو سکتے ہیں۔ (۲۸-۲۷ : ۳۵)

۱۳۔ نظامِ فطرت کے مختلف گوشوں میں آیات۔ (۴۲-۳۳ : ۳۶)

۱۴۔ وہ نظامِ فطرت میں اپنی آیات دکھاتا ہے۔ سو تم کون سی آیات سے انکار کرو گے۔ (۸۱ : ۴۰)

۱۵۔ نظامِ فطرت کے ساتھ کہا کہ کیا تم اس خدا سے انکار کرتے ہو۔ (۱۰-۹ : ۴۱)

۱۶۔ لیل و نہار اور شمس و قمر میں آیات ہیں۔ (۳۷ : ۴۱)۔ ارض میں آیات۔ (۳۹ : ۴۱)

۱۷۔ آیات اللہ میں الحاد مت برتو۔ (۴۰ : ۴۱)۔ (۱۸)۔ ہم انہیں انفس و آفاق میں آیات دکھاتے جائیں گے تاکہ
یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن حقیقتِ ثابتہ ہے۔ (۵۳ : ۴۱)

۱۹۔ سمندروں میں کشتیاں اس کی آیات ہیں۔ (۳۴-۳۲ : ۴۲)۔ (۲۰)۔ تخلیقِ ارض و سما میں آیات۔ (۲۹ : ۴۲)

۲۱۔ اختلافِ لیل و نہار۔ ارض کی حیاتِ نو۔ تصریفِ الریح میں آیات۔ سو یہ لوگ اللہ اور اس کی ان آیات کے بعد اور کون
سی چیز پہ ایمان لائیں گے؟ (۶-۵ : ۴۵)

۲۲۔ ارض و سما میں سب کچھ مسخر کر دیا۔ اس میں آیت ہے۔ (۴۵ : ۱۳)

۲۳۔ سقفِ مرفوع اور بحرِ مسجور اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ (۵۲ : ۵ - ۷)

۲۴۔ وہ رب الشعریٰ ہے۔ (۵۳ : ۴۹)

۲۵۔ شمس و قمر حساب کے لئے ہیں۔ درخت اور بوٹیاں سجدہ ریز ہیں۔ سما میں میزان رکھی ہے۔ ارض کو انام کے فائدے کے لئے بنایا ہے۔ اور نباتات اور اناج بھی۔ (۵۵ : ۵ - ۱۲)

سب خدا کا ہے یا اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے

۱۔ جو کچھ دن اور رات میں سکونت پذیر ہے، سب اس کے لئے ہے۔ (۶ : ۱۳)

۲۔ لہٗ ملک السمٰوٰت و الارض۔ (۷ : ۱۵۸) - (۱۰ : ۶۶ ; ۶۸) - (۲۱ : ۱۹) - (۲۲ : ۶۴) - (۲۳ : ۸۰) -
(۴۲ : ۲۴) - (۲۶ : ۳۰) - (۳۴ : ۱) - (۵۷ : ۱)

۳۔ سب اس کے لئے "تسبیح کرتے ہیں" (سرگرمِ عمل ہیں)۔ ہر ایک اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ سے واقف ہے۔ (۲۴ : ۴۱)

۴۔ ارض و سما سے کہا کہ تمہیں طوعاً یا کرہاً آنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم طوعاً آتے ہیں۔ (۴۱ : ۱۱)

۵۔ نیز دیکھئے "نظامِ فطرت"۔ شق ۱۲۔ (سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہے)۔ (۱۳ : ۱۵) - (۱۶ : ۴۸-۴۹) -
(۱۹ : ۲۱) - (۲۲ : ۱۸) - (۴۱ : ۱۱) - (۵۵ : ۶)

نظامِ فطرت کی تخلیق کا مقصد

۱۔ اسے باطل پیدا نہیں کیا۔ (۳ : ۱۸۹ - ۱۹۰)۔ کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (۲۱ : ۱۶) - بالحق پیدا کیا ہے۔
(۸ : ۳۰) - (۵ : ۳۹)

۲۔ اس لئے پیدا کیا ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح کا بدلہ انصاف کے ساتھ ملتا رہے۔ (۱۰ : ۴) - (۳۴ : ۳ - ۴)

۳۔ زمینِ مردہ سے نباتات کی روئیدگی۔ یہ اس لئے کہ خدا حق ہے۔ (۲۲ : ۶) - (۲۲ : ۶۱ - ۶۲) - (۳۱ : ۳۰)

تسخیرِ فطرت۔ اور مومن

۱۔ تخلیقِ ارض و سمٰوٰت اور گردشِ لیل و نہار میں اربابِ عقل و فکر کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، قوانینِ

خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اور تخلیقِ ارض و سما میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کی کوئی شے بے مقصد نہیں پیدا کی گئی۔ (۱۹۰-۱۸۹ : ۳) - (۱۶ : ۲۱)

۲۔ شمس و قمر و نجوم، اس کے امر سے مسخر ہیں۔ (۵۴ : ۷) - (۱۳ : ۳۵)

۳۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں نہ آیاتِ کائنات کچھ فائدہ دے سکتی ہیں نہ خدا کے نذیر۔ (۱۰۱ : ۱۰)

۴۔ تخلیقِ ارض و سما اور تسخیرِ شمس و قمر۔ (۳۳-۳۲ : ۱۴) - (۲۹ : ۳۱) - (۶-۵ : ۳۹)

۵۔ تسخیرِ لیل و نہار و شمس و قمر۔ تسخیرِ بحر جس میں سے موتی اور تازہ گوشت ملتا ہے۔ اور کشتیاں رواں دواں رہتی ہیں (۱۴-۱۲ : ۱۶)

۶۔ کائنات کی ہر شے خدا کے حضور سجدہ ریز ہے۔ سائے بھی۔ دابہ اور ملائکہ بھی۔ (۵۰-۴۸ : ۱۶)

۷۔ کیا یہ لوگ مظاہرِ فطرت پر غور کر کے بھی ایمان نہیں لاتے۔ فضائے کائنات میں اس قدر آیات بکھری پڑی ہیں۔ لیکن یہ ان سے اعراض برتتے ہیں۔ (۳۲ و ۳۰ : ۲۱) - (۸-۷ : ۲۶)

۸۔ ما فی السموٰت و الارض کی تسخیر۔ (۶۵ : ۲۲)

۹۔ حضرت سلیمانؑ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (۱۲ : ۳۴) - (۳۶ ، ۳۸) - حضرت داؤدؑ کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا۔ (۱۹-۱۸ : ۳۸) - (۱۰) - ارض و سما میں سب کچھ مسخر کر دیا۔ اس میں آیت ہے۔ (۱۳-۱۲ : ۴۵)

۱۱۔ ارض کو تمہارے تابع فرمان کر دیا۔ (۱۵ : ۶۷)

نظامِ فطرت پر غور و فکر کی تاکید

۱۔ تم نظامِ فطرت پر غور و فکر کرو۔ (۱۰۱ : ۱۰) - (۲) - کیا یہ لوگ نظامِ فطرت پر غور نہیں کرتے۔ (۴۸ : ۱۶) - (۳۳-۳۰ : ۲۱) (۱۸ : ۲۲) - (۶۵-۶۳ : ۲۲) - (۸۰ : ۲۳) - (۴۵-۴۱ : ۲۴) - (۴۵ : ۲۵) - (۵۰ : ۲۵) - (۸-۷ : ۲۶) - (۸۶ : ۲۷) - (۳۱-۲۹ : ۳۱) - (۲۷ : ۳۲) - (۲۱ : ۳۹) - (۶ : ۵۰) - (۱۹ : ۶۷) -

۳۔ کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ اگر لیل و نہار کی گردش رک جائے تو اسے کون جاری کر سکتا ہے۔ (۷۳-۷۱ : ۲۸)

۴۔ انفس و آفاق میں تفکر کی تاکید۔ اس سے لقاءِ رب پر دلیل۔ (۸ : ۳۰)

۵۔ نظامِ زراعت اور نظامِ خوراک پر غور و فکر کی تاکید۔ (۷۳-۶۳ : ۵۶) - (۳۲-۲۴ : ۸۰)

۶۔ بادل۔ زمین۔ پہاڑ۔ سما۔ پر فکر و نظر کی تاکید۔ (۲۰-۱۷ : ۸۸)

۱۳۔ فقہ۔ تفقہ

فقہ کے معنی غور و فکر کرنا یا کسی چیز کو سمجھ لینا ہیں۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال اس قسم کے غور و فکر کے لئے ہوتا ہے جس میں انسان محسوس مشاہدات سے مجرد حقائق کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچے۔ قرآن کریم میں علم و عقل ۔ غور و فکر ۔ اور تفقہ کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اس ضمن میں دیگر متعلقہ عنوانات بھی پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

اب ہمارے ہاں فقہ کا لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد ہوتی ہے وہ احکام شریعت جن پر کسی خاص امام کے پیرو عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ احکام "ان ائمہ فقہ کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے والوں کے تفقہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ ان پر تقلیداً عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس قسم کے نظام فقہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی رو سے، اسلامی مملکت، قرآنی اصولوں کی روشنی میں، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزوی قوانین مرتب کرتی ہے۔ یہ اس دور کے احکام شریعت قرار پاتے ہیں۔ قرآنی اصول و قوانین ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہتے ہیں لیکن یہ احکام، زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدل سکتے ہیں۔ لہٰذا، اسلامی فقہ، جامد احکام کا نام نہیں، جن پر تقلیداً عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ ہر آن ترقی کرنے والی قوم کے نظام عمل کا نام ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ، (فقہ) اس شکل میں نہیں آیا۔ اس مادہ (ف۔ق۔ھ) کی دیگر شکلیں آئی ہیں۔

تفقہ کی تاکید

۱۔ دیکھو ہم کس طرح لوٹا لوٹا کر بات بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔ (۶ : ۶۵)

۲۔ ہم نے اس قوم کے لئے جو تفقہ کرتی ہے، اپنی آیات کو نکھار کر بیان کر دیا ہے۔ (۶ : ۹۹)

۳۔ ہر مقام سے کچھ لوگوں کو مرکز (تربیت گاہ) میں آنا چاہیئے تاکہ وہ دین کا تفقہ حاصل کریں اور پھر واپس جا کر اپنے لوگوں کو اس سے آگاہ کریں۔ (۹ : ۱۲۲)

تفقہ نہ کرنے والے

* ان لوگوں کو دیکھئے جو ذرا سی بات بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔ (۴ : ۷۸)

۲۔ جہنمی ہیں وہ لوگ جو فؤاد (دل) رکھنے کے باوجود اس سے تفقہ کا کام نہیں لیتے۔ یہ لوگ، حیوانات کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ (۱۷۹ : ۷)

۳۔ تمہارے سو آدمی مخالفین کے ہزار پر غالب آجائیں گے۔ اس لئے کہ یہ (مخالفین) وہ لوگ ہیں جو تفقہ سے کام نہیں لیتے۔ (۶۵ : ۸)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میدانِ جنگ میں بھی کامیابی کا راز، فکر و تدبر سے کام لینے میں ہے۔ خالی جذبات سے نہیں۔ (۴)۔ جنگ سے جی چراؤ گے تو جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اے کاش ایسے لوگ اس بات کو سمجھ لیتے۔ (۸۱ : ۹)

۵۔ جنگ میں گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور اس طرح وہ تفقہ سے کام لینے کے قابل نہیں رہتے۔ (۸۷ : ۹)۔ (۱۵ : ۴۸)

۶۔ جو تفقہ سے کام نہیں لیتے ان کے دل صحیح بات کی طرف سے پھر جاتے ہیں۔ (۱۲۷ : ۹)

۷۔ جو لوگ تفقہ سے کام نہیں لیتے ان کے دل خوف کا مسکن بنے رہتے ہیں۔ (۱۳ : ۵۹)

۸۔ منافقت سے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور اس طرح یہ لوگ تفقہ کے قابل نہیں رہتے۔ (۳ : ۶۳)

۹۔ جو لوگ پہلے ہی سے طے کرلیں کہ ہم نے اپنی سی کہے جانی ہے اور دوسرے کی سننی اور ماننی ہی نہیں ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ ——— تفقہ کے قابل نہیں رہتے۔ (۲۵ : ۶)۔ (۴۶ : ۱۷)۔ (۵۷ : ۱۸)

متفرقات

۱۔ کائنات کی ہر شے حمدِ خداوندی کی "تسبیح" کرتی ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ (۴۴ : ۱۷)۔ اس سلسلہ میں "تسبیح" کا عنوان بھی دیکھئے۔

۲۔ حضرت شعیبؑ کی قوم نے کہا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ (۹۱ : ۱۱)۔ حالانکہ حضرت شعیبؑ انہی کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تفقہ کے لئے بات پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

۳۔ حضرت موسےٰؑ نے خدا سے دعا کی کہ میری زبان میں طلاقت عطا فرما دے تاکہ فرعون کے لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ (۲۸-۲۷ : ۲۰)

۴۔ ذوالقرنین کا گذر ایسی قوم پر سے ہوا جو اس کی کوئی بات نہیں سمجھتی تھی۔ (۹۳ : ۱۸)

۱۴۔ فکر

فکر۔ فکر کے معنی کسی معاملہ پر عقل و نظر سے غور کرنے کے ہیں۔ اگرچہ ہم نے "علم و عقل" کے عنوان میں فکر و تدبر کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم، تدبر و تفکر پر بڑا زور دیتا ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ "فکر" کے متعلق الگ عنوان میں بھی گفتگو کی جائے۔

ہر چند، غور و فکر کا مقام وہی دنیا ہو سکتی ہے جو محسوسات کے دائرہ میں آسکے۔ لیکن قرآن کریم میں ایک مقام پر (۲۰-۲۱۹ : ۲) دنیا کے ساتھ آخرت پر غور و فکر کرنے کی بھی تاکید ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ محسوسات کے علاوہ ان حقائق پر بھی غور کیا جانا چاہیئے جو تصورات (CONCEPTS) سے متعلق ہوں۔ لہٰذا قرآن کی رو سے، فکر کا میدان۔ طبیعی سائنس اور عقلی علوم، دونوں ہیں۔ آخرت پر غور و فکر، عقلی طریق سے کیا جا سکتا ہے، سائنس کے محسوس طریق کی رو سے نہیں۔ اسی طرح نفس انسانی (HUMAN-SELF) کے متعلق غور و فکر بھی عقلی طریق سے کیا جا سکے گا۔ (۸ : ۳۰)

غور و فکر کی تاکید

۱۔ اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تم غور و فکر کیا کرو۔ (۴۶ : ۳۴)

۲۔ خدا اپنے احکام و قوانین کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کیا کرو، دنیا اور آخرت میں۔ (۲۰ - ۲۱۹ : ۲)۔ (۲۶۶ : ۲)۔ (۳)۔ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم اس پہ بھی غور نہیں کرتے؟ (۵۰ : ۶)

۴۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ تمہارا یہ رفیق دیوانہ نہیں۔ (۱۸۴ : ۷)

۵۔ کیا یہ لوگ اپنی ذات (اپنے آپ) پہ غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر کرتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ یہ کارگہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے۔ (۸ : ۳۰)

۶۔ مومن وہ اربابِ عقل و بصیرت ہیں جو تخلیقِ ارض و سمٰوات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (۱۹۰ : ۳)

۷۔ اے رسولؐ! انہیں یہ باتیں بتاؤ تاکہ یہ غور و فکر کیا کریں۔ (۱۷۶ : ۷)

۸۔ ہم نے غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے اپنی آیات نکھار کر بیان کر دی ہیں۔ (۲۴ : ۱۰)

۹۔ سلسلۂ کائنات میں اربابِ فکر و نظر کے لئے آیات ہیں۔ (۳ : ۱۳)

۱۰۔ نظامِ زراعت میں اربابِ فکر کے لئے آیات ہیں۔(۱۱ : ۱۶)۔ (۱۱) ۔قرآن میں تفکر کی تاکید۔ (۴۴ : ۱۶)۔(۲۱ : ۵۹)

۱۲۔ شہد کی مکھی کے نظام میں اربابِ فکر ونظر کے لئے آیات ۔ (۶۹ : ۱۶)

۱۳۔ ازدواجی زندگی کے باعثِ سکینت ومودّت ہونے میں اربابِ فکر کے لئے آیات ۔ (۲۱ : ۳۰)

۱۴۔ موت اور نیند کے نظام میں اربابِ فکر کے لئے آیات ۔ (۴۲ : ۳۹)

۱۵۔ تسخیرِ ارض وسما میں اربابِ فکر کے لئے آیات ۔ (۱۳ : ۴۵)

متفرق

۱۔ قریش کا نمائندہ رسول اللہ کے پاس آیا ۔معاملہ پر غور وفکر کیا ۔لیکن اس سے بڑا غلط نتیجہ نکالا۔ (۲۰۔۱۸ : ۷۴)

(۰)

ق

۱۔ قانون۔ قوانینِ خداوندی

قرآن کریم میں قانون کا لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کی ساری تعلیم قانون کے تصور کے گرد گھومتی ہے اور دین کی عمارت اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے ۔قانون سے مراد "عدالتی قانون" ہی نہیں، یہ ایک بڑی وسیع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے۔ قانون سے مراد یہ ہے کہ :۔

"اگر تم ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوگا"

اسے انگریزی میں ان مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ

IF ------- -----THEN ----------- ALWAYS

۱۰۔ نظامِ زراعت میں اربابِ فکر کے لئے آیات ہیں۔ (۱۱ : ۱۶)۔ (۱۱) ۔ قرآن میں تفکر کی تاکید۔ (۴۴ : ۱۶)۔ (۲۱ : ۵۹)

۱۲۔ شہد کی مکھی کے نظام میں اربابِ فکر و نظر کے لئے آیات۔ (۶۹ : ۱۶)

۱۳۔ ازدواجی زندگی کے باعثِ سکینت و مودت ہونے میں اربابِ فکر کے لئے آیات۔ (۲۱ : ۳۰)

۱۴۔ موت اور نیند کے نظام میں اربابِ فکر کے لئے آیات۔ (۴۲ : ۳۹)

۱۵۔ تسخیرِ ارض و سما میں اربابِ فکر کے لئے آیات۔ (۱۳ : ۴۵)

متفرق

۱۔ قریش کا نمائندہ رسول اللہ کے پاس آیا۔ معاملہ پر غور و فکر کیا۔ لیکن اس سے بڑا غلط نتیجہ نکالا۔ (۲۰-۱۸ : ۷۴)

(۰)

ق

۱۔ قانون۔ قوانینِ خداوندی

قرآن کریم میں قانون کا لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کی ساری تعلیم قانون کے تصور کے گرد گھومتی ہے اور دین کی عمارت اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔ قانون سے مراد "عدالتی قانون" ہی نہیں، یہ ایک بڑی وسیع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے۔ قانون سے مراد یہ ہے کہ:-

"اگر تم ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوگا"

اسے انگریزی میں ان مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ

IF ------- -----THEN ----------- ALWAYS

جب یہ اصطلاح نظامِ کائنات کے ضمن میں استعمال کی جائے تو اس سے مراد ہوتی ہے سلسلۂ علت و معلول ۔ (CAUSE AND EFFECT) ۔ یعنی فلاں بات کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ یا اس بات کا سبب یہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے ۔ لیکن اس نے اپنے لامحدود اختیارات اور لا انتہا اقتدارات پر خود ہی کچھ پابندیاں عائد کر لی ہیں ۔ انہی پابندیوں کا نام قانونِ خداوندی ہے ۔ یعنی اس نے کچھ قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق یہ کارگہِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے ۔ اسی قسم کے قوانین اس نے انسانی زندگی کے لئے بھی عطا کر دیئے ہیں اور کہہ دیا ہے کہ اگر تم ان کے مطابق چلوگے، تو یوں ہوگا ۔ ان کی خلاف ورزی کروگے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ اسی کو قانونِ مکافاتِ عمل کہا جاتا ہے ۔

یہ قوانین غیر متبدل اور اٹل ہیں اور ہر انسان پر یکساں طور پر حاوی ہیں ۔ زمان و مکان کا اختلاف یا شخصیتوں کی تفریق ان پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی ۔

قرآنِ کریم میں بیان کردہ قوانین تمام کے تمام تو اس عنوان کے تحت نہیں دیئے جا سکتے ۔ وہ اپنے اپنے متعلقہ عنوانوں کے تحت آئیں گے ۔ اس وقت صرف قانون کے اصول سے متعلق مقامات سامنے لائے جاتے ہیں ۔ اور ان کی وضاحت کے لئے (مثال کے طور پر) کچھ آیات درج کی جاتی ہیں ۔ وضاحت کے لیے عنوان تقدیر اور مکافاتِ عمل دیکھئے ۔

اگر ایسا کروگے تو یوں ہوگا

۱۔ ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ جنت کی زندگی ۔ (۲ : ۲۵)

۲۔ ہماری ہدایات کا اتباع کرو تو خوف و حزن نہیں ہوگا ۔ (۲ : ۳۸) ۔ (۲ : ۶۲) ۔ (۲ : ۱۱۲) ۔ انفاق کرو تاکہ ۔ (۲ : ۲۶۲) ۔ (۲ : ۲۷۴) ۔ (۲ : ۲۷۷) ۔ (۶ : ۴۸) ۔ (۴۶ : ۱۳)

۳۔ جسے برائیاں گھیر لیتی ہیں اس کی زندگی جہنم کی ہوتی ہے ۔ (۲ : ۸۱)

۴۔ جو کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھے اور دوسرے سے انکار کر دے، اسے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ شدید نصیب ہوتا ہے ۔ (۲ : ۸۵)

۵۔ اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اس کا انہیں بہترین بدلہ ملتا ۔ (۲ : ۱۰۳)

۶۔ اگر تم بھی اسی طرح ایمان لاؤگے تو ہدایت پر ہوگے ۔ (۲ : ۱۳۷)

۷۔ فاذکرونی ۔ اذکرکم ۔ (۲ : ۱۵۲) ۔ (۸) ۔ اگر یہ اہلِ کتاب ایمان لاتے تو ان سے بہتر ہوتا ۔ (۳ : ۱۰۹)

۹۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۔ (۳ : ۱۳۸)

۱۰۔ فی سبیل اللہ قتل ہو جاؤ یا مرجاؤ تو خدا کی طرف سے مغفرت و رحمت ملیگی۔ (۳ : ۱۵۶)

۱۱۔ اگر خدا تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکے گا۔ (۳ : ۱۵۹) ۔ لیکن خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ جو اس کے دین کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ (۲۲ : ۴۰-۶۰) ۔ (۴۷ : ۷)

۱۲۔ اگر ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہوگا۔ (۳ : ۱۷۸)

۱۳۔ اگر تم کبائر سے بچو گے تو تمہاری ناہمواریاں دور کر دی جائیں گی۔ (۴ : ۳۱)

۱۴۔ اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی ناہمواریاں دور کر دیتے۔ (۵ : ۶۵) - (۵ : ۶۶) - (۷ : ۹۶) — (۱۵) - جو نادانستہ غلطی کر جائے، اسے خدا کی طرف سے مغفرت مل جاتی ہے۔ (۶ : ۵۴)

۱۶۔ جو ایمان لائے اور اُسے ظلم کے ساتھ ملبس نہ کرے، اسے امن ملے گا۔ (۶ : ۸۳)

۱۷۔ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔ (۸ : ۲۹)

۱۸۔ اگر تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔ (۸ : ۶۵)

۱۹۔ ایمان ۔ تقویٰ کے ساتھ انسان ولی اللہ بن جاتا ہے۔ انہیں دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔ یہ اٹل قانون ہے (۱۰ : ۶۲-۶۴)

۲۰۔ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلَنَا۔ (۲۹ : ۶۹)۔

۲۱۔ ایمان و استقامت سے نزولِ ملائکہ ہوتا ہے۔ (۴۱ : ۳۰)

۲۲۔ ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکُمْ۔ (۹ : ۳۹) - (۴۷ : ۳۸)۔ اسے عذاب الیم بھی کہا گیا ہے۔ (۴۸ : ۱۶)۔
ایمان و اعمالِ صالحہ سے استخلاف فی الارض ملتا ہے۔ (۲۴ : ۵۵)

۲۳۔ من یوق شح نفسہ فاولٓئک ھم المفلحون۔ (۵۹ : ۹)

۲۴۔ ان تعفوا - و تصفحوا - و تغفروا - فان اللہ غفور رحیم۔ (۶۴ : ۱۵)

۲۵۔ جو ہمارے قوانین سے اعراض برتے گا۔ اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ (۲۰ : ۱۲۴)

یہ کرو تاکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے

۱۔ خدا کی محکومیت اختیار کرو تاکہ تم زندگی کے خطرات سے محفوظ رہو۔ (۲ : ۲۱)

۲۔ قانونِ قصاص کا اتباع کرو تاکہ تم زندگی کے خطرات سے محفوظ رہو۔ (۲ : ۱۷۹)

۳۔ صوم کی پابندی کرو تاکہ تم خطرات سے محفوظ رہو۔ (۲ : ۱۸۳)۔ اور تمہاری کوشش بھرپور نتائج پیدا کریں۔ (۲ : ۱۸۵)

۴۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ (۲ : ۱۸۹) - (۳ : ۱۲۹) - (۷ : ۶۹) - (۷ : ۱۵۷)

۵۔ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔ (۳ : ۱۲۳)

۶۔ ثابت قدم رہو۔ باہمی ربط و ضبط رکھو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۳ : ۱۹۹)

۷۔ خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ جہاد کرو۔ اس کی طرف تقرب تلاش کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۵ : ۳۵)

قوانین خداوندی کا اٹل ہونا

۱۔ فان حزب اللہ ھم الغالبون۔ (۵ : ۵۶) - (۳۷ : ۱۷۱ - ۷۲)۔ اسے نصرتِ خداوندی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے (۴۰ : ۵۱)

۲۔ کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ۔ (۶ : ۱۲) - (۶ : ۵۴) - (۷ : ۱۵۶)

۳۔ انہٗ لا یفلح الظالمون۔ (۶ : ۲۱) - (۶ : ۱۳۶)

۴۔ لا مبدل لکلمت اللہ۔ (۶ : ۳۴) - (۶ : ۱۱۶) - (۱۰ : ۶۴) - (۱۸ : ۲۷)۔ کلمات اللہ بنی اسرائیل کے حق میں پورے ہو گئے۔ (۷ : ۱۳۷) - (۵)۔ لکل نبا مستقر۔ (۶ : ۶۷)

۶۔ یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یؤمنون۔ (۶ : ۱۲۶)

۷۔ خدا کسی ایسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔ (۶ : ۱۳۲) - (۱۱ : ۱۱۷) - (۲۸ : ۵۹)

۸۔ لکل درجات مما عملوا۔ (۶ : ۱۳۳) - (۹)۔ لا یُرَدُّ باسُہ عن القوم المجرمین۔ (۶ : ۱۴۸)

۱۰۔ تم اپنی جگہ کام کرو۔ میں اپنی جگہ کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دیں گے۔ (۶ : ۱۳۶) - (۳۹ : ۳۹)

۱۱۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ (۶ : ۱۶۵)

۱۲۔ فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ھم المفلحون۔ (۷ : ۸-۹) - (۲۳ : ۱۰۲) - (۱۰۱ : ۶-۸)

۱۳۔ ان رحمت اللہ قریب من المحسنین۔ (۷ : ۵۶)

۱۴۔ رحمت ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے۔ (۷ : ۱۵۶-۱۵۷)

۱۵۔ حقا علینا ننج المؤمنین۔ (۱۰ : ۱۰۳) - نصرت۔ (۳۰ : ۴۷)

۱۶۔ ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ (۱۳ : ۱۷)

۱۷۔ لکل اجل کتاب۔ (۱۳ : ۳۸)۔ اس اجل سے کوئی قوم آگے پیچھے نہیں رہ سکتی۔ (۱۵ : ۵)

۱۸۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔ و لئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ (۱۴ : ۷)

۱۹۔ ایمان والوں کو مستحکم نظریۂ حیات کی رو سے، دنیا اور آخرت میں قائم و دائم رکھا جاتا ہے۔ (۲۷ : ۱۴)

۲۰۔ للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ ۔ ولدار الاخرۃ خیر۔ (۳۰ : ۱۶)

۲۱۔ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ۔ (۷۷ : ۱۷) ۔ (۶۲ : ۳۳) ۔ (۴۳ : ۳۵) ۔ (۸۵ : ۴۰) ۔ (۲۳ : ۴۸)

۲۲۔ فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقٰی ۔ ومن اعرض عن ذکری فان لہٗ معیشۃ ضنکا۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۲۳۔ ولقد کتبنا فی الزبور ..... ان الارض یرثھا عبادی الصّٰلحون۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۲۴۔ قد افلح المؤمنون ۔ (۱ : ۲۳) ۔ اسے اعمال کی جزا ئے احسن کہا گیا ہے ۔ (۷ : ۲۹)

۲۵۔ للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ ۔ (۱۰ : ۳۹)

۲۶۔ ہم رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیا میں مدد کریں گے ۔ (۵۱ : ۴۰)

۲۷۔ من عمل صالحًا فلنفسہٖ ۔ ومن اساءَ فعلیھا۔ (۴۶ : ۴۱)

۲۸۔ سیئات والوں کی اور مومنین کی نہ زندگی یکساں ہو سکتی ہے نہ موت ۔ (۲۱ : ۴۵)

۲۹ ھل یھلک الا القوم الفٰسقون ۔ (۳۵ : ۴۶) ۔ (۳۰) ۔ یہ اس لئے ہے کہ ...... (۲-۳ : ۴۷) ۔ (۹ : ۴۷)

۳۱۔ لیس للانسان الا ما سعٰی ۔ (۳۹ : ۵۳) ۔ (۳۲) ۔ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (۲۱ : ۵۸)

۳۳۔ من اعطٰی واتقٰی ۔ وصدق بالحسنٰی ۔ فسنیسرہٗ للیسرٰی ۔ واما ...... (۶-۱۰ : ۹۲)

۳۴۔ ان مع العسر یسرا ۔ (۶-۵-۹۴)

۳۵۔ من ثقلت موازینہٗ ۔ فھو فی عیشۃ راضیۃ ..... (۶-۷ : ۱۰۱)

۳۶۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون ۔ (۴-۷ : ۱۰۷)

ابتدا انسان کی طرف سے ہوتی ہے

۱۔ منافقین کے دلوں میں مرض ہوتا ہے جو قانونِ خداوندی کے مطابق بڑھتا جاتا ہے ۔ (۱۰ : ۲)

۲۔ یہ حق کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو خود ان کا استہزاء ہو جاتا ہے ۔ (۱۴-۱۵ : ۲)

۳۔ انہوں نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت خریدی تو پھر انہیں سیدھا راستہ نہ مل سکا ۔ (۱۶ : ۲)

۴۔ ضلالت فاسقین کے لئے ہوتی ہے ۔ (۲۶-۲۷ : ۲)

۵۔ تم میرے عہد کو پورا کرو ۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا ۔ (۴۰ : ۲)

۶- جو کفر و انکار کرے گا، تو اسے کچھ وقت کے لئے متاعِ حیات ملے گی۔ پھر اس کی تباہی ہو جائے گی۔ (۱۲۶ : ۲)

۷- فاذکرونی۔ اذکرکم۔ (۱۵۲ : ۲)۔ (۸)۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ (۱۸۶ : ۲)۔(۶۰ : ۴۰)

۹- ان اللہ مع المتقین۔ (۱۹۴ : ۲)۔ مع الصابرین۔ (۶۶ : ۸) ۔ (۱۲۸ : ۱۶)

۱۰- احسنوا۔ ان اللہ یحب المحسنین۔ (۱۹۵ : ۲)

۱۱- جو ایمان لائے اور قرآن کو مضبوط پکڑے تو خدا اسے اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ (۱۷۶ : ۴)

۱۲- جو اس کی "رضا جوئی" کرتا ہے، وہ اسے سلامتی کے راستوں کی طرف چلاتا ہے۔ (۱۶ : ۵)

۱۳- اگر اللہ ان میں کوئی خیر کا پہلو دیکھتا تو انہیں سنوا دیتا۔ (۲۳ : ۸)

۱۴- جب تک کوئی قوم اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کرے خدا اس کی نعمتوں میں تبدیلی نہیں کرتا۔ (۵۳ : ۸)۔ (۱۱ : ۱۳)

۱۵- اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ (۸ : ۱۷)۔ (۱۶)۔ جو ایمان لائے۔ توبہ کرے۔ عملِ صالح کرے اور راہِ ہدایت پہ رہے، تو میں اس کے لئے سامانِ حفاظت مہیا کروں گا۔ (۸۲ : ۲۰)

۱۷- ولینصرن اللہ من ینصرہٗ۔ (۴۰ : ۲۲)۔ (۶۰ : ۲۲)۔ (۵۱ : ۴۰)۔ (۷ : ۴۷)۔ (۸ : ۵۹)۔ (۱۴ : ۶۱)۔ (۱۸)۔ یؤفک عنہ من اُفک۔ (۸ : ۵۱)

۱۹- فلما زاغوا۔ ازاغ اللہ قلوبھم۔ (۵ : ۶۱)

۲۰- جو خدا کے ذکر سے اعراض برتتا ہے، ہم اس کا قرین شیطان بنا دیتے ہیں۔ (۳۶ : ۴۳)

خدا کا وعدہ بمعنی قانون

۱- لا ینال عھدی الظالمین۔ (۱۲۴ : ۲)۔ (۲)۔ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۱۹۴ : ۳)۔(۶ : ۳۰)۔(۲۰ : ۳۹)

۳- خدا کا وعدہ حق ہے۔ اس سے زیادہ بات کا سچا کون ہے۔ (۱۲۲ : ۴)۔ (۹ : ۵)۔ (۳۸ : ۱۶)۔(۳۳ : ۳۱)۔ (۵ : ۳۵)۔ (۵۵ : ۴۰)

۴- خدا نے ایمان اور اعمالِ صالح والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں حفاظت ملے گی اور اجرِ عظیم۔ (۲۷ : ۴۸)

۵- قولہ الحق۔ (۷۴ : ۶)۔ (۹ : ۳۱)۔ (۶)۔ بنی اسرائیل کے حق میں خدا کی بات پوری ہو گئی۔ (۱۳۷ : ۷)

۷- خدا سے بڑھ کر ایفائے عہد کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ (۱۱۱ : ۹)

۸- خدا کا وعدہ ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ استخلاف فی الارض ہو گا۔ (۵۵ : ۲۴)

۹- الحمد خدا کے لئے ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ (۴۹ : ۷۴)

جب انہوں نے یوں کیا تو اس کا نتیجہ نکلا

۱- بنی اسرائیل نے انکار و سرکشی اختیار کی تو ان پر ذلت و مسکنت کی مار ماری گئی۔ (۲ : ۶۱) - (۳ : ۱۱۱)

قانون کے لئے دیگر الفاظ

۱- کل شیٔ عندہٗ بمقدار- (۱۳ : ۸) - (۲)- کل شیٔ خلقنٰہُ بقدر- (۵۴ : ۴۹)

(٠)

۲- قبلہ

(کعبہ - مکہ - مدینہ)

ہر نظام یا مملکت کی کچھ محسوس علامات - (SYMBOLS) ہوتی ہیں جو اس (نظام یا مملکت) کے وجود اور شوکت و عظمت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ مثلاً تخت - تاج - جھنڈا - دارالسلطنت وغیرہ - جھنڈے کا سرنگوں ہونا فوج کی شکست اور مملکت کے زوال کی علامت ہوتا ہے - تاج کی درخشندگی اس سلطنت کی شان و شوکت کی دلیل سمجھی جاتی ہے - دارالسلطنت' مملکت کے وجود، بقا اور استحکام کی علامت ہوتا ہے پھر، اگر وہ مملکت نظریاتی ہے تو اس کا دارالخلافہ بھی نظریہ کا ترجمان ہوتا ہے - جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی نگاہوں کا رُخ ماسکو کی طرف ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص روس کی اشتراکیت کا مؤید ہے۔

اسلام نے ایک نظریۂ زندگی عطا کیا اور اس کے مطابق ایک امت اور ایک مملکت کا وجود عمل میں آیا۔ اس نظریہ یا نظام کا مرکزِ محسوس کعبہ تھا۔ جو مکہ میں واقعہ ہے - قرآن نے جماعتِ مومنین کے افراد سے کہا کہ تم دنیا کے کسی حصے میں بھی ہو، تمہاری نگاہوں کا رُخ کعبہ کی سمت رہنا چاہیئے - بالفاظِ دیگر تمہارا نصب العینِ حیات وہ نظام ہونا چاہیئے جس کی محسوس علامت کعبہ ہے - جو شے اس طرح ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہے اسے قبلہ کہا جاتا ہے - اس ہنج سے کعبہ امتِ مسلمہ کا قبلہ قرار پایا۔ مقصد اس سے یہی ہے کہ تمہارا منتہائے نگاہ، تمہارا نصب العینِ حیات، قرآن کا عطا کردہ نظامِ زندگی اور

نظریۂ حیات ہونا چاہیئے اور اس حقیقت کو تمہیں ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

نبی اکرمؐ نے مدینہ میں ایک مملکت قائم کی لیکن اس کا مرکزِ محسوس کعبہ قرار دیا گیا جو اس نظام کا ترجمان تھا جس کے مطابق یہ مملکت وجود میں لائی گئی تھی۔ اس وقت کعبہ (یا مکہ) مشرکینِ عرب کے قبضہ میں تھا۔ فطری طور پر یہ آرزو حضورؐ کے دل میں موجزن رہتی تھی کہ اس نظام یا مملکت کا جو مرکزِ محسوس قرار پایا ہے، اس کا نظم و نسق (تولیت) اس مملکت کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے۔ آپؐ سے اس کا وعدہ کیا گیا جو فتح مکہ کے ساتھ پورا ہوا۔ یوں، کعبہ، اس امت کی توجہات کا مرکز (یعنی ان کا قبلہ قرار پایا۔ یہ ہے کعبہ کے قبلہ ہونے کا مطلب۔ یہ خیال کہ پہلے قبلہ' بیت المقدس تھا اور بعد میں قبلہ کعبہ قرار پایا، صحیح نہیں۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ کعبہ تو امتِ مسلمہ کا قبلہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں قرار پا چکا تھا۔ اور نبی اکرمؐ اور جماعتِ مومنین کو ملتِ ابراہیمی کا پیرو قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے ان کا قبلہ مقصود پہلے دن ہی سے کعبہ تھا۔

۲۔ کعبہ اور حج کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ قابلِ غور ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں ان کا ذکر آیا ہے۔ انہیں "للناس" کہا گیا ہے۔ یعنی عالمگیر انسانیت کے لئے۔ مطلب واضح ہے کہ قرآن کا منتہیٰ تمام نوعِ انسانی کو نظریہ کی بنیادوں پر، ایک عالمگیر برادری بنانا ہے جس کا مرکزِ محسوس کعبہ ہوگا۔ اور معاملات کے طے کرنے کا اجتماع 'حج'۔

۳۔ حج سے مقصود کیا ہے۔ کعبہ کی اس میں پوزیشن کیا ہے۔ اس کے لئے عنوان 'حج' دیکھئے۔

کعبہ

۱۔ کعبہ کو خدا نے واجب الاحترام گھر قرار دیا ہے۔ اور یہ اس نظام کا محسوس نشان ہے، جس سے مقصد یہ ہے کہ انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو سکے۔ (۲ : ۵)۔ (۹۷ : ۵)

۲۔ تمہارے تحائف کے پہنچنے کا مقام کعبہ ہے۔ (۹۵ : ۵)۔ اسے مسجد الحرام بھی کہا گیا ہے۔ (۱۹۶ : ۲)

۳۔ یہ سب سے پہلا گھر ہے جسے تمام انسانوں کی منفعت کے لئے بنایا گیا تھا اور جو مکہ میں واقع ہے۔ (۹۶ : ۳)۔(۳۷:۱۴)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اس گھر کی دیواروں کو کھڑا کیا تھا ——— (۱۲۷ : ۲)۔ (۲۶ : ۲۲)

۵۔ اس گھر کو تمام نوعِ انسانی کے لئے جمع ہونے کا مقام اور امن کی جگہ قرار دیا گیا تھا۔ (۱۲۵ : ۲)۔(۹۶-۹۵ : ۳)

۶۔ اس گھر کو خدا نے "اپنا گھر" (بیتی) کہکر پکارا ہے۔ (۱۲۵ : ۲)۔ (۲۶ : ۲۲)

۷۔ لوگوں کے لئے اس گھر کا حج فرض ہے۔ (۱۵۸ : ۲)۔ (۹۷ : ۳)

۸۔ اسے بیت العتیق بھی کہا گیا ہے۔ یعنی آزادی کی ضمانت دینے والا گھر۔ (۲۹ : ۲۲)۔ (۳۳ : ۲۲)

۹۔ ایام جاہلیت میں یہ گھر جاہلانہ رسوم کا مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ (۳۵ : ۸)

۱۰۔ قریش سے کہا گیا کہ تم اس گھر کے مالک (خدا) کی محکومیت اختیار کرو۔ (۳ : ۱۰۶)

۱۱۔ اسے وہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں، سب کے لئے یکساں رہنا چاہیئے۔ (۲۵ : ۲۲)

مسجد الحرام

۱۔ کعبہ کو مسجد الحرام بھی کہا گیا ہے۔ (۱۴۴ : ۲)۔ (۱۹۶ : ۲)

۲۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف رکھو۔ (۱۴۴ : ۲)۔ (۱۵۰-۱۴۹ : ۲)

۳۔ مسجد الحرام کے قریب جنگ جائز نہیں۔ (۱۹۱ : ۲)۔ کفار نے اس عہد کو بھی توڑ دیا تھا۔ (۲۱۷ : ۲)۔ (۷ : ۹)۔
اس کے باوجود تم ان کے ساتھ بھی عدل کرو۔ (۲ : ۵)

۴۔ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی تزئین و آرائش کا اہتمام کرنا، ایمان اور جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (۱۹ : ۹)

۵۔ مشرکین کو مسجد الحرام کے قریب نہ آنے دو۔ (۲۸ : ۹)

۶۔ کفار عرب نے مومنین کو مسجد الحرام تک آنے سے روک دیا تھا۔ (۲ : ۵)۔ (۳۴ : ۸)۔ (۲۵ : ۲۲)

۷۔ نبی اکرمؐ کا ہجرت کی رات کو مسجد الحرام سے مدینہ کی طرف سفر۔ (۱ : ۱۷)

۸۔ مسجد الحرام کی فتح کی خوشخبری۔ (۲۷ و ۲۵ : ۴۸)

قبلہ

۱۔ رسول اللہؐ کے دل میں تولیتِ قبلہ کی آرزو موجزن رہتی تھی۔ خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی تولیت آپ کو مل جائیگی۔ (۱۴۴ : ۲)

۲۔ کعبہ کو قبلہ قرار دینے سے مقصد یہ دیکھنا تھا کہ کون اس رسول کا اتباع کرتا ہے (یعنی آیا یہودی اور نصاریٰ اپنے قومی مراکز کو چھوڑ کر اس عالمگیر انسانیت کے مرکز کو اپنا نصب العینِ حیات قرار دیتے ہیں یا نہیں) (۱۴۲ : ۲)۔ (۱۴۳ : ۲)

۳۔ یہ لوگ تمہارے قبلہ کو اختیار نہیں کریں گے۔ نہ ہی تم ان کے (قومیتوں کے تنگ دائرے میں گھرے ہوئے) قبلہ کو اپنا نصب العین بنا سکتے ہو۔ (۱۴۵ : ۲)۔ (۴)۔ یہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلہ کو اختیار نہیں کرتے۔ (۱۴۵ : ۲)

۵۔ حضرت موسیٰ کو حکم کہ جب تک تمہاری اپنی مملکت قائم نہیں ہوتی، مصر میں، اپنے لوگوں کے گھروں ہی کو قبلہ بنا لو اور ان کی تربیت شروع کر دو۔ (۸۷ : ۱۰)

مکّہ

۱۔ مکہ کو بکّہ بھی کہا گیا ہے۔ (۳ : ۹۶) - اور مکہ بھی۔ (۴۸ : ۲۴)

۲۔ دعائے ابراہیمی کہ اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے۔ (۲ : ۱۲۶) - (۱۴ : ۳۵)

۳۔ حضورؐ اس شہر میں تھے (۹۰ : ۱-۲) - (۴) - بلدِ امین۔ (۹۵ : ۳) - واجب الاحترام۔ (۲۷ : ۹۱)

۵۔ حضورؐ کو حکم کہ اس واجب الاحترام شہر کے رب کی عبودیت اختیار کرو۔ (۲۷ : ۹۱)

مدینہ

۱۔ مدینہ کا ذکر قرآن میں۔ (۹ : ۱۰۱) - (۹ : ۱۲۰) - (۳۳ : ۶۰) - (۶۳ : ۸) - اسے پہلے یثرب کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ (۳۳ : ۱۳)

۲۔ رسول اللہؐ کی مکہ (مسجدِ الحرام) سے مدینہ کی طرف ہجرت - اسے مکہ سے دور فاصلہ پہ واقع مسجد (مسجدِ اقصیٰ) کہا گیا ہے۔ وہاں پہلے سے مسلمان موجود تھے اور وہی ان کی سجدہ گاہ (مسجد) تھی۔ (۱۷ : ۱)۔ نیز دیکھئے عنوان "ہجرت"

۳۔ قتل

مادہ کے اعتبار سے اس لفظ کے بنیادی معنی کسی کو ذلیل و حقیر کرنے اور مار ڈالنے کے ہیں۔ نیز کسی کو جھکا دینے کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے اور تباہ و برباد کر دینے کے لئے بھی۔ تحقیر و تذلیل کے اعتبار سے "قتل" کے معنی کسی کو ایسا کر دینا بھی ہیں کہ اس کی بات پر کوئی دھیان نہ دے۔ اس کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ وہ بالکل عضوِ معطل ہو کر رہ جائے۔ نیز اس کے معنی کسی بات کا پورا پورا علم حاصل کر لینا بھی ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر عنوان میں بنیادی طور پر قتل بمعنی مار ڈالنے کے متعلق گفتگو کی جائے گی اور ضمناً ذلیل و حقیر کر دینے کے متعلق۔

۲۔ قرآن کریم کی رو سے، اسلامی نظام کا فریضہ ہے کہ وہ مجرم کا پیچھا کر کے اسے اس جرم کی قرار واقعی سزا دے۔ اسے قصاص کہا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قصاص میں قوم کی اجتماعی زندگی کا راز پوشیدہ ہے (۲ : ۱۷۸-۹)

جرمِ قتل کے سلسلہ میں قصاص کا خاص طور پہ ذکر آیا ہے۔ (۲ : ۱۷۸)۔

۳۔ قتال کے معنی ایک دوسرے کو قتل کرنا ہیں۔ یہ لفظ جنگ کے معنوں میں آتا ہے۔ اس کے لئے عنوان "جنگ" (اور جہاد) دیکھئے۔ اس عنوان میں قتال کی آیات درج نہیں ہوں گی۔

جرمِ قتل

۱۔ انسانی جان کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اگر کسی نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ اور اگر کسی ایک کی جان بھی بچالی تو اس نے گویا پوری انسانیت کو زندگی عطا کر دی۔ (۵ : ۳۲)

۲۔ انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے اس لئے اسے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔ (۶ : ۱۵۲)۔ (۱۷ : ۳۳)۔ (۲۵ : ۶۸)۔ حق کے معنی قانونِ خداوندی کے مطابق جیسے جرمِ قتل کی سزا کے طور پہ یا بغاوت کے جرم کی۔ (۵ : ۳۳) اسے فساد فی الارض بھی کہا گیا ہے۔ یعنی ملک میں لاقانونیت پھیلانا۔ (۵ : ۳۲)

۳۔ جرمِ قتل کا مؤاخذہ کر کے مجرم کو سزا دینا اسلامی نظام کا فریضہ ہے۔ (۲ : ۱۸۲)۔ حکومت مقتول کے ورثاء کی پشت پناہ بنے گی اور ان کی طرف سے مجرم سے بدلہ لے گی۔ (۱۷ : ۳۳)

۴۔ قتلِ عمد (بالارادہ) اور قتلِ خطا (سہواً) کی سزا میں فرق ہے۔ قتلِ خطا کے لئے :۔

۱۔ ایک غلام کو آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا ہو گا۔

۲۔ اگر مقتول دشمن کی قوم میں رہتا ہو لیکن ہو مومن۔ تو صرف غلام آزاد کرنا ہو گا۔

۳۔ لیکن اگر ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو پھر غلام آزاد کرنا اور خون بہا دینا ہو گا۔

۴۔ اگر غلام نہ مل سکے یا اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے (ان تمام شقوں کے لئے دیکھئے)۔ (۴ : ۹۲)۔ (غلاموں کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان "ملکِ یمین")

۵۔ آیت (۲ : ۱۷۸) میں جس خون بہا کا ذکر ہے وہ قتلِ خطا ہی میں ہو سکتا ہے۔

۶۔ مقتول کے وارث، خون بہا معاف بھی کر سکتے ہیں۔ (۴ : ۹۲)

۵۔ قتلِ عمد کی سزا موت ہے۔ اور یہ سزا قانون کے مطابق مجرم ہی کو ملے گی۔ اس کے بدلے میں کسی دوسرے کو نہیں۔ (۲ : ۱۷۸)۔ یہ یہاں کی سزا ہے اور آخرت میں جہنم کی سزا بھی۔ (۴ : ۹۳)

۶۔ آپس میں قتل کی وارداتیں مت کرو۔ (۴ : ۲۹)۔ (۷)۔ ہلاکتِ نسل و حرث، فساد ہے۔ (۲ : ۲۰۵)

۸۔ بنی اسرائیل میں قانون یہ تھا کہ جان کے بدلے جان ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ۔ ناک کے بدلے ناک وغیرہ ۔ (۴۵ : ۵)

قتلِ اولاد

۱۔ قتلِ اولاد سے سختی سے منع کیا گیا ہے ۔ اس میں عہدِ جاہلیت کا وحشی پن بھی آجاتا ہے ۔ جس کی رو سے وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ۔ (۹ : ۸۱) اور (اسے موءدہ کہتے تھے ۔ ۸ : ۸۱) ۔ اولاد کو صحیح تعلیم و تربیت سے محروم رکھ کر انہیں ذلیل و خوار بنا دینا بھی ۔ (۱۳۷ : ۶) ۔ (۱۴۰ : ۶) ۔ (۱۵۲ : ۶) ۔ (۳۱ : ۱۷) ۔ (۱۲ : ۶۰)

قتلِ انبیاءؑ

۱۔ بنی اسرائیل کی طرف سے قتلِ رُسل ۔ (۸۷ : ۲) ۔ (۱۸۲ : ۳) ۔ (۷۰ : ۵) ۔ قتلِ انبیاء ۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۹۱ : ۲) (۲۱ : ۳) ۔ (۱۱۲ : ۳) ۔ (۱۵۵ : ۴) ۔ (۲) "قتل" حضرت عیسٰیؑ ۔ (۱۵۷ : ۴)

۳۔ رسول اللہؐ کو قتل کر دینے کے ارادے ۔ (۳۰ : ۸) ۔ اگر تم وفات پا جاؤ یا قتل کر دیئے جاؤ تو...... (۱۴۴ : ۳)

۴۔ حضرت موسٰیؑ کو قتل کر دینے کی سازش ۔ (۱۴ : ۲۶) ۔ (۲۰ : ۲۸) ۔ (۳۳ : ۲۸)

۵۔ ان لوگوں کو قتل کر دینے کی سازشیں جو حق کی دعوت دیں ۔ (۲۱ : ۲)

۶۔ حضرت ہارونؑ کو اندیشہ تھا کہ قوم کہیں انہیں قتل نہ کر دے ۔ (۱۵۰ : ۷)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ کو قتل کر دینے کے ارادے ۔ (۲۹ : ۲۹)

متفرقات

۱۔ قصۂ حضرت موسٰیؑ اور مردِ بزرگ میں ، ایک لڑکے کا قتل ۔ (۸۰ ؛ ۷۴ : ۱۸)

۲۔ حضرت موسٰیؑ نے ایک قبطی کو قتل کر دیا ۔ (۴۰ : ۲۰) ۔ (۱۹ : ۲۸) ۔ (۳۳ : ۲۸)

۳۔ داستانِ بنی اسرائیل میں ایک قتل کا واقعہ جس کے مجرم کا نشان نہیں ملتا تھا ۔ (۷۲ : ۲)

۴۔ "آدم" کے دو بیٹوں میں واردات قتل ۔ (۲۷ - ۳۰ : ۵)

۵۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ "اپنے آپ کو قتل کرو" (اس کے معنی ذلیل اور عاجز کر دینے کے ہیں) ۔ (۵۴ : ۲)

۶۔ فرعون کا حکم کہ جو لوگ حضرت موسٰیؑ پر ایمان لائیں ، ان کے لڑکوں (ابناءِ قوم) کو قتل کر دیا جائے ۔ (۲۵ : ۴۰)

۷۔ قتل بمعنی تباہی و بربادی۔ (۹ : ۳۰)۔ (۵۱ : ۱۰)۔ (۴ : ۱۴-۲۰)۔ (۸۰ : ۱۷)

۸۔ بنی اسرائیل کے ابنا کا قتل اور نسا کا زندہ رکھنا۔ (۷ : ۱۴۱)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان۔ بنی اسرائیل)

۹۔ فتنہ (لاقانونیت اور استبداد) قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ (۲ : ۱۹۱)۔ (۲ : ۲۱۷)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "فتنہ"۔)

۴۔ قرآن

قرأت

قرآن۔ (مادہ ق۔ ر۔ أ)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی "جمع کرنا" ہیں۔ لیکن جمع کرنا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جو چیزیں الگ الگ پڑی ہوں انہیں یکجا اکٹھا کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح جمع کرنے میں وہ اشیاء علی حالہٖ رہتی ہیں۔ لیکن دوسری قسم کا جمع کرنا وہ ہے جیسے مادہ کے رحم میں نر کا مادۂ منویہ داخل ہو۔ وہاں وہ مادہ کے مادۂ تخلیق کے ساتھ ملے۔ یہ مرکب وہاں حفاظت سے پڑا رہے اور پھر اس میں جنین نشو و نما پاتا ہوا بچہ بن جائے۔ عربوں کے ہاں اسی طرح "جمع کرنے" کو (ق۔ ر۔ أ) کے مادہ سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کے ہاں اقْرَأَتِ النَّاقَةُ کے معنی ہوتے ہیں۔ نر کا مادۂ منویہ اونٹنی کے رحم میں قرار پا گیا اور جمع ہو گیا۔ قرأت الناقۃ۔ اونٹنی حاملہ ہو گئی۔ (یہیں سے قرءٌ حیض کے معنوں میں آتا ہے۔)

قرآن، فعلان کے وزن پر اس مادہ سے مصدر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے اندر ان ابدی اور غیر متبدل حقائق کو جمع کر رکھا ہے جن کا مفہوم علم انسانی کی وسعت اور فکر انسانی کی رفعت کے ساتھ ساتھ ابھرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح مجرد نظریات، زندہ حقیقتیں بن کر سامنے آتے جاتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ قَرَأَ عبرانی زبان کا ہے جس کے معنی اعلان کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن کے معنی، خدا کی طرف سے نوع انسان کے لئے اعلان (PLOCLAMATION) کے ہوں گے اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (۹۶ : ۱) کے معنی ہوں گے تو اپنے نشو و نما دینے والی کی صفتِ ربوبیت کا اعلانِ عام کر دے۔ لہٰذا قرآن کی قرأت، سے مفہوم، قرآن کا پڑھنا ہی نہیں، بلکہ اس کے پیغامِ انقلاب آفریں کا اعلانِ عام کرنا بھی ہوگا۔

اصطلاح میں، قرآن اس کتابِ عظیم کا نام ہے جو لفظاً خدا کی طرف سے رسول اللہؐ پر وحی کے ذریعے نازل ہوئی اور اب ہمارے پاس حرفاً حرفاً اسی شکل میں محفوظ ہے۔ یہ خدا کی آخری، مکمل اور غیر متبدل کتاب، تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت

تک کے لئے ضابطہ حیات ہے۔ یہ کتاب اپنے مطالب کے لئے بالکل واضح - بین - روشن اور مفصل ہے۔ یہ واضح عربی زبان کی کتاب ہے اور دورِ نزولِ قرآن کے فصیح عربی بولنے والوں کے محاورہ کے مطابق نازل ہوئی ہے۔ یہ اپنے مطالب سمجھانے کے لئے خارجی سہاروں کی محتاج نہیں۔ اس میں کچھ احکام ہیں اور زندگی کے باقی گوشوں کے لئے ابدی اصول دیئے گئے ہیں تاکہ ہر زمانے کی قرآنی امت، اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق، ان اصولوں کی روشنی میں اور ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے، اپنے لئے جزئی قوانین خود وضع کرے۔ قرآنی اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کی روشنی میں انسانوں کے مرتب کردہ قوانین میں عند الضرورت تبدیلی ہوتی رہے گی۔ قرآن ہمیشہ کے لئے علیٰ حالہٖ رہے گا۔ اس کی کوئی آیت نہ منسوخ ہے نہ منسوخ ہو سکتی ہے کیونکہ نزول و حفاظتِ قرآن کے بعد، نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔ اب جو شخص براہ راست خدا سے علم پانے کا مدعی ہے وہ خدا پر افترا باندھتا ہے۔ خدا نے انسانوں کو جو علم براہِ راست دینا تھا۔ وہ قرآن کے اندر آخری مرتبہ، مکمل شکل میں دے دیا گیا۔ جو مملکت قرآن کو اپنا ضابطۂ زندگی (دستورِ مملکت) قرار دے گی اسے اسلامی مملکت کہا جائے گا۔ اور جو نظام، قرآن کی روشنی میں قائم ہوگا اسے اسلامی نظام۔ اس نظام کی مثل و نظیر کوئی اور نظام نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس میں کسی اور نظام کا پیوند لگ سکتا ہے۔ ایسا کرنا شرک ہوگا۔

اسے پھر سن رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ مستقل، محکم، غیر متبدل ہے۔ اس میں کسی قسم کا حک و اضافہ اور تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا، مسلمانوں کا ضابطۂ زندگی کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

القرآن

۱۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو۔ (۲۰۴ : ۷)

۲۔ جب ان کے سامنے قرآن پیش کیا جائے تو یہ اس کے سامنے جھکتے نہیں۔ (۲۱ : ۸۴)

۳۔ قرآن پڑھا جائے تو شیطان کی طرف سے حفاظت میں آجاؤ۔ (۹۸ ؛ ۱۶ : ۲)

۴۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے اور قرآن کے درمیان ایک حجابِ مستور ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۱۷)

۵۔ یہ قرآن مجید ہے لوحِ محفوظ میں۔ (۲۲-۲۱ : ۸۵)

۶۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اس قرآن کی جگہ دوسرا قرآن لاؤ۔ یا اس میں ان کے حسبِ خواہش تبدیلی کر دو۔ (۱۵ : ۱۰)

۷۔ قرآن کریم - فی کتٰب مکنون - لا یمسہ الا المطھرون - تنزیل من رب العلمین - افبھذا الحدیث انتم مدھنون - و تجعلون رزقکم انکم تکذبون - (۸۲-۷۷ : ۵۶)

۸۔ جب تو قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو خدا اس پہ شاہد ہوتا ہے۔ (۶۱ : ۱۰)

۹۔ یہ ذکر ہے یعنی قرآنِ مبین۔ شاعری نہیں۔ (۶۹ : ۳۶)۔ (۱۰)۔ تلک آیٰت الکتٰب و قراٰن مبین۔ (۱۵:۱)-(۱:۱۰)

۱۱۔ قراٰن الفجر کان مشھودًا۔ (۷۸ : ۱۷)۔ (۱۲)۔ رمضان کے مہینے میں قرآن نازل ہوا۔ (۱۸۵ : ۲)

۱۳۔ جو باتیں قرآن میں نہیں ان کی بابت کرید نہ کیا کرو۔ (۱۰۱ : ۵)

۱۴۔ مخالفین کا اعتراض کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل ہو گیا۔ (۳۲ : ۲۵)

۱۵۔ مجھ پہ یہ قرآن نازل ہوا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جن تک یہ پہنچے، انہیں خطراتِ زندگی سے آگاہ کر دوں۔
(۱۹ : ۶)۔ (۱۶)۔ قرآن، خدا کے علاوہ کسی کی طرف سے افترا کردہ نہیں۔ (۳۷ : ۱۰)

۱۷۔ مخالفین کا اعتراض کہ قرآن مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پہ نازل کیوں نہیں ہوا۔ (۳۱ : ۴۳)

۱۸۔ یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے! اگر یہ منجانب اللہ نہ ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات ہوتے۔ (۸۲ : ۴)۔ کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں!۔ (۲۴ : ۴۷)

۱۹۔ قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے۔ یا جنتر منتر بنا دینے والے۔ (۹۱ : ۱۵)

۲۰۔ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ تو مشکلات میں الجھ جائے۔ (۲ : ۲۰)

۲۱۔ حضورؐ کو قرآن، خدا کی طرف سے القاء ہوتا تھا۔ (۶ : ۲۷)۔ (۲۲)۔ وحشی قبائل (جنات) کا قرآن سننا۔ (۲۹ : ۴۶)

۲۳۔ اگر قرآن سے پہاڑ بھی ہل جاتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ (۳۱ : ۱۳)

۲۴۔ خدا نے تم پہ (اے رسولؐ) قرآن فرض کیا ہے۔ (۸۵ : ۲۸)۔

۲۵۔ رسولؐ کو حکم دیا گیا کہ وہ تلاوتِ قرآن کریں۔ (۹۲ : ۲۷)

۲۶۔ قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا گیا ہے۔ (۴۰؛ ۳۲؛ ۲۲؛ ۱۶ : ۵۴)

۲۷۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ (۲-۱ : ۵۵)۔ (۲۸)۔ ورتل القراٰن ترتیلا۔ (۴ : ۷۳)

۲۹۔ خدا نے قرآن نازل کیا بتدریج۔ (۲۳ : ۷۶)۔ (۳۰)۔ ماضی کے واقعات کا علم قرآن کے ذریعے دیا گیا۔ (۳ : ۱۲)

۳۱۔ قرآن اس راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو اقوم ہے۔ (۹ : ۱۷)

۳۲۔ رسول، خدا سے کہے گا کہ میری قوم نے قرآن کو مھجور بنا دیا تھا۔ (۳۰ : ۲۵)

۳۳۔ قرآن، بنی اسرائیل کے بہت سے اختلافات رفع کر دیتا ہے۔ (۷۶ : ۲۷)

۳۴۔ اگر قرآن پہاڑ پہ نازل ہوتا تو وہ پھٹ جاتا۔ (۲۱ : ۵۹)

۳۵۔ قرآن میں مضامین کو پھیر پھیر کر لایا گیا ہے۔ اسے تصریف آیات کہا جاتا ہے۔ (۱۷ : ۴۱) - (۱۷ : ۸۹) - (۱۸ : ۵۴) - (۲۰ : ۱۱۳) - (۳۶)۔ جن و انس مل کر بھی قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ (۱۷ : ۸۸)

۳۷۔ قرآن میں ہر قسم کی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۳۰ : ۵۸) - (۳۹ : ۲۷)

۳۸۔ مخالفین کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۳۴ : ۳۱)

۳۹۔ مخالفین کہتے ہیں کہ قرآن مت سنو۔ اس میں شور مچا دو۔ (۴۱ : ۲۶)

۴۰۔ قرآن عربی۔ (۱۲ : ۲) - (۲۰ : ۱۱۳) - (۳۹ : ۲۸) - (۴۱ : ۳) - عربی ہو یا عجمی (۴۱ : ۴۴) - (۴۲ : ۷) - (۴۳ : ۳) - (۴۶ : ۱۲) - (۷۲ : ۱)

۴۱۔ قرآن میں عجلت نہ کر۔ (۲۰ : ۱۱۴) - (۴۲)۔ قرآن سے نصیحت کر۔ (۵۰ : ۴۵)

۴۳۔ جب تو قرآن میں خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو یہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ (۱۷ : ۴۶)

۴۴۔ قرآن میں شجرۂ ملعونہ کا ذکر۔ (۱۷ : ۶۰)

۴۵۔ قرآن میں شفا و رحمت ہے مومنین کے لئے۔ اور ظالمین کے لئے خسارہ۔ (۱۷ : ۸۲)

۴۶۔ جو کچھ قرآن سے آسانی سے ہو سکے پڑھو۔ (۷۳ : ۲۰) - (۴۷)۔ ورتل القرآن ترتیلا۔ (۷۳ : ۴)

۴۸۔ مومنین مجاہدین کے لئے تورات و انجیل و قرآن میں سچا وعدہ۔ (۹ : ۱۱۱)

۴۹۔ سبعا من المثانی والقرآن العظیم۔ (۱۵ : ۸۷) - (۵۰)۔ یٰس۔ والقرآن الحکیم۔ (۳۶ : ۲)۔

۵۱۔ قرآن ذی الذکر۔ (۳۸ : ۱) - ۵۲۔ ق۔ والقرآن المجید۔ (۵۰ : ۱)۔ غیر ذی عوج۔ (۳۹ : ۲۸)

۵۳۔ نکھار کر بات کرنے والا۔ (۱۷ : ۱۰۶) - (۵۴)۔ اس کی وضاحت خدا کے ذمہ ہے۔ (۷۵ : ۱۷-۱۹) - نیز اس کا جمع کرنا۔

جہاں قرآن کو کتاب کہا گیا ہے

۱۔ اس کی آیات محکم ہیں۔ (۱۱ : ۱) - (۲)۔ مفصل ہیں۔ (۶ : ۱۱۵) - (۷ : ۵۲) - (۱۱ : ۱) - (۴۱ : ۳)

۳۔ تیری طرف کتاب نازل کی گئی ہے۔ (۷ : ۱) - (۱۴ : ۱) - (۳۸ : ۲۹) - (۴۱ : ۴۱) - (۴۶ : ۲) - من کتاب۔ (۲۹ : ۴۸) - (۴۲ : ۱۵) - تمہاری طرف۔ (۶ : ۱۵) - بالحق۔ (۴ : ۱۰۵) - (۵ : ۴۸) - (۱۶ : ۶۴) - (۱۸ : ۱) - (۳۹ : ۱-۲) - (۲۹ : ۵۱) - (۳۹ : ۴۱) - کتاب و حکمت۔ (۲ : ۱۲۹)

(۳ : ۲) ۔ (۴ : ۱۱۳) ۔ (۷ : ۱۹۶) ۔ (۱۳ : ۱) ۔ (۱۶ : ۸۹) ۔ (۳۲ : ۲) ۔ (۴۵ : ۲) ۔ (۴۶ : ۲)

۴۔ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ تجھے کشادِ قلب نصیب ہو ۔ (۷ : ۱)

۵۔ کتاب مبارک ۔ (۶ : ۱۵۶) ۔ (۳۸ : ۲۹) ۔ (۶)۔ اس کا اتباع کرو۔ (۶ : ۱۵۶)

۷۔ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لے آئے ۔ (۵ : ۱۶) ۔ (۱۴ : ۱) ۔

۸۔ تاکہ اس کی آیات میں تدبر کرو۔ (۳۸ : ۲۹) ۔ (۹)۔ تاکہ اربابِ عقل و فکر اس سے سبق حاصل کریں۔ (۳۸ : ۲۹)

۱۰۔ مصدق ۔ (۲ : ۸۹) ۔ (۲ : ۱۰۱) ۔ (۵ : ۴۸) ۔ (۳۵ : ۳۱) ۔ (۴۶ : ۱۲) ۔ مھیمن ۔ (۳ : ۳) ۔ (۵ : ۴۸)

۱۱۔ لسان عربی ۔ (۴۶ : ۱۲) ۔ (۱۲) تنذیر ۔ (۴۶ : ۱۲) ۔ تبشیر ۔ (۱۸ : ۲)

۱۳۔ اس کتاب سے انکار ۔ اہلِ کتاب کی طرف سے ۔ (۲ : ۸۹) ۔ (۲ : ۱۰۱) ۔ (۳ : ۲۲) ۔ تکذیب ۔ (۴۰ : ۷۰)

۱۴۔ کتاب بمعنی قانون۔ (۴ : ۲۴) ۔ (۸ : ۷۵) ۔ (۹ : ۳۶) ۔ (۱۷ : ۵۸) ۔ (۳۰ : ۵۶) ۔ (۳۳ : ۶) ۔
(۹۸ : ۳) ۔ ام الکتاب ۔ (۱۳ : ۳۹)

۱۵۔ تلاوتِ کتاب ۔ (۲ : ۱۲۱) ۔ (۱۸ : ۲۷) ۔ (۳۵ : ۲۹) ۔ یتلیٰ علیھم ۔ (۲۹ : ۵۱) ۔
یتلیٰ علیکم (۴ : ۱۲۷) ۔ اُتلُ ۔ (۲۹ : ۴۵)

۱۶۔ خدا کی طرف سے وحی شدہ کتاب (من الکتاب) ۔ (۳۵ : ۳۱)

۱۷۔ وراثتِ کتاب کے لئے ایک قوم (مومنین) کو چن لیا ۔ (۳۵ : ۳۲) ۔ بہ شک میں ہیں ۔ (۴۲ : ۱۴)

۱۸۔ تلک آیات الکتاب ۔ (۱۲ : ۱) ۔ (۱۳ : ۱) ۔ (۱۵ : ۱)

۱۹۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم ۔ (۳ : ۲۲) ۔ (۴ : ۱۰۵) ۔ (۵ : ۴۸) ۔ اختلافات مٹانے والی ۔ (۲ : ۱۷۶) ۔ (۱۶ : ۶۴)

۲۰۔ ھدیً و رحمۃ ۔ (۷ : ۵۲) ۔ بشریٰ ۔ (۱۶ : ۶۴) ۔ (۱۶ : ۸۹) ۔ (۲۷ : ۲) ۔ (۲۹ : ۵۱) ۔
(۳۱ : ۳) ۔ ذکریٰ ۔ (۲۹ : ۵۱)

۲۱۔ ایسی کتاب لاؤ جو تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو ۔ (۲۸ : ۴۹)

۲۲۔ کتاب مکنون (میں قرآن ہے) ۔ (۵۶ : ۷۷-۷۸) ۔ (۲۳) ۔ کتاب عزیز ۔ (۴۱ : ۴۱)

۲۴۔ باطل اس کے قریب نہیں آسکتا ۔ (۴۱ : ۴۲) ۔ (۲۵) ۔ غیر متبدل ۔ (۱۸ : ۲۷)

۲۶۔ رسول اللہ خود اس پر ایمان لائے تھے ۔ (۴۲ : ۱۵)

۲۷۔ تمام انبیاء کو کتاب و حکمت عطا ہوئی تھی ۔ (۲ : ۲۱۳) ۔ (۳ : ۸۰) ۔ (۶ : ۹۰) ۔ حضرت موسیٰ و ہارون

دونوں کو ۔ (١١٧ : ٣٧) ۔ تمام رسولوں کو ۔ (٢٥ : ٥٧)

٢٨۔ کتاب منیر ۔ (٨ : ٢٢) ۔ (٢٠ : ٣١) ۔ (٢٥ : ٣٥)

٢٩۔ (نورٌ) وکتاب مبین ۔ (١٥ : ٥) ۔ آیات القرآن وکتاب مبین ۔ (٢ : ١٢) ۔ (٢ : ٢٦) ۔ (١ : ٢٧) ۔
(٢ : ٢٨) ۔ (٢ : ٤٣) ۔ (٢ : ٤٤) ۔ (٣٠) ۔ کتاب مسطور ۔ (٢ : ٥٢)

٣١۔ لاریب فیہ ۔ (٢ : ٢) ۔ (٣٧ : ١٠) ۔ (٢ : ٣٢) ۔ (٣٢) تعلیم کتاب وحکمت ۔ (١٢٩ : ٢) ۔ (١٥١ : ٢)

٣٣۔ الذین اٰتینھم الکتٰب سے مراد جماعتِ مومنین ہے ۔ (١٢١ : ٢) ۔ (١١٥ : ٦) ۔ (٣٦ : ١٣) ۔ (٤٧ : ٢٩)

٣٤۔ غیر ذی عوج ۔ (١ : ١٨) ۔ (٣٥) ۔ قیّم ۔ (٢ : ١٨) ۔ (٣٦) ۔ وہی طور پر ملی ہے ۔ (١١٣ : ٤)

٣٧۔ تبیاناً لکل شیٔ ۔ (١٥٩ : ٢) ۔ (١٥ : ٥) ۔ (٨٩ : ١٦) ۔ (٣٨) ۔ آیات محکمٰت ومتشٰبہٰت ۔ ام الکتاب (٧ : ٣)

٣٩۔ قرآن ام الکتاب میں ہے جو خدا کے پاس ہے ۔ (٤ : ٤٣) ۔ ام الکتاب خدا کے پاس ہے ۔ (٣٩ : ١٣)

٤٠۔ کتاب الحکیم ۔ (١ : ١٠) ۔ (٢ : ٣١) ۔ (٤١) ۔ قرآن تفصیل الکتاب ہے ۔ (٣٧ : ١٠)

٤٢۔ تمسک بالکتاب ۔ (١٧٠ : ٧) ۔ (٤٣) ۔ کتمان کتاب ۔ واشتریٰ ۔ (١٧٤ : ٢)

٤٤۔ نزّل علیکم فی الکتاب ۔ (٢٣١ : ٢) ۔ (١٤٠ : ٤) ۔ (٤٥) ۔ ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ ۔ (٣٨ : ٦)

٤٦۔ الکتاب سے انبیائے سابقہ کا تذکرہ بیان کرو ۔ (٥٦ ؛ ٥٤ ؛ ٥١ ؛ ١٦ : ١٩)

٤٧۔ کسی انسان کے لئے زیبا نہیں کہ خدا اسے کتاب وحکمت ونبوت دے اور ۔۔۔ (٧٨ : ٣)

٤٨۔ جو اہل کتاب چھپاتے تھے اُسے واضح کرتی ہے ۔ (١٥ : ٥)

٤٩۔ ایمان بالکتاب ۔ (١٧٧ : ٢) ۔ ایمان والوں سے کہا گیا کہ کتاب پر ایمان لاؤ ۔ (٢٨٥ : ٢) ۔ (١٣٦ : ٤)

٥٠۔ نزولِ کتابُ لیلۃ المبارکہ میں ۔ (٣ : ٤٤)

٥١۔ اگر آسمان سے بنی بنائی کتاب اتار دیتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے ۔ (٧ : ٦)

٥٢۔ صحرائی قبائل نے کتاب سنی ۔ (٢٩-٣٠ : ٤٦) ۔ (٥٣) ۔ اس کتاب میں تمہارا ہی ذکر (شرف ومجد) ہے (١٠ : ٢١)

٥٤۔ صحف مطھرۃ فیہا کتب قیمۃ ۔ (٢-٤ : ٩٨) ۔ (٥٥) ۔ عربوں کو اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں ملی تھی ۔ (٤٤ : ٣٤)

٥٦۔ یہ رسول اللہؐ کے زمانے ہی میں لکھی گئی تھی اور کتابی شکل میں موجود تھی ۔

١۔ نہایت معزز ومکرم کاتبوں نے اسے لکھا تھا ۔ (١٣-١٦ : ٨٠)

٢۔ تحریر شدہ کتاب ۔ باریک جھلی پر لکھی ہوئی ۔ (٢-٣ : ٥٢) ۔ (٣) ۔ ایک محفوظ کتاب کے اندر قرآن ۔ (٧٧-٧٨ : ٥٦)

۴۔ صاحبانِ علم، حفاظ کے سینے میں محفوظ۔ (۴۹ : ۲۹)
۵ فاتحۃ الکتاب کے بعد پہلی سورہ کے آغاز ہی میں اسے الکتاب کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۲ : ۲)

الکتاب یہی ہے

۱۔ ذالک الکتاب۔ (۲ : ۲) ۔ (۲) تلاوت الکتاب۔ (۱۲۱ : ۲) ۔ (۲۷ : ۱۸) ۔ (۹۲ : ۲۷) ۔ (۴۵ : ۲۹) ۔ (۳۵-۳۴ : ۳۳) ۔ (۲۹ : ۳۵) ۔ (۳ : ۳۷) ۔ (۶ : ۴۵) ۔ (۱۰ : ۶۵)

۳۔ نزولِ کتاب۔ (۱۷۶ : ۲) ۔ (۱۰۵ : ۴) ۔ (۴۸ : ۵) ۔ (۱ : ۱۸) ۔ (۴۷ : ۲۹) ۔ (۲ : ۳۲) ۔ (۱ : ۳۹) (۲ : ۳۹) ۔ (۲ : ۴۰) ۔ (۲ : ۴۱) ۔ (۴۱ : ۴۲) ۔ (۲ : ۴۵) ۔ (۲ : ۴۶) ۔ (۴۳ ، ۶۹ : ۲۳۱) ۔ (۷ : ۶)

۴۔ اختلاف فی الکتاب۔ (۱۷۶ : ۲) ۔ بغیاً بینہم سے ہوتا ہے۔ (۲۱۳ : ۲) ۔ قرآن میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ (۸۲ : ۴) ۔ یہ اختلافی باتوں کو واضح کرتا ہے۔ (۶۴ : ۱۶)

۵۔ احکامِ خداوندی اسی کتاب میں ہیں۔ (۱۲۷ : ۴)

۶۔ کتابِ مبین۔ (۱۵ : ۵) ۔ (۱ : ۱۲) ۔ (۲ : ۲۶) ۔ (۱ : ۲۷) ۔ (۲ : ۲۸) ۔ (۲ : ۴۳) ۔ (۲ : ۴۴)

۷۔ کتاب الحکیم۔ (۱ : ۱۰) ۔ (۲ : ۳۱) ۔ (۸) ۔ آیات الکتاب۔ (۱ : ۱۳) ۔ (۱ : ۱۵) ۔ (۲ : ۲۸) ۔ (۲ : ۳۱)

۹۔ کتاب عزیز۔ (۴۱ : ۴۱) ۔ (۱۰) ۔ کتاب مسطور فی رق منشور۔ (۲-۳ : ۵۲)

۱۱۔ تمام انبیاء کو کتاب دی تھی۔ (۲۱۳ : ۲) ۔ اور تمام رسولوں کو۔ (۲۵ : ۵۷)

۱۲۔ حضورؐ تعلیم کتاب وحکمت دیتے تھے۔ (۲ : ۶۲) ۔ (۱۳) ۔ خدا نے کتاب وحکمت نازل کی۔ (۱۱۳ : ۴)

۱۴۔ تمسک بالکتاب سے مصلحین بنتے تھے۔ (۱۷۰ : ۷)

الذکر

۱۔ ذکر یعنی شرف ومجد۔ (۱۰ : ۲۱) ۔ (۲۴ : ۲۱) ۔ (۴۴ : ۴۳) ۔ (۲) ۔ ہذا ذکرٌ۔ (۴۹ : ۳۸) ۔ ذکرٌ مبارک۔ (۵۰ : ۲۱) ۔ (۳) ۔ ذکر اللہ (شیطان نے ذکر اللہ فراموش کرا دیا) ۔ (۱۹ : ۵۸)

۴۔ ذکر للعالمین۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۱۰۴ : ۱۲) ۔ (۸۷ : ۳۸) ۔ (۲۷ : ۸۱) ۔ (۵) ۔ ذکر وقرآن مبین۔ (۶۹ : ۳۶)

٦۔ نزولِ ذکر۔ (٦ : ١٥) - حفاظتِ ذکر۔ (٩ : ١٥) - (٤٤ : ١٦) - (٩٩ : ٢٠) - (١٠ : ٦٥)

٧۔ سابقہ انبیاء کے سلسلہ میں بھی وحی کو الذکر کہا گیا ہے - (٢٥ : ٥٤)

٨۔ اتباعِ ذکر - (١١ : ٣٦) - (٩) - ص - والقرآن ذی الذکر - (١ : ٣٨)

١٠۔ الذکر اور الکتاب ایک ہی ہے - (٤١ : ٤١) - (١١) - آیات اور ذکر الحکیم ایک ہی ہیں - (٥٧ : ٣)

١٢۔ ذکریٰ للمؤمنین (٢ : ٧) - (١٢٠ : ١١) - (٥١ : ٢٩) - ذکریٰ للبشر - (٣١ : ٧٤) - ذکریٰ لاولی الالباب (٤٣ : ٣٨) (٥٤ : ٤٠) - ذکریٰ لکل عبد منیب - (٨ : ٥٠)

نور

١۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض - (٣٥ : ٢٤) - (٢) - نور وکتاب مبین - (١٥ : ٥)

٣۔ اس نور کا اتباع کرو جو رسول کے ساتھ نازل ہوا ہے - (١٥٧ : ٧) - (٨ : ٦٤)

٤ وانزلنا الیکم نوراً مبینا - (١٧٥ : ٤) - (٥) - ایسا نور جسے لے کر تم دنیا میں چلو پھرو - (١٢٣ : ٦) - (٢٨ : ٥٧)

٦۔ یہ نور ہے - (٥٢ : ٤٢)

قرآن کریم کی خصوصیات

١۔ اس میں شک وشبہ اور اضطراب کی کوئی بات نہیں - (٢ : ٢) - (٣٧ : ١٠) - (٢ : ٣٢)

٢۔ اس جیسی کتاب بنا دینا ناممکن ہے - چیلنج - (٢٣ : ٢) - (٣١ : ٨) - افترا نہیں کیا جا سکتا - (٣٧ : ١٠) (٣٨ : ١٠) - (١٣ : ١١) - (١١١ : ١٢) - (١٠١ : ١٦) - (١٠٣ : ١٦) - (٨٨ : ١٧) - (٤٩ : ٢٨) - (٣٣ : ٥٢)

٣۔ یضل بہ کثیراً ویہدی بہ کثیراً - اور اسی مفہوم کی دیگر آیات - (٢٦ : ٢) - (٦٤ : ٥) - (٦٨ : ٥) - (٤١ : ١٧) (٨٢ : ١٧) - (٨٩ : ١٧) - (٥٠ : ٢٥)

٤۔ مصدق ہے کتبِ سابقہ کا - (یعنی ان میں خدا کی طرف سے جو وعدے کئے گئے تھے انہیں سچ کر دکھانے والا) - (٤١ : ٢) (٩١ : ٢) - (١٠١ : ٢) - (٣ : ٣) - (٤٧ : ٤) - (٩٢ : ٦) - (٣٧ : ١٠) - (١١١ : ١٢) - (٣١ : ٢٥) (٣٠ : ٤٦) - مہیمن (٤٨ : ٥)

٥۔ کلام اللہ - (٦ : ٢) - (١١٦ : ٦) - (١٥٨ : ٧) - (٦ : ٩)

۶۔ وحی طور پہ عطا ہوا تھا۔ (۲ : ۹۱) - (۲ : ۱۰۵) - (۴ : ۱۱۳) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۰ : ۵۸) - (۱۷ : ۸۶)
(۲۷ : ۶) - (۲۸ : ۸۶) - (۲۹ : ۴۸) - (۴۲ : ۵۲) - (۴۴ : ۶) - (۵۵ : ۱-۲)

۷۔ نزولِ قرآن کا طریق۔ (۲ : ۹۷) - (۲ : ۲۵۲) - (۳ : ۵۷) - (۳ : ۱۰۷) - (۱۶ : ۱۰۲) - (۲۶ : ۱۹۲)
(۲۷ : ۶) - (۴۵ : ۶) - (۵۵ : ۱-۲) - (۸۱ : ۱۹) - (۸۷ : ۶-۷) - (۹۷ : ۱-۵)

۸۔ آیاتِ بیّنات۔ (۲ : ۹۹) - (۲ : ۱۱۸) - (۲ : ۱۵۹) - (۲ : ۱۸۵) - (۲ : ۲۱۳) - (۶ : ۱۰۶) -
(۶ : ۱۵۸) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۱ : ۱) - محکم آیات۔ (۱۱ : ۱۷) - (۱۶ : ۴۴) - (۱۶ : ۶۴) - (۱۶ : ۸۹)
(۱۹ : ۷۳) - (۲۲ : ۱۶) - (۲۴ : ۱) - (۲۴ : ۳۴) - (۲۷ : ۷۹) - (۳۴ : ۴۳) - (۳۶ : ۶۹)
(۴۵ : ۶) - (۴۶ : ۷) - (۵۷ : ۹) - (۶۵ : ۱۱) - (۹۸ : ۱) - اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔
تدبر شرط ہے - (۴ : ۸۲) - (۹)۔ خیر ہے - (۲ : ۱۰۵) - (۱۶ : ۳۰)

۱۰۔ ہدایتِ خداوندی اسی میں ہے۔ (۲ : ۱۲۰) - (۲ : ۱۵۹) - (۲ : ۱۸۵) - (۶ : ۱۵۸) - (۷ : ۵۲) -
(۷ : ۲۰۳) - (۱۰ : ۵۷) - (۱۲ : ۱۱۱) - (۱۶ : ۶۴) - (۱۶ : ۸۹) - (۲۸ : ۴۹) - (۳۴ : ۶) -
(۴۱ : ۴۴) - (۱۱)۔ یہ العلم ہے۔ (۲ : ۱۲۰) - (۲ : ۱۴۵) - (۴ : ۱۶۶) - (۱۳ : ۳۷)

۱۲۔ الحق ہے۔ (۲ : ۱۴۷) - (۲ : ۲۵۲) - (۳ : ۳) - (۳ : ۵۹) - (۶ : ۵) - (۶ : ۶۶) -
(۶ : ۱۱۵) - (۸ : ۳۲) - (۱۰ : ۹۴) - (۱۰ : ۱۰۸) - (۱۱ : ۱۲۰) - (۱۳ : ۱) - (۱۳ : ۱۹)
(۱۷ : ۱۰۴) - (۱۸ : ۲۹) - (۲۷ : ۷۹) - (۲۸ : ۳) - (۲۸ : ۵۳) ——————
—————— (۳۲ : ۳) - (۳۴ : ۶) - (۳۴ : ۴۳) - (۳۴ : ۴۹) - (۳۵ : ۳۱) - (۳۹ : ۲)
(۳۹ : ۴۱) - (۴۳ : ۳۰) - (۴۵ : ۶) - (۴۷ : ۲) - (۵۷ : ۱۶) - (۶۰ : ۱)

۱۳۔ الفرقان۔ (۲ : ۱۸۵) - (۳ : ۳) - (۱۷ : ۱۰۶) - (۲۵ : ۱)

۱۴۔ اختلافات مٹاتا ہے۔ (۲ : ۲۱۳) - (۲۷ : ۷۶)

۱۵۔ ذکر الحکیم۔ (۳ : ۵۷) - (۷ : ۲) - (۱۱ : ۱۲۰) - (۱۶ : ۴۴) - (۱۷ : ۳۹) - (۲۰ : ۲) -
(۲۰ : ۹۹-۱۰۰) - (۲۱ : ۲۴) - (۲۱ : ۵۰) - (۲۳ : ۷۱) - (۲۵ : ۲۹) - (۳۱ : ۲) -
(۳۶ : ۲) - (۳۶ : ۱۱) - (۳۶ : ۶۹) - (۳۸ : ۱) - (۳۸ : ۸۷) - (۴۳ : ۵) - (۶۵ : ۱۰)
(۶۹ : ۴۸) - (۷۳ : ۱۹) - (۷۴ : ۵۴) - (۷۶ : ۲۹) - (۸۰ : ۱۱)

۱۷۔ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ۔ (۴ : ۸۲) ۔ (۱۷) ۔ برھان ۔ (۴ : ۱۷۵)

۱۸۔ نور ۔ (۴ : ۱۷۵) ۔ (۵ : ۱۵) ۔ (۶ : ۱۲۳) ۔ (۷ : ۱۵۷) ۔ (۶۴ : ۸) ۔ اسس کی مثال
(۴ : ۱۷۵) ۔ (۲۴ : ۳۵) ۔ (۴۲ : ۵۲)

۱۹۔ مبارک ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۶ : ۱۵۶) ۔ (۲۱ : ۵۰) ۔ (۳۸ : ۲۹)

۲۰۔ بصائر ۔ (۶ : ۱۰۵) ۔ (۷ : ۲۰۳) ۔ (۴۵ : ۲۰)

۲۱۔ مفصل (یعنی جس کے مفہوم کو نکھار کر بیان کیا گیا ہے) ۔ (۶ : ۱۱۵) ۔ (۷ : ۵۲) ۔ (۱۰ : ۳۷) ۔ (۱۱ : ۱)
(۱۲ : ۱۱۱) ۔ (۱۳ : ۲۷) ۔ (۱۷ : ۱۰۶) ۔ (۴۱ : ۳) ۔ (۴۱ : ۴۴)

۲۲۔ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ (۶ : ۱۱۶) ۔ رسول اللہ بھی بدل نہیں سکتے تھے ۔ (۱۰ : ۱۵) ۔ (۱۸ : ۲۷)

۲۳۔ رحمت ۔ (۶ : ۱۵۸) ۔ (۷ : ۵۲) ۔ (۷ : ۲۰۳) ۔ (۱۰ : ۵۷) ۔ (۱۲ : ۱۱۱) ۔ (۱۶ : ۶۴)
(۱۷ : ۸۲) ۔ شفاء لما فی الصدود (۱۰ : ۵۷) ۔ (۱۷ : ۸۲) ۔ (۴۱ : ۴۴) ۔ (۲۴) ۔ موعظۃ ۔ (۱۰ : ۵۷) ۔ (۱۱ : ۱۲۰)

۲۵۔ قرآناً عربیاً ۔ (۱۲ : ۲) ۔ (۲۰ : ۱۱۳) ۔ (۲۶ : ۱۹۵) ۔ (۳۹ : ۲۸) ۔ (۴۱ : ۲) ۔ (۴۳ : ۳) ۔
حکماً عربیاً ۔ (۱۳ : ۳۷) ۔ آسان ۔ (۱۹ : ۹۷) ۔ (۴۴ : ۵۸) ۔ عجمی نہیں ۔ (۲۶ : ۱۹۸) ۔ (۴۱ : ۴۴)

۲۶۔ یہ معجزات دکھانے کے لئے نہیں ۔ (۱۳ : ۳۱) ۔ (۲۷) ۔ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ۔ (۱۵ : ۹)

۲۸۔ قرآن العظیم ۔ (۱۵ : ۸۷) ۔ و سبع مثانی ۔ (۱۵ : ۸۷) متشابھا مثانی ۔ (۳۹ : ۲۳)

۲۹۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ (۱۶ : ۸۹) ۔ (۳۰) يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ۔ (۱۷ : ۹)

۳۱۔ تصریفِ آیات ۔ (۶ : ۱۰۶) ۔ (۱۷ : ۴۱) ۔ (۱۷ : ۸۹) ۔ (۱۸ : ۵۴) ۔ (۲۰ : ۱۱۳) ۔ (۲۵ : ۵۰)

۳۲۔ توحید کی تعلیم دیتا ہے ۔ (۱۷ : ۴۶)

۳۳۔ بتدریج نازل کیا گیا ہے تاکہ سمجھایا جا سکے ۔ (۱۷ : ۱۰۶) ۔ (۲۵ : ۳۲)

۳۴۔ اس میں کوئی کجی نہیں ۔ (۱۸ : ۱) ۔ قیم ہے ۔ (۱۸ : ۱) ۔ (۳۹ : ۲۸)

۳۵۔ اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ تو مشکلات میں پڑ جائے ۔ (۲۰ : ۲)

۳۶۔ اس میں خود تمہارے ہی ذکر ۔ (شرف و مجد) کی باتیں ہیں ۔ (۲۱ : ۱۰) ۔ (۲۱ : ۲۴) ۔ (۲۳ : ۷۱) ۔
(۳۸ : ۱) ۔ (۴۳ : ۴۴) ۔ (۳۷) ۔ ان سے پوچھو کہ کیا قرآن کافی نہیں ؟ (۲۹ : ۵۱)

۳۸۔ ہر قسم کی بات اس میں آ گئی ہے ۔ (۳۰ : ۵۸) ۔ (۳۹ : ۲۷)

۳۹۔ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ۔ (۳۶ : ۵) ۔ (۴۰)۔ یہ شاعری نہیں ۔ (۳۶ : ۶۹)

۴۱۔ کچھ وقت کے بعد جاکر اس کے حقائق واضح ہوں گے۔ (۳۸ : ۸۸)۔ انفس و آفاق کی آیات کے بعد۔ (۴۱ : ۵۳)

۴۲۔ احسن الحدیث۔ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۔ (۳۹ : ۲۳)۔ (۴۳)۔ باطل اس کے قریب نہیں آسکتا۔ (۴۱ : ۴۲)

۴۴۔ روح مِّنْ امر اللہ (۴۲ : ۵۲) ۔ (۴۵)۔ اِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا۔ (۴۳ : ۴)

۴۶۔ شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ (۴۵ : ۱۸) ۔ (۴۷)۔ قُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ (۵۰ : ۱) ۔ (۸۵ : ۲۱-۲۲)

۴۸۔ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۔ (۵۳ : ۳) ۔ (۴۹)۔ نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان ہے۔ (۵۴ : ۱۷؛۲۲؛۳۲)

۵۰۔ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ (۵۵ : ۱-۲)

۵۱۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ۔ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَّا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ (۵۶ : ۷۷-۸۰)

۵۲۔ اگر اسے پہاڑ پہ نازل کرتے تو وہ پھٹ جاتا۔ (۵۹ : ۲۱) ۔ (۵۳)۔ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ۔ (۶۹ : ۴۰)

۵۴۔ شاعر یا کاہن کا کلام نہیں ۔ (۶۹ : ۴۱-۴۲) ۔ (۵۵)۔ رسول افترا کرتا تو خدا ہلاک کر دیتا۔ (۶۹ : ۴۴-۴۶)

۵۶ خدا کے ذمے ہے اس کا جمع کرنا اور ظاہر کرنا۔ (۷۵ : ۱۶-۱۹)

۵۷۔ اس کے بعد لوگ کس بات پہ ایمان لائیں گے؟ (۷۷ : ۵۰)

۵۸۔ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۔ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ ۔ (۸۰ : ۱۳-۱۶)

۵۹۔ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ (۸۵ : ۲۲) ۔ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۔ (۵۲ : ۳)

۶۰۔ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۔ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۔ (۸۶ : ۱۳-۱۴)۔ (۶۱)۔ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ۔
(۹۸ : ۲-۳) ۔ (۶۲)۔ حرام و حلال سب کے اندر واضح کر دیا گیا ہے۔ (۶ : ۱۴۶)

۶۳۔ قرآن اور تاریخ دونوں نازل کئے۔ (۲۴ : ۳۴)۔ (۶۴)۔ نور قرآن کی مثال۔ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ.... (۲۴ : ۳۵)

۶۵۔ اس خدا کی طرف سے ہے جو اسرار سمٰوٰت وَالْاَرْضِ جانتا ہے ۔ (۲۵ : ۶)

۶۶۔ قرآن اہل علم کے سینے میں ہے ۔ (۲۹ : ۴۹)

۶۷۔ رسولؐ کا ارشاد کہ اگر میں ہدایت پہ ہوں تو قرآن کی وجہ سے۔ اگر غلطی کرتا ہوں۔ تو اس کی ذمہ داری مجھ پہ ہے۔ (۳۴ : ۵۰)

۶۸۔ قرآن ہی وحی کیا گیا ہے اور کچھ نہیں۔ (۶ : ۱۹)۔ (۱۸ : ۲۷)۔ اس سے تبشیر و تنذیر ہوتی ہے۔ (۱۹ : ۹۷)
صرف اس کا اتباع کرو۔ (۶ : ۹۴) ۔ (۲ : ۳۲)

۶۹۔ جو قرآن میں نہیں اسے شریعت بنا دینے والے خدا کے شریک ہیں۔ (۴۲ : ۲۱)

۷۰۔ ہر سوال کی تفسیر قرآن میں ہے۔ (۳۳ : ۲۵)

۷۱۔ وحی کی تعلیم شروع سے آخر تک مربوط و مسلسل چلی آئی ہے۔ یہی ربط قرآن میں ہے۔ (۵۱ : ۲۸)

۷۲۔ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے دلائل۔ (۴۹-۴۸ : ۲۹)

بعض اہم خصوصیات کا اعادہ

۱۔ قرآن ملنے پر جشن مناؤ۔ (۵۸ : ۱۰)۔ (۳۶ : ۱۳)۔ (۲)۔ اس میں ہر بات کی وضاحت کردی گئی ہے۔ (۸۹ : ۱۶)
یہ وضاحت خود خدا کے ذمے تھی۔ (۱۹ : ۷۵) — اس نے انسانوں کے لیے وضاحت کردی۔ (۱۵۹ : ۲)
رسول اللہؐ اختلافی امور کی وضاحت قرآن ہی سے کرتے تھے۔ (۶۴ : ۱۶) — قرآن ہی سے نصیحت کرتے تھے (۱۹ : ۶)۔
(۴۵ : ۵۰)۔ اس میں کوئی بات چھوڑی نہیں (۳۸ : ۶)۔ یہ کافی ہے (۵۱ : ۲۹)۔ وحی صرف قرآن کے اندر ہے۔ (۱۹ : ۶)

۴۔ ہر اختلافی معاملہ میں حکم قرآن ہے۔ (۲۲ : ۳) — (۱۱۵ : ۶) — (۶۴ : ۱۶) — (۱۰ : ۴۲)

۵۔ رسول اللہؐ اس کا اتباع کرتے تھے۔ (۱۰۷ : ۶) — (۳ : ۷) — (۱۰۹ : ۱۰)۔

۶۔ غیر متبدل ہے۔ (۳۴ : ۶) — (۶۴ : ۱۰) — (۲۷ : ۱۸) — اور مکمل بھی۔ (۱۱۶ : ۶)۔ محفوظ بھی۔ (۹ : ۱۵)

۷۔ بعض باتوں کو ماننا اور بعض سے انکار کرنا سنگین ترین جرم ہے۔ (۸۵ : ۲) — (۴۷ : ۲۶)

نزولِ قرآن سے مقصد

۱۔ متنازعہ فیہ معاملات کے فیصلے اس سے کرائے جائیں۔ (۶۱-۶۰ : ۴) — (۱۰۵ : ۴)

۲۔ جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کراتے وہ کافر۔ فاسق۔ ظالم ہیں۔ (۴۷ ؛ ۴۵ - ۴۴ : ۵)

۳۔ اُس کے مطابق فیصلے کرو۔ (۵۰-۴۹ ؛ ۴۸ : ۵) — (۱۱۵ : ۶)

۴۔ انذار بذریعہ قرآن۔ (۱۹ : ۶) — (۵۱ : ۶) — (۷۰ : ۶) — (۹۳ : ۶) — (۷ : ۲)

۵۔ حضورؐ خود اس کا اتباع کرتے تھے۔ (۵۰ : ۶) — (۱۰۷ : ۶) — (۲۰۳ : ۷) — (۱۵ : ۱۰)
(۱۰ : ۱۰۹) — (۲۷ : ۹۲) — (۳۳ : ۲) — (۴۳ : ۴۳) — (۴۵ : ۱۸) — (۴۶ : ۹)
(۷۵ : ۱۸) — (۷۶ : ۲۴)

۶۔ اس کا اتباع کرو۔ (۶ : ۱۵۶) — (۷ : ۳) — (۳۹ : ۱۸) — (۳۹ : ۵۵)

۷۔ جو ہدایت پر چلے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو گمراہ ہوگا وہ خود بھگتے گا۔ (۱۰۸ : ۱۰)

۸۔ تاکہ تم عقل و فکر سے کام لے سکو۔ (۲ : ۱۲) - (۴۴ : ۱۶) - (۲۹ : ۳۸) - (۳ : ۴۱) - (۲۴ : ۴۷)

۹۔ تاکہ نوعِ انسان کو ظلمات سے نور کی طرف لے جایا جائے۔ (۱ : ۱۴)

۱۰۔ اختلافات مٹانے کے لئے۔ (۶۴ : ۱۶) - (۲۷ : ۷۶) - (۱۱) - تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (۴۱ : ۱۷) - (۱ : ۲۴) - (۲۹ : ۳۸) -

۱۲۔ اس سے اعراض برتنے سے رزق کی تنگی ہو جاتی ہے۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۱۳۔ شرفِ انسانیت عطا کرتا ہے۔ (۲۴ : ۲۱) - (۷۱ : ۲۳)

۱۴۔ تاکہ لوگ تقویٰ شعار ہو جائیں۔ زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچ جائیں۔ (۲۸ : ۳۹)

۱۵۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ - (۴۵ : ۵۰) - (۱۶) رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا - (۴ : ۷۳)

۱۷۔ تلاوتِ قرآن کے بعد گروہ بندی نہیں رہ سکتی۔ (۱۱۳ : ۲)

۱۸۔ اس کے الفاظ بلا معنی نہیں دہراتے رہنا چاہیئے۔ (۱۷۱ : ۲) - یا بے سمجھے سننا۔ (۱۶ : ۴۷)

۱۹۔ اعتصام بحبل اللہ ۔ اس سے تفرقہ مٹ جاتا ہے۔ (۱۰۲ : ۳)

۲۰۔ اسے چھپانا نہیں چاہیئے۔ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا چاہیئے۔ نہ ہی اسے پسِ پشت ڈال دینا چاہیئے۔ نہ ہی ثمنِ قلیل کے عوض بیچنا چاہیئے۔ (۱۸۶ : ۳)

۲۱۔ قرآن کے بعد کسی کے خیالات کا اتباع جائز نہیں۔ (۳۷ : ۱۳)

۲۲۔ صرف خدا پر ایمان کافی نہیں۔ قرآن پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ (۹۰-۸۴ : ۲۳)

۲۳۔ اندھے بہرے بن کر قرآن پر ایمان لانا، ایمان نہیں۔ (۷۳ : ۲۵)

۲۴۔ رسول اللہ کے گھر میں تلاوتِ کتاب و حکمت ہوتی تھی۔ (۳۵-۳۴ : ۳۳)

اعتراضات مخالفین کی طرف سے ۔ (مطالبات)

۱۔ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ہیں (۲۵ : ۶) - (۳۱ : ۸) - (۲۴ : ۱۶) - (۵ : ۲۵)

۲۔ ایک بشر پر کتاب کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ (۹۲ : ۶) - (۲ : ۱۰)

۳۔ ہم بھی ایسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ (۳۱ : ۸) - (۴) ۔ قرآن بدل دو۔ یا اس کی جگہ دوسرا قرآن لاؤ۔ (۱۵ : ۱۰

۵- اضغاث و احلام ہے - افترا ہے - شاعری ہے - (۲۱ : ۵) - (۲۵ : ۴) - (۳۲ : ۳) - (۳۴ : ۸) -
(۳۴ : ۴۳) - (۴۶ : ۸) - (۵۲ : ۳۳) - (۶) - انتہائی مخالفت - (۲۲ : ۷۲)

۷- کوئی لکھ دیتا ہے - اسے یہ سنا دیتا ہے - (۲۵ : ۵) - (۸) - ایک ہی بار کیوں نہیں نازل کر دیا گیا - (۲۵ : ۳۲) -

۹- یہ تمہیں قرآن سے ہٹا نہ دیں - (۲۸ : ۸۷) - (۱۰) - تکبر سے منہ موڑ لیتے ہیں - (۳۱ : ۷)

۱۱- ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے - (۳۴ : ۳۱) - (۱۲) - قرآن کو مت سنو - شور مچاؤ - (۴۱ : ۲۶)

۱۳- قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی کی طرف کیوں نہیں نازل ہوا - (۲ : ۱۰۵) - (۴۳ : ۳۱)

۱۴- یہ قرآن کو ناپسند کرتے ہیں - (۴۷ : ۹) - (۴۷ : ۲۶) - (۱۵) - مجنون - (۶۸ : ۵۱) - (۸۱ : ۲۲)

۱۶- سِحْرٌ یُّؤْثَرُ - (۷۴ : ۲۴) — (۱۷) قَوْلُ الْبَشَرِ - (۷۴ : ۲۵)

۱۸- یہ کسی شیطان کا کلام نہیں - (۸۱ : ۲۵) - (۱۹) - کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دینے والے - (۲ : ۱۰۱)

۲۰- جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں - (۹ : ۱۲۷)

۲۱- اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ قرآن سنتا ہے اور تکبر سے منہ موڑ کر چل دیتا ہے - (۴۵ : ۷-۸)

قرآن پر کون ایمان لائے گا

۱- متقین - (۲ : ۲) - (۳ : ۱۳۷) - (۲) - قوم یوقنون - (۲ : ۱۱۸) - (۴۵ : ۲۰)

۳- جو تقلیدِ اسلاف چھوڑے گا - (۲ : ۱۷۰) - (۵ : ۱۰۴) - (۳۱ : ۲۱)

۴- جو آخرت پر ایمان رکھے گا - (۱۷ : ۴۵) - ورنہ حجاب مستور رہے گا -

۵- جنہیں علم دیا گیا ہے - ان پر رقتِ قلب طاری ہو جاتی ہے - (۱۷ : ۱۰۹)

۶- جو تدبر کرے گا - (۲۳ : ۶۸) - (۴۷ : ۲۴) - (۷) لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ - (۴۱ : ۳)

قرآن پر ایمان ضروری ہے - مومنین کے لئے

۱- قرآن پر ایمان لانے والے مفلحین ہیں - (۲ : ۴)

۲- یہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ حقِ تلاوت ہے - (۲ : ۱۲۱) - (۳) - مومن اس پر ایمان کا اعلان کرتے ہیں - (۲ : ۱۳۶) - (۴) - مومنین اسے پڑھتے پڑھاتے اور تدریس کرتے ہیں - (۳ : ۷۸)

۵۔ یہی اسلام ہے۔ (۸۴ - ۸۳ : ۳) ۔(۶) ۔ قرآن اور رسول کی موجودگی میں مومن کافر نہیں ہو سکتے۔ (۱۰۱ : ۳)

۷۔ قرآن پر ایمان کے مدعی بننا اور اپنے معاملات کا فیصلہ غیر خدائی قوانین سے کرانا۔ (۶۰ : ۴)

۸۔ معاملات میں اس سے اعراض کرنے والے منافق ہیں۔ (۶۱ : ۴)

۹۔ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، رسول پر، قرآن پر۔ (۱۳۶ : ۴) ۔ (۸ : ۶۴)

۱۰۔ مومن اس کتاب سے کفر نہیں برتیں گے۔ (۹۰ : ۶) ۔ (۱۱) ۔ مومن جانتے ہیں کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ (۱۱۵ : ۶)

۱۲۔ مومنین کے لئے ہدایت و رحمت و بشارت۔ (۵۲ : ۷) ۔ (۲۰۳ : ۷) ۔ (۵۷ : ۱۰) ۔ (۱۱۱ : ۱۲) ۔
(۶۴ : ۱۶) ۔ (۸۹ : ۱۶) ۔ (۱۰۲ : ۱۶) ۔ (۹ : ۱۷) ۔ (۱ : ۲۷) ۔ (۵۱ : ۲۹) ۔ (۳ : ۳۱) ۔ (۲۰ : ۴۵)

۱۳۔ بالحق نازل ہوا ہے مومنین کے لئے۔ (۲ : ۲۸)

۱۴۔ ما نزل علیٰ محمد پر ایمان۔ یہ اتباع حق کرتے ہیں۔ (۲ : ۴۷)

قرآن پر ایمان ضروری ہے۔ اہلِ کتاب کیلئے

۱۔ بنی اسرائیل کو تاکید۔ (۴۱ : ۲) ۔ (۹۱-۹۰ : ۲) ۔ (۲) ۔ یہود و نصاریٰ دونوں۔ (۱۲۰ : ۲) ۔ (۱۲۷ : ۲)

۳۔ یہ اسے اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ (۱۴۶ : ۲) ۔ (۲۰ : ۶)

۴۔ سب اہلِ کتاب۔ (۲۲ : ۳) ۔ (۴۷ : ۴) ۔ (۵) ۔ اہلِ کتاب میں سے قرآن پر ایمان لانے والے۔ (۱۹۸ : ۳) ۔ (۱۶۲ : ۴)

۶۔ قرآن سے انکار کرنے والے۔ (۵۱ : ۴) ۔ (۷) ۔ ان سے پوچھو کہ ہم سے کس بات کا انتقام لیتے ہو؟ (۵۹ : ۵)

۸۔ یہ ایمان لاتے تو اوپر نیچے سے برکات مل جاتیں۔ (۶۶ - ۶۵ : ۵)

۹۔ جب تم قرآن پہ ایمان نہ لاؤ تو کچھ بھی نہیں۔ (۶۸ : ۵) ۔ (۱۰) ۔ یہ ایمان لاتے تو کفار کو دوست نہ بناتے۔ (۸۱ : ۵)

۱۱۔ نصاریٰ کے احبار قرآن سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ (۸۳ : ۵)

۱۲۔ بنی اسرائیل کے اختلاف مٹاتا ہے (۷۶ : ۲۷) ۔ (۱۳) ۔ اہلِ کتاب میں سے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (۵۳ : ۲۸)

قرآن پر ایمان ضروری ہے تمام نوعِ انسان کے لئے

۱۔ ھدی للناس۔ (۱۸۵ : ۲) ۔ (۳ : ۳) ۔ (۱۳۷ : ۳)

۲۔ خطاب بہ نوعِ انسان۔ (۱۷۵ : ۴) ۔ (۱۵۸ : ۷) ۔ (۱۰۸ : ۱۰)

۳۔ حضورؐ کے مخاطبین اور جن تک قرآن پہنچے ۔ (۱۹ : ۶)

۴۔ ذکریٰ للعالمین ۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۱۰۴ : ۱۲) ۔ (۱ : ۲۵) ۔ (۸۷ : ۳۸) ۔ (۵۲ : ۶۸) ۔ (۲۷ : ۸۱)

۵۔ انذار للناس ۔ (۲ : ۱۰) ۔ (۶) ۔ تاکہ تمام نوعِ انسان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جایا جائے۔ (۱ : ۱۴)

۷۔ تمام انسانوں کے لیے قرآن میں تعلیم ہے ۔ (۵۸ : ۳۰) ۔ (۴۱ : ۳۹)

۸۔ جو ما نزل علیٰ محمد پہ ایمان لائے گا وہ حق پہ ہے۔ ورنہ باطل پہ ۔ (۲-۳ : ۴۷)

قرآن پر ایمان واتباع کیا نتائج پیدا کرتا ہے

۱۔ یہی لوگ صحیح راستے پہ ہیں اور فلاح پاتے والے ہیں ۔ (۵-۴ : ۲) ۔ (۱۵۷ : ۷)

۲۔ اس سے ربانی بن جاتے ہیں۔ (۷۸ : ۳)

۳۔ رحمت میں داخل ۔ صراطِ مستقیم پہ ہدایت ۔ (۱۷۶ : ۴) ۔ (۱۶ : ۵) ۔ (۱۵۶ : ۶)

۴۔ ظلمات سے نور کی طرف لے آتا ہے ۔ (۱۶ : ۵) ۔ (۱ : ۱۴) ۔ (۹ : ۵۷) ۔ (۱۱ : ۶۵)

۵۔ مُردوں کو زندگی ملتی ہے ۔ ایک روشنی ملتی ہے جسے لے کر وہ دنیا میں پھرتا ہے ۔ (۱۲۲ : ۶)

۶۔ سینے میں تنگی نہیں رہتی ۔ (۲ : ۷) ۔ (۷) ۔ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ (۲ : ۱۰)

۸۔ اس دنیا میں بھی حسنات اور آخرت میں بھی حسنات ۔ (۳۰ : ۱۶)

متفرق

۱۔ ناسخ و منسوخ کا مفہوم ۔ (۱۰۶ : ۲) ۔ (۱۲ : ۱۱) ۔ (۱۰۱ : ۱۶) ۔ (۵۳-۵۲ : ۲۲)

۲۔ کتمانِ حقیقت کرنے والے ۔ (۱۵۹ : ۲) ۔ (۱۷۴ : ۲) ۔ (۳) ۔ اشتریٰ آیات اللہ ۔ (۱۷۴ : ۲) ۔ (۱۹۸ : ۳)

۴۔ رمضان کے مہینے میں نزول ۔ (۱۸۵ : ۲) ۔ لیلۃ مبارکہ میں ۔ (۳ : ۴۴) ۔ لیلۃ القدر میں ۔ (۱ : ۹۷)

۵۔ محکم اور متشابہ آیات ۔ (۷ : ۳) ۔ متشابھاً مثانی ۔ (۲۳ : ۳۹) ۔ سبعاً من المثانی ۔ (۸۷ : ۱۵)

۶۔ خدا اس سے شہادت دیتا ہے ۔ (۱۶۶ : ۴)

۷۔ بلغ ما انزل الیک ۔ (۶۷ : ۵) ۔ وضاحت سے ان کے سامنے پیش کر دیں ۔ (۴۴ : ۱۶)

۸۔ قرآن میں جن امور کی تصریح نہیں انہیں مت پوچھو ۔ (۱۰۱ : ۵)

۹- جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو - (۷ : ۲۰۴)

۱۰- مشرک پناہ لے تو اسے قرآن سناؤ پھر اسے اس کے مامن تک پہنچا دو- (۹ : ۶)

۱۱- قرآن سمجھنے کے تین طریقے - علمِ حاضر - عملی نتائج - تاریخی شواہد - (۱۰ : ۳۹) - (۲۷ : ۸۴)

۱۲- قرآن ملنے پر جشن مناؤ- (۱۰ : ۵۸) - (۱۳ : ۳۶) - (۱۳) - نہیں اس میں شک ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھو - (۱۰ : ۹۴)

۱۴- رسولؐ اس میں سے کوئی حصہ چھوڑ نہیں سکتا تھا - (۱۱ : ۱۲)

۱۵- سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ملا - (۱۵ : ۸۷) - مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (۳۹ : ۲۳)

۱۶- وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - (یا جنتر منتر بنا دیا) - (۱۵ : ۹۱)

۱۷- قرآن پڑھو تو شیطان سے سامانِ حفاظت کرلو - (۱۶ : ۹۸)

۱۸- قرآن سے اعراض برتنے والے سے زیادہ ظالم کون ہوگا - (۱۸ : ۵۷)

۱۹- جب تک قرآن کا حکم پورا نازل جائے اس میں جلدی مت کر- (۲۰ : ۱۱۴) - (۷۵ : ۱۶)

۲۰- ہر نبی کی وحی میں شیاطین کچھ ملا دیتے تھے - (۲۲ : ۵۲)

۲۱- رسول کی شکایت بدرگاہِ ربّ العزت کہ میری قوم نے اس قرآن کو مہجور بنا دیا تھا - (۲۵ : ۳۰)

۲۲- تورات و قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب کوئی نہیں - (۲۸ : ۴۹)

۲۳- رسول اللہؐ پر قرآن فرض کیا گیا تھا -(۲۸ : ۸۵)

۲۴- وحشی قبائل (جنات) کا قرآن سننا - (۴۶ : ۲۹-۳۰) - (۷۲ : ۱)

۵- قرب (مقربین)

ذی القربیٰ - (رشتہ دار)

قرب - کسی کے قریب ہونا - بُعد کے مقابلہ میں یہ لفظ آتا ہے - اُقْتُرِبَتْ - رتبہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا - مقرب، جو کسی کے قریب ہو-

اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی نسبتوں سے بلند ہے - اس لئے فاصلہ کے اعتبار سے خدا کے قریب ہونے کے کچھ معنی نہیں-

اس نے کہا ہے کہ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ (۴ : ۵۷) تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس لئے قربِ خداوندی کا مفہوم اس سے الگ ہے۔ مومن کا مسلکِ حیات یہ ہے کہ وہ (علیٰ حدِ بشریت) صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرتا جائے۔ جس قدر وہ ان صفات کا حامل ہوتا جائے گا۔ خدا کا مقرب بنتا جائے گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ (اولیاء اللہ کی طرح) مقربین بارگاہِ خداوندی کا بھی کوئی الگ گروہ نہیں۔ ہر مومن، اس حد تک جس تک اس نے اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو منعکس کرلیا ہے، خدا کا مقرب ہے۔ بالفاظِ دیگر، مومن ہی مقربین بارگاہِ خداوندی ہیں۔ یعنی یہ اپنے مرتبہ کے اعتبار سے خدا کے مقرب ہیں۔ ان مقربین کو بھی کوئی خاص مراعات حاصل نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ مومنین ہی کی صفت ہے۔

۲۔ اَلْقَرَابَةُ ۔ یا اَلْقُرْبیٰ کے معنی رشتہ داری کے ہیں۔ یعنی رشتہ میں کسی کے قریب ہونا۔ ذِی الْقُرْبیٰ کے معنی رشتہ دار۔ یہاں سے آیت (۲۳ : ۴۲) کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔

۳۔ قدیم زمانے میں لوگ جانور ذبح کرکے، ان کا گوشت اور خون اپنے معبودوں کے حضور پیش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ان (معبودوں) کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اسے قُرُبَاتٌ کہا جاتا تھا۔ یہودی اسے جلا دیتے تھے۔ تورات میں اس سوختنی قربانی کا ذکر اکثر آتا ہے۔ قرآن کریم میں (۱۸۲ : ۳) اس کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کریم نے اس تصور کو ختم کردیا۔ حج کے موقعہ پر جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں، ان کے لئے بھی قرآن میں قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ اس کی تفصیل کے لئے عنوان "حج" دیکھئے۔

۴۔ خدا سے (یا خدا کے) قریب ہونے کے سلسلہ میں "دعا" کا عنوان بھی دیکھئے۔

۵۔ جن آیات میں قریب کا لفظ عام معنوں میں آیا ہے۔ (یعنی کسی شے کا دوسری شے سے قریب ہونا)۔ ان کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا۔ یہاں صرف خدا کی نسبت سے قرب یا ذی القربیٰ کا ذکر آیا ہے۔

قربِ خداوندی

۱۔ حضرت موسیٰؑ کو طور پر آواز دی اور اسے وحی عطا کرنے کے لئے اپنے قریب کیا۔ (۵۲ : ۱۹)

۲۔ قربِ خداوندی ایمان اور اعمالِ صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ (۳۷ : ۳۴)

۳۔ قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤ۔ اس سے خدا کا قرب حاصل ہوجائے گا۔ (۱۹ : ۹۶)

۴۔ ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ سے خدا کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ (۹۹ : ۹)

۵۔ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو کہو کہ خدا تم سے قریب ہے۔ (۱۸۶ : ۲)۔ (تفصیل کے لئے دعا

کا عنوان دیکھئے) - نیز (۶۱ : ۱۱) - (۵۰ : ۳۴)
۶- ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں - (۱۶ : ۵۰)
۷- خدا، مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتا ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں سکتے - (۸۵ : ۵۶)
۸- حضرت مسیحؑ یا مقرب ملائکہ بھی خدا کا بندہ کہلانے سے شرماتے نہیں - (۱۷۲ : ۴)
۹- مقربین- اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ، مقرب ہیں - (۱۱ : ۵۶)- علیّون کیا ہے۔ مقربین اس کا مشاہدہ کریں گے - (۲۱ - ۱۹ : ۸۳)- تسنیم وہ چشمہ ہے جس سے مقربین سیراب ہوں گے- (۲۸ : ۸۳) - مقربین کے لئے جنت - (۹۰ - ۸۹ : ۵۶)
۱۰- حضرت عیسیٰؑ، دنیا میں صاحبِ وجاہت اور آخرت میں مقرب - (۴۴ : ۳)

قربِ خداوندی کا غلط تصوّر

۱- خاندانی افراد کی کثرت یا مال کی فراوانی قربِ خداوندی کا موجب نہیں بن سکتے - قربِ خداوندی ایمان اور اعمالِ صالح سے حاصل ہوتا ہے - (۳۷ : ۳۴)
۲- جن لوگوں کو یہ لوگ (قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے) پکارتے ہیں، وہ خود قربِ خداوندی کے ذرائع ڈھونڈتے پھرتے ہیں- (۵۷ : ۱۷)- ان سے پوچھو کہ وہ ان کی مدد کیوں نہیں کرتے- (۲۸ : ۴۶)

نصرت اور رحمتِ خداوندی کا قریب ہونا

۱- مشکلات میں ثابت قدمی سے خدا کی نصرت قریب آتی ہے- (۲۱۴ : ۲) - (۱۸ : ۴۸) (۲۷ : ۴۸) - (۱۳ : ۶۱)
۲- خدا کی رحمت محسنین کے قریب ہوتی ہے- (۵۶ : ۷)

ذی القربیٰ

۱- ذی القربیٰ کے ساتھ احسان - (۸۳ : ۲)- (۳۶ : ۴)
۲- مال کی محبت کے باوجود اسے ذی القربیٰ کو دو- (۱۷۷ : ۲)

۳۔ ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر ایسے رشتہ دار بھی موجود ہوں جنہیں وراثت میں حصہ نہیں مل سکتا تو انہیں بھی تالیفِ قلب کے لئے کچھ دے دو۔ (۸ : ۴)

۴۔ شہادت کو مت بیچو خواہ اس کا فائدہ تمہارے کسی رشتہ دار ہی کو کیوں نہ پہنچتا ہو۔ (۱۰۶ : ۵)

۵۔ ہمیشہ عدل کرو۔ خواہ یہ تمہارے رشتہ دار کے بھی خلاف کیوں نہ جائے۔ (۱۳۵ : ۴)۔ (۱۵۲ : ۶)

۶۔ مالِ غنیمت کی تقسیم میں ذی القربٰی کا حصہ۔ (۴۱ : ۸)۔ مالِ فے میں۔ (۷ : ۵۹)

۷۔ مشرکین کے لئے استغفار جائز نہیں خواہ وہ ذی القربٰی ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۱۳ : ۹)

۸۔ خدا عدل۔ احسان۔ اور ذی القربٰی کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ (۹۰ : ۱۶)

۹۔ ذی القربٰی کو ان کا حق دے دو۔ (۲۶ : ۱۷)۔ (۳۸ : ۳۰)

۱۰۔ ذی القربٰی کی مدد اس لئے نہ چھوڑ دو کہ ان کے خلاف تمہیں کوئی شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ (۲۲ : ۲۴)

۱۱۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۸ : ۳۵)

۱۲۔ اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔ بجز رشتہ داری کے حقوق کے۔ یا اس کے کہ تم آپس میں رشتہ داری کے حقوق ادا کرتے رہو۔ (۴۲:۲۳) یعنی مَوَدَّۃً فِی الْقُرْبٰی کے معنی ہیں۔ رشتہ داری کے تعلقات۔ نہ کہ "میرے رشتہ داروں سے محبت"۔

۱۳۔ وراثت میں اقربا کا حصہ ہے۔ (۱۲ - ۱۱ و ۸ - ۷ : ۴)

۱۴۔ والدین اور اقربا کے لئے وصیت فرض ہے۔ (۱۸۰ : ۲)

۱۵۔ انفاق میں پہلا حق والدین اور اقربا کا ہے۔ (۲۱۵ : ۲)

متفرق

۱۔ آدم کے دو بیٹوں کا قصہ جن میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی۔ (۲۷ : ۵)

۲۔ فرعون نے ساحرین سے کہا کہ تم آج غالب آجاؤ گے تو ہمارے مقرب بن جاؤ گے۔ (۱۱۴ : ۷)۔ (۴۲ : ۲۶)

۳۔ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ۔ سب کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے اور پانے والا۔ (غلط نظام میں یہی ہوتا ہے) (۱۵ : ۹۰) - (۴)۔ یہودیوں کو سوختنی قربانی۔ (۱۸۳ : ۳)

قرض ۔ قرضِ حسنہ

قرضِ حسنہ۔ اجتماعی ضروریاتِ زندگی کے لئے افرادِ قوم جو کچھ دیتے ہیں اسے قرآن نے "قرضِ حسنہ" یا "خدا کو قرض دینے" کی اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے ۔جیسا کہ "معاشی نظام" کے عنوان میں بتایا گیا ہے، اس کی ضرورت اس زمانہ میں لاحق ہوگی جب قرآن کا معاشی نظام ۔یا اسلامی مملکت ۔ہنوز زیرِ تکمیل ہوگی ۔اس نظام کی تکمیل کے بعد، افرادِ امت اپنا سارا مال، نظام کی تحویل میں دے دیں گے۔

قرضِ حسنہ کی بڑی تاکید قرآن میں آئی ہے - (۲: ۲۴۵) - (۵ : ۱۲) - (۵۷ : ۱۱) - (۵۷ : ۱۸) - (۶۴ : ۱۷) - (۷۳ : ۲۰) -

انفرادی قرضہ

۱۔ ہمارے ہاں "قرضِ حسنہ" اس قرض کو کہا جاتا ہے جس میں قرض خواہ سود نہ لے ۔ سود (ربوٰ) تو مسلمانوں میں حرام ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان سود پر قرض دے ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس کا ہر قرضہ، قرضِ حسنہ ہوگا۔

قرض کے لئے قرآن میں "دَین" کا لفظ آیا ہے ۔ قرآن نے تاکید کی ہے کہ قرض کے معاملہ کو ہمیشہ ضبطِ تحریر میں لاؤ۔

(i) اسے کاتب لکھے۔ (ii)۔ مقروض یا اس کا ولی املا کرائے۔ (iii)۔ گواہوں کے سامنے دستاویز لکھی جائے -

(iv) کاتب یا گواہوں کو کسی قسم کی اذیت نہیں پہنچانی چاہیئے۔ (۲ : ۲۸۲)

۲۔ مقروض کو ادائیگی کے لئے مہلت دینی چاہیئے ۔اگر وہ اس قدر تنگ دست ہے کہ قرضہ ادا ہی نہیں کر سکتا تو اسے قرضہ معاف کر دینا چاہیئے ۔ (۲ : ۲۸۰)

۳۔ دست بدست لین دین کو تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں ۔ (۲ : ۲۸۲)

رہن

اگر قرض کا معاملہ بحالتِ سفر طے پائے اور تحریر کا انتظام نہ ہو سکے، قرض خواہ مقروض کی کوئی چیز بطور امانت اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر اس پر اعتماد ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں ۔ (۲ : ۲۸۳)۔ مرہونہ شے سے نفع حاصل کرنا ربوٰ میں داخل ہو جائیگا۔

۷- قرین

قرآن کریم میں قرین کا لفظ، دوست۔ ہم نشیں۔ ہمجولی۔ مصاحب۔ مشیر کے معنوں میں آیا ہے، لیکن بالعموم غلط مشورہ دینے والے کے، یا ایسے ہم نشین کے جس کی صحبت انسان کو خراب کر دے۔

۱۔ جنت میں لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہمارا ایک ہم نشین ہوتا تھا جو ہمیشہ الٹی پٹی پڑھایا کرتا تھا۔ وہ اسے جہنم میں دیکھیں گے۔ (۵۵ - ۵۱ : ۳۷)

۲۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے۔ شیطان اس کا قرین بن جاتا ہے۔ قیامت میں وہ شخص کہے گا کہ اے کاش! مجھ میں اور اس میں بُعد المشرقین ہوتا۔ (۳۸ - ۳۶ : ۴۳)۔ جس کا ساتھی شیطان ہو جائے، اس سے بُرا ساتھی اور کون ہو سکتا ہے۔ (۳۸ : ۴)

۳۔ قیامت میں یہ ہم نشین ایک دوسرے کو الزام دیں گے کہ اس نے مجھے گمراہ کیا تھا۔ ان کا یہ عذر مسموع نہیں ہوگا۔ (۲۸ - ۲۳ : ۵۰)۔ (۴)۔ مصاحب غلط کاموں کو مزین بنا کر دکھاتے ہیں۔ (۲۵ : ۴۱)

۸- قسم

عربی زبان (اور قرآن کریم) میں قسم کے لئے کئی الفاظ آئے ہیں، مثلاً قسم۔ حلف۔ یمین (جس کی جمع اَیْمَانٌ آتی ہے)۔ علاوہ ازیں حروف (ب۔ جیسے باللہ - ت - جیسے تاللہ - و۔ جیسے واللہ) وغیرہ۔ قسم، کسی معاہدہ کی توثیق اور تاکید کے لئے بھی آتی ہے، اور کسی بات کی شہادت کے طور پر بھی۔ قرآن (بالخصوص اس کے آخری پاروں) میں، واؤ کے ساتھ جو الفاظ آتے ہیں، اور جن کا ترجمہ عام طور پر قسم کیا جاتا ہے۔ (مثلاً وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا - (۱ : ۹۱)۔ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی) تو ان الفاظ کا ترجمہ "شہادت" کرنا چاہیئے۔ جیسے سورج اور اس کی روشنی (وغیرہ) اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ ...... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دعاوی کی توثیق میں ان چیزوں کی قسمیں نہیں کھاتا۔ وہ انہیں، ان حقائق

کے ثبوت میں بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ جیسے ہم اپنے ہاں کہتے ہیں کہ' سورج کا طلوع و غروب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ہر عروج کے بعد زوال ہے'۔ اس قسم کی شہادات ہیں جنہیں قرآن کریم اپنے دعاوی کے ثبوت میں بطور محسوس دلائل پیش کرتا ہے۔ ہم نے اسی لئے انہیں (اس باب میں) 'شہادت' کے عنوان سے لکھا ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے قسموں کی مختلف اقسام بتائی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جسے اس نے لغویات قرار دیا ہے۔ یعنی' جیسے بعض لوگ یونہی عادۃً بات بات پر واللہ۔ باللہ کہتے رہتے ہیں۔ قسم کے لحاظ سے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن چونکہ لغویت بجائے خویش ناپسندیدہ بات ہے۔ اس لئے اس قسم کی قسموں سے احتراز ضروری ہے۔ دوسری قسم کی قسمیں وہ ہیں جنہیں انسان شدتِ جذبات میں خود اپنے اوپر وارد کر لیتا ہے اور جذبات کے فرو ہونے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس نے غلطی کی۔ اس قسم کی قسمیں توڑنے کا تھوڑا سا کفارہ مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ یونہی جذبات میں نہ بہہ جائیں۔ تیسری قسم کی وہ قسمیں ہیں جو سوچ سمجھ کر کسی کے ساتھ معاہدہ کے طور پر اٹھائی جائیں۔ ان قسموں کی پابندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ آئندہ آیات میں قسموں کے متعلق جو احکام سامنے آئیں، ان میں اس تفریق و تخصیص کا سامنے رکھنا ضروری ہے۔

عام لوگوں کی قسمیں

۱۔ انہی قسموں کے ذریعے اللہ کو (اپنی مقصد براری کے لئے) آڑمت بناؤ۔ (۲ : ۲۲۴)

۲۔ خدا تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔ مؤاخذہ انہی قسموں کا ہے جن میں دل کا ارادہ شامل ہو۔ (۲ : ۲۲۵)۔ بالارادہ قسم توڑنے کا کفارہ۔ (۵ : ۸۹)۔ قسم ظہار کا کفارہ۔ (۵۸ : ۲-۴)۔ لغو قسموں کا کفارہ تو نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ لغو قسمیں کھاتے اور توڑتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی ہے کہ وہ لغو سے اعراض برتتے ہیں۔ (دیکھئے عنوان لغو)

۳۔ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے والے۔ اس کی مدت زیادہ سے زیادہ چار ماہ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا ہوگا کہ بیوی کو رکھنا چاہتے ہو یا چھوڑنا۔ (۲ : ۲۲۶)

۴۔ اپنی قسموں کو فروخت کرنے والے۔ (۳ : ۷۶)۔ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ ان کے پابند رہو۔ (۵ : ۸۹)

۵۔ منافق بڑی قسمیں کھاتے ہیں۔ (۶۳ : ۲)۔ (۵ : ۵۳)۔ (۹ : ۱۲)۔ (۹ : ۴۲ ؛ ۵۶ ؛ ۶۲ ؛ ۷۴ ؛ ۹۵ ؛ ۹۶) (۹ : ۱۰۷)۔ (۳ : ۵۳ ؛ ۲۴)۔ (۴ : ۶۲)۔ (۳۵ : ۴۲)۔ (۵۸ : ۱۴ - ۱۸)۔ (۶۳ : ۱-۲)

۶۔ وصیت کے گواہ قسم اٹھائیں۔ ان کی شہادت مشکوک ہو جائے تو دوسرے گواہ لئے جائیں۔ اور وہ بھی قسم اٹھائیں۔ (۵ : ۱۰۶-۱۰۷)

۷۔ اپنی قسموں کو مت توڑو۔ (۱۶ : ۹۱) ۔ اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو دن بھر سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ادھیڑ دیتی ہے۔ (۱۶ : ۹۲)

۸۔ اپنی قسموں کو باہمی فریب کاری کا ذریعہ مت بناؤ۔ (۱۶ : ۹۴)

۹۔ اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والوں سے قسم (لعان)۔ (۲۴ : ۶-۹)

۱۰۔ کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کر رہے ہو تو اس سے رک جانے کی قسم نہ کھاؤ۔ (۲۴ : ۲۲)

۱۱۔ رسول اللہؐ کو ایک قسم توڑنے کی اجازت۔ (۶۶ : ۱-۲)

۱۲۔ حلّاف (بڑی زیادہ قسمیں کھانے والے) کی بات نہ مان ۔ یہ ایک خاص مخالف کی طرف اشارہ تھا۔ (۶۸ : ۱۰)

۱۳۔ کفار قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ یہ لوگ (مومنین) کبھی جنت میں نہیں جا سکیں گے۔ (۷ : ۴۹)

۱۴۔ کفار قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہمیں کبھی زوال نہیں آسکتا۔ (۱۴ : ۴۴)

۱۵۔ کفار قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر وہ معجزہ دیکھ لیں تو ایمان لے آئیں گے۔ (۶ : ۱۱۰) ۔ (۳۵ : ۴۲)

۱۶۔ یہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ مردے کبھی دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ (۱۶ : ۳۸)

۱۷۔ باغ والے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم کل پھل اتار کر لے آئیں گے۔ (۶۸ : ۱۷)

۱۸۔ قیامت میں مجرمین کی قسمیں ۔ (۳۰ : ۵۵)

۱۹۔ ابلیس نے قسمیں کھا کھا کر آدم اور اس کی بیوی کو یقین دلایا کہ وہ ان کا ہمدرد و شفیق ہے۔ (۷ : ۲۱)

۲۰۔ سردارانِ قومِ ثمود کی قسمیں کہ وہ حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دینگے۔ (۲۷ : ۴۹)

۲۱۔ مقتسمین کی طرف نزولِ قرآن ۔ (بعض اس کے معنی قسمیں کھانے والے بھی لیتے ہیں)۔ (۱۵ : ۹۰)

قرآنی شہادات

۱۔ سورۂ حجر میں ہے لَعَمْرُكَ ۔ (۱۵ : ۷۲) ۔ عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ۔ تیری زندگی کی قسم ۔ لیکن عمر کے معنی دین کے بھی ہیں ۔ اس لئے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تیرا دین اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ....

۲۔ تیرا رب اس امر پر شاہد ہے کہ ان سب سے باز پرس ہوگی۔ (۱۵ : ۹۲) ۔ (۱۶ : ۵۶)

۳۔ قرآن شاہد ہے کہ تو مرسلین میں سے ہے۔ (۳۶ : ۲-۳)

۴۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ...... فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۔ (۳۷ : ۱-۳)

۵۔ قرآن شاہد ہے کہ یہ کفار سرکشی اور مخالفت پر اتر آئے ہیں۔ (۲-۱ : ۳۸)۔ (۲-۱ : ۵۰)

۶۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا .... اَمْرًا۔ (۴-۱ : ۵۱)۔ (۷)۔ السَّمَآءِ کی شہادت۔ (۲۳ : ۳۱)

۸۔ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کی شہادت۔ (۲۳ : ۵۱)۔ (۹)۔ وَالطُّوْرِ ...... وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ۔ (۶-۱ : ۵۲)

۱۰۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى۔ (۱ : ۵۳)

۱۱۔ مواقع النجوم کی شہادت جو بہت بڑی شہادت ہے۔ (۷۵-۷۶ : ۵۶)

۱۲۔ نٓ اور قلم کی شہادت۔ (۱ : ۶۸)۔ جو کچھ تم دیکھتے ہو اور جو نہیں دیکھتے وہ سب اس پر شاہد ہے کہ....(۳۸ : ۶۹)

۱۳۔ رب المشارق والمغارب کی شہادت۔ (۴۰ : ۷۰)۔ (۱۴)۔ چاند۔ اور رات۔ اور صبح کی شہادت۔ (۳۴-۳۲ : ۷۴)

۱۵۔ قیامت اور نفسِ لوامہ کی شہادت۔ (۲-۱ : ۷۵)۔ (۱۶)۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ...... ذِكْرًا۔ (۵-۱ : ۷۷)

۱۷۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ..... اَمْرًا۔ (۵-۱ : ۷۹)۔ (۱۸)۔ ستاروں کی۔ رات کی۔ صبح کی شہادت۔ (۱۸-۱۵ : ۸۱)

۱۹۔ شفق۔ قمر۔ لیل کی شہادت۔ (۱۸-۱۶ : ۸۴)

۲۰۔ سماء ذات البروج۔ یوم موعود۔ شاہد و مشہود کی شہادت۔ (۳-۱ : ۸۵)

۲۱۔ سماء و طارق کی شہادت۔ (۳-۱ : ۸۶)۔ (۲۲)۔ ارض و سما کی شہادت۔ (۱۲-۱۱ : ۸۶)

۲۳۔ فجر۔ لیال عشر۔ اور شفع و وتر کی شہادت۔ (۴-۱ : ۸۹)۔ (۲۴)۔ اس شہر کو بطور شہادت پیش کیا جاتا ہے۔ (۳-۱ : ۹۰)

۲۵۔ سورج۔ دن۔ رات۔ السماء۔ ارض۔ نفس و ماسواہا کی شہادت۔ (۷-۱ : ۹۱)

۲۶۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى۔ اور نہار۔ (۲-۱ : ۹۲)۔ (۲۷)۔ وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ ...... (۲-۱ : ۹۳)

۲۸۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔ (۳-۱ : ۹۵)

۲۹۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ..... بِهٖ جَمْعًا۔ (۵-۱ : ۱۰۰)۔ (۳۰)۔ وَالْعَصْرِ .... (۱ : ۱۰۳)

قصہ - قصص

قرآن کریم نے تاریخ (اقوامِ سابقہ کی سرگزشتوں) کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی تفصیل "تاریخ" کے عنوان میں ملے گی۔ تاریخی حوادث کو اس نے قصص سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ لفظ چند ایک مقامات پر آیا ہے۔ محض کسی بات

کے ذکر کرنے کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے۔

۱۔ رسول دنیا کی ہر قوم میں آئے تھے۔ ان میں سے بعض کا ذکر بالتصریح قرآن میں آیا ہے۔ بعض کا نہیں۔ (۱۶۴ : ۴)۔ (۷۸ : ۴۰)۔ (۲)۔ یہ وہ بستیاں ہیں جن کی داستانیں ہم نے تم سے بیان کی ہیں۔ (۱۰۱ : ۷)۔(۱۰۰ : ۱۱)

۳۔ انبیاء سابقہ کے قصے اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ اس سے تمہارے دل کو ثبات حاصل ہو۔ (۱۲۰ : ۱۱)۔ (۹۹ : ۲۰)

۴۔ احسن القصص۔ قصۂ حضرت یوسف۔ (۳ : ۱۲)

۵۔ قصۂ اصحاب کہف۔ (۱۳ : ۱۸)۔ (۶)۔ عام تمثیلی بیان۔ (۱۷۶ : ۷)

۷۔ قصۂ حضرت یوسف و برادرانش میں ارباب بصیرت کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۱۱۱ : ۱۲)

۸۔ تباہ شدہ اقوام کو داستانِ پارینہ (احادیث) بنا دیا۔ (۴۴ : ۲۳)۔ (۱۹ : ۳۴)

قلب

صدر

قلب کے معنی ہیں دل۔ دل، گوشت کا وہ لوتھڑا ہے جو سینے میں دھڑکتا ہے۔ اور جس کا کام، خون کو گردش دینا ہے۔ یہ طبعی دل ہے۔ قرآن اس کا ذکر نہیں کرتا۔

زمانۂ قدیم سے قلب یا دل کو عقل و فکر اور جذبات و احساسات کا مرکز سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ دنیا کی ہر زبان میں دل کو انہی معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عربوں کے ہاں اس مفہوم کے لئے دو لفظ استعمال ہوتے تھے۔ ایک فؤاد اور دوسرا قلب۔ مادہ کے اعتبار سے فؤاد کا لفظ سوز و گداز کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ لیکن استعمال کے لحاظ سے قلب اور فؤاد کو مرادف سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ دونوں الفاظ آئے ہیں۔ (فؤاد کو ہم نے الگ لکھا ہے)۔ اس میں شبہ نہیں کہ دل نہ فکر و بصیرت کا مرکز ہے نہ جذبات و احساسات کا سرچشمہ۔ لیکن قرآن کریم چونکہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اسلئے جن الفاظ کو عرب جن معانی میں استعمال کرتے تھے، قرآن کریم نے بھی انہیں انہی معانی میں استعمال کیا ہے۔

قلب (جمع قلوب) کا لفظ قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں آیا ہے۔ ہم ان تمام آیات کو یہاں درج نہیں کرتے۔ صرف

ان آیات کا حوالہ دیتے ہیں جن سے اس کا مفہوم واضح ہو جائے۔ مادہ (ق-ل-ب) کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں الٹنا پلٹنا- لوٹنا- اس مادہ کی مختلف شکلیں ان معانی میں بھی قرآن میں آئی ہیں لیکن ہم اس موضوع کو صرف قلب (یعنی دل) تک محدود رکھیں گے- انگریزی زبان میں (HEART) - (MIND) بلکہ (PSYCHE) اس مفہوم کے لئے آتے ہیں-

۱- قرآن کریم میں قلب کے معنوں میں صدر (سینے) کا لفظ بھی آیا ہے - کہیں کہا گیا ہے کہ وہ قلب جو سینے کے اندر ہے اور کہیں صرف لفظ صدر (جمع صدور) قلب کے معنوں میں آیا ہے۔ ہم اس جہت سے صدر کو بھی اس عنوان کے تابع لے آتے ہیں۔

قلب کے مختلف مفاہیم

۱- حضورؐ نرم دل تھے- اس لئے کہا گیا کہ اگر آپؐ دل کے سخت ہوتے تو کوئی آپ کے قریب نہ آتا- (۱۵۹ : ۲)

۲- جو قلبِ سلیم لے کر آئے قرآن اسے ہدایت دیتا ہے- یعنی (A RECEPTIVE MIND) - (۸۹ : ۲۶) - (۸۴ : ۳۷) - قلب منیب (۳۳ : ۵۰) - (۳۷ : ۵۰) - جس کا دل ایمان پر مطمئن ہو - (۱۰۶ : ۱۶) - (۴ : ۶۶)

۳- قلوب پہ مہریں لگ جاتی ہیں- (۷ : ۲) - (۸۸ : ۲) - (۱۵۵ : ۴) - (۲۵ : ۶) - (۴۶ : ۶) - (۱۰۰ : ۷) - (۱۰۱ : ۷) - (۸۷ : ۹) - (۹۳ : ۹) - (۱۲۷ : ۹) - (۷۴ : ۱۰) - (۱۰۸ : ۱۶) - (۴۶ : ۱۷) - (۵۷ : ۱۸) - (۳۵ : ۴۰) - (۵ : ۴۱) - (۲۳ : ۴۵) - (۱۶ : ۴۷) - (۵ : ۶۱) - (۳ : ۶۳) - (۱۴ : ۸۳)

۴- جبریلؑ نے قرآن، حضورؐ کے قلب پہ نازل کیا- (۲ : ۹۷) - (۲۶ : ۱۹۴) - اگر (بالفرضِ محال) آپ افترا کرتے تو خدا آپؐ کے قلب پہ مہر لگا دیتا- (۲۴ : ۴۲)

۵- جو کچھ دل میں ہے (۲ : ۲۰۴) - (۶) - جو شہادت کو چھپائے اس کا قلب مجرم ہو جاتا ہے - (۲ : ۲۸۳)

۷- خدا، المرء اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے - (۸ : ۲۴) - (مفہوم کے لئے مفہوم القرآن دیکھئے)

۸- جس کا قلب خدا کے ذکر سے غافل ہو، اس کی اطاعت مت کرو- (۲۸ : ۱۸)

۹- جس کے قلب میں مرض ہو- (۳۲ : ۳۳) - (نفسیاتی امراض سے مراد ہے) - (۱۰ : ۲) - (۵۲ : ۵) - (۴۹ : ۸) - (۱۲۵ : ۹) - (۵۳ : ۲۲) - (۵۰ : ۲۴) - (۱۲ : ۳۳) - (۶۰ : ۳۳) ——— (۲۰ : ۴۷) - (۲۹ : ۴۷) - (۳۱ : ۷۴)

۱۰۔ جو خدا پر ایمان لاتا ہے، خدا اس کے قلب کی راہ نمائی کرتا ہے۔ (۱۱ : ۶۴)

۱۱۔ اگر خدا، اُمّ موسیٰؑ کے قلب کو مضبوط نہ کرتا تو وہ راز افشا کر دیتی۔ (۱۰ : ۲۸)

۱۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا اس پر ایمان تھا کہ مردہ قومیں زندہ ہو سکتی ہیں لیکن وہ سمجھنا چاہتے تھے کہ اس کا طریق کیا ہوگا تاکہ انہیں اطمینانِ قلب ہو۔ (۲۶۰ : ۲)

۱۳۔ اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو قلب نہیں رکھے۔ (۴ : ۳۳)۔ منافق زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے قلوب میں نہیں ہوتا۔ (۱۶۷ : ۳)۔ (۴۱ : ۵)۔ (۱۱ : ۴۸)

۱۴۔ اتنی قوت فراہم کرو کہ کفار کے دلوں پر تمہارا رعب طاری ہو جائے۔ (۱۵۱ : ۳)۔ (۱۲ : ۸)

۱۵۔ اہلِ جہنم وہ ہیں جو قلوب رکھنے کے باوجود ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ (۱۷۹ : ۷)

۱۶۔ ذکر اللہ (قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے) سے اطمینانِ قلب ہو جاتا ہے۔ (۲۸ : ۱۳)

۱۷۔ قلوب کا تقویٰ۔ (۳۲ : ۲۲)

۱۸۔ انہیں چاہیئے کہ دنیا میں چلیں پھریں تاکہ ان کے قلوب میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت بیدار ہو جائے۔ (۴۶ : ۲۲)

۱۹۔ ماتھے کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، سینے کے دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ (۴۶ : ۲۲)

۲۰۔ انقلاب کے دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے۔ (۳۷ : ۲۴)۔ دل اچھل کر حلقوم تک آجائیں گے۔ (۱۰ : ۳۳)
(۱۸ : ۴۰)۔ (۸ : ۷۹)

۲۱۔ جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو کفار کے دل سکڑ جاتے ہیں۔ جب غیر اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کھل جاتے ہیں۔ (۴۵ : ۳۹)

۲۲۔ یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ (۲۴ : ۴۷)

۲۳۔ مومنین کی تسکینِ قلب۔ (۴ : ۴۸)

۲۴۔ دلوں کا پتھروں کی طرح سخت ہو جانا۔ (۷۴ : ۲)۔ (۴۳ : ۶)۔ (۵۳ : ۲۲)۔ (۲۲ : ۳۹)

۲۵۔ وہ جرم قابلِ مواخذہ ہے جس کے ساتھ دل کا ارادہ شامل ہو۔ (۲۲۵ : ۲)۔ (۵ : ۳۳)

۲۶۔ مومنوں کے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی۔ (۱۰۳ : ۳)۔ ان کے دلوں سے کینے نکال دئے۔
(۶۳ : ۸)۔ (۱۰ : ۵۹)

۲۷۔ ملائکہ کی مدد اطمینانِ قلب کے لئے تھی۔ (۱۲۶ : ۳)۔ (۱۰ : ۸)۔ (۲۸)۔ پاکیزگیٔ قلب۔ (۵۳ : ۳۳)

۲۹۔ مومن اس وقت کہلایا جاسکتا ہے، جب ایمان قلب میں پیوست ہو جائے۔ (۴۹ : ۱۴) - (۵۸ : ۲۲)

۳۰۔ مومنین کی دعائیں کہ ہدایت کے بعد ہمارے قلوب غلط سمت کی طرف نہ چلے جائیں۔ (۳ : ۸) - قلوب میں زیغ (۳ : ۷)

۳۱۔ ذکر اللہ سے مومنین کے دل گداز ہو جاتے ہیں۔ (۸ : ۲) - (۲۲ : ۳۵) - (۲۳ : ۶۰) - (۳۹ : ۲۳) - (۵۷ : ۱۶)

۳۲۔ صدقات مؤلفۃ القلوب کے لئے ہیں۔ (۹ : ۶۰)

۳۳۔ سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے لیکن دل ایک دوسرے سے الگ الگ۔ (۵۹ : ۱۴) - (۳۱) تطہیرِ قلب۔ (۳۳ : ۵۳)

صدر بمعنی قلب

۱۔ جسے کفر کے کام کے لئے مجبور کر دیا جائے اس کا مؤاخذہ نہیں۔ لیکن جس کا سینہ کفر کے لئے کھل جائے، مجرم وہ ہے۔ (۱۶ : ۱۰۶) - (ب) جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل جائے۔ (۶ : ۱۲۵) - (۳۹ : ۲۲)

۲۔ قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ دل کا بوجھ اتر جائے۔ (۷ : ۲) - اس سے شرحِ صدر ہو گئی۔ (۹۴ : ۱)

۳۔ ہم جانتے ہیں کہ کفار جو کچھ کہتے ہیں اس سے (اے رسولؐ!) تیرا سینہ بھنچ جاتا ہے۔ (۱۱ : ۱۲) - (۱۵ : ۹۷)

۴۔ حضرت موسےٰؑ کی شرحِ صدر کے لئے دعا۔ (۲۰ : ۲۵) - (۲۶ : ۱۳)

۵۔ خدا سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔ (۳ : ۱۱۹) - (۳ : ۱۵۴) - (۵ : ۷) - (۸ : ۴۳) -

(اس عنوان کی صرف چند ایک آیات درج کی گئی ہیں۔ تمام کی تمام نہیں)

۶۔ میدانِ جنگ میں فتح سے مقصود یہ بھی تھا کہ اس سے مومنین کے سینے میں کشاد پیدا ہو جائے۔ (۹ : ۱۴)

۷۔ قرآنؑ شفاء لما فی صدور۔ سینے کے امراض کے لئے شفاء ہے۔ (۱۰ : ۵۷)

۸۔ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینے میں ہیں۔ (۲۲ : ۴۶)

۹۔ قرآن کی آیات اربابِ علم کے سینے میں ہیں۔ (۲۹ : ۴۹)

۱۰۔ خدا نگاہ کی خیانتوں اور صدر کے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ (۳ : ۲۹) - (۴۰ : ۱۹)

۱۱۔ جب وہ سب باہر آجائے گا، جو سینوں کے اندر ہے۔ (۱۰۰ - ۱۰)

۱۲۔ لوگوں کے سینے میں وساوس ڈالنے والے۔ (۱۱۴ : ۵) - (۱۳) - پاکیزگی صدور۔ (۳ : ۱۵۴)

۱۴۔ منافقوں کے سینے میں جو کچھ چھپا ہوتا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کے ہوتا ہے جو ان کی زبان پر آجاتا ہے۔ (۳ : ۱۱۸)

۱۵۔ مومنین کے سینے کی کدورت دور ہوجائے گی۔ (۴۳ : ۷) - (۴۷ : ۱۵) -جو کچھ دوسروں کو دے دیا جائے، مومنین کے سینے میں اس کے لئے کوئی خواہش نہیں پیدا ہوتی کہ یہ ہمیں کیوں نہ مل گیا۔ (۹ : ۵۹)

(۰)

۱۱۔ قوّت

قوّت کے مفہوم کے لئے قرآن کریم میں کئی الفاظ آئے ہیں۔ زیرِ نظر عنوان میں ان آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن میں خود قوت کا لفظ آیا ہے۔ قوت، فرد میں ہو یا قوم میں، بہت بڑی خصوصیت ہے۔ القوی خود خدا کی ایک صفت ہے اور اس جہت سے بھی، خدا کے بندوں کا علیٰ حدِّ بشریت قوی ہونا، خدائی رنگ میں رنگے جانے کے مرادف ہوگا۔ لیکن، دیگر خصوصیات کی طرح، اس خصوصیت (قوت) کا استعمال بھی مستقل اقدارِ خداوندی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگر قوت، بے باک ہو جائے گی تو یہ تخریب کا موجب ہوگی لہٰذا سنگین جرم، اور اگر یہ مستقل اقدار کے ساحلوں میں محصور ہوگی تو اس کا نتیجہ خیر ہی ہوگا۔ اقبال کے الفاظ میں ؎

لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

اسی لئے قرآن کریم نے بتایا ہے کہ جن قوموں نے قوت کا استعمال، قوانینِ خداوندی کی پابندی سے آزاد ہو کر کیا، وہ خود بھی تباہ ہو گئیں اور انسانیت کے لئے بھی تباہی کا موجب بنیں۔ لیکن جن قوموں نے اسے قوانینِ خداوندی کی حفاظت کے لئے استعمال کیا، وہ محسنِ انسانیت قرار پائیں۔

محکم طور پر متمسک رہنا

۱۔ کتاب اللہ کو محکم طور پر (بقوۃ) تھامے رکھو۔ (۲ : ۶۳) - (۲ : ۹۳) - (۷ : ۱۴۵) - (۷ : ۱۷۱) - (۱۹ : ۱۲)

خدا قوت کا سرچشمہ ہے

۱۔ قوت سب کی سب خدا کے لئے ہے۔ وہی اس کا سرچشمہ ہے۔ (۲ : ۱۶۵) - اس کا ہمیشہ اعتراف کرنا چاہیئے۔

(۳۹ : ۱۸) - (۱۵ : ۴۱) - خدا ذوالقوۃ المتین ہے۔ (۵۸ : ۵۱) - شدیدالقویٰ - (۵ : ۵۳) - قویٌ شدیدالعقاب - (۵۲ : ۸) - (۲۲ : ۴۰) - قوی العزیز - (۶۶ : ۱۱) - (۴۰ : ۲۲، ۴۷) - (۲۲ : ۲۲) - (۲۵ : ۳۳) - (۱۹ : ۴۲) - (۲۵ : ۵۷) - (۲۱ : ۵۸)

قوت اور جماعتِ مومنین

۱۔ اپنی سرحدوں کو پوری پوری قوت سے مضبوط رکھو۔ (۶۰ : ۸) - قوت کا عطا ہونا خدا کا انعام ہے۔ (۵۲ : ۱۱)

قوتِ بے باک کا نتیجہ

۱۔ جن قوموں نے قوانینِ خداوندی سے سرکشی برت کر قوت کا استعمال کیا، وہ تباہ ہوگئیں۔ (۶۹ : ۹) - قومِ سبا صاحبِ قوت تھی۔ (۳۴ : ۲۷) - تباہ شدہ اقوام۔ (۹ : ۳۰) - (۴۴ : ۳۵) - (۲۱ : ۴۰) - (۸۲ : ۴۰) (۱۵ : ۴۱) - (۱۳ : ۴۷)

رسول اللہ

۱۔ حضورؐ خدا کے نزدیک صاحبِ قوت تھے۔ (۲۰ : ۸۱) - حضور کو خدا نے شدید القویٰ نے وحی کی تعلیم دی۔ (۵ : ۵۳)

قانونِ مکافاتِ عمل

خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے سامنے کوئی بھی صاحبِ قوت نہیں ہوسکتا یعنی اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ (۱۰ : ۸۶)

قوی الامین

قوی کے ساتھ امین ہونا بہت بڑی خوبی ہے۔ (۳۹ : ۲۷) - (۲۶ : ۲۸) - فرد ہو یا قوم۔ معاشرہ ہو یا نظام۔ مملکت ہو یا حکومت۔ جس میں یہ دونوں صفات جمع ہوجائیں وہ خیر کا سرچشمہ بن جائے گی۔ ورنہ 'قوت بلا امانت' شر اور تخریب' اور امانت بلا قوت' رہبانیت۔ اسلام قوت اور امانت کے امتزاج کا نام ہے۔ (امانت کا مادہ امن ہے)

(-)

۱۴۔ قوم

قوموں کی موت و حیات کے ابدی اصولوں کا ذکر" امم سابقہ" کے عنوان میں آچکا ہے۔ وہیں مختلف اقوام سابقہ کے تاریخی شواہد بھی سامنے آچکے ہیں۔ نیز مختلف اقوام کا ذکر ان کے انفرادی عنوانات میں دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن نے قوم کی جگہ اُمت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسے امت کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے۔ زیر نظر عنوان میں یہ بتایا جائے گا کہ قرآن کریم میں قوم کا لفظ کن کن عنوانات سے آیا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ زمانۂ قدیم میں ایک نسل کے افراد مل کر ایک گروہ کی شکل میں رہتے تھے۔ قرآن نے انہیں بھی قوم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً قوم عاد۔ قوم ثمود وغیرہ۔

۲۔ عصر حاضر میں قومیت (NATIONALISM) کا معیار اشتراک وطن ہے۔ یعنی ایک وطن کی حدود میں رہنے والے تمام افراد۔ خواہ وہ کسی نسل سے متعلق ہوں اور ان کا مذہب بھی کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مل کر ایک قوم بنتے ہیں۔ قرآن نے قوم سبا وغیرہ کا جو ذکر کیا ہے تو غالباً ان کی وجہ جامعیت وطن کا اشتراک تھی۔

۳۔ قرآن کریم نے قومیت کے ان معیاروں کی نفی کی اور کہا کہ قومیت کا مدار آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک پر ہے۔ اس اعتبار سے دنیا میں صرف دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ جو قرآن میں عطا کردہ آئیڈیالوجی پر ایمان رکھتی ہے۔ جسے امت مسلمہ یا جماعت مومنین کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قوم ان انسانوں پر مشتمل ہے جو اس آئیڈیالوجی پر ایمان نہیں رکھتے۔ انہیں قوم الکافرین۔ نہ ماننے والوں کی قوم۔ کہا جاتا ہے۔ (۲ : ۲۶۴)۔ قرآن میں "قوم المؤمنین" یا "قوم المسلمین" کے الفاظ نہیں آئے۔ اگرچہ "قوم یومنون" کے الفاظ آئے ہیں۔ امت مسلمہ کا ذکر امت کے عنوان میں آچکا ہے اور کافرین کا کفر کے زیر عنوان۔

۴۔ قرآن نے اس گروہ کو بھی قوم کہہ کر پکارا ہے جس کے افراد کسی ایک خصوصیت میں مشترک ہوں۔ مثلاً قوم المجرمین۔ قوم الفاسقین وغیرہ۔ زیر نظر عنوان میں ان اقوام کا ذکر سامنے آئے گا۔

۵۔ قوم المجرمین۔ قوم الفاسقین وغیرہ سے آپ نے دیکھا کہ قرآن، دنیا کے ان تمام لوگوں کو جو کسی خصوصیت میں مشترک ہوں، قوم کہہ کر پکارتا ہے خواہ ان کی نسل" زبان، رنگ، وطن کوئی بھی ہو۔ اس سے بھی واضح ہے کہ قرآن کی رو سے معیار قومیت کسی خصوصیت کا اشتراک ہے۔ اور چونکہ کفر اور ایمان دو بنیادی (متضاد) خصوصیات ہیں اسی لئے قرآن، تمام انسانوں کو انہی دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۲ : ۲۶۴)۔ لہٰذا نہ کوئی کافر مسلم قوم کا فرد ہو سکتا ہے نہ کوئی مسلم، قوم کافر کا فرد۔

۶- واضح رہے کہ جب قرآن کہتا ہے کہ (مثلاً) خدا قوم الفاسقین وغیرہ کو ہدایت نہیں دیتا۔ تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جب تک وہ قوم اس روش (فسق۔کفر۔ظلم وغیرہ) پہ قائم رہتی ہے اس کے سامنے کشاد کی راہیں نہیں کھلتیں۔ اگر وہ قوم زندگی کی خوشگواریوں سے متمتع ہونا چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنی غلط روش کو چھوڑ دے۔

قوم یؤمنون۔ (قرآن کی صداقتوں پر ایمان رکھنے والے)۔ (نیز دیکھئے ایمان)

۱- قوم مؤمنین کے نشانیاں۔ (۹۹ : ۶)۔ (۷۹ : ۱۶)۔ (۸۶ : ۲۷)۔ (۲۴ : ۲۹)۔ (۳۷ : ۳۰)۔ (۵۲ : ۳۹)

۲- ان کے لئے کتاب (قرآن) بالکل واضح ہے۔ ہدایت ہے۔ رحمت ہے۔ (۵۲ : ۷)۔ (۲۰۲ : ۷)۔ (۱۱۱ : ۱۲)
(۶۴ : ۱۶)۔ (۵۱ : ۲۹)۔ (۳) حضورؐ قوم مومنین کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ (۱۸۸ : ۷)

۴- قوم مؤمنین کے لئے غلبہ و نصرت۔ (۱۴ : ۹)۔ (۵)۔ تاریخی شواہد قوم مومنین کے لئے۔ (۳ : ۲۸)

قوم یذکرون (قوانین خداوندی کو پیش نظر رکھنے والے)۔ (نیز دیکھئے ذکر)

۱- ان کے لئے قوانین واضح کر دیئے گئے۔ (۱۲۶ : ۶)۔ (۲)۔ اس قوم کے لئے نشانیاں۔ (۱۳ : ۱۶)

قوم عابدین (قوانین خداوندی کی اطاعت کرنے والے)۔ (نیز دیکھئے عبد)

۱- قوم عابدین کے بلاغ۔ (۱۰۶ : ۲۱)

قوم الصالحین۔ (عمدہ صلاحیتوں کی مالک قوم)۔ (نیز دیکھئے صلح)

۱- قوم صالحین کے زمرہ میں داخل ہونے کی دعا۔ (۸۴ : ۵)

قوم الضالین۔ (راہ گم کردہ لوگ)۔ (نیز دیکھئے ضلالت)

۱- قوم ضالین سے الگ رہنے کی تاکید۔ (۷۷ : ۶)

قومِ یعلمون (صاحبِ علم و بصیرت)۔ (نیز دیکھئے عنوان علم)

۱۔ ان کے لئے حدود اللہ واضح کر کے بتا دی گئیں۔ (۲:۲۳۰) – (۶:۹۷) – (۶۱:۱۰۵) – (۷:۳۲) –
(۹:۱۱)، (۱۰:۵)

۲۔ قومِ یفقہون
ان کے لئے قوانین واضح کر دئے۔ (۶:۹۸) – جو قوم تفقہ سے کام نہیں لیتی وہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ (۸:۶۵)۔
ان کے دل پھر جاتے ہیں۔ (۹:۱۲۷)۔ منافق قوم لا یفقہون ہیں۔ (۵۹:۱۳)

۳۔ مشرکین میں سے کوئی تمہاری پناہ میں آئے تو اسے قرآن سناؤ۔ پھر وہ واپس جانا چاہیئے تو اسے اسکے مستقر تک بحفاظت پہنچا دو۔
یہ اس لئے یہ وہ لوگ ہیں جو جانتے نہیں ہیں۔ (لا یعلمون)۔ (۹:۶)

۴۔ تاریخی شواہد میں ان کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۲۷:۵۲)

۵۔ قرآن کی آیات قومِ یعلمون کے لئے نکھار کر بیان کر دیں۔ (۴۱:۳)

قومِ یوقنون (قوانینِ خداوندی کی صداقتوں پہ یقین رکھنے والے لوگ) (نیز دیکھئے عنوان یقین)

۱۔ قومِ یوقنون کے لئے قرآنی قوانین واضح طور پہ دے دئے گئے ہیں۔ (۲:۱۱۸)

۲۔ بہترین فیصلہ خدا ہی کا ہے۔ (۵:۵۰)۔ (۳) ۔مظاہرِ فطرت میں نشانیاں۔ (۴۵:۴)

۴۔ قرآن، قومِ یوقنون کے لئے بصائر۔ ہدایت اور رحمت ہے۔ (۴۵:۲۰)

قومِ یعقلون۔ قومِ یتفکرون (عقل و فکر سے کام لینے والے لوگ)۔ (نیز دیکھئے عنوان عقل)

۱۔ مظاہرِ فطرت میں قومِ یعقلون کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۲:۱۶۴) – (۱۳:۴) – (۱۶:۱۲) – (۱۶:۶۷) – (۳۰:۲۴)
(۳۰:۲۸) – (۴۵:۵) ۔ قومِ یتفکرون کے لئے۔ (۱۰:۲۴) – (۱۳:۳) – (۱۶:۱۱) – (۱۶:۶۹) –
(۳۰:۲۱) – (۳۹:۴۲) – (۴۵:۱۳) ۔ لقوم یسمعون۔ (۱۰:۶۷) – (۳۰:۲۳)

۲۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والی قوم۔ (۵:۵۸)۔ منافقین۔ (۵۹:۱۴)

۳۔ تاریخی شواہد میں نشانیاں۔ (۲۹:۳۵)

قوم الفاسقین - (غلط روش اختیار کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے فسق)

۱- بار الہٰ! مجھ میں اور قوم فاسقین میں تفریق کر دے - (۲۵ : ۵)
۲- قوم فاسقین کی تباہی پر غم نہ کھاؤ - (۲۶ : ۵)
۳- قوم الفاسقین کو ہدایت نہیں ملتی - (۱۰۸ : ۵) - (۲۴ : ۹) - (۸۰ : ۹) - (۶ : ۶۳) - جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو خدا نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئیے - (۵ : ۶۱) - (۴) - قوم فاسقین سے خدا راضی نہیں ہوتا - (۹۶ : ۹)
۵- قوم لوط فاسقین کی قوم تھی - (۷۴ : ۲۱) - قوم فرعون بھی - (۱۲ : ۲۷) - (۳۲ : ۲۸)
۶- فاسقین ہی ہلاک ہوتے ہیں - (۳۵ : ۴۶)

قوم مسرفون (غلط مقامات پر صلاحیتیں صرف کرنے والے) - (نیز دیکھئے عنوان اسراف)

۱- قوم لوط، مسرفین تھے - (۸۱ : ۷) - مجرمین اور منکرین تھے - (۶۲ و ۵۸ : ۱۵) - (۳۲ : ۵۱) - فاسقین (۷۴ : ۲۱) جاہلین میں سے - (۵۵ : ۲۷)
۲- دربار فرعون کے مرد مومن نے اپنی قوم کو مسرفین کہا - (۱۹ : ۳۶) - (۲۸ : ۴۰)

قوم الکافرین (ابدی صداقتوں سے انکار کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے عنوان کفر)

۱- قوم کافرین پر غلبہ و نصرت کی دعائیں - (۲۵۰ : ۲) - (۲۸۶ : ۲) - (۱۴۷ : ۳) - ان سے نجات حاصل کرنے کی دعائیں - (۸۶ : ۱۰)
۲- خدا ہدایت نہیں دیتا - (۲۶۴ : ۲) - (۶۷ : ۵) - (۳۷ : ۹) - انہیں آیات خداوندی کچھ فائدہ نہیں دیتیں - (۱۰۱ : ۱۰) - (۱۰۷ : ۱۶) - جو قوم ایمان کے بعد کفر اختیار کرے اسے ہدایت نہیں مل سکتی - (۸۶ : ۳) - یہ لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں - (۸۷ : ۱۲)
۳- قوم الکافرین کی تباہی پر غم نہ کھاؤ - (۶۸ : ۵) - (۹۳ : ۷) - (۴) - ان کا مسلک چھوڑ دو - (۳۷ : ۱۲)
۵- ان کے لئے ہلاکت ہے - (۴۴ : ۲۳) - (۶) - قوم سبا قوم کافرین میں سے تھی - (۴۳ : ۲۷)
۷- حضورؐ کی فریاد کہ یہ قوم ایمان نہیں لاتی - (۸۸ : ۴۳)

قوم الظالمین (نیز دیکھئے عنوان ظلم)

۱۔ خدا ہدایت نہیں دیتا۔ (۲ : ۲۵۸)۔ (۳ : ۸۶)۔ (۵ : ۵۱)۔ (۶ : ۱۴۴)۔ (۹ : ۱۹)۔ (۹ : ۱۰۹)۔ (۲۸ : ۵۰)۔ (۴۶ : ۱۰)۔ (۶۱ : ۷)۔ (۶۲ : ۵)

۲۔ اپنے آپ پر ظلم کرنے والی قوم کی کھیتیاں جھلس جاتی ہیں۔ (۳ : ۱۱۸)۔ اس کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (۶ : ۴۵)۔ ہلاک ہوتی ہی ظالم قوم ہے۔ (۶ : ۴۷)۔ (۲۳ : ۴۱)

۳۔ قوم الظالمین کے پاس مت بیٹھو۔ (۶ : ۶۸)۔ ان میں سے نہ ہو۔ (۷ : ۴۷)۔ (۷ : ۱۵۰)۔ (۱۱ : ۴۴)۔ (۲۳ : ۹۴)

۴۔ قوم ظالمین کے ظلم و ستم سے بچنے کی دعائیں۔ (۱۰ : ۸۵)۔ (۲۸ : ۲۲)۔ (۲۸ : ۲۱-۲۵)۔ (۶۶ : ۱۱)۔

۵۔ قومِ فرعون، قومِ ظالمین تھی۔ (۲۶ : ۱۰)

۶۔ قوم عادون۔ (۲۶ : ۱۶۶)۔ قوم یعدون۔ (۲۷ : ۶۰)۔ طاغون۔ (۳۷ : ۳۰)۔ (۵۱ : ۵۳)۔ (۵۲ : ۳۲)

قوم المجرمین (قانون شکن لوگ)۔ (نیز دیکھئے۔ جُرم)

۱۔ ان سے خدا کا عذاب (جرائم کی پاداش) ٹلتا نہیں۔ (۶ : ۱۴۷)۔ (۱۲ : ۱۱۰)

۲۔ قوم مجرمین کی پاداشِ عمل۔ (۱۰ : ۱۳)۔ (۴۶ : ۲۵)۔ (۳)۔ قومِ فرعون، قومِ مجرمین تھی۔ (۴۴ : ۲۲)

۳۔ کفار اہلِ جہنم ہیں اور قوم المجرمین۔ (۴۵ : ۳۱)

قوم یشکرون (اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر صرف کرنے والے لوگ)۔ (نیز دیکھئے شکر)

۱۔ تصریفِ آیات قوم یشکرون کے لیے۔ (۷ : ۵۸)

قوم الخاسرون (نقصان اٹھانے والے لوگ)۔ (نیز دیکھئے خسران)

۱۔ تباہ ہونے والے لوگ ہی اس خوش فہمی میں مبتلا رہ سکتے ہیں کہ ہم خدا کے قانونِ مکافات سے مامون ہیں۔ (۷ : ۹۹)

قومِ المکذبین (قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے کذب)

۱۔ ان کا انجام خراب ہوتا ہے - (۷ : ۷۶-۷۷) - ہلاکت - (۳۶ : ۲۵)

۲۔ قومِ نوح، قومِ مکذبین تھی - اس لئے قومِ سُوء تھی - (۷۷ : ۲۱)

قومِ المفسدین (نیز دیکھئے فساد)

۱۔ قومِ مفسدین پر غلبہ کی دعائیں - (۳۰ : ۲۹)

متفرقات

۱۔ کسی قوم کی حالت میں تبدیلی نہیں آسکتی جب تک اس کی نفسیات (قلب و نگاہ) میں تبدیلی نہیں آجاتی - (۸ : ۵۳)-(۱۳)

۲۔ عذاب کی مستحق قوم - (۴۷ ، ۲۷) - (۳)- مشرکین کو قوم یعدلون کہا - (۲۷ : ۶۰) - قوماً عالین - (۴۶ : ۲۳)

۴۔ جھگڑا کرنے والی قوم - (۵۸ : ۴۳)

۵۔ رسول جس قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اسے "میری قوم" کہہ کر مخاطب کرتا تھا - یہ اس لئے کہ وہ اسی قوم سے اٹھتا تھا - اور اس کے بعد ایک نئی اُمت کی تشکیل کرتا تھا - (مثال کے لئے دیکھئے) - (۲ : ۵۴) - (۵ : ۲۰-۲۱) - (۶ : ۱۳۵) نیز سورۃ یونسؑ - ہودؑ اور اعراف میں مختلف انبیاءِ کرام کا تخاطب اپنی اپنی قوم سے - یا یہ کہ خدا نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا - (۲۳ : ۲۳) - یا انہیں قوملک کہا - (۶ : ۶۶) - (۳۶ : ۱۱)

۶۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو خدا تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا - (۹ : ۳۹) - (۴۷ : ۳۸) - (۷) قومِ عاد سے ایسا ہی کہا گیا - (۱۱ : ۵۷)

۸۔ ظالمین کی جگہ دوسری قوم - (۲۱ : ۱۱) - (۹) - قوماً بورا - (۲۵ : ۱۸) - (۴۸ : ۱۲)

۱۰۔ قومِ عاد سے کہا کہ وہ قوم تجھلون ہے - (۴۶ : ۲۳) - (۱۱) - مغضوب علیہ قوم - (۵۸ : ۱۴) - (۶۰ : ۱۳)

۱۲۔ جس قوم کی طرف کوئی رسول آیا اسے "اس کی قوم" کہا گیا ہے - لیکن بعض مقامات میں انہیں بھی اس کی قوم کہا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ ہو گئے - مثلاً حضرت موسیٰؑ نے وادیٔ سینا میں بنی اسرائیل کو قومی کہا ہے - (۷ : ۱۴۲) اسی طرح جب کہا گیا کہ رسول اللہ اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ میری اس قوم نے قرآن کو مہجور بنا دیا تھا - (۲۵ : ۳۰)

تو اس سے مراد حضورؐ کے اولین مخاطب بھی ہو سکتے ہیں اور ہم مسلمان بھی جنہوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔ قرآن کو مھجورؔ بنا دینے سے تو یہی متبادر ہوتا ہے کہ اس سے ہم (مسلمان) ہی مراد ہیں۔

———(۰)———

۱۳- قہر

قہر- تسلط - اقتدار - غلبہ - گرفت

قرآن کریم کی رو سے، کسی انسان پر دوسرے انسان کا غلبہ و اقتدار نہیں ہو سکتا۔ اقتدار صرف خدا کا حق ہے۔ اس نہج سے خدا کی ایک صفت القہار بھی آتی ہے۔ (۳۹ : ۱۲)- (۱۰ : ۱۳)- (۴۸ : ۱۴)- (۶۵ : ۳۸)- (۴ : ۳۹)- (۱۶ : ۴۰)- خدا اپنے بندوں پر غلبہ و اقتدار رکھتا ہے- (۱۸ : ۶)- (۶۱ : ۶)

استبداد

۱- لیکن انسانوں کا دوسرے انسانوں پر غلبہ، وہ قہر ہے۔ جو قابلِ مذمت ہے۔ فرعون نے یہی کہا تھا کہ ہم بنی اسرائیل پر قاہر ہیں- (۱۲۷ : ۷)

———(۰)———

۱۴- قیامت

قیامت- یہ قرآن کریم کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ اس کا مادہ (ق - و - م) ہے۔ جس کے معنی اعتدال اور توازن قائم ہونے کے ہیں۔ اس نہج سے قائم اور قیامؔ کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں کہ کھڑا وہی رہ سکتا ہے جس کا توازن قائم رہے۔ لفظ قیامۃ، قیام کے آخر (ۃ) کے اضافہ سے بنا ہے۔ اس اضافہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ کام یکبارگی ہو گیا۔ لہٰذا، قیامت کے معنی "یکبارگی کھڑے ہو جانے" کے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ اصطلاح، مرنے کے بعد زندہ ہونے کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ اور اس زندگی پر ایمان، مسلمان ہونے کی بنیادی شرط ہے۔ (اسے ایمان بالآخرت کہتے ہیں)۔ لیکن اگر کوئی قوم، انقلابی

جدوجہد کی رُو سے اٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے تو اسے (اس دنیا میں) قیامت سے تعبیر کیا جائے گا۔ حضورؐ نبی اکرم نے جس قسم کا تو ازن بدوش عالمگیر انقلاب برپا کیا تھا، وہ دنیاوی قیامت کی مثال ہے۔ اس انقلاب کے بعد، انسانیت پر پھر سے مردنی چھا گئی۔ اب اگر یہ پھر اسی طرح کا انقلاب برپا کر کے، اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے گی تو یہ اس کی (اس دنیا کی) قیامت ہو گی اور اسی انقلابی دور کو یوم القیامۃ کہا جائے گا۔ یہ اس یوم القیامۃ سے الگ ہے جس کا تعلق حیاتِ اخروی سے ہے۔ (اس سلسلہ میں آخرت۔ الساعۃ۔ بعث۔ حشر وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے)

۲۔ قرآن کریم میں ایک عظیم عالمگیر کائناتی انقلاب کا ذکر آتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ (مثلاً) چاند اور سورج ماند پڑ جائیں گے۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ اجرام فلکی پھٹ جائیں گے۔ زمین شق ہو جائے گی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان الفاظ کا مفہوم حقیقی (لفظی) لیا جائے تو یہ اس کائنات کا کوئی مادی (طبیعی) انقلاب ہو گا۔ جس کے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (اسے عام طور پر قربِ قیامت کی علامات کہا جاتا ہے)۔ لیکن اگر ان الفاظ کے مجازی معنی لئے جائیں تو یہ ایک عظیم تمدنی انقلاب ہو گا جو قرآن کریم کے مطابق نظام قائم کرنے سے انسانی دنیا میں برپا ہو گا۔ (اس سلسلہ میں لغات القرآن اور مفہوم القرآن دیکھئے)۔ لیکن اگر اس سے مراد کائناتی انقلاب بھی لیا جائے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تک یہ انقلاب واقع نہیں ہو گا، انسانوں کے مرنے کے بعد زندگی ملے گی نہیں۔ حیات بعد الممات ہر شخص کو ساتھ کے ساتھ ملتی جائے گی۔ (اس سلسلہ میں عنوان موتیٰ یا مردے بھی دیکھئے)۔

۳۔ قرآن کریم میں قیامت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے گویا ایک میدان ہو گا جس میں لوگ جمع ہوں گے۔ اس میں ایک عدالت قائم ہو گی۔ ملزم پیش ہوں گے۔ پولیس والے ساتھ ہوں گے۔ گواہ پیش ہوں گے۔ ملزم کو صفائی کا موقعہ دیا جائے گا۔ پھر عدالت فیصلہ صادر کرے گی اور اس کے مطابق ملزم، جنت یا جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اعمال اور ان کی جزا و سزا برحق ہے۔ لیکن یہ نقشہ ہمارے سمجھانے کے لئے سامنے لایا گیا ہے کیونکہ مجرد حقائق، محسوس مثالوں اور تشبیہوں ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی یہاں کی طبیعی زندگی سے یکسر مختلف ہو گی۔ وہ کیسی زندگی ہو گی۔ اور اس کے کوائف و تضمنات کس قسم کے ہوں گے، اسے ہم، اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ نہیں سکتے۔ جس طرح ایک حیوان، انسانی کیفیات، احساسات و جذبات کو سمجھ نہیں سکتا، اسی طرح موجودہ سطح کا انسان، آنے والی زندگی (جو موجودہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل ہو گی) کے کوائف اپنے شعور میں لا نہیں سکتا۔ وہ زندگی ہو گی ضرور، لیکن کیسی ہو گی، یہ ہم نہ کہہ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے۔ (اس سلسلہ میں جنت اور جہنم کے عنوانات بھی دیکھئے)۔ عنوانِ زیرِ نظر میں صرف القیامۃ کے متعلق بات ہو گی۔ اس سے مراد، اس دنیا کا انقلاب ہے یا مرنے کے بعد کی انقلاب آفرین زندگی، اس کا اندازہ آپ، ربطِ مضمون سے خود لگا لیجئے گا۔

(اس ضمن میں میری کتاب "جہانِ فردا" کا مطالعہ بھی مفید رہے گا)۔

یوم القیامۃ

۱۔ شدید عذاب۔ (۲ : ۸۵) - (۲ : ۱۶۵)۔ بخیل کا بخل طوقِ گردن بن جائے گا۔ (۳ : ۱۷۹)
چہرے سیاہ۔ (۳۹ : ۶۰)

۲۔ اختلافی معاملات میں فیصلہ۔ (۲ : ۱۱۳) - (۴ : ۱۴۱) - (۱۰ : ۹۳) - (۱۶ : ۹۲) - (۱۶ : ۱۲۴) -
(۲۲ : ۱۷) - (۲۲ : ۶۹) - (۳۲ : ۲۵) - (۴۵ : ۱۷) - (۶۰ : ۳)

۳۔ مومن، کافروں پر فائق ہوں گے۔ (۲ : ۲۱۲) - (۴)۔ خدا کفار سے بات تک نہیں کرے گا۔ (۲ : ۱۷۴) - (۳ : ۷۷)

۵۔ ہر چھپی ہوئی بات عیاں ہو جائے گی۔ (۳ : ۱۶۰)۔ اعمال نامہ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ (۱۷ : ۱۳) - (۷ : ۵۸)

۶۔ جزائے اعمال - وضعِ میزان۔ (۳ : ۱۸۴) - (۲۱ : ۴۷) - (۷ : ۵۸)

۷۔ مومنین عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ (۳ : ۱۹۳) - (۸)۔ لاریب فیہ۔ (۴ : ۸۷) - (۶ : ۱۲)

۹۔ سب کو جمع کیا جائے گا۔ (۴ : ۸۷) - (۶ : ۱۲) - (۱۷ : ۹۷) - (۴۵ : ۲۶)

۱۰۔ مجرموں کی کوئی وکالت نہیں کر سکے گا۔ (۴ : ۱۰۹)۔ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۵ : ۳۶) - (۳۹ : ۴۷) -
(۵۷ : ۱۵)۔ کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔ (۲۸ : ۴۱)

۱۱۔ حضرت عیسےٰؑ اپنے متبعین کے غلط عقائد کے خلاف شاہد ہوں گے۔ (۴ : ۱۵۹)

۱۲۔ مومنین کے لیے آسائشیں خالصتاً۔ (۷ : ۳۲)۔ عذاب سے مامون۔ (۴۱ : ۴۰)

۱۳۔ نسلِ انسانی ربوبیتِ خداوندی کی زندہ شہادت ہے۔ قیامت کے دن یہ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ (۷ : ۱۷۲)

۱۴۔ مکذبین اور مفتریوں کا قیامت کے متعلق کیا خیال ہے؟ (۱۰ : ۶۰) - (۱۳ : ۲۹)

۱۵۔ اس دنیا میں بھی عذاب اور قیامت میں بھی۔ (۱۱ : ۶۰) - (۱۱ : ۹۹) - (۱۶ : ۲۷-۲۸)۔ اس دنیا میں رزق کی
تنگی اور آخرت میں اندھا اٹھایا جائے گا۔ (۲۰ : ۱۲۴) - (۲۲ : ۹) - (۲۸ : ۴۲)

۱۶۔ فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا جہنم میں جائے گا۔ (۱۱ : ۹۸) - (۲۸ : ۴۱)

۱۷۔ دوسروں کو گمراہ کرنے والے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوں گے۔ (۱۶ : ۲۵)

۱۸۔ ابلیس کو یوم قیامت تک کی مہلت۔ (۱۷ : ۶۲)۔ (۱۹)۔ حبطِ اعمال۔ (۱۸ : ۱۰۵)

۲۰۔ ہر ایک انفرادی طور پر آئے گا۔ (۹۴ : ۶) ۔ (۹۵ : ۱۹) ۔ یعنی جسے تم "میرا" کہتے ہو وہ سب یہاں رہ جائے گا۔ اور جسے تم "میں" کہتے ہو، وہ آگے جائے گا۔ اس سے انسانی ذات مراد ہے جس کی بنیادی خصوصیت انفرادیت ہے۔

۲۱۔ جو قرآن سے اعراض برتے گا قیامت کو اپنا بوجھ اٹھائے گا۔ (۱۰۱-۱۰۰ : ۲۰)

۲۲۔ قیامت کو اٹھائے جائیں گے۔ (۱۶ : ۲۳) ۔ زندہ کرنے کے بعد جمع کئے جائیں گے ۔ (۲۶ : ۴۵)

۲۳۔ صرف اسی دنیا کو طلب کرنے والا قیامت میں عذاب میں گرفتار ہوگا۔ (۲۱ : ۲۸)

۲۴۔ مشرکین کی باہمی مودت اس دنیا تک ہے ۔ قیامت میں یہ باہمی اور ان کے معبودانِ باطل ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے۔ (۲۵ : ۲۹) ۔ (۳۱ : ۳۹)

۲۵۔ مشرکین کے معبود قیامت میں اپنے پرستاروں سے منکر ہوجائیں گے۔ (۱۴ : ۳۵)

۲۶۔ اصل خسارے میں وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن خسارے میں رکھیں ۔ (۱۵ : ۳۹) ۔ (۴۵ : ۴۲) ۔ (۲۷) ۔ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے آپ ہی کو ڈھال بنانا پڑے گا (۲۴ : ۳۹)

۲۸۔ ساری ارض خدا کے قبضہ میں ۔ اور سمٰوٰت اس کے دائیں ہاتھ میں۔ (۶۷ : ۳۹)

۲۹۔ یوم القیامت کی شہادت ۔ (۱ : ۷۵) ۔ (۳۰) ۔ یہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ (۶ : ۷۵)

۳۱۔ وہ ایسی حق ہے جیسے تم ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہو ۔ (۲۳ : ۵۱) ۔ حق الیقین ۔ (۹۵ : ۵۶)

۳۲۔ ہمارا امر ایسے آئے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ (۵۰ : ۵۴)

۳۳۔ اسے الحاقۃ بھی کہا گیا ہے ۔ (۱ : ۶۹) ۔ اور القارعۃ بھی ۔ (۴ : ۶۹) ۔ (۱ : ۱۰۱)

۳۴۔ الروح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (۳۸ : ۷۸) ۔ تیرا رب اور ملائکہ آئیں گے ۔ (۲۲ : ۸۹)

۳۵۔ منتہیٰ تیرے رب کی طرف ہے ۔ (۴۴ : ۷۹)

یوم (جس دن ......) ۔ یا جس دور میں

۱۔ جس دن حساب قائم کیا جائے گا ۔ (۴۱ : ۱۴) ۔ (۵۳ ؛ ۲۶ ؛ ۱۶ : ۳۸) ۔ (۲۷ : ۴۰)

۲۔ جس دن اشہاد کھڑے کئے جائیں گے اس دن ہم اپنے رسولوں اور جماعتِ مومنین کی مدد کریں گے۔ (۵۱ : ۱۰) ۔ (۵۱ : ۴۰)

۳۔ جس دن الروح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (۳۸ : ۷۸)

۴۔ جس دن انسانیت رب العالمین کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی۔ (۶ : ۸۳)

۵۔ جس دن نہ کسی کی دوستی کام آسکے گی۔ نہ خرید و فروخت۔ نہ شفاعت۔ (۲ : ۴۸) ۔ (۲ : ۱۲۳) ۔ (۲ : ۲۵۴)
(۱۴ : ۳۱) ۔ (۲۰ : ۱۰۹) ۔ (۲۶ : ۸۸) ۔ (۳۱ : ۳۳) ۔ (۳۴ : ۴۲) ۔ (۳۶ : ۵۴) ۔ (۴۳ : ۳۹)
(۴۴ : ۴۱) ۔ (۶۹ : ۳۵) ۔ (۷۰ : ۱۱) ۔ (۷۴ : ۴۸) ۔ (۸۰ : ۳۴) ۔ (۸۲ : ۱۹)

۶۔ جس دن کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (۳ : ۹) ۔ (۳ : ۲۵) ۔ (۴۲ : ۷)

۷۔ جس دن ہر شخص اپنے نیک اعمال کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ (۳ : ۳۰) ۔ (۳) : ۷۵)

۸۔ جس دن بعض چہرے نورانی (سفید) ہوں گے اور بعض سیاہ ۔ (۳ - ۱۰۶) ۔ (۷۵ : ۲۲ - ۲۴) ۔
(۸۰ : ۳۸ - ۴۰) ۔ (۸۸ : ۲ ۃ ۸)

۹۔ جس دن خدا رسولوں کو جمع کرے گا۔ اور ان سے پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کا جواب کیا ملا تھا۔ (۵ : ۱۰۹) ۔
(۲۸ : ۶۵) ۔ (۱۰) جس دن صادقین کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ (۵ : ۱۱۹)

۱۱۔ عذاب یوم عظیم وغیرہ۔ (۶ : ۱۵) ۔ (۷ : ۵۹) ۔ (۱۰ : ۱۵) ۔ (۱۱ : ۳) ۔ (۱۱ : ۲۶) ۔ (۱۱ : ۸۴) ۔
(۱۹ : ۳۷) ۔ (۲۲ : ۵۵) ۔ (۲۶ : ۱۳۵) ۔ (۲۶ : ۱۵۶) ۔ (۲۶ : ۱۸۹) ۔ (۳۹ : ۱۳) ۔
(۴۳ : ۶۵) ۔ (۴۶ : ۲۱) ۔ (۵۴ : ۸) ۔ (۸۳ : ۵)

۱۲۔ جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے اور پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم شریک خدائی بنایا کرتے تھے؟ (۶ : ۲۲)
(۶ : ۱۲۸) ۔ (۱۰ : ۲۸) ۔ (۱۰ : ۴۵) ۔ (۱۸ : ۵۲) ۔ (۲۵ : ۱۷) ۔ (۲۸ : ۶۲) ۔
(۲۸ : ۷۴) ۔ (۴۱ : ۴۷)

۱۳۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ (۶ : ۷۳) ۔ (۲۰ : ۱۰۲) ۔ (۲۳ : ۱۰۱) ۔ (۲۷ : ۸۷) ۔ (۵۰ : ۲۰)
(۷۴ : ۹) ۔ (۷۸ : ۱۸)

۱۴۔ جس دن ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۱۴ : ۴۴) ۔ (۴۶ : ۲۰)

۱۵۔ یوم البعث ۔ (۷ : ۱۴) ۔ (۱۵ : ۳۶) ۔ (۱۹ : ۱۵ ۃ ۳۳) ۔ (۲۳ : ۱۰۰) ۔ (۲۶ : ۸۷) ۔ (۳۰ : ۵۶)
(۳۷ : ۱۴۴) ۔ (۳۸ : ۷۹) ۔ (۵۸ : ۶) ۔ (۵۸ : ۱۸) ۔ (۸۳ : ۵)

۱۶۔ جس دن ان سکوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا ۔ (۹ : ۳۵)

۱۷۔ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ ۔ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۔ (۱۱ : ۱۰۳) ۔ (۴۲ : ۷) ۔ (۶۴ : ۹)

۱۸۔ جس دن کوئی شخص بلا اذنِ خداوندی بات نہیں کرسکے گا۔ (۱۱ : ۱۰۵)

۱۹۔ جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (۱۴ : ۴۲)

۲۰۔ جس دن یہ زمین بدل جائے گی۔ یہ آسمان بدل جائے گا۔ (۱۴ : ۴۸)

۲۱۔ یوم الدین۔ (۱ : ۳) - (۱۵ : ۳۵) - (۲۶ : ۸۲) - (۳۷ : ۲۰) - (۳۸ : ۷۸) - (۵۱ : ۱۲) -
(۵۶ : ۵۶) - (۷۰ : ۲۶) - (۷۴ : ۴۶) - (۸۲ : ۱۵ ؛ ۱۷ - ۱۹) - (۸۳ : ۱۱) - (۱۰۷ : ۱)

۲۲۔ یوم الوقت المعلوم۔ (۱۵ : ۳۸) - (۳۸ : ۲۶) - (۳۸ : ۸۱) - (۵۶ : ۵۰)

۲۳۔ جس دن ہر امت سے ایک گواہ بلایا جائے گا۔ (۱۶ : ۸۴) - (۱۶ : ۸۹)

۲۴۔ جس دن ہر شخص خود اپنے آپ سے لڑتا جھگڑتا آئے گا۔ (۱۶ : ۱۱۱)

۲۵۔ اس دن ہر شخص اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ (۱۷ : ۱۴)۔ ہر امت بھی۔ (۴۵ : ۲۸)۔ اپنے اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ (۷۸ : ۴۰)۔ سب کچھ یاد آجائے گا۔ (۷۹ : ۳۵)

۲۶۔ جس دن خدا بلائے گا اور تم اس کے بلاوے کا جواب دو گے۔ (۱۷ : ۵۲)

۲۷۔ جس دن تمام انسان اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ (۱۷ : ۷۱) - (۴۵ : ۲۸)

۲۸۔ جس دن پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور زمین ابھر آئے گی۔ (۱۸ : ۴۷)

۲۹۔ جس دن لوگ خدا کے حضور جائیں گے۔ (۱۹ : ۳۸) - (۳۰) یوم الحسرت۔ (۱۹ : ۳۹)

۳۱۔ جس دن متقین خدا کی طرف وفد کی شکل میں جائیں گے۔ (۱۹ : ۸۵)

۳۲۔ تم نے ہماری آیات کو پس پشت ڈالا تھا۔ آج ہم تمہیں پس پشت ڈالتے ہیں۔ (۷ : ۵۱) - (۲۰ : ۱۲۶) -
(۴۵ : ۳۴) - (۳۳) جس دن آسمان لپیٹ دیا جائے گا۔ جس طرح رجسٹر لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ (۲۱ : ۱۰۴)

۳۴۔ اس دن رونا دھونا کسی کام نہیں آئے گا۔ خدا کی طرف سے کسی کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (۲۳ : ۶۵) - (۳۰ : ۵۷) -
(۴۰ : ۵۲) - (۴۵ : ۳۵) - (۶۶ : ۷)

۳۵۔ اس دن مومنین کو ان کی استقامت کا اجر ملے گا۔ (۲۳ : ۱۱۱)۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ۔ (۲۴ : ۲۵)
(۴۰ : ۱۷)

۳۶۔ جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں خود ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (۲۴ : ۲۴) - (۲۸ : ۶۶) -
(۳۶ : ۶۵) - (۳۹ : ۵۵) - (۷۷ : ۳۵)

۳۷۔ جس دن لوگ خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا۔ (۲ : ۲۸۱) - (۲۴ : ۶۴)

۳۸۔ وہ اس دن تباہی کو پکاریں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ایک تباہی کو نہیں، کئی تباہیوں کو پکارو۔ (۱۴ : ۲۵)

۳۹۔ جس دن مجرم اپنے ہاتھ کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا اور رسول کا اتباع کیا ہوتا۔ (۲۸ - ۲۷ : ۲۵)

۴۰۔ اس دن ملک (اختیار و اقتدار) سب خدا کے لئے ہوگا۔ اور کافروں پر وہ دن بڑا سخت ہوگا۔ (۵۶ : ۲۲) (۲۶ : ۲۵)۔ (۱۶ : ۴۰)۔ (۱۹ : ۸۲)

۴۱۔ جس دن مال یا بیوی بچے کسی کے کچھ کام نہیں آسکیں گے۔ (۸۸ : ۲۶)

۴۲ عذاب یوم الظلۃ۔ (۱۸۹ : ۲۶)

۴۳۔ جس دن ہر امت سے ایک گروہ بلایا جائے گا۔ (۸۳ : ۲۷)۔ ہر امت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہوگی۔ اعمال نامہ ان کے پاس ہوگا۔ (۲۸ : ۴۵)۔ (۴۴)۔ جس دن عذاب انہیں اوپر اور نیچے سے ڈھانپ لے گا۔ (۵۵ : ۲۹)

۴۵۔ وہ دن جو آکر واپس نہیں جائے گا۔ (۴۳ : ۳۰)۔ (۴۷ : ۴۲)

۴۶۔ یوم الفتح کو کافروں کا ایمان ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ (۲۹ : ۳۲)

۴۷۔ جس دن آگ (جہنم) میں ان کے چہرے الٹ دیئے جائیں گے۔ (۶۶ : ۳۳)

۴۸۔ وہ دن جس کے آنے میں نہ ایک ساعت کی کمی ہوگی نہ بیشی۔ (۳۰ : ۳۴)

۴۹۔ جس دن لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ (۴۰ : ۳۴)

۵۰۔ اس دن اہلِ جنت خوش و خرم ہوں گے۔ (۲۴ : ۲۵)۔ (۸۹ : ۲۷)۔ (۴ : ۳۰)۔ (۵۵ : ۳۶) (۶۸ : ۴۳)۔ (۱۲ : ۵۷)۔ (۲۲ : ۷۵)۔ (۱۱ : ۷۶)

۵۱۔ اس دن مجرمین سے کہا جائے گا کہ تم الگ ہو جاؤ۔ (۵۹ : ۳۶)

۵۲۔ اس دن مجرمین کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (۶۴ : ۳۶)۔ (۴۸ : ۵۴)

۵۳۔ یوم الفصل۔ (۲۱ : ۳۷)۔ (۴ : ۴۴)۔ (۳۸ ؛ ۴)۔ ۱۳۔ (۷۷ : ۱۳)۔ (۱۷ : ۷۸)

۵۴۔ یوم التلاق۔ (۱۵ : ۴۰)۔ (۵۵)۔ جس دن لوگ بارز ہو جائیں گے۔ (۱۶ : ۴۰)

۵۶۔ اس دن کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ (۱۷ : ۴۰)

۵۷۔ جس دن دل اچھل کر حلقوم میں آجائیں گے۔ (۱۸ : ۴۰)۔ (۸ : ۷۹)

۵۸۔ جس دن انہیں جہنم کے گرد اکٹھا کیا جائے گا۔ (۱۹ : ۴۱)۔ (۲۰ : ۴۶)۔ (۳۴ : ۴۶)۔ (۱۳ : ۵۱)۔ (۱۳ : ۵۲)

۵۹۔ خدا کی سخت گرفت کا دن - (۴۴ : ۱۶)

۶۰۔ جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس دن وہ سب سامنے آجائیں گی - (۴۶ : ۳۵)

۶۱۔ یوم الوعید - (۲۱ : ۱۰۳) - (۴۳ : ۸۳) - (۵۰ : ۲۰) - (۵۱ : ۶۰) - (۷۰ : ۴۲) - (۷۰ : ۴۴) - (۸۵ : ۲)

۶۲۔ نگاہوں پر سے پردے اٹھ جائیں گے۔ نظریں بجلیاں بن جائیں گی - (۵۰ : ۲۲)

۶۳۔ جس دن جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گیا ہے؟ تو وہ کہے گا کہ نہیں - اور...... (۵۰ : ۳۰)

۶۴۔ یوم الخلود - (۵۰ : ۳۴) - یوم الخروج - (۵۰ : ۴۲)

۶۵۔ جس دن منادی کرنے والا منادی کرے گا - (۴۰ : ۳۲) - (۵۰ : ۴۱) - (۵۴ : ۶) - (۵۴ : ۸)

۶۶۔ جس دن صیحۃ (کڑک) کی آواز آئے گی - (۵۰ : ۴۲) - (۶۷) - جس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کسی کام نہیں آئے گی - (۵۲ : ۴۶)

۶۸۔ جس دن منافق مومنین سے کہیں گے کہ ہماری طرف بھی نظرِ عنایت کرو - (۵۷ : ۱۳)

۶۹۔ یوم التغابن (۶۴ : ۹) - (۷۰) - جس دن خدا نبیوں کو اور مومنین کو رسوا نہیں کرے گا - (۶۶ : ۸)

۷۱۔ کشفِ ساق کا دن - (۶۸ : ۴۲) - (۷۲) - جس دن وہ قبروں سے نکلیں گے - (۷۰ : ۴۳)

۷۳۔ یَوْمٌ عَسِیْرٌ (۲۵ : ۲۶) - (۷۴ : ۹) - عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا (۷۶ : ۱۰) - یَوْمًا ثَقِیْلًا (۷۶ : ۲۷) - (۷۴) - یَوْمُ الْحَقُّ (۷۸ : ۳۹)

۷۵۔ اس دن وہ یوں محسوس کریں گے جیسے ایک آدھ گھڑی رہے ہوں - (۲۵۹ : ۲) - (۲۰ : ۱۰۴) - (۲۳ : ۱۱۳) - (۴۶ : ۹) - (۷۶) - جس دن مومن، کفار پہ ہنسیں گے - (۸۳ : ۳۴)

۷۷۔ جس دن راز سب بے نقاب ہو جائیں گے - (۶۹ : ۱۸) - (۸۶ : ۹)

۷۸۔ جس دن قلب و نگاہ میں تبدیلی آجائے گی - (۲۴ : ۳۷) - (۷۹) - جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے - (۷۳ : ۱۷)

۸۰۔ جس دن کی بابت رسول متنبہ کیا کرتے تھے - (۶ : ۱۳۰) - (۳۹ : ۷۱)

۸۱۔ تم نے اس دن کو بھلا رکھا تھا - اب اس کا مزہ چکھو - (۳۲ : ۱۴) - (۸۲) جس دن انہیں سزا ملے گی - (۵۲ : ۴۵)

۸۳۔ جس سے اس دن کا عذاب ٹل گیا اس پر خدا کی رحمت ہو گئی - (۶ : ۱۶) - (۴۰ : ۹)

۸۴۔ اس دن وزن بالکل ٹھیک ٹھیک کیا جائے گا - (۷ : ۸)

۸۵۔ اس دن مجرمین زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے - (۱۴ : ۴۹)

۸۶۔ اس دن جہنم کافروں کے سامنے نمودار ہو جائے گا - (۱۸ : ۱۰۰) - (۸۹ : ۲۳)

۸۷۔ جس دن ملائکہ سامنے آگئے تو وہ دن مجرمین کے لیے کسی خوشخبری کا نہیں ہوگا۔ (۲۲ : ۲۵)

۸۸۔ اس دن نہ کہیں پناہ مل سکے گی۔ نہ ہی کوئی اپنے جرائم سے انکار کر سکے گا۔ (۴۷ : ۴۲)۔ نہ کہیں بھاگ سکے گا۔(۱۰ : ۷۵)

۸۹۔ اس دن سب کی دوستیاں چھوٹ جائیں گی بجز متقین کے۔ (۶۷ : ۴۳)

۹۰۔ اس دن مبطلین بہت خسارے میں رہیں گے۔ (۲۷ : ۴۵)۔(۹۱)۔ اس دن جو کچھ واقع ہونا ہے واقع ہو جائے گا۔(۱۵ : ۶۹)

۹۲۔ اس دن آٹھ (ملائکہ) خدا کا عرش اٹھائے ہوں گے۔ (۱۷ : ۶۹)

۹۳۔ اس دن خدا کی طرف منتقر ہوگا۔ (۱۲ : ۷۵)۔(۳۰ : ۷۵)

۹۴۔ اس دن مکذبین کے لئے تباہی ہوگی۔ (۱۹ ؛ ۲۸ ؛ ۳۵ ؛ ۴۰ ؛ ۳۷ ؛ ۴۴ ؛ ۳۴ ؛ ۲۸ ؛ ۲۴ ؛ ۱۹ ؛ ۱۵ : ۷۷)۔
(۱۱ : ۸۳)۔ (۹۵)۔ اس دن ہر ایک اپنی بپتا میں مصروف ہوگا۔ (۳۸ : ۸۰)

۹۶۔ اپنے رب سے محجوب ہوں گے۔ (۱۵ : ۸۳)

۹۷۔ اس دن انسان پچھلی باتوں کو یاد کرے گا لیکن اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ (۲۳ : ۸۹)

۹۸۔ اس دن خدا کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں ہوگا۔ (۲۵ : ۸۹)

۹۹۔ اس دن لوگ پریشان حال، بکھرے ہوئے نکلیں گے کہ اپنے اعمال دیکھ لیں۔ (۶ : ۹۹)

۱۰۰۔ ان کا رب ان سب کے متعلق خبیر ہوگا۔ (۱۱ : ۱۰۰)

۱۰۱۔ اس دن لوگوں سے نعماء خداوندی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (۸ : ۱۰۲)

۱۰۲۔ ہر شخص کے ساتھ ایک نگران (شہید) اور ایک سائق (ہانکنے والا ہوگا)۔ (۲۱ : ۵۰)

انقلاب کی تفصیلات

۱۔ جس دن پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور زمین ابھر آئے گی۔ (۴۷ : ۱۸)۔ (۱۰۷ - ۱۰۵ : ۲۰)۔(۸۸ : ۲۷)
(۹ : ۵۲)۔(۱۱ : ۵۲)۔ (۶-۴ : ۵۶)۔ (۱۶-۱۴ : ۶۹)۔(۱۰ : ۷۷)۔(۲۰ : ۷۸)۔ (۳ : ۸۱)

۲۔ جس دن آسمان لپیٹ دیا جائے گا۔ جس طرح رجسٹر لپیٹے جاتے ہیں۔ (۱۰۴ : ۲۱)

۳۔ جس دن آسمان پھٹ جائے گا۔ اور ملائکہ اتریں گے۔ وہ دن مجرمین کے لئے خوشی آئند نہیں ہوگا۔ (۲۵ ؛ ۲۲ : ۲۵)
(۱۶ : ۶۹)۔(۱۹ : ۷۸)

۴۔ جس دن دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو چھوڑ دیں گی۔ اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں اور لوگ یوں ہوں گے جیسے

نشہ میں ہوں۔ (۲ : ۲۲)

۵۔ جس دن آسمان ایک واضح دھوئیں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ (۱۰ : ۴۴)

۶۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی۔ (۴۴ : ۵۰)

۷۔ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ (۸ : ۷۰)۔ (۱۸ ؛ ۱۴-۱۲ : ۷۳)۔ دھنی ہوئی روئی کی طرح۔ (۹ : ۷۰)۔ (۹ : ۷۷)۔ (۱ : ۸۲)۔ (۲-۱ : ۸۴)۔ (۵ : ۱۰۱)

۸۔ جس دن ایک زلزلہ انگیز جھٹکا آئے گا۔ (۶ : ۷۹)۔ (۱ : ۹۹)۔ (۹)۔ جس دن صَاخَّة آئے گی۔ (۳۴ : ۸۰)

۱۰۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (۴ : ۱۰۱)

۱۱۔ اس دن زمین اپنی خبریں باہر لے آئے گی۔ (۵-۳ : ۸۴)۔ (۴-۲ : ۹۹)۔ دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا۔ (۲۱ : ۸۹)

۱۲۔ ہر بستی کو قیامت سے پہلے ہلاک کر دیا جائے گا۔ (۵۸ : ۱۷)

۱۴۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ (۶۹ : ۳۹)۔ (۱۴)۔ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ (۸ : ۷۳)

۱۵۔ چاند بے نور ہو جائے گا۔ چاند اور سورج جمع ہو جائیں گے۔ (۹-۸ : ۷۵)۔ (۸ : ۷۷)۔ (۲-۱ : ۸۱)۔ (۲ : ۸۲)۔ (۱۶)۔ جب گیابھن اونٹنیاں بے کار پھریں گی۔ وحشی جانور جمع ہو جائیں گے۔ سمندر موجزن ہوں گے۔ (۶-۴ : ۸۱)۔ (۳ : ۸۲)

۱۷۔ جب مَوْءُودَة سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ (۸-۷ : ۸۱)

۱۸۔ جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ (۴ : ۸۲)۔ (۱۱-۹ : ۱۰۰)

فُرادیٰ

اگرچہ قرآن کریم میں قیامت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ وہاں سب کو اکٹھا کیا جائے گا۔ (دیکھئے عنوان حشر) لیکن بعض مقامات میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے، اکیلا سامنے آئے گا۔ انفرادیت (INDIVIDUALITY) انسانی ذات کی بنیادی خصوصیت ہے اور قانونِ مکافاتِ عمل' کا نقطۂ ماسکہ ہی انفرادیت ہے۔ یعنی ہر شخص خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور وہی اس کے نتائج بھگتے گا۔ اس لئے فُرادیٰ کے معنی یہ بھی ہیں۔ نیز یہ بھی کہ دنیا میں جس جس چیز کو انسان "میری" کہتا ہے۔ میرا مال۔ میری اولاد۔ میرا جسم۔ یہ سب یہاں رہ جائیں گے، اور صرف "میں" (انسانی ذات) آگے جائے گی۔ فُرادیٰ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے۔ اور یہ بھی کہ وہاں کوئی کسی کا ساتھی نہیں ہوگا۔ یار و مددگار نہیں ہوگا۔

۱۔ ہم انسان کے اعمال لکھ لیتے ہیں اور وہ ہمارے حضور فرداً آئے گا۔ (۸۰ : ۱۹) - (۹۵ : ۱۹)

۲۔ تم ہمارے پاس اسی طرح فرادیٰ آؤ گے جس طرح تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ وہ سب پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ (۹۵ : ۶) - (۴۸ : ۱۸)

متفرق

۱۔ "قیامت کے دن تک" کے معنی لمبی مدت یا عرصہ تک کے لئے۔ متبعین حضرت عیسےٰ قیامت تک کفار پر غالب رہیں گے۔ (۵۵ : ۳) - عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں قیامت تک باہمی عداوت۔ (۱۴ : ۵) - یہودیوں میں بھی۔ (۶۴ : ۵) مستبد قومیں یہودیوں کو قیامت تک عذاب دیں گی۔ (۱۶۷ : ۷) - اگر قیامت رات ہی رات یا دن ہی دن رہے تو...... (۲۸ : ۷۱-۷۲) - معبودانِ باطل قیامت تک بات کا جواب نہیں سکیں گے۔ (۵ : ۴۶) - کیا تم نے قیامت کے لئے خدا سے کوئی قسم لے رکھی ہے۔ (۳۹ : ۶۸)

۲۔ یوم الاحزاب اور یوم التناد، جنگوں کے لئے کہا گیا ہے۔ (۳۲ ؛ ۳۰ : ۴۰) - (۴۱ : ۵۰) - (۴۲ : ۵۰)

۳۔ جس دور میں شر اُٹھ کر لگ جائے گا۔ (۷ : ۶۷) - (۴) - ہر بستی کو قیامت سے پہلے ہلاک کر دیا جائے گا۔ (۵۸ : ۱۷)

قیدی

قیدیوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی جرم کی سزا میں قیدخانہ میں بند ہوں۔ قرآن کریم نے قید کو تصریحاً سزا کے طور پر تجویز نہیں کیا۔ (وہ مجرم کو بدنی سزا ہی دیتا ہے)۔ البتہ وہ عندالضرورت، نظر بندی کی حد تک پابندی تجویز کرتا ہے۔ (تفصیل ان امور کی جرم اور سزا کے عنوانوں میں ملے گی)۔ زیرِ نظر عنوان میں اس قسم کے قیدیوں کا ذکر نہیں آئے گا۔ دوسری قسم جنگ کے قیدیوں کی ہے۔ جن کا ذکر "غلام اور لونڈیاں" کے عنوان میں آچکا ہے۔ تیسری قسم کے لئے قرآن میں "فی الرقاب" کی اصطلاح آئی ہے۔ اس کے معنی درحقیقت وہ لوگ ہیں جنہیں اس زمانے میں پکڑ کر غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اُس دورِ جہالت میں تو فی الرقاب (جن کی گردن میں طوق ڈال رکھا ہو) کی ایک ہی قسم ہوتی تھی لیکن ہمارے اس دورِ تہذیب میں اس کی متعدد قسمیں ہیں۔ اور وہ قسمیں ایسی ہیں کہ اُن کے طوق محسوس طور پر کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ حتکہ جن کی گردنوں میں وہ طوق پڑے ہوتے ہیں، خود انہیں

بھی وہ کہیں نظر نہیں آتے۔ لیکن وہ بندھے ہوئے اس طرح ہوتے ہیں کہ ان کے جسم تو آزاد ہوتے ہیں لیکن قلب و دماغ محبوس اور روح مقید۔ قرآن نے "بندھی ہوئی گردنوں" (فی الرقاب) کے چھڑانے کو بڑا کارِ خیر بتایا ہے۔

جنگ کے قیدی

۱۔ جہاد سے مقصد دشمن کی قوت کا توڑنا ہے نہ کہ زرِ فدیہ حاصل کرنے کی غرض سے دشمن کو گرفتار کر کے قیدی بنانا۔ (۸ : ۶۷) جب دشمن کی قوت ٹوٹ جائے تو پھر مغلوب ہو جانے والوں کو قیدی بنایا جائے گا۔ انہیں اپنے قیدیوں کے تبادلے میں رہا کیا جائے گا یا زرِ فدیہ لے کر۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر بطور احسان چھوڑ دینا ہو گا۔ جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کا حکم یا اجازت قرآن میں کہیں نہیں۔ (۴۷ : ۴)۔ جن قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے ان سے کہہ دیا جائے کہ اگر انہوں نے خیر سگالی کا ثبوت دیا تو ان سے بعد میں بھی بہت اچھا سلوک کیا جائے گا۔ (۸ : ۷۰)۔ (۲)۔ غزوۂ خندق کے قیدی۔ (۳۳ : ۲۶)

۲۔ یہودی، پہلے اپنے غریب لوگوں کو گھروں سے باہر نکال دیتے تھے۔ اور جب انہیں دوسرے لوگ قید کر لیتے تو انہیں فدیہ دے کر چھڑا لاتے اور اسے بڑے ثواب کا کام سمجھتے۔ قرآن نے اس پر سخت زجر و توبیخ کی ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب کے ایک حصے پر ایمان لانا اور اس کے دوسرے حصے سے کفر برتنا ہے۔ اس کا نتیجہ دنیا میں ذلت اور عقبےٰ میں عذابِ شدید ہوگا۔ (۲ : ۸۵)۔ آج اس کی شکل یوں سمجھئے کہ معاشرہ میں ایسے حالات پیدا کرنا کہ لوگ نانِ شبینہ تک کیلئے محتاج ہو جائیں اور پھر صدقہ اور خیرات سے ان کی مدد کر کے سمجھنا کہ ہم بڑا کارِ ثواب کر رہے ہیں۔

۳۔ اسیروں کو کھانا کھلانا بڑی نیکی کا کام ہے۔ (۷۶ : ۸)

۵۔ بغاوت سنگین ترین جرم ہے لیکن جو باغی، مغلوب ہونے سے پہلے، تائب ہو جائیں ان کے لئے معافی کی گنجائش ہے (۵ : ۳۴)

فی الرّقاب

۱۔ **اس زمانے کے غلاموں کے معنی میں**

غلام کو آزاد کرانا بطور کفارہ۔ (۴ : ۹۲)۔ (۵ : ۸۹)۔ (۵۸ : ۴)

(مزید تفصیل "غلامی" کے عنوان میں دیکھئے)

۲- عام معانی میں

فکّ الرقبۃ - "بندھی ہوئی گردنوں کا آزاد کرانا" من عزم الامور اور دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ (۱۳: ۹۰) انہیں مال دینا، اصل نیکی ہے۔ (۱۷۷ : ۲) - صدقات کے مصارف میں ایک مد یہ بھی ہے۔ (۶۰ : ۹) - یعنی غلام اقوام کو آزاد کرانا - اور محتاجوں اور محکوموں کو سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنانا۔

ل

۱- کامیابی - ناکامی

فلاح - فوز

قرآن کریم میں، کامیابی کے لئے فلاح اور فوز کے الفاظ آئے ہیں۔ فلاح، کھیتی کے پروان چڑھنے کو کہتے ہیں۔ اس سے کامیابی کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ کھیتی اس کی پروان چڑھتی ہے جو قانونِ خداوندی کے مطابق محنت کرتا ہے۔ ان میں سے ایک چیز کی بھی کمی رہ جائے تو کھیتی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ جب یوں محنت کی جائے تو پھر ایک ایک دانہ سے سو سو دانے اُگتے ہیں۔

فوز کے معنی ہوتے ہیں اپنی آرزوں کو پا لینا - حاصل کر لینا - کچھ (ACHIEVE) کر لینا۔

عام مذاہب میں انسانی زندگی کی تگ وتاز کا منتہیٰ "نجات" قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس سے مقصود ہوتا ہے کسی مصیبت سے چھٹکارا پا کر پھر ایسا ہو جانا جیسا وہ اس مصیبت میں پھنسنے سے پہلے تھا۔ یعنی یہ سب جدوجہد، کسی مقصد کو حاصل کرنے یا آگے بڑھنے کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ کسی مصیبت سے چھوٹ جانے کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی یہ پروگرام منفی (NEGATIVE) حیثیت لئے ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ مثبت (POSITIVE) نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں فلاح و فوز ایک مثبت نتیجہ کی حامل ہوتی ہے۔ جس سے مراد اپنے مقصود کو حاصل کر لینا اور زندگی کے ارتقائی مراحل میں آگے بڑھ جانا ہے۔ (اس ضمن میں نجات

۲۔ عام معانی میں

فَکُّ الرَّقَبَةِ ۔ بندھی ہوئی گردنوں کا آزاد کرانا' من عزم الامور اور دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے ۔ (۱۳ : ۹۰) انہیں مال دینا' اصل نیکی ہے ۔ (۱۷۷ : ۲) ۔ صدقات کے مصارف میں ایک مد یہ بھی ہے ۔ (۶۰ : ۹) ۔ یعنی غلام اقوام کو آزاد کرانا ۔ اور محتاجوں اور محکوموں کو سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنانا ۔

ل ف ح

۱۔ کامیابی - ناکامی

فلاح - فوز

قرآن کریم میں' کامیابی کے لئے فلاح اور فوز کے الفاظ آئے ہیں ۔ فلاح' کھیتی کے پروان چڑھنے کو کہتے ہیں ۔ اس سے کامیابی کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے ۔ کھیتی اس کی پروان چڑھتی ہے جو قانون خداوندی کے مطابق محنت کرتا ہے ۔ ان میں سے ایک چیز کی بھی کمی رہ جائے تو کھیتی پروان نہیں چڑھ سکتی ۔ جب یوں محنت کی جائے تو پھر ایک ایک دانہ سے سو سو دانے اُگتے ہیں ۔

فوز کے معنی ہوتے ہیں اپنی آرزوں کو پالینا ۔ حاصل کرلینا ۔ کچھ (ACHIEVE) کرلینا ۔

عام مذاہب میں انسانی زندگی کی تگ و تاز کا منتہیٰ "نجات" قرار دیا جاتا ہے ۔ اور اس سے مقصود ہوتا ہے کسی مصیبت سے چھٹکارا پاکر پھر ایسا ہو جانا جیسا وہ اس مصیبت میں پھنسنے سے پہلے تھا ۔ یعنی یہ سب جدوجہد' کسی مقصد کو حاصل کرنے یا آگے بڑھنے کے لئے نہیں ہوتی' بلکہ کسی مصیبت سے چھوٹ جانے کے لئے ہوتی ہے ۔ یعنی یہ پروگرام منفی (NEGATIVE) حیثیت لئے ہوتا ہے ۔ اس کا نتیجہ مثبت (POSITIVE) نہیں ہوتا ۔ قرآن کریم میں فلاح و فوز ایک مثبت نتیجہ کی حامل ہوتی ہے ۔ جس سے مراد اپنے مقصود کو حاصل کرلینا اور زندگی کے ارتقائی مراحل میں آگے بڑھ جانا ہے ۔ (اس ضمن میں نجات

اور ہلاکت کے عنوانات بھی دیکھئے)

قرآن کریم میں فلاح کے مقابلہ میں خاب کا لفظ آیا ہے۔ الخیاب اس چقماق کو کہتے ہیں، جس سے آگ نہ نکلے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ناکام انسان وہ ہے جس کی صلاحیتیں دبی کی دبی رہ جائیں اور ان کی نمود اور نشو و نما نہ ہو۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے تصورِ زندگی کی رُو سے، کامیابی سے مراد اس دنیا کی سرفرازیاں اور سربلندیاں اور اُخروی زندگی کی کامیابیاں اور کامرانیاں، دونوں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہے تو وہ کامیاب زندگی نہیں، ناکام ہے۔

کامیاب کون ہوتا ہے

۱۔ مومن یقیناً کامیاب ہوں گے۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ قیامِ صلوٰۃ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا انتظام کرتے ہیں۔ لغو سے اجتناب برتتے ہیں۔ اپنی عفت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنی امانات اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ (۹-۱ : ۲۳)

۲۔ جس نے اپنی ذات (نفس) کی نشو و نما کر لی وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اس کی صلاحیتوں کو دبائے رکھا وہ ناکام رہا ——— (۱۴ : ۸۷) - (۱۰-۹ : ۹۱)

۳۔ کامیابی، قوانینِ خداوندی کی نگہداشت (تقویٰ) سے ہوتی ہے۔ (۱۸۹ : ۲)-(۱۲۹ : ۳)- (۲۰۰ : ۳)

۴۔ تقویٰ اور جہاد سے کامیابی ہوتی ہے (یعنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت اور انہیں عملی نظام بنانے کے لئے مسلسل جدوجہد- (۳۵ : ۵)- (۵)- اربابِ علم و بصیرت اگر تقویٰ اختیار کریں تو کامیاب ہو جائیں گے۔ (۱۰۰ : ۵)

۶۔ خدا کی طرف سے جو جو قوتیں اور نعمتیں ملی ہوں، انہیں پیشِ نظر رکھنے سے کامیابی ہوتی ہے۔ (۶۹ : ۷)

۷۔ اجتماعی طور پر، خدا کے متعین کردہ راستے کی طرف لوٹ آنے سے کامیابی ملتی ہے۔ (۳۱ : ۲۴)

۸۔ صلوٰۃ الجمعہ کے بعد، تلاشِ معاش میں نکل کھڑے ہو اور اس میں قوانینِ خداوندی کو سامنے رکھو اس سے کامیابی نصیب ہو گی۔ (۱۰ : ۶۲)

۹۔ متقین، جو وحی کی صداقتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ قیامِ صلوٰۃ کرتے ہیں۔ سامانِ زیست، نوعِ انسان کی نشو و نما کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ یہ کامیاب ہیں۔ (۴-۲ : ۲)- (۵-۲ : ۳۱)

۱۰۔ امتِ مسلمہ جو لوگوں کو نظامِ خداوندی کی طرف دعوت دیتی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے، کامیاب رہے گی۔ (۱۰۴ - ۳)

۱۱۔ جان و مال سے جہاد کرنے والے مومن کامیاب رہیں گے۔ (۸۸ : ۹)- ان کے لئے جنت ہے۔ (۸۹ : ۹)

١٢- اپنے تمام معاملات میں نظامِ خداوندی کو حکم تسلیم کرنا اور اس کے فیصلوں کو بطیبِ خاطر تسلیم کر لینا- یہ ہے کامیابی کا راز- (۵۱ : ۲۴)

١٣- ضرورت مندوں کا حق ادا کر دینے والے کامیاب ہو سکتے ہیں - (۳۸ : ۳۰)

١٤- جس کے حسنِ عمل کا پلڑا جھک جائے وہ کامیاب ہوتا ہے- (۸ : ۷)-(۱۰۲ : ۲۳)

١٥- جو دوسروں کی ضروریات کو اپنے پر ترجیح دے اور دوسروں کو پیچھے ہٹا کر سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لینے کے جذبے سے بچ جائے، وہ کامیاب ہوگا- (۹ : ۵۹)-(۱۶ : ۶۴)

١٦- رسولؐ پر ایمان لا کر اس کے قائم کردہ نظام کو تقویت پہنچانے والے- اور قرآن کا اتباع کرنے والے، کامیاب ہوں گے - (۱۵۷ : ۷)

١٧- حزب اللہ کامیاب ہوگا - یہ لوگ، ان سے دوستداری کے تعلقات نہیں رکھ سکتے جو خدا اور رسولؐ (نظامِ خداوندی) کی مخالفت کریں، خواہ وہ ان کے کتنے ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہوں- (۲۲ : ۵۸)

١٨- لغزش ہو جانے کے بعد، جو لوٹ آئے - پھر ابدی صداقتوں پر یقین کرے اور عملِ صالح سرانجام دے- تو وہ بھی کامیاب ہو جائے گا- (۶۷ : ۲۸)

١٩- چھوٹے چھوٹے سے خیرات کے کاموں کو نیکیاں سمجھ لینا، خود فریبی ہے - فائز المرام وہ ہوں گے جو خدا کی راہ میں مسلسل جدوجہد کریں اور اس کے لئے جو کچھ چھوڑنا پڑے اسے بطیبِ خاطر چھوڑ دیں- (۲۰ : ۹)

٢٠- ایمان کے بعد، ہر خطرہ کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرنے والے، فائز المرام ہوتے ہیں - (۱۱ : ۲۳)

٢١- اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت کرنے والے فائز المرام ہوں گے- (۵۲ : ۲۴)

٢٢- اصحاب الجنۃ، فائز المرام ہوں گے- (۳۰ : ۴۵)-(۲۰ : ۵۹)-(۱۲ : ۶۱)-(۱۱ : ۸۵)

٢٣- ابدی صداقتوں پر ایمان - قوانینِ خداوندی کی نگہداشت - صلاحیت بخشِ اعمال - خدا و رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت- اس سے زندگی بامراد ہوگی - (۷۰-۷۱ : ۳۳)

٢٤- متقین (اپنے فرائض کی نگہداشت کرنے والوں) کی زندگی بامراد ہوگی- (۳۱ : ۷۸)

٢٥- متقیوں کی مفازات (ACHIEVEMENTS) اس قدر ہوں گی کہ ان کی وجہ سے انہیں تباہی سے محفوظ رکھا جائے گا- انہیں کوئی ناخوشگواری چھو تک نہیں سکے گی- اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی افسردگی اور دل گرفتگی ہوگی- (۶۱ : ۳۹)-(۵۶ : ۴۴)

۲۶۔ جو عذابِ نار سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا وہ کامیاب ہے ۔ (۳ : ۱۸۴) - (۴ : ۱۳) - (۶ : ۱۶) - (۹ : ۸۹)
(۹ : ۱۰۰) - (۳۷ : ۶۰ - ۶۱) - (۴۰ : ۹) - (۴۸ : ۵) - (۶۴ : ۹)

۲۷۔ خود ثابت قدم رہے ۔ دوسروں کی ثابت قدم رہنے میں مدد کرے ۔ ربطِ باہمی قائم رکھے ۔ اس سے کامیابی نصیب ہوگی ۔
(۳ : ۱۹۹) - (۲۸) ۔ خمر - میسرہ - انصاب - ازلام سے مجتنب رہنے سے کامیابی ہوگی ۔ (۵ : ۹۰)

۲۹۔ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جانا ۔ اور اس کے قوانین کے نتائج کا ان کے اعمال سے ہم آہنگ ہو جانا ۔ یہ بڑی کامیابی ہے ۔ (۵ : ۱۱۹) ۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ۔ (۹ : ۷۲)

۳۰۔ جو تباہی سے بچا لیا جائے اور خدا کی رحمت کے سایہ تلے آجائے ، وہ کامیاب ہوتا ہے ۔ (۶ : ۱۶)

۳۱۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے ، اور قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے سے کامیابی مل سکتی ہے ۔ (۸ : ۴۵) ۔

۳۲۔ خدا کے ہاتھ جان و مال بیچ کر ، میدانِ جنگ میں نکل کھڑے ہونا اور اس طرح جنت حاصل کر لینا ، بہت بڑی کامیابی ہے ۔ (۹ : ۱۱۱)

۳۳۔ خدا کے دوست ، یعنی ایمان و تقویٰ والے ۔ ان پر کوئی خوف و حزن نہیں ہوتا ۔ ان کی دنیاوی زندگی بھی خوشگوار ہوتی ہے ۔ اور حیاتِ آخرت بھی ۔ (۱۰ : ۶۲ - ۶۴)

۳۴۔ آخرالامر کامیابی اسی کے لئے ہے جو سیدھے راستے پر ہو ۔ (۲۰ : ۱۳۵)

۳۵۔ مومن جو دل کے پورے جھکاؤ سے خدا کی محکومیت اختیار کرتے ہیں ۔ فلاح و بہبود کے کام کرتے ہیں ۔ خدا کے لئے مسلسل جہاد میں مصروف رہتے ہیں ۔ وہ کامیاب ہوتے ہیں ۔ (۲۲ : ۷۷)

۳۶۔ جنت میں ایمان والوں کا نور ان کے آگے آگے جا رہا ہوگا ۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی ۔ (۵۷ : ۱۲)

کون کامیاب نہیں ہو سکتا

۱۔ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ (۶ : ۲۱) - (۱۲ : ۲۳) - (۲۸ : ۳۷) ۔ وہ تباہ ہو جاتا ہے ۔ (۶ : ۱۳۶) - (۲۰ : ۱۱۱)

۲۔ قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے والے اور سرکشی برتنے والے ، (کفار) کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ (۲۳ : ۱۱۷) - (۲۸ : ۸۲)

۳۔ باطل پرست مذہبی پیشوائیت ۔ جھوٹ کو سچ کے لباس میں پیش کر کے دھوکا دینے والے (ساحرین) کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ (۱۰ : ۷۷) - (۲۰ : ۶۹)

۴۔ جو اپنے ذہن سے ایک بات وضع کرتا ہے اور اسے خدا کی طرف منسوب کرتا ہے ، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ (۱۰ : ۶۹)

(۱۱۶ : ۱۶) ۔ وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ (۱۷ : ۱۰) ۔ (۶۱ : ۲۰)

۵۔ جس نے اپنی ذات کو دبائے رکھا وہ ناکام و نامراد رہا۔ اور تباہ و برباد ہو گیا۔ (۱۰۔ ۹ : ۹۱)

۶۔ ہر جابر اور سرکش، ناکام اور برباد ہوتا ہے۔ (۱۵ : ۱۴) ۔ ان کی بربادی سے مراد یہ ہے کہ ان کا اقتدار و مملکت چھین کر، جماعتِ مومنین کے ہاتھ میں آ جائیں گے۔ (۱۴ : ۱۴) ۔ یہی ان کی ہلاکت ہے۔ (۱۳ : ۱۴)

۷۔ مجرمین کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (۱۷ : ۱۰)

۸۔ ہو سکتا ہے کہ مفتری علی اللہ کو متاعِ دنیا مل جائے لیکن وہ آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہو گا۔ (۷۰۔ ۶۹ : ۱۰)

غلبہ و اقتدار

۱۔ کفار مغلوب ہوں گے۔ (۱۱ : ۳)

۲۔ اگر خدا تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ (۱۵۹ : ۳) ۔ لیکن خدا اس کی مدد کرتا ہے جو خدا (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔ (۴۰ : ۲۲)

متفرق

۱۔ منافقین کے نزدیک مالِ غنیمت کا مل جانا بڑی کامیابی تھی۔ (۷۳ : ۴)

(۰)

۲۔ کتاب

عربوں کے ہاں، جب منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کر دی جاتی تھی تو اسے کتاب کہا جاتا تھا۔ کتاب کی آج بھی وہی شکل ہوتی ہے۔ لیکن کتاب کے بنیادی معنوں میں قانون، یا جو کچھ کسی پر واجب قرار دیا جائے، بھی داخل ہے۔ قرآن کریم کو کتاب کہا گیا ہے تو اس میں دونوں معانی شامل ہیں۔ یعنی قانونِ زندگی۔ ضابطۂ حیات۔ فرائض و واجبات کا نوشتہ۔ اور کتاب بمعنی۔ (Book) بھی۔ اس سے واضح ہے کہ نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں قرآن کتابی شکل میں مدون ہو چکا تھا۔ اسی طرح سابقہ انبیاء کرام کی وحی کو بھی کتاب کہا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر نبی کی طرف نازل ہونے والی وحی کو کتاب کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح نبی بغیر وحی کا

تصور غلط ہے۔ اسی طرح نبی بغیر کتاب کا بھی تصور غلط ہے۔

۲۔ "اہل الکتاب" قرآن کی خاص اصطلاح ہے۔ اس کے لئے دیکھئے عنوان "اہل الکتاب"۔ لیکن بعض مقامات پر ان کے لئے "الذین اوتوا الکتاب" بھی آیا ہے۔ انہیں زیر نظر عنوان میں لکھا گیا ہے۔ الذین اوتوا الکتاب یا الذین اٰتینٰھم الکتاب میں بعض جگہ خود مؤمنین (مسلمان) بھی مراد ہیں۔ انہیں "کتاب بمعنی قرآن" کے تحت لکھا گیا ہے۔

۳۔ بعض مقامات پر کتاب کے لئے صحف کا لفظ بھی آیا ہے۔

۴۔ "کتاب" کا لفظ واحد اور جمع دونوں صیغوں کے لئے آتا ہے۔ جمع کے لئے دیکھئے۔ (۱۷۷ : ۲) - (۲۱۳ : ۲) - (۸۰ : ۳) - (۱۳۶ : ۴) - (۴۸ : ۵) - (۲۵ : ۵۷)

کتاب بمعنی قرآن کریم

۱۔ اس کتاب میں کوئی بات ریب و تشکیک پیدا کرنے والی نہیں۔ (۲ : ۲) - (۲ : ۳۲)

۲۔ کتاب جو سابقہ آسمانی تعلیم کی مصدق ہے۔ (۸۹ : ۲) - (۳ : ۳) - (۴۸ : ۵) - (۹۲ : ۶) - (۳۷ : ۱۰) - (۱۲ : ۴۶)

۳۔ جنہیں یہ کتاب دی گئی ہے وہ اس کی پوری پوری پیروی (تلاوت) کرتے ہیں۔ (۱۲۱ : ۲)۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ (۱۱۴ : ۶)۔ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (۳۶ : ۱۳)۔ الذین اوتوا الکتاب اور مومنین — دو مختلف مدارج۔ (۳۱ : ۷۴)

۴۔ حضورؐ کا فریضہ تعلیم کتاب تھا۔ (۱۲۹ : ۲) - (۱۵۱ : ۲) - (۱۶۴ : ۳) - (۲ : ۶۲)

۵۔ قرآن میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ (۱۵۹ : ۲) - (۶)۔ جو کچھ کتاب میں لکھا ہے اس کا کتمان کرنیوالے۔ (۱۷۴ : ۲)

۷۔ خدا نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ نیز اس کی خصوصیات و مقاصد۔ (۱۷۶ : ۲) - (۲۲۱ : ۲) - (۷ : ۳) - (۱۰۵ : ۴) - (۱۱۳ : ۴) - (۴۸ : ۵) - (۱۹۶ : ۷) - (۱ : ۱۴) - (۶۴ : ۱۶) - (۸۹ : ۱۶) - (۱ : ۱۸) - (۲۸ : ۱۸) - (۴۵ : ۲۹) - (۴۷ : ۲۹) - (۵۱ : ۲۹) - (۳۱ : ۳۵) - (۳۷ : ۳۷) - (۱-۲ : ۳۹) - (۴۱ : ۳۹) - (۲ : ۴۰) - (۱۷ : ۴۲) - (۲ : ۴۳) - (۲ : ۴۵) - (۲ : ۴۶)

۸۔ قرآن کی محکمات ام الکتاب ہیں۔ (۷ : ۳)۔ احکمت آیاتہ۔ (۱ : ۱۱)

۹۔ اہل کتاب کو دعوت کہ وہ قرآن کی رو سے اپنے فیصلے کرائیں۔ (۲۳ : ۳)

۱۰۔ رسول بھی امت سے یہی کہتا تھا کہ تم قرآن کے ذریعے ربانی بن جاؤ۔ (۳ : ۷۸)

۱۱۔ کتاب میں یتامی النساء کی بابت حکم۔ (۴ : ۱۲۷)

۱۲۔ قرآن پر ایمان لانے کا حکم۔ اس کے لئے عنوان "کتبِ سابقہ" دیکھئے جس میں ایمان بالکتب کا ذکر ہے۔ کتب میں کتبِ سابقہ اور قرآن سب شامل ہیں۔ یہاں وہ حوالے دیئے جائیں گے۔ جن میں بالخصوص قرآن پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا ہے۔ (۲ : ۴۱)-(۲ : ۹۱)-(۴ : ۴۷)-(۲ : ۴۷)-(۸ : ۶۴)

خود مسلمانوں (پیدائشی مسلمانوں) کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم۔ (۴ : ۱۳۶)۔ (۵۷ : ۲۸)

۱۳۔ قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں دین سے استہزا ہو رہا ہو وہاں مت بیٹھو۔ (۴ : ۱۴۰)

۱۴۔ خدا کی طرف سے نور و کتاب مبین آ گئی۔ (نور یعنی کتاب مبین)۔ (۵ : ۱۵)

۱۵۔ کتاب میں کسی ایسی بات کو چھوڑا نہیں گیا جس کا بیان کرنا ضروری تھا۔ (۶ : ۳۸)-(۶ : ۵۹)-(۱۰ : ۶۱)-(۳۴ : ۳)

۱۶۔ کتابِ مفصل۔ اس کے علاوہ اور کونسی چیز حکم ہو سکتی ہے۔ (۶ : ۱۱۴)-(۷ : ۵۲)-(۱۰ : ۳۷)-(۱۱ : ۱)-(۴۱ : ۳)-(۲۹ : ۵۱)-(۱۷)- اس کتاب مبارک کا اتباع کرو۔ (۶ : ۱۵۵)

۱۸۔ یہ کتاب نازل کی گئی تاکہ تم (اولین مخاطبِ قرآن) یہ نہ کہو کہ اگر ہماری طرف کتاب بھیجی جاتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ (۶ : ۱۵۶)۔ (۱۹)۔ اس کتاب کے نزول کے بعد سینوں میں ضیق نہیں رہنا چاہیئے۔ (۷ : ۲)

۲۰۔ تمسک بالکتاب۔ (۷ : ۱۷۰)۔ (۲۱)۔ کتاب اللہ میں اولوالارحام کے حقوق۔ (۸ : ۷۵)۔ (۳۳ : ۶)

۲۲۔ کتاب اللہ میں عدت الشہور۔ (۹ : ۳۶)

۲۳ یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔ (۱۰ : ۱)-(۱۲ : ۱)-(۱۳ : ۱)-(۱۵ : ۱)-(۲۶ : ۲)-(۲۷ : ۱)-(۲۸ : ۲)-(۳۱ : ۲)

۲۴۔ اس کتاب میں مریم کا ذکر کر۔ (۱۹ : ۱۶)۔ مختلف انبیاء کا۔ (۱۹ : ۴۱؛ ۵۱؛ ۵۴؛ ۵۶)

۲۵۔ کتابِ منیر۔ (۲۲ : ۸)-(۳۱ : ۲۰)

۲۶۔ تجھے توقع ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ تجھے کتاب دی جائے گی۔ (۲۸ : ۸۶)۔ اس سے پہلے آپ پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ (۲۹ : ۴۸)۔ جانتے نہیں تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے۔ (۴۲ : ۵۲)

۲۷۔ کتاب کی تلاوت (پیروی) کرنے والے مومن۔ (۳۵ : ۲۹)۔ یہی وارثینِ کتاب ہیں۔ (۳۵ : ۳۲)

۲۸۔ کتابِ عزیز۔ (۴۱ : ۴۱)۔ (۲۹)۔ رسول اللہ خود بھی کتاب پر ایمان لائے تھے۔ (۴۲ : ۱۵)

۳۰۔ عربی کا قرآن۔ (۲ : ۴۳)۔ (۱۲ : ۴۶)۔ (۳۱)۔ کتاب مسطور۔ (۲ : ۵۲)

۳۲۔ فی کتاب مکنون۔ (۷۸ : ۵۶)۔ (۳۳)۔ اس کتاب میں خود تمہارا ذکر (شرف و مجد) ہے۔ (۱ : ۲۱)

۳۴۔ کتاباً متشابھا (۲۳ : ۳۹) (۳۵)۔ کتاب جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (۳۰ : ۴۶)

کتاب بمعنی قانون یا واجب قرار دینا

۱۔ جو کچھ اللہ نے تم پر فرض قرار دیا ہے، اسے طلب کرو۔ (۱۸۷ : ۲)

۲۔ بنی اسرائیل کے لئے ارضِ فلسطین لکھ دی گئی۔ (۲۱ : ۵)

۳۔ خدا نے اپنے آپ پر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے۔ (۱۲ : ۶)۔ (۵۴ : ۶)

۴۔ ہم پر کوئی حادثہ نہیں گزر سکتا بجز اس کے جو خدا کے قانون کی رُو سے واقعہ ہونا ہو۔ (۵۱ : ۹)

۵۔ خدا نے یہ واجب قرار دے رکھا ہے (اس کے اٹل قوانین یہ ہیں) کہ خدا اور اس کے رسول غالب آکر رہیں گے۔ (۲۱ : ۵۸)

۶۔ مومنین کے دل میں ایمان منقوش ہو چکا ہے۔ (۲۲ : ۵۸)

۷۔ مدینہ کے یہودیوں کے متعلق یہ فیصلہ تھا کہ انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ (۳ : ۵۹)

۸۔ قتال۔ یعنی جنگ کرنا۔ فرض قرار دے دیا گیا ہے۔ (۲۴۶ : ۲)۔ (۶۶ : ۴)۔ (۷۷ : ۴)

۹۔ بنی اسرائیل کے لئے قصاص کا قانون مقرر کر دیا گیا تھا۔ (۳۲ : ۵)۔ (۴۵ : ۵)

۱۰۔ زبور میں اس قانونِ خداوندی کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ ارض کے وارث وہ لوگ ہوں گے جن میں اس کی صلاحیت ہو گی۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۱۱۔ عیسائی راہبوں پر خدا نے مسلکِ خانقاہیت فرض نہیں قرار دیا تھا۔ انہوں نے از خود اسے وضع اور اختیار کر لیا تھا۔ (۲۷ : ۵۷)

۱۲۔ ہمارے لئے اس دنیا میں حسنات واجب قرار دے دے۔ (جواب میں کہا گیا ہے کہ) ہم اسے واجب قرار دے دیں گے۔ یعنی ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ ہمارا قانون ہے۔ (۱۵۶۔ ۱۵۵ : ۷)

۱۳۔ مومنین پر قصاص لازم قرار دیا گیا ہے۔ (۱۷۸ : ۲)۔ صیام بھی۔ (۱۸۳ : ۲)۔ قتال بھی۔ (۲۱۶ : ۲)

۱۴۔ جو حصّہ خدا نے ان کے لئے مقرر کیا ہے وہ انہیں دے دو۔ (۱۲۷ : ۴)

۱۵۔ بعض آیات میں 'کتب لھم' کے معنی کئے جاتے ہیں۔ خدا نے ان کے لئے لکھ دیا تھا۔ اور اس سے مراد لی جاتی ہے کہ ان

کی تقدیر میں پہلے ہی سے ایسا لکھ دیا گیا تھا - یہ مفہوم صحیح نہیں - اس کے لئے دیکھئے عنوان تقدیر - اس کے معنی یہ ہیں کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے ایسا ہوگا - (۱۲۱-۲۰ : ۹)

۱۶- قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا، اس کا شمار انہی میں سے ہوگا - (۴ : ۲۲)

۱۷- جب عدت، قانون کے مطابق اپنی میعاد تک پہنچ جائے - (۲۳۵ : ۲)

۱۸- قرآن کی محکمات ام الکتاب ہیں - یعنی قانون کی اصل و اساس - (۷ : ۳) - ام الکتاب خدا کے پاس ہے - (۳۹ : ۱۳)-(۴ : ۴۳)

۱۹ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں - خواہ اسے کتاب و حکم و نبوت بھی کیوں نہ دیئے گئے ہوں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے بندے بن جاؤ - (۸۰ : ۳)

۲۰- محرمات کی تفصیل دینے کے بعد کہا یہ خدا کا قانون ہے تمہارے لئے - (۲۴ : ۴)

۲۱- اگر خدا کا قانون پہلے سے مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ...... (۶۸ : ۸)

۲۲- ہر شے کا مستقر اور مستودع کتابِ مبین میں ہے - (۶ : ۱۱)

۲۳- لکل اجل کتاب - ہر میعاد کے لئے ایک قانون مقرر ہے - (۳۸ : ۱۳)

۲۴- ہر قوم کی تباہی ایک کتابِ معلوم کے مطابق ہوتی ہے - (ایسے قانون کے مطابق جس کا علم دے دیا گیا ہے) - (۴ : ۱۵)-(۵۸ : ۱۷)

۲۵- عمر، قانونِ خداوندی کے مطابق کم و بیش ہو سکتی ہے - (۱۴۴ : ۳)-(۱۱ : ۳۵)

۲۶- زمین رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی - اور کتاب کا عام نفاذ ہوگا (ووضع الکتاب) - (۶۹ : ۳۹)

۲۷- ہر واقعہ کتاب (قانونِ خداوندی) کے مطابق سرزد ہوتا ہے - (۲۲ : ۵۷)

۲۸- صلوٰۃ مومنین کے لئے کتابِ موقوف ہے - (۱۰۳ : ۴) - (۲۹) - قرآن میں کتب قیمۃ (محکم قوانین) ہیں - (۳ : ۹۸)

کتبِ سابقہ

۱- تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو (۴۴ : ۲)

۲- موسیٰ کو کتاب دی - (۵۳ : ۲) - (۸۷ : ۲) - (۹۱ : ۶) - (۱۵۴ : ۶) - (۱۷ : ۱۱) - (۱۱۰ : ۱۱) - (۲ : ۱۷) - (۴۹ : ۲۳) - (۳۵ : ۲۵) - (۴۳ : ۲۸) - (۲۳ : ۳۲) - (۵۳ : ۴۰) - (۴۵ : ۴۱) - (۱۲ : ۴۶)

۳- ان میں سے بعض امی ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے - (۷۸ : ۲)

۴۔ کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو۔ (۲ : ۸۵)

۵۔ یہود و نصاریٰ تلاوتِ کتاب کرتے تھے۔ (۲ : ۱۱۳)۔ (۶۱)۔ کتاب میں اختلاف کرنے والے۔ (۲ : ۱۷۶)

۷۔ ایمان بالکتب۔ (۲ : ۱۷۷)۔ (اس میں کتبِ سابقہ اور قرآن سب آجاتے ہیں)۔ (۳ : ۱۱۹)۔ تکذیب کتاب کرنے والے۔ (۴۰ : ۷۰)۔ مومنین کو حکم کہ ایمان لاؤ۔ (۴ : ۱۳۶)۔ (۵۷ : ۲۸)۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ کے ساتھ (۲ : ۶۲)۔ (۵ : ۶۹)

۸۔ تمام انبیاء کو کتاب دی گئی تھی۔ (۲ : ۲۱۳)۔ (۳ : ۸۱)۔ رسولوں کو بھی۔ (۳ : ۱۸۴)۔ کتاب و حکم و نبوت (۶ : ۹۰)۔ (۲۹ : ۲۷)۔ (۳۵ : ۲۵)۔ (۴۰ : ۷۰)۔ (۵۷ : ۲۵)

۹۔ حضرت عیسیٰؑ کتاب و حکمت۔ انجیل و تورات کی تعلیم دیتے تھے۔ (۳ : ۴۸)۔ (۵ : ۱۱۰)۔ (۱۹ : ۳۰)

۱۰۔ آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم دیا گیا تھا۔ (۴ : ۵۴)

۱۱۔ حضرت یحییٰؑ کو تمسک بالکتاب کی تاکید۔ (۱۹ : ۱۲)۔ (۱۲)۔ کتبِ سابقہ میں سے کوئی دلیل لاؤ۔ (۴۶ : ۴)

۱۲۔ حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ کی ذریت کو کتاب و نبوت دی گئی۔ (۵۷ : ۲۶)

۱۴۔ رسول اللہؐ کی آمد کا ذکر کتبِ سابقہ میں تھا۔ (۷ : ۱۵۷)

صحف

۱۔ صحف الاولیٰ۔ (۲۰ : ۱۳۳)۔ (۸۷ : ۱۸)۔ (۲)۔ صحفِ موسیٰؑ۔ (۵۳ : ۳۶)۔ صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ۔ (۸۷ : ۱۹)

۲۔ قرآن۔ صحفِ مکرمہ میں۔ (۸۰ : ۱۳)۔ صحفاً مطہرہ۔ (۹۸ : ۲)

الذین اوتوا الکتاب

۱۔ ان اہلِ کتاب نے کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال دیا۔ (۲ : ۱۰۱)

۲۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے۔ (۲ : ۱۴۴)۔ (۲ : ۱۴۶)۔ (۶ : ۲۰)۔ (۶ : ۱۱۵)

۳۔ یہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (۲ : ۱۴۵)۔ (۴)۔ یہ باہمی ضد کی بنا پر اختلاف کرتے ہیں۔ (۳ : ۱۹)

۵۔ اہلِ کتاب اور امیوں دونوں سے پوچھو کہ وہ اسلام لاتے ہیں یا نہیں۔ (۳ : ۲۰)۔ ان میں سے ایمان لانے والے (۳ : ۱۹۹)۔ (۴ : ۴۷)۔ (۹ : ۲۹)۔ (۲۸ : ۵۲-۵۴)۔ (۲۹ : ۴۷)۔ اگر یہ ایمان لے آئیں تو ان کے

لئے اچھا ہو۔ (۱۱۰ : ۳)

۶۔ انہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ (۲۳ : ۳) - (۴ : ۴۴) - (۴ : ۵۱) - (۷ : ۳۸)

۷۔ یہ لوگ تحریفِ کتب کرتے تھے۔ (۷۷ : ۳) - کتمان کرتے تھے۔ (۵ : ۴۵)

۸۔ ان کی اطاعت مت کرو۔ (۱۰۰ : ۳) - (۹) - اہلِ کتاب سے میثاق۔ (۱۸۷ : ۳)

۱۰۔ یہ لوگ تمہیں بڑی اذیت دیں گے۔ (۱۸۶ : ۳) - (۱۱) - انہیں تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا۔ (۱۳۱ : ۴)

۱۲۔ ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔ (۵ : ۵) - نیز ان کی عورتیں۔ (۵ : ۵)

۱۳۔ ربانی اور احبار کتاب اللہ کی حفاظت کرنے والے۔ (۴۴ : ۵)

۱۴۔ اسلام سے استہزا کرنے والے۔ (۵۷ : ۵) - (۱۵) - یہ وارثینِ کتاب ناخلف نکلے۔ (۱۶۹ : ۷)

۱۶۔ ان سے میثاق الکتاب لیا گیا تھا کہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہیں۔ (۱۶۹ : ۷)

۱۷۔ ان قارئینِ کتاب سے پوچھو۔ (۹۴ : ۱۰) - (۱۸) - یہ لوگ شک میں ہیں۔ (۴۲ : ۱۴)

۱۹۔ بنی اسرائیل کو کتاب دی گئی تھی۔ (۱۶ : ۴۵) - (۲۰) - تم بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا۔ (۵۷ : ۱۶)

۲۱۔ انہوں نے بعد میں تفرقہ پیدا کر لیا۔ (۹۸ : ۴)

متفرقات

۱۔ جس کے پاس علم الکتاب ہے۔ (۱۳ : ۴۳) - اس سے مراد سابقہ کتب کے جاننے والے ہو سکتے ہیں۔

۲۔ کتاب بمعنی اعمال نامہ۔ (۱۷ : ۱۳) - (۱۷ : ۱۴) - (۱۷ : ۷۱) - (۱۸ : ۴۹) - (۲۳ : ۶۲) -
(۴۵ : ۲۹) - (۶۹ : ۱۹) - (۶۹ : ۲۵) - (۷۸ : ۲۹) - (۸۳ : ۷) - (۸۳ : ۱۸-۲۰)
(۸۴ : ۷) - (۸۴ : ۱۰) -

۳۔ کتاب بمعنی علمِ خداوندی۔ (۲۰ : ۵۲) - (۲۲ : ۷۰) - (۲۷ : ۷۵) - (۳۰ : ۵۶) - (۵۰ : ۴)

۴۔ غلاموں کی آزادی کا پروانہ۔ (۲۴ : ۳۳) - (۵) - بمعنی خط۔ (۲۷ : ۲۸-۲۹) - (۲۷ : ۴۰)

۶۔ کوئی ایسی کتاب لاؤ جو تورات اور قرآن سے بہتر ہدایت دینے والی ہو۔ (۲۸ : ۴۹)

۷۔ مجرمین (مخالفین) سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جسے تم پڑھتے ہو۔ (۳۴ : ۴۴) - (۳۵ : ۴۰)
(۳۷ : ۱۵۷) - (۴۳ : ۲۱) - (۶۸ : ۳۷)

۸۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ ان پر بھی کتاب نازل ہونی چاہیئے ۔ (۱۵۳ : ۴) ۔ (۹۲ : ۱۷)
۹۔ اگر ہم آسمان سے کوئی ایسی کتاب نازل کر دیتے جنہیں یہ چھو کر دیکھ لیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے ۔ (۷ : ۶)
۱۰۔ قوموں کا اعمال نامہ ۔ (۲۸ : ۴۵) ۔ (۱۱) سماوٓت یوں لپیٹ دیئے جائیں گے جیسے کتب لپیٹ دی جاتی ہیں ۔ (۱۰۴ : ۲۱)
۱۲۔ صحیفۂ فطرت کو بھی ۔ (۵۹ : ۶) ۔ (۱۳)۔ محکمات ام الکتاب ہیں ۔ (۶ : ۳)
۱۴۔ ام الکتاب خدا کے پاس ہے ۔ (۳۹ : ۱۳) ۔ (۴ : ۴۳)

(۰)

۲۔ کتمانِ حقیقت

(نیز اظہارِ حقیقت)

کتمانِ حقیقت کے معنی ہیں سچی، صحیح، اصلی بات کو چھپانا ۔ قرآن کریم کی رو سے یہ بہت بڑا اخلاقی عیب اور جرم ہے ۔ لیکن اس سلسلہ میں دو ایک باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے ۔

۱۔ وحی کی رو سے جو تعلیم دی گئی ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے) صداقت اور حقیقت پر مبنی ہے ۔ لہٰذا اس تعلیم کو چھپانا جرمِ عظیم ہے ۔ اس جرم کے مرتکب عام طور پر مذہبی پیشوا ہوتے ہیں جو قرآن کی حقیقی تعلیم کو چھپا کر، خود وضع کردہ فتوے دیتے رہتے ہیں ۔ اور انہیں احکامِ شریعت کہہ کر افتراءً خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

۲۔ شہادت میں حقیقت کا چھپانا جرمِ عظیم ہے ۔ تفصیل اس کی "شہادت" کے عنوان میں ملے گی ۔

۳۔ آپ بہت سے رازوں کے امین ہیں ۔ اظہارِ حقیقت کے یہ معنی نہیں کہ آپ ان رازوں کو عام کرتے پھریں ۔ ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے ۔ البتہ جس مقام پر ان کا اظہار، خیانت کے زمرہ میں نہ آتا ہو، وہاں انکا اظہار ضروری ہوگا ۔

۴۔ کسی کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے اس کی کسی برائی کی عام تشہیر کرنا، قرآن کی رُو سے معیوب ہے ۔ البتہ مظلوم کو اس کا حق ہے کہ وہ عدل طلب کرنے کے لئے مناسب مقام پر اس کا اظہار کر دے ۔ (۱۴۸ : ۴)

۵۔ خطرات و نقصانات کی پرواہ کئے بغیر، سچی بات برملا کہہ دینا، بہت بڑی عزیمت ہے ۔ جب دربارِ فرعون میں، حضرت موسیٰؑ کا قضیہ پیش ہوا، اور فرعون کے مصاحب اسے بہکانے لگے، تو ایک مردِ مومن نے بکمالِ جرأت، حق و صداقت کی بات برملا کہی ۔ قرآن نے اس کی پوری تقریر کو اپنے دامن میں محفوظ کر کے اسے ابدیت عطا کر دی ہے ۔ (دیکھئے

(۵۴-۲۸ : ۴۰) - جو لوگ کہتے ہیں کہ خطرات سے بچنے کے لئے جھوٹ بول دینا چاہیئے۔ وہ بڑی ہی پستی کردار کا ثبوت دیتے ہیں۔ اگر وہ بات ایسی ہے۔ جس کا اخفا ضروری ہے (جیسے اپنی مملکت کے راز) تو ایسے موقع پر کہہ دیجئے۔ کہ میں نہ اس راز کو افشا کروں گا، نہ ہی جھوٹ بول کر جان بچاؤں گا۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہو اسے جھیل جائیے۔ اسے عزیمت کہتے ہیں۔ جس میں اس کی ہمت نہ ہو وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرے۔ اسے "اسلام کی تعلیم" کہہ کر خود فریبی یا فریب دہی کا مرتکب نہ ہو۔

کتمانِ وحی

۱۔ خدا کی طرف سے بیان کردہ حقیقت کا جسے علم ہو اور وہ اسے چھپائے۔ اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا۔ (۱۴۰ : ۲) (۱۸۶ : ۳)۔ (۲) - اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کو لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اور اسے چھپائیں نہیں۔ (۱۴۶ : ۲)

۲۔ ایسا کرنے والے ملعون ہیں۔ (۱۵۹ : ۲)- اہلِ جہنم ہیں۔ (۱۷۳ : ۲)- یہ اس سے معاشی مفاد حاصل کرتے ہیں اور اس طرح اپنے پیٹ کو آگ سے بھرتے ہیں۔

کتمانِ حق

۱۔ نہ حق اور باطل کا التباس کرو، نہ ہی دیدہ دانستہ حق کا کتمان کرو۔ (۴۲ : ۲)-(۷۱ : ۳)

کتمانِ شہادت

۱۔ شہادت کو مت چھپاؤ۔ یہ جرمِ عظیم ہے۔ (۲۸۳ : ۲) - (۱۰۶ : ۵)

خدا کو علم ہوتا ہے

۱۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، خدا کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (۳۳ : ۲)-(۱۶۷ : ۳)-(۴۲ : ۴)
(۶۱ : ۵) - (۹۹ : ۵) - (۱۱۰ : ۲۱) - (۲۹ : ۲۴)

دربارِ فرعون کا مردِ مومن

۱۔ اس نے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن جب موقعہ آیا تو حق گوئی اور بے باکی کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ (۴۰:۲۸)

متفرقات

۱۔ اگر عورت طلاق کے وقت حاملہ ہو تو اسے اس بات کو چھپانا نہیں چاہیئے۔ اس سے بہت سی قانونی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ (۲ : ۲۲۸)
۲۔ زبان سے وہ کچھ کہنے والے جو دل میں نہ ہو۔ خدا جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔ (۳ : ۱۶۷)
۳۔ بخل کرنے والے۔ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنے والے۔ اور جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے، اسے چھپانے والے، خدا کے مجرم ہیں۔ (۴ : ۳۷)
۴۔ جب کوئی فاسق (فتنہ جو) کوئی بات تم تک پہنچائے تو اسے یونہی مشہور مت کر دیا کرو۔ اس کی پوری پوری تحقیق کر لیا کرو۔ (۴۹ : ۶)۔ اسے ذمہ دار حضرات تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس کی اچھی طرح چھان بین کر کے صحیح نتیجہ پہ پہنچ جائیں۔ (۴ : ۸۳)
۵۔ کسی کے خلاف کوئی بہتان کی بات سنو تو اس کی تشہیر مت کرو۔ اسے ذمہ دار حضرات تک پہنچاؤ کہ وہ تحقیق کر لیں۔ اور جب تک وہ تحقیق کے بعد کسی نتیجہ تک نہ پہنچ جائیں، تم اس شخص کے متعلق حسنِ ظن سے کام لو اور اسے یونہی مجرم نہ تصور کر لو۔ کہو کہ یہ اس کے خلاف بہتان ہے۔ (۲۴: ۱۱-۱۷)
۶۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو تمہارے سمع، بصر، قلب، ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے تحقیق کر لی تھی؟۔ (۱۷ : ۳۶)

۴۔ کثرت و قلّت (اکثریت)

مغربی نظامِ جمہوریت کی بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس میں صحیح اور غلط (حتیٰ کہ حق و باطل) کا معیار لوگوں کی کثرت و قلت ہے۔ صحیح وہ ہے جس کی تائید میں اکیاون ہاتھ اٹھیں۔ قرآن کی رُو سے، یہ معیار یکسر غلط، اور باطل ہے۔ اس کے نزدیک حق، حق ہے خواہ اس کی تائید میں ایک ہاتھ بھی نہ اُٹھے۔ اور باطل، باطل ہے خواہ اس کے حق میں سو فیصد آرا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی کی رُو سے، حق اور باطل، خیر اور شر مطلق (ABSOLUTE) ہوتا ہے، اضافی (RELATIVE) نہیں ہوتا۔ یہی فرق، دینی مملکت اور سیکولر سٹیٹ میں ہے۔

۲۔ قرآن کی رو سے، صرف تعداد کی کثرت، کامیابی کے لئے فیصلہ کن نہیں۔ جوہرِ ذاتی، صلاحیت کبریٰ اور بلندیٔ کردار تعداد کی کمی کا ازالہ کر دیتی ہے۔ ویسے جماعت کی کثرت بھی خدا کی نعمت ہے۔

صرف تعداد کی کثرت کامیابی کا معیار نہیں

۱۔ کفارِ عرب (قریش) سے کہہ دیا گیا کہ محض تمہاری تعداد کی کثرت، کامیابی کی ضمانت نہیں۔ (۸ : ۱۹) ۔ (۲۶ : ۵۴) ۔ (۲ : ۲۴۹)۔ (۲)۔ قومِ شعیب سے کہا کہ تمہیں خدا نے تعداد کی کثرت عطا کی تھی لیکن تم نے فساد شروع کر دیا تو اس کا نتیجہ تباہی ہو گا۔ (۷ : ۸۶) ۔ (۱۸ : ۳۴-۳۵)

۳۔ جنگِ حنین میں جب خود مسلمانوں کے دل میں یہ گھمنڈ پیدا ہو گیا کہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے اور اس خیال سے وہ کچھ لاپرواہ ہو گئے، تو شکست کھا گئے۔ (۹ : ۲۵)

۴۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعداد میں تھوڑی جماعت، کثیر جماعت پہ غالب آجائے۔ (۲ : ۲۴۹)۔ مومن، دشمنوں کی کثرت سے خائف نہیں ہوتے۔ (۳ : ۱۷۲) ۔ مومن اپنے ابتدائی ایام میں کمزور بھی تھے اور کم تعداد بھی۔ لیکن انہیں فتح اور کامرانیاں نصیب ہوئیں۔ (۸ : ۲۶)

خبیث و طیب

۱۔ خبیث کی کثرت کتنی ہی تعجب انگیز ہو، وہ طیب کے برابر نہیں ہو سکتی۔ (۵ : ۱۰۰)

۲۔ کثرتِ تعداد بھی خدا کا انعام ہے۔ (۷ : ۸۶) ۔ (۱۷ : ۶)

اکثریت کی اطاعت

۱۔ رسول اگر اکثر امور میں تمہاری اطاعت کرنے لگ جائے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔ (۴۹ : ۷)۔

۲۔ اگر تم اکثریت کا اتباع کرنے لگ جاؤ تو وہ خدا کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔ (۶ : ۱۱۶)۔ (۶ : ۱۱۹)

خیرِ مطلق۔ حق مطلق

۱۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو اور خدا نے اس میں خیرِ کثیر رکھا ہو۔ لہٰذا پسند اور ناپسند کا معیار وحی کو قرار دو۔ (۴ : ۱۹)۔ الحق خدا کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ (۱۱ : ۱۷)

اکثر لوگ

۱۔ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۲ : ۲۴۳)۔ یہ اصطلاح، یا ترکیب (ولکن اکثر الناس ......)۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات میں آئی ہے۔ یہ انداز وہی ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ اکثر لوگ ایسا کہتے ہیں"۔ "اکثر لوگوں کا ایسا خیال ہے" وغیرہ۔ اس سے گنتی مراد نہیں ہوتی۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی یہ حالت ہے۔ (لیکن جب ان کی تعلیم و تربیت وحی کی رُو سے ہو جائے تو پھر ان کی حالت ایسی نہیں رہتی)۔

اقوامِ سابقہ

۱۔ غلط رو اقوام، کثرتِ تعداد کے باوجود تباہ ہو گئیں۔ (۴۰ : ۸۲)

(-)

۵۔ کذب

کذب۔ صدق کے مقابل میں آتا ہے۔ اس کے عام معنی جھوٹ کے ہیں لیکن قرآن کریم نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ اس جھوٹ سے مراد کیا ہے۔ سورۃ منافقون میں ہے کہ اے رسولؐ! یہ منافقین تیرے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ

آپ اللہ کے رسول ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ بات بالکل سچی تھی ۔ اس کے بعد ہے کہ اللہ بھی اسے جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے ۔ اس سے اس بات کی مزید تائید ہوگئی کہ انہوں نے رسول اللہ سے سچی بات کہی تھی ۔ لیکن اس کے بعد ہے کہ خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ (۱ : ۶۳) ۔ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں ۔ اس سے واضح ہے کہ بات خواہ سچی ہی کیوں نہ ہو، اگر کہنے والے کا دل، اس کی زبان سے ہم آہنگ نہیں تو وہ شخص کاذب (جھوٹا) ہے ۔ لہٰذا، کذب کے ایک معنی تو ہوں گے جھوٹی بات کہنا ۔ اور دوسرے معنی ہوں گے قلب اور زبان کا ہم آہنگ نہ ہونا ۔

۲۔ تکذیب کے معنی ہیں کسی کی سچی بات کو جھٹلانا ۔ یعنی یہ کہنا کہ وہ جھوٹ کہتا ہے ۔ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ یہ سنکھیا ہے ۔ اسے مت کھانا ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے ۔ آپ کہتے ہیں کہ تم غلط کہتے ہو ۔ اور اس کے بعد آپ اس سنکھیا کی پڑیا کو پھانک لیتے ہیں یہ اس کی تکذیب ہوگی ۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جن اقوام نے رسولوں کے پیغامات کی تکذیب کی، وہ تباہ ہوگئیں ۔
اگر آپ زبان سے تو کہتے ہیں کہ وہ شخص بات ٹھیک کہتا ہے لیکن اس کی بات پر عمل نہیں کرتے ۔ یا عمل اس کے برعکس کرتے ہیں ۔ تو یہ بھی اس کی تکذیب ہے ۔

۳۔ افترا سے مراد ہوتی ہے کسی کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا ۔ اسے بھی کذب کہتے ہیں یعنی کسی کے خلاف جھوٹ باندھنا ۔ قرآن کریم میں مذہبی پیشواؤں کے اس مسلک کو افترا اور کذب علی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی رو سے وہ اپنے جی سے باتیں گھڑتے ہیں لیکن انہیں منسوب خدا کی طرف کر دیتے ہیں ۔ یعنی اسے "شریعت خداوندی" کہکر پکارتے ہیں ۔

۴۔ قرآن کریم میں کذب اور اس کے اخوات (یعنی اس مادہ کی مختلف شکلیں) بے شمار مقامات میں آئی ہیں اس لئے ان سب کا تفصیلاً درج کرنا مشکل ہے ۔ ان میں سے ہر مقام کی نمایاں مثالیں سامنے لائی جائیں گی ۔

۵۔ اس کے ساتھ عنوان صدق بھی دیکھئے ۔ نیز تکذیب اور افترا بھی ۔

تکذیب آیات (قوانین خداوندی کو جھٹلانا)

۱۔ جو کچھ بھی خدا کی طرف سے نازل ہوا، اس کی تکذیب کرنے والے ۔ (۱۵ : ۳۶) ۔ (۷۰ : ۴۰) ۔ (۵ : ۵۰) ۔ (۹ : ۶۷) ۔ (۲) ۔ الساعۃ کی تکذیب ۔ (۱۱ : ۲۵)

۲۔ تکذیب آیات کرنے والے ۔ (۳۹ : ۲) ۔ (۱۰۵ : ۲۳) ۔ ان کا اتباع مت کرو ۔ (۵۰ : ۶) ۔ (۹۵ : ۱۰) ۔ (۵ : ۶۲) ۔ (۴) ۔ معتد اور اثیم ہی اس کی تکذیب کر سکتے ہیں ۔ (۱۲ : ۸۳)

۵۔ تکذیب کفر ہے ۔ (۲۲ : ۸۴) ۔ (۱۹ : ۸۵)

کذب علی اللہ

۱۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو کذب علی اللہ کرے۔ اور جب صدق اس کے پاس آئے تو اس کی تکذیب کرے۔ (۲۱ : ۶) - (۱۴۴ ؛ ۹۳ : ۶) - (۸۹ ؛ ۳۷ : ۷) - (۱۷-۱۸ : ۱۰) - (۱۵ : ۱۸) - (۶۱ : ۲۰) - (۳۸ : ۲۳) - (۶۸ : ۲۹) - (۸ : ۳۴) - (۳۲ : ۳۹) - (۲۴ : ۴۲) - (۷ : ۶۱) - (۵ : ۷۲) -

۲۔ دیدہ دانستہ کذب علی اللہ - (۷۵ : ۳) - (۷۸ : ۳) - (۹۴ : ۳) - (۵۰ : ۴) - (۱۰۳ : ۵) - (۶۰ : ۱۰)
یہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (۶۹ : ۱۰) - (۱۰۵ : ۱۶) - (۱۴ : ۵۸)

۳۔ اپنی طرف سے حرام وحلال کی فہرستیں مرتب کرنے والے۔ (۱۱۶ : ۱۶)

۴۔ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے - (۱۱۶ : ۱۶)

تکذیبِ دین

۱۔ خدا سے سرکشی برتنے والوں سے کہا جائے گا کہ تم تکذیب دین کیا کرتے تھے۔ (۹ : ۸۲)

۲۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ ہم تکذیبِ دین کیا کرتے تھے۔ ہم مصلّین میں سے نہیں تھے۔ محض باتیں بناتے رہتے تھے اور مساکین کے کھانے کا انتظام نہیں کرتے تھے - (۴۳-۴۶ : ۷۴)

۳۔ کیا تو نے اس کی حالت پر بھی غور کیا جو تکذیبِ دین کرتا ہے؟ یہ وہ ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے۔ مساکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ یہ وہ مصلّین ہیں جو اپنی صلٰوۃ کے مقصود سے غافل ہیں - یہ رزق کے چشموں پہ بند لگا کر بیٹھے رہتے ہیں - (۱-۷ : ۱۰۷)

۴۔ اس کے بعد الدّین کی بابت تمہاری کون تکذیب کر سکتا ہے۔ (۷ : ۹۵)

۵۔ یوم الدین کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی - (۱۱ : ۸۳)

اقوام سابقہ کی طرف سے تکذیبِ رسل

۱۔ اقوام سابقہ نے تکذیب کی۔ (۳۹ : ۱۰) - (۴۴ : ۲۳) - (۱۸ : ۲۹) - (۴۵ : ۳۴) - (۲۵ : ۳۵) -
(۱۴ : ۳۸) - (۲۵ : ۳۹) - (۱۴ : ۵۰) - (۱۸ : ۶۷)

۲۔ اصحاب الحجر کی طرف سے تکذیب - (۱۵ : ۸۰) - اصحاب الایکہ - (۲۶ : ۱۷۶) - قوم نوح - (۲۶ : ۱۰۵) - قوم عاد (۲۶ : ۱۲۳) - قوم ثمود (۲۶ : ۱۴۱) - قوم لوط - (۲۶ : ۱۶۰) - قوم فرعون - (۳۸ : ۱۲) - اصحاب الرس - (۵۰ : ۱۲) - بنی اسرائیل - (۲ : ۸۷) - (قوم شعیب - (۷ : ۹۲)

۳۔ اگر یہ تیری تکذیب کرتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) تمام اقوام سابقہ نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی - (۳ : ۱۸۴) (۶ : ۳۴) - (۲۲ : ۴۲) - (۲۹ : ۱۸) - (۳۵ : ۴) - (۳۵ : ۲۵) - تو ان سے کہہ دے کہ تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں میرے اعمال میرے لئے - (۱۰ : ۴۱) - خدا کی رحمت وسیع ہے - (۶ : ۱۴۸)

۴۔ رسولوں کی دعا کہ ان کی تکذیب کے خلاف ہماری مدد فرما - (۲۳ : ۲۶ ؛ ۳۹)

۵۔ ہر قوم (امت) میں سے ایک گروہ مکذبین کا - (۲۷ : ۸۳)

۶۔ اے رسولؐ! یہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے - یہ آیات اللہ سے انکار کرتے ہیں - (۶ : ۳۴)

کاذب - مکذب

۱۔ دربار فرعون کے مرد مومن نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر موسےؑ (اپنے دعوے میں) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس کے اپنے اوپر پڑے گا - (۴۰ : ۲۸)

۲۔ کاذب و کفار کو ہدایت نہیں مل سکتی - (۳۹ : ۳)

۳۔ تم عنقریب معلوم کر لوگے کہ کاذب کون ہے - (۱۱ : ۹۳) - یعنی پروگرام کے نتائج بتا دیں گے -

۴۔ منافقین کاذب ہیں - (۹ : ۴۲) - (۹ : ۱۰۷) - (۵۹ : ۱۱) - (۶۳ : ۱)

۵۔ اہل جہنم کہیں گے کہ اگر ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیجدیا جائے تو ہم کبھی تکذیب آیات نہیں کریں گے - جواب دیا جائے گا کہ یہ جھوٹے ہیں - (۶ : ۲۷ - ۲۸) - (۶) - افترا کرنے والے کاذب ہیں - (۱۶ : ۱۰۵)

۷۔ خدا پر ایمان کے مدعی اور الحق (قرآن) کے عملی منکر، کاذب ہیں - (۲۳ : ۸۴ - ۹۰)

۸۔ جو مدعی شہادت نہ پیش کر سکے وہ خدا کے نزدیک جھوٹا ہے - (۲۴ : ۱۳) - لعان میں کذب و صدق کا طریق (۲۴ : ۶ - ۸) - (۹) - کاذبین پہ شیاطین نازل ہوتے ہیں - (۲۶ : ۲۲۱ - ۲۲۳)

۱۰۔ خدا کی اولاد کا عقیدہ رکھنے والے کاذب ہیں - (۳۷ : ۱۵۲)

۱۱۔ بات خواہ سچی ہی ہو لیکن دل اور زبان ہم آہنگ نہ ہو تو یہ کذب ہے - (۶۳ : ۱)

۱۲۔ باطل کے ساتھ تضادات کے وقت صدق اور کذب نکھر کر سامنے آجاتا ہے ۔ (١-٣ : ٢٩)

۱۳۔ کفار، رسولوں کو ساحر اور کذاب کہتے تھے ۔ (٤ : ٣٨) - (٢٤ : ٤٠) - (٢٥ : ٥٤)

۱۴۔ مسرف اور کذاب کو ہدایت نہیں مل سکتی ۔ (٢٨ : ٤٠) - (١٥) - جنت میں لغو اور کذب نہیں سنائی دے گا ۔ (٣٥ : ٧٨)

۱۶۔ ضالون المکذبون ۔ (٥١ : ٥٦) - (١٧) - مکذبین کی اطاعت مت کرو ۔ (٨ : ٦٨)

کذب اور تکذیب کا انجام

۱۔ قیامت کے دن روسیاہی ۔ (٦٠ : ٣٩)

۲۔ عذاب ۔ (١٠ : ٢) - (٣٩ : ٢) - (١١ : ٣) - (٤٨ : ٢٠) - (٥٧ : ٢٢) - (١٨٩ : ٢٦)
(٣٧ : ٢٩) - (٢٠ : ٣٢) - (٤٢ : ٣٤) - (١٤ : ٣٨) - (١٩ : ٥٧) - (١٠ : ٦٤)
(١٨ : ٦٧) - (١٦ : ٩٢)

۳۔ لقاء اللہ کی تکذیب کرنے والے نقصان میں رہیں گے ۔ (٣١ : ٦) - (١٤٨ : ٧) - (٤٥ : ١٠) -
(٣٣ : ٢٣) - (١٦ : ٣٠)

۴۔ ان کی جڑ کٹ گئی ۔ (٧٢ : ٧) - تہس نہس کر دیئے گئے ۔ (٤٨ : ٢٣) - (٣٦ : ٢٥) - (١٣٩ : ٢٦)
(١٤ : ٩١) - (٥) خدا نے انہیں پکڑ لیا ۔ (٩٦ : ٧) - (٤٢ : ٥٤)

۶۔ بتدریج تباہی کی طرف لے جائے گئے ۔ (١٨٢ : ٧) - (٨ : ٥٤)

۷۔ جو اس بات کی تکذیب کرتا ہے اسے میرے حوالے کر دو ۔ (٤٤ : ٦٨) - (١١ : ٧٣)

۸۔ زمین میں چلو پھرو اور مکذبین کا انجام دیکھو ۔ (١١ : ٦) - (٣٦ : ١٦) - (٢٥ : ٤٣)

۹۔ مکذبین کے لئے اس دن تباہی ہوگی ۔ (١١ : ٥٢) - (٩٢ : ٥٦) - (١٥ : ٧٧) - (اس سورۃ میں اس فقرہ کی تکرار ہے ۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔) - (١٠ : ٨٣)

متفرقات

۱۔ خود اپنی ذات کے خلاف کذب کرنے والے ۔ (٢٤ : ٦)

۲۔ حق و باطل کی کشمکش میں ایسے حوصلہ فرسا مقامات آجاتے تھے جب رسول بھی کامیابی کی طرف سے ناامید ہوجاتے تھے اور

ان کے ساتھی سمجھتے تھے کہ ہم سے فتح و کامرانی کا غلط وعدہ کیا گیا تھا۔ (۱۲ : ۱۱۰)

۴۔ کذب بمقابلہ صدق ۔ (۳۲ : ۷۵) ۔ (۴) ۔ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۔ (۹۲ : ۹)

۵۔ کذب کے ساتھ تولیٰ (روگردانی کرنا) آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تکذیب، محض زبانی جھٹلانے ہی کا نام نہیں۔ عملاً اس سے روگردانی کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ (۷ : ۹۶) ۔ (۸ : ۵۴) ۔ (۱۰ : ۴۱) ۔ (۳۹ ز ۲۶ : ۲۳) ۔ (۱۲ : ۲۶) ۔ (۳۴ : ۲۸) ۔ (۳ : ۵۴) ۔ (۷۵ : ۳۲) ۔ (۲۱ : ۶۹) ۔ (۱۶ : ۹۲) ۔ (۱۳ : ۹۶)

۶۔ جس بات کا احاطہ ان کا علم نہیں کر سکتا تھا، (بجائے اس کے کہ اپنے علم میں اضافہ کر کے حقیقت تک پہنچ جاتے) اس کی تکذیب کرنے لگے۔ (۳۹ : ۱۰)

۷۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ (۱۳ : ۵۵) ۔ سورۃ الرحمٰن کی دیگر آیات۔

۸۔ مذہبی پیشوا تکذیبِ آیات کو اپنے رزق کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ۔ (۸۱ : ۵۶)

۹۔ کذب کو مزہ لے کر سننے والے ۔ (۴۲-۴۱ : ۵)

۱۰۔ اپنی زبانوں کو جھوٹ سے آلودہ کرنے والے ۔ (۶۲ : ۱۶) ۔ (۱۱۶ : ۱۶)

۶۔ کشف

الکشف کے معنی ہیں پردہ اٹھا دینا۔ ظاہر کر دینا۔ نیز اس کے معنی ہٹا دینے اور دور کر دینے کے بھی ہیں۔ جیسے کشف الضر (۵۶ : ۱۷) تکلیف کا دور کر دینا۔ ان معانی کی رو سے، خدا کے متعلق ہے کہ وہ تکالیف کا دور کرنے والا ہے۔ (۶ : ۱۷) ۔ (۱۰ : ۱۰۷) (۶۲ : ۲۷) اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں کر سکتا۔ (۸۴ : ۲۱) ۔ (۵ : ۲۳) ۔ (۳۸ : ۳۹) ۔ (۵۰ : ۴۳) ۔ مومنوں کی دعا کہ ہم سے عذاب دور رکھا جائے۔ (۱۲ : ۴۴)

(کشف کے دیگر معانی کے حوالوں کی ضرورت نہیں۔ وہ متعلقہ عنوانات کے تابع آ جائیں گے)

۲۔ ہمارے ہاں ایک عام عقیدہ ہے کہ بعض برگزیدہ انسانوں (حضرات اولیاء کرام) کو خدا کی طرف سے کشف (اور الہام) ہوتا ہے۔ یعنی وہ خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں اور اس طرح انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

خدا سے اس طرح علم حاصل ہونے کا نام وحی تھا جو حضور نبی اکرمؐ کی ذات پہ ختم ہو گیا۔ اب اس قسم کا عقیدہ کہ کسی کو خدا

کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے (خواہ اس کا نام کشف یا الہام وغیرہ کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے) ختمِ نبوت کی نقیض ہے۔ قرآن کریم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس قسم کے عقائد ہم نے دوسروں سے مستعار لئے ہیں۔ ختمِ نبوت کے بعد علم کے سرچشمے دو ہی ہیں۔ایک قرآن کریم جس میں وحیٔ خداوندی محفوظ ہے اور دوسرے عقل وعلمِ انسانی جو مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ، تفکر، تدبر، سے حاصل ہوتا ہے۔ غیب کا علم صرف حضرات انبیاء کرام کو بذریعہ وحی حاصل ہوتا تھا۔ ختمِ نبوت کے بعد وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

۔ کفر

اس مادہ۔ (ک - ف - ر) کے بنیادی معنی چھپانے یا ڈھانپنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو مٹی میں چھپا دیتا ہے۔

۲۔ "چھپا دینے" کے مفہوم کی وجہ سے اس کے معنی انکار کرنے کے بھی ہو گئے۔ ایمان کے مقابلہ میں کفر کے یہی معنی ہیں۔ یعنی ان صداقتوں سے انکار کر دینا جن کے تسلیم کرنے سے ایک شخص مومن کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ۔ ملائکہ۔ انبیاء۔ کتب اور آخرت پر ایمان لانے سے ایک شخص مومنین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ان سے (یعنی ان میں سے کسی سے) انکار کرنے کا نام کفر ہے۔

۳۔ اصطلاحی طور پر انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ایمان لے آتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایمان والوں کے زمرے میں شامل نہیں۔ یعنی مومن اور کافر (۲ : ۶۴)۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو جو شخص مومن نہیں وہ کافر ہے، جسطرح، جو مسلم نہیں وہ غیر مسلم ہے۔ لیکن قرآن جس کفر کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص جو صاحبِ فہم و شعور ہے۔ اس کے سامنے قرآنی صداقتوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ سمجھنے سوچنے کے باوجود ان سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ان کے متعلق کہا ہے "ان الذین کفروا" وہ لوگ جو کفر اختیار کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح ایمان اختیار کیا جاتا ہے (ان الذین اٰمنوا) اسی طرح کفر اختیار کیا جاتا ہے۔

اس قسم کے کفار کی بھی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک وہ لوگ جو کفر اختیار کرتے ہیں لیکن مسلمانوں سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔ ان کے خلاف مسلمان بھی کچھ نہیں کریں گے۔ نہ انہیں زبردستی مسلمان کیا جائے گا۔ نہ ہی انہیں اس کی کوئی سزا دی جائے گی کہ وہ اسلام قبول کیوں نہیں کرتے۔ دوسری قسم ان کفار کی ہے جو مسلمانوں کو اذیت پہنچائیں۔ دین کے نظام کی مخالفت کریں۔ اس

سے سرکشی برتیں۔ جنگ جنگ پر بھی آمادہ ہو جائیں۔ ان کفار سے اپنی مدافعت بھی کی جائے گی اور جب وہ جنگ پر آمادہ ہوں گے تو ان کے خلاف جنگ بھی کی جائے گی۔ قرآن کریم میں جن کفار کے خلاف جنگ کا ذکر ہے وہ اسی شق میں آتے ہیں۔

۴۔ کفر بمعنی کفرانِ نعمت بھی آتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے 'نعمائے خداوندی (خدا کی طرف سے عطا کردہ زندگی کی آسائشیں) ہر ایک کے لئے کھلی رہنی چاہئیں۔ جو لوگ انہیں چھپا کر رکھیں اور دبا کر بیٹھ جائیں۔ یا انہیں اس طرح صرف نہ کریں جس طرح قانونِ خداوندی کا تقاضا ہے، وہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل 'شکر' کی اصطلاح آتی ہے۔ جب کسی کی محنت صحیح نتیجہ نہ پیدا کرے تو اسے بھی کوششوں کا کفران کہا جائے گا۔

۵۔ کافور اس دوائی کو کہتے ہیں جو بڑھی ہوئی حدت یا حرارت کو ڈھانپ دیتی ہے۔ اس کا ازالہ کر دیتی ہے۔

۶۔ کفارہ کو اس لئے کفارہ کہا جاتا ہے کہ وہ غلط کام کے ضرر رساں نتیجہ کو ڈھانپ دیتا ہے۔ انسان کو اس سے محفوظ کر دیتا ہے۔

۷۔ قرآن کریم میں کفار کا لفظ بے شمار مقامات میں آیا ہے۔ اس جگہ ان سب کا احاطہ مقصود نہیں۔ ہم صرف ان مقامات کو سامنے لائیں گے جن میں ان کی نمایاں اور ممیز خصوصیات کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایمان کا عنوان بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ نیز شکر کا عنوان بھی۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں کفار کا ذکر آئے وہاں یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ مذکورہ بالا شقوں میں سے کس شق میں آتے ہیں۔ اس کے مطابق متعلقہ آیات کا مفہوم متعین کرنا چاہیئے۔

کفر اختیار کرنے والے

۱۔ یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ ان سے مستغنی ہے۔ (۹۷ : ۳) - (۱۷۷ : ۳) - (۱۷۰ ؛ ۱۳۱ : ۴) - (۸ : ۱۴) (۲۹ : ۷) - (۷ : ۳۹) - (۲) - یہ لوگ سیدھی راہ کھو بیٹھتے ہیں - (۲۶۴ : ۲) - (۱۲ : ۵)

۲۔ مسیح کو خدا بنا لینے والے۔ تثلیث کے قائل۔ کفر اختیار کرتے ہیں۔ (۷۳ ؛ ۷۲ ؛ ۱۷ : ۵)

۴۔ کفر اختیار کرنے والا اور سمجھنے والا کہ خدا اسے بہت کچھ دے گا۔ (۷۷ : ۱۹)

۵۔ جو کفر اختیار کرتا ہے خود اس کا خمیازہ بھگتتا ہے جو عملِ صالح کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ غیر صالح اعمال کا ارتکاب بھی کفر ہے۔ (۴۵ - ۴۴ : ۳۰)

۶۔ ان کے کفر اختیار کرنے سے تجھے حزن و ملال کیوں ہو۔ (۲۳ : ۳۱)۔ نہ ہی تجھے اس سے کسی قسم کا دھوکا لگنا چاہیئے۔
(۱۷۶ : ۳) - (۱۹۶ : ۳) - (۴۱ : ۵) - (۶۸ : ۵)

۷۔ خدا نے تمہیں خلائف فی الارض بنایا ہے۔ جو اس کے باوجود کفر اختیار کرتا ہے وہ اس کی سزا خود بھگتتا ہے۔ وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ استخلاف فی الارض کی پوزیشن حاصل نہ ہونا کفر کی علامت ہے۔ (۳۹ : ۳۵)۔ اس سلسلہ میں (۲۴:۵۵) بھی دیکھئے جہاں استخلاف فی الارض کو ایمان اور اعمالِ صالح کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔

۸۔ شیطان انسان کو کفر اختیار کرنے کے لئے اکساتا ہے جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ (۱۶ : ۵۹)۔ (نیز دیکھئے عنوان شیطان)۔ (۲۲ : ۱۴)

۹۔ ان پر تو دارو غہ نہیں۔ ان پر خدا کی طرف سے عذاب ہو گا۔ یعنی خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے کفر کا نتیجہ ان کے سامنے آئے گا۔ (۲۴-۲۳ : ۸۸) ــ (۱۰)۔ خدا سے کفر اختیار کرنے والے۔ (۳۷ : ۱۸)

۱۱۔ کفر کا نتیجہ مادی اسباب (جھکڑ۔ طوفان وغیرہ) کے ذریعے تباہی۔ (۶۹ : ۱۷)۔ اس کے معنی یہ ہے کہ طبعی حوادث سے اپنی حفاظت کی تدابیر اختیار نہ کرنا بھی کفر ہے۔

۱۲۔ جب خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کفر اختیار کرتے ہیں۔ جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا جاتا ہے تو ایمان لاتے ہیں۔ (۱۲ : ۴۰)

۱۳۔ قرآن سے کفر شدید ترین گمراہی ہے۔ (۴۴ : ۲) ـ (۶۱ : ۲) ـ (۹۰ : ۲) ـ (۹۱ : ۲) ـ (۱۱۲ : ۳) ـ (۴۱ : ۵۲) ـ (۱۰ : ۴۶)

۱۴۔ کفر اختیار کرنے سے تباہی سے نہیں بچا جا سکتا۔ (۱۷ : ۴۳)

۱۵۔ عذاب کو سامنے دیکھ کر ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (۸۵-۸۴ : ۴۰)۔ آخری فیصلہ کو دیکھ کر بھی (۲۹-۲۸ : ۳۲)

۱۶۔ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان کہ ہم تم سے قطع علائق کرتے ہیں۔ یہاں لفظ "کفرنا بکم" آیا ہے۔ (۴ : ۶۰)

۱۷۔ جو سب کچھ دیکھنے بھالنے، سمجھنے سوچنے کے بعد بھی کفر کی روش پر اڑے رہیں" انہیں تبلیغِ صداقت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ (۶ : ۲)۔ (۸۹ : ۲)۔ (۳ : ۶۳)۔ انہی کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ (۱۵۵ : ۴) (۱۰۱ : ۷)۔ (۱۰۷ : ۱۶)۔ (۱۸)۔ اہلِ کتاب میں سے کفر اختیار کرنے والے۔ (۱۰۵ : ۲)

۱۹۔ بحالتِ کفر مر جانے والے۔ (۱۶۱ : ۲)۔ (دیکھئے عنوان لعنت)۔ (۹۰ : ۳)۔ (۱۸ : ۴)۔ (۴۶ : ۴)۔ (۸۴ : ۹) ـ (۳۴ : ۴۷)۔ (۲۰)۔ تقلیدِ اعمیٰ سے کفر (۱۷۱ : ۲)

۲۱۔ کفر سے دنیا کی متاع بڑی مزین بن جاتی ہے۔ (۲۱۲ : ۲)

۲۲۔ کفار کا سرپرست اور دوست طاغوت ہوتا ہے۔ (۲۵۷ : ۲)

۲۳۔ ان کا مال اور اولاد انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ (۳ : ۱۰) – (۳ : ۱۱۶)

۲۴۔ کفار مغلوب ہوں گے۔ (۳ : ۱۲) – (۲۵)۔ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے والے، کفر کرنے والوں پر غالب رہیں گے۔
(۳ : ۵۵) – (۲۶)۔ کفر سے دنیا اور آخرت میں عذاب۔ (۳ : ۵۶)

۲۷۔ کفار کی جنگ طاغوت کے راستے میں ہوتی ہے۔ (۴ : ۷۶) – (۴ : ۹۰)

۲۸۔ کفار چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ۔ (۴ : ۸۹)

۲۹۔ دین مکمل ہو گیا۔ کفار مایوس ہو گئے۔ ان سے مت خوف کھاؤ۔ (۵ : ۳)

۳۰۔ کفار ایک دوسرے کو غلط کاموں سے نہیں روکتے۔ (۵ : ۷۹)

۳۱۔ کفار سے دوست داری کے تعلقات جائز نہیں۔ (۳ : ۲۸) – (۴ : ۱۳۹) – (۴ : ۱۴۴) – (۵ : ۵۷) –
(۵ : ۸۰) – (۶۰ : ۱) – (۶۰ : ۴) – ان کی مجلسوں میں بھی نہ بیٹھو۔ (۴ : ۱۴۰) – خواہ وہ کتنے ہی قریبی
رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ (: ۲۲) – لا اعبد ما تعبدون (۱۰۹ : ۱) – وہ تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔
(۴ : ۱۰۱) – (۳۲)۔ کفار کا دولت مند طبقہ ہمیشہ انبیاء کی مخالفت کرتا تھا۔ (۷ : ۶۶ ؛ ۹۰) – (۳۴ : ۳۴)

۳۳۔ کفار اس لئے دولت خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف آنے سے روکیں۔ (۸ : ۳۶)

۳۴۔ موت کے وقت کفار کی حالت۔ (۸ : ۵۰) – (۳۵)۔ یہ شر الدواب ہیں۔ (۸ : ۵۵)

۳۶۔ کفار، خدا کے دین پر غالب نہیں آ سکتے۔ (۸ : ۵۹) – (۲۴ : ۵۷)

۳۷۔ کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۸ : ۷۳) – (۳۸)۔ النسئ کفر میں زیادتی تھی۔ (۹ : ۳۷)

۳۹۔ اسلامی جنگوں سے مقصد یہ تھا کہ کفار کے مسلک (کلمہ) کو پست کیا جائے۔ (۹ : ۴۰)

۴۰۔ منافقین اور کفار کے خلاف جنگ۔ (۹ : ۷۳) – (۴۱)۔ کفر کا نتیجہ اس دنیا میں تباہی۔ (۱۱ : ۶۰ ؛ ۶۸)

۴۲۔ کفار معجزے طلب کرتے تھے۔ (۱۳ : ۷ ؛ ۲۷) – (۳۰ : ۵۸)

۴۳۔ ان کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۵ : ۵) – (۱۴ : ۱۸) – (۲۴ : ۳۹) – (۴۷ : ۱،۸)

۴۴۔ یہ لوگ حق کو کمزور کرنے کے لئے باطل کے زور پر مجادلہ کرتے ہیں۔ (۱۸ : ۵۶)

۴۵۔ کفر کرنے والے کارگہ کائنات پر غور کیوں نہیں کرتے۔ (۲۱ : ۳۰) – (اسے باطل سمجھنے والے کافر ہیں——
(۳۸ : ۲۷) – (۴۱ : ۹)

۴۶۔ حیاتِ آخرت سے انکار کفر ہے۔ (۱۱ : ۱۹) – (۱۲ : ۳۷) – (۲۷ : ۶۷) – (۳۴ : ۷) – (۶۴ : ۷)۔ کفار رب

سے انکار۔ (۵:۱۰۵) ۔ (۲۳ : ۲۹) ۔ (۸ : ۳۰) ۔ (۱۶ : ۳۰) ۔ (۱۰ : ۳۲) ۔ زکوٰۃ کا انتظام نہ کرنے والے آخرت کے منکر۔ (۷ : ۴۱)

۴۷۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی دفعہ نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ (۳۲ : ۲۵)

۴۸۔ یہ مومنین سے کہتے ہیں کہ تم ہمارا راستہ اختیار کرو۔ (۱۲ : ۲۹)

۴۹۔ کفر اختیار کرنے والے خدا کی رحمت سے مایوس ہیں۔ (۸۷ : ۱۲) ۔ (۲۳ : ۲۹)

۵۰۔ قرآن سے انکار کفر ہے۔ (۶۴ : ۵) ۔ (۶۸ : ۵) ۔ (۱۲۵ : ۹) ۔ (۳۱ : ۳۴) ۔ (۴۳ : ۳۴) ۔ (۴۱ : ۴۱) وہ کہتے ہیں کہ قرآن کو مت سنو۔ شور مچادو۔ (۲۶ : ۴۱)

۵۱۔ کفار کا کہنا یہ تھا کہ ہم غریبوں کی مدد کیوں کریں۔ اگر خدا ایسا چاہتا تو وہ ان کی مدد خود کرتا۔ (۴۷ : ۳۶)

۵۲۔ کفار حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۱۲ : ۴۷)

۵۳۔ ان کا اعتراض کہ کیا ایک بشر ہمارا راہ نما بننے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ (۶ : ۶۴)

۵۴۔ کفار اور مشرکین صحیح آزادی قرآن ہی کے توسط سے حاصل کر سکتے ہیں۔ (۱ : ۹۸)

۵۵۔ جادو ٹونا وغیرہ پہ اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ (۱۰۱ : ۲)

۵۶۔ تم خدا کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر تمہیں مارے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ (۲۸ : ۲)

۵۷۔ کتاب کے ایک حصّے پہ ایمان لانا اور دوسرے سے کفر برتنا۔ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کا موجب ہے۔ (۸۵ : ۲)

۵۸۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم کیسے کفر اختیار کر سکتے ہو جب کہ خدا کی آیات (قوانین) تمہارے سامنے ہیں اور رسول تمہارے اندر موجود ہے۔ (۱۰۱ : ۳) ۔ (نوٹ :۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد اگر وہی نظام قائم رہے جسے رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا، تو پھر کفر کی حالت نہیں ہو سکتی۔)

۵۹۔ بعض انبیاء پہ ایمان لانا اور بعض سے انکار کرنا کفر ہے۔ (۱۵۰ : ۴) ۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ (۱۵۱ : ۴)

۶۰۔ اللہ۔ ملائکہ۔ انبیاء۔ کتب۔ آخرت سے انکار کفر ہے۔ (۱۳۶ : ۴) ۔ (۱۵۰ : ۴)

۶۱۔ طاغوت۔ غیر خدائی قوتوں۔ کی طرف فیصلے کرانے کے لئے جانا کفر ہے۔ (۶۰ : ۴)

۶۲۔ کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء بغیر الحق۔ (۲۱ : ۳)

۶۳۔ منافق کافر کا کافر ہی رہتا ہے۔ (۱۴۰ : ۴) ۔ (۶۱ : ۵) ۔ (۵۵ : ۹) ۔ (۸۵ : ۹) ۔ (۱۲۵ : ۹)

۶۴۔ اللہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ (۷ : ۳۹)

۶۵- جو کفر اختیار کرتا ہے اس کا خمیازہ وہ خود بھگتتا ہے - (۳۹ : ۳۵)

۶۶- نظامِ خداوندی کی مخالفت میں کسی کی مدد کرنا کفر ہے - (۵۵ : ۲۵)

۶۷- قیامت میں کفار اپنے اعمال کے نتائج سامنے دیکھ کر چیخ اٹھیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم مٹی کا تودہ ہوتے - (۴۰ : ۷۸)

۶۸- جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں - (۴۴ : ۵)

۶۹- خدا اپنے نور کو مکمل کرے گا خواہ کافروں پہ یہ بات کیسی ہی گراں کیوں نہ گذرے - (۳۲ : ۹) - (۸ : ۶۱)

۷۰- کفار کی کھیتی نہیں پنپ سکتی - (۱۱۷ : ۲۳) - (۸۲ : ۲۸) - (۸۵ : ۴۰) - (۲۰ : ۵۷)

۷۱- کفار کو اپنے اعمال مزین دکھائی دیتے ہیں - (۱۲۲ : ۶) - (۳۷ : ۹)

۷۲- خدا چاہتا ہے کہ اپنے قوانین کے ذریعے حق کو مستحکم کرے اور کفار کی جڑ کاٹ ڈالے - (۷ : ۸)

۷۳- خدا کفار کی سازشوں کو ناکام بنا دے گا - (۱۸ : ۸) - (۴۷) - خدا کفار کو ذلیل کرے گا - (۲ : ۹) - (۴۴ : ۲۲)

۷۵- دعوت الحق صرف خدا کی ہے - کافرین کی دعوت گمراہی کی ہے - (۱۴ : ۱۳) - (۵۰ : ۴۰)

۷۶- کفار کی طرف شیاطین آتے ہیں اور انہیں کفر پہ اکساتے ہیں - (۸۳ : ۱۹)

۷۷- کفار کی اطاعت مت کرو - ان کے خلاف جہادِ کبیر کرو - (۵۲ : ۲۵) - (۱ : ۳۳) - (۴۸ : ۳۳)

۷۸- کفار کے مددگار مت بنو - (۸۶ : ۲۸) - (۷۹) - خدا کفار کو پسند نہیں کرتا - (۴۵ : ۳۰)

۸۰- اسلام کی تقویت سے کفار کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگ جاتے ہیں - (۲۹ : ۴۸)

۸۱- جس طرح کفار اہلِ قبور سے مایوس ہیں - (۱۳ : ۶۰) - (۸۲) - خدا کفار اثیم کو پسند نہیں کرتا - (۲۷۶ : ۲)

۸۳- کاذب وکفار - (۳ : ۳۹) - کفار عنید - (۲۴ : ۵۰) - فاجر وکفار - (۲۷ : ۷۱)

کفر بمقابلہ ایمان

۱- جس سے کفر کا کوئی کام بالجبر کرا لیا جائے اس سے مؤاخذہ نہیں ہوگا - (۱۰۶ : ۱۶)

۲- ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ، استخلاف فی الارض، سامنے آجانے کے بعد کفر اختیار کرنے والے فاسق ہیں - (۵۵ : ۲۴)

۳- بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے کفر اختیار کر لیا - (۱۴ : ۶۱)

۴- کفر بعد ایمان کا نتیجہ روسیاہی - (۱۰۸ : ۲) - (۲۱۷ : ۲) - (۸۵-۹۰ : ۳) - (۱۰۶ : ۳) - (۱۷۷ : ۳) - (۱۳۷ : ۴) - (۷۴ : ۹) - یہاں کفر سے مراد ’تفرقہ انگیزی اور فرقہ بندی ہے - (۱۰۴ : ۳)

۵۔ میدانِ جنگ سے جی چرانا کفر بعد از ایمان ہے (۳ : ۱۶۶) ۔ (۹ : ۶۶) ۔ تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔ (۳ : ۱۵۵)

۶۔ یہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کس کی پوزیشن بہتر ہے ؟ (۱۹ : ۷۳)

۷۔ ایمان بالباطل اور کفر باللہ کا نتیجہ تباہی ۔ (۱۶ : ۷۲) ۔ (۲۹ : ۵۲) ۔ (۲۹ : ۶۷)

۸۔ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ ۔ یہ ہے اسلام ۔ (۲ : ۲۵۶) ۔ (۴ : ۶۰)

۹۔ جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے۔ (۱۸ : ۲۹) ۔ (۷۶ : ۳)

۱۰۔ منافقین کی روش کہ صبح کو ایمان لے آؤ شام کو کفر اختیار کر لو۔ (۳ : ۷۲) ۔ منافق کافر کا کافر ہی رہتا ہے (۵ : ۶۱)

۱۱۔ ایمان کو کفر سے تبدیل کر لینے والے ۔ (۲ : ۱۰۸) ۔ (۳ : ۱۷۷)

۱۲۔ رسول سے بیہودہ سوالات کرنا ، کفر بعد ایمان ہے ۔ (۲ : ۱۰۸)

۱۳۔ کسی شخص کا لوگوں سے یہ کہنا کہ تم میرے بندے بن جاؤ انہیں اسلام کے بعد کفر کی دعوت دینا ہے ۔ (۳ : ۷۹-۸۰)

۱۴۔ انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں ۔ مومن اور کافر ۔ (یعنی مسلم اور غیر مسلم) ۔ یہی اسلام میں مدارِ قومیت ہے ۔ (۶۴ : ۲) ۔
اسی طرح شاکر اور کفور (۷۶ : ۳)

۱۵۔ جو مسلمان نظامِ ربوٰ قائم کریں ، ان کے خلاف اعلانِ جنگ ۔ وہ اس آگ میں داخل ہوں گے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے ۔
(۲ : ۱۲۹ - ۱۳۱) ۔ (۱۶) ۔ کافر مؤمنوں پہ کبھی غالب نہیں آسکتے ۔ (۴ : ۱۴۱)

۱۶۔ مومن ، مومنین کے سامنے جھکے ہوئے اور کافرین کے مقابلہ میں سخت ہوتے ہیں ۔ (۵ : ۵۴) ۔ (۴۸ : ۲۹)

۱۸۔ مومنین کا مولا خدا ہے ۔ کفار کا کوئی مولا نہیں ۔ (۴۷ : ۱۱) ۔ (۱۹) ۔ اس دن مومن ، کفار کی ہنسی اڑائیں گے۔ (۸۳ : ۳۴)

۲۰۔ اہلِ کتاب چاہتے ہیں کہ تم ایمان کے بعد پھر کفر اختیار کر لو۔ (۲ : ۱۰۹)

کفر بمقابلہ شکر

۱۔ جو شکر کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے ۔ جو کفر اختیار کرتا ہے تو اللہ اس سے مستغنی ہے ۔ (۲۷ : ۴۰) ۔ (۳۱ : ۱۲)

۲۔ کفرانِ نعمت کا نتیجہ بھوک اور خوف کا عذاب ہے ۔ (۱۶ : ۱۱۲)

۳۔ شکر کا نتیجہ نعماء میں اضافہ ۔ کفر کا نتیجہ عذاب ۔ (۱۴ : ۷)

۴۔ شکر بمقابلہ کفر ۔ (۲۷ : ۴۰) ۔ (۵) ۔ واشکروا لی ولا تکفرون ۔ (۲ : ۱۵۲)

۶۔ باطل پر ایمان اور اللہ کی نعمتوں سے کفر ۔ (۱۶ : ۷۲) ۔ (۲۹ : ۶۷)

۷۔ اللہ کی نعمتوں کو کفر سے بدلنے والے اپنی قوم کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۸ : ۱۴)
۸۔ نعمائے خداوندی کو پہچانتے ہیں لیکن پھر ان سے انکار کرتے ہیں۔ یہ کفار ہیں۔ (۸۳ : ۱۶)
۹۔ اکثر لوگ کفور (ناسپاس گذار) ہوتے ہیں۔ (۸۹ : ۱۷)۔(۹۹ : ۱۷)۔(۵۰ : ۲۵)
۱۰۔ انسان نعمت چھننے پر مایوس اور کفور ہو جاتا ہے۔ (۹ : ۱۱)
۱۱۔ خدا خوان وکفور کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۸ : ۲۲)
۱۲۔ انسان کفور واقع ہوا ہے۔ (۶۷ : ۱۷)۔(۶۶ : ۲۲)۔(۴۸ : ۴۲)۔(۱۵ : ۴۳)
۱۳۔ آیات اللہ سے ختار وکفور ہی کٹ حجتیاں کرتے ہیں۔ (۳۲ : ۳۱)
۱۴۔ کفور کا بدلہ۔ (۳۶ : ۳۵)۔(۱۵)۔ شیطان اپنے رب کا کفور تھا۔ (۲۷ : ۱۷)
۱۶۔ ہم نے انسانوں کو راستہ دکھا دیا۔ سو ان میں سے بعض شاکر ہیں۔ بعض کفور۔ (۳ : ۷۶)
۱۷۔ آثم اور کفور کی اطاعت مت کرو۔ (۲۴ : ۷۶)۔ خدا انہیں پسند نہیں کرتا۔ (۲۷۶ : ۲)
۱۸۔ انسان ظلوم وکفار واقع ہوا ہے۔ (۳۴ : ۱۴)
۱۹۔ کسی مومن اور صالح کی کوششیں ناشکور نہیں ہوں گی۔ (۹۴ : ۲۱)

کفار کے لئے نارِ جہنم

۱۔ انہیں اس دنیا میں متاعِ قلیل مل جاتی ہے لیکن ان کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ (۲۴ : ۲)۔(۱۲۶ : ۲)۔(۱۳۱ : ۳)
(۵۶ : ۴)۔(۶۰ : ۶)۔(۱۰ : ۳)۔(۷۰ : ۱۰)
۲۔ یہ ساری دنیا کی دولت دے کر بھی عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ (۳۶ : ۵)۔(۱۵ : ۵۷)
۳۔ واللہ محیط بالکافرین۔ (۱۹ : ۲)۔(۴)۔ کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ (۳۶ : ۸۳)

کفار سے جنگ

۱۔ ان ائمۃ الکفر سے جنگ کرو۔ (۱۹۱ : ۲)۔(۱۲ : ۹)۔(۱۲۳ : ۹)۔(۹۰ : ۶۶)

کفارہ

۱۔ زخموں کا قصاص اور کفارہ ۔ (۵ : ۴۵) ۔ (۲) ۔ قسموں کا کفارہ ۔ (۵ : ۸۹) ۔ (۵ : ۹۵)

متفرقات

۱۔ کفر کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلقات سے انکار کرنا ۔ یعنی یہ کہنا کہ نہ صاحب! میں تو اسے جانتا تک نہیں ۔ (۲۹ : ۲۵)

۲۔ کفر کے معنی مٹا دینا ۔ محو کر دینا ۔ خدا، مومنین کی لغزشوں کے نقصان رساں اثرات کو مٹا دے گا (یعنی ان کی حسنات کا پلڑا بھاری ہو گا ۔) اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا ۔ (۲ : ۲۷۱) ۔ (۳ : ۱۹۳) ۔ (۳ : ۱۹۵) ۔ (۴ : ۳۱) ۔ (۵ : ۱۲)
(۸ : ۲۹) ۔ (۲۹ : ۷) ۔ (۳۹ : ۳۵) ۔ (۴۸ : ۵) ۔ (۶۴ : ۹) ۔ (۶۵ : ۵) ۔ (۶۶ : ۸)

۳۔ مشرکین کو کافرین بھی کہا گیا ۔ (۹ : ۱۷) ۔ (۴) ۔ ابلیس انکار کرنے والوں ۔ سرکشی کرنے والوں ۔ میں سے تھا ۔ (۲ : ۳۴)

۵۔ نظامِ ربوٰ قائم کرنے والے مسلمانوں کے لئے وہ آگ جسے کافرین کے لئے تیار کیا گیا ہے ۔ (۳ : ۱۳۱)

۶۔ حضرت نوحؑ کی دعا کہ کافروں کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے ۔ (۷۱ : ۲۶) ۔ (۷) ۔ الکفرۃ الفجرۃ ۔ (۸۰ : ۴۲)

۸۔ مکہ سے ہجرت کر کے آ جانے والی کفار کی بیویوں سے مومنوں کو نکاح کی اجازت ۔ (۶۰ : ۱۰)

۹۔ جنت کی شراب میں کافور کا امتزاج ۔ (۷۶ : ۵) ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان جنت)

۸۔ کلمہ ۔ کلام ۔ کلیم

یوں تو کلمہ کے معنی بات کے ہوتے ہیں، لیکن یہ لفظ بڑا جامع ہے ۔ دورِ حاضر میں جس مفہوم کے لئے نظریۂ زندگی نصب العین حیات ۔ آئیڈیالوجی وغیرہ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، قرآن کریم میں یہ لفظ ان معانی میں بھی آیا ہے ۔ نیز قانون کے معنوں میں بھی ۔ قانون جب الفاظ کی شکل میں ہو تو اسے کلمہ کہیں گے اور جب وہ عمل میں آ جائے تو اسے سنت سے تعبیر کیا جائے گا ۔ اس اعتبار سے "کلمۃ اللہ" کے معنی قانونِ خداوندی ہوں گے اور سنت اللہ کے معنی خدا کی روش ۔ طریق ۔ (سنت کا عنوان الگ ہے)

۲۔ کلام کے معنی بات کرنے کے ہیں ۔ وحی کے عنوان میں دیکھئے، حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ "خدا نے ان سے بات

کی"۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس " کلام " کی کنہ اور حقیقت کیا تھی ۔ وحی کی کنہ و حقیقت کو نبی کے علاوہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اسی نہج سے حضرت موسیٰؑ کو عام طور پر کلیمؑ اللہ کہا جاتا ہے ۔ یہ لفظ (کلیم) قرآن میں نہیں آیا۔

۳۔ خدا نے وحی کو کلام اللہ کہا ہے ۔اس کے معنی یہ ہیں کہ وحی کی رد سے صرف "مفہوم یا خیال" ہی نبی کی طرف منتقل نہیں ہوتا تھا، وحی کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے دیئے جاتے تھے ۔یعنی وحی بالفاظ وحی تھا۔

۴۔ جب کلام اللہ سے مراد وحیٔ خداوندی ہے تو ختمِ نبوت کے بعد خدا سے ہم کلام ہونے کا تصور خلافِ قرآن ہے ۔ اب خدا سے کوئی شخص بات نہیں کر سکتا ۔ نہ ہی خدا کسی سے بات کرتا ہے ۔خدا کی سب باتیں قرآن مجید کے اندر محفوظ ہیں۔

کلمہ بمعنی عام بات

۱۔ اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں قدرِ مشترک ہے ۔ (۳ : ۶۴)

۲۔ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا تھا۔ (۹: ۷۴)۔ (۳) ۔ کتنی بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلی ہے ۔ (۱۸ : ۵)

۴۔ یہ یونہی ایک بات ہے جو انہوں نے کہہ دی ہے ۔ (۲۳ : ۱۰۰)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کی بات (داستان) بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھی گئی ۔ (۴۳ : ۲۸)

۶۔ انہوں نے تقویٰ کی بات کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ۔ (۴۸ : ۲۶)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بعض باتیں (معاملات) آئیں اور وہ ان میں پورے اترے ۔ (۲ : ۱۲۴)

اللہ کا کلام

۱۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے بات کی ۔ (۴ : ۱۶۴)۔ (۷ : ۱۴۳)۔ (۷ : ۱۴۴)

۲۔ انبیاء میں سے بعض سے خدا نے بات کی ۔ (۲ : ۲۵۳)

۳۔ خدا کے بشر کے ساتھ کلام کرنے کے تین طریق ۔ (۴۲ : ۵۱)

۴۔ قرآن کریم کلام اللہ ہے ۔ (۲ : ۷۵)۔ (۹ : ۶)

۵۔ کفّار کا اعتراض کہ خدا ہم سے بات کیوں نہیں کرتا۔ (۲ : ۱۱۸)

۶۔ قیامت کے دن خدا ان سے بات نہیں کرے گا ۔ (۲ : ۱۷۴)۔ (۳ : ۷۷)۔ کوئی خدا سے بھی بدوں اس کے اذن کے بات نہیں کر سکے گا ۔ (۱۱ : ۱۰۵)۔ (۷۸ : ۳۸)

کلمہ بمعنی خدا کی بات

۱۔ حضرت یحییٰؑ کی بشارت جو خدا کی بات کو سچ کر دکھائیں گے۔ (۳ : ۳۸)
۲۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت میں کلمہ کا لفظ۔ (۳ : ۴۵)
۳۔ حضرت عیسیٰؑ خدا کے رسول اور اس کا کلمہ تھے۔ (۴ : ۱۷۱)
۴۔ حضرت مریم نے کلمۂ خداوندی کو سچ کر دکھایا۔ (۶۶ : ۱۲)

کلمہ بمعنی نظریۂ زندگی۔ قانونِ خداوندی

۱۔ تیرے رب کی بات (وحی) صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ (۶ : ۱۱۴) — (۶ : ۱۱۵) — (۱۰ : ۶۴) — (۱۸ : ۲۷)۔ یہ چاہتے ہیں کہ کلام اللہ (اللہ کے فیصلہ یا قانون) کو بدل دیا جائے۔ (۴۸ : ۱۵)
۲۔ بنی اسرائیل کے متعلق خدا کی بات (قانونِ خداوندی) پوری ہو گئی۔ (۷ : ۱۳۷)
۳۔ جنگ میں کامیابی سے مقصد یہ تھا کہ خدا کی بات (اس کا نظامِ حیات) غالب آئے اور کفار کا نظام مغلوب ہو۔ (۹ : ۴۰)
۴۔ اگر قانونِ خداوندی کی رو سے یہ بات پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی (کہ عمل اور اس کے نتیجہ کے مشہود ہونے میں مہلت کا وقفہ ہو گا) تو ان کا معاملہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ (۱۰ : ۱۹) — (۱۱ : ۱۱۰) — (۲۰ : ۱۲۹) — (۴۱ : ۴۵) —
۵۔ خدا کا یہ قانون کہ فاسق ایمان نہیں لاتے، پورا ہو کر رہا۔ (۱۰ : ۳۳) — (۱۰ : ۹۶) — (۱۱ : ۱۱۹) — (۴۰ : ۶)
۶۔ کلمۂ طیب (خوشگوار نظریۂ حیات) اور کلمۂ خبیثہ (باطل نظریۂ زندگی) کی مثال۔ (۱۴ : ۲۴ : ۲۶) — کلمۂ طیب اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور عملِ صالح اسے اوپر کو ابھارتا ہے۔ (۳۵ : ۱۰)
۷۔ جو قانونِ مکافات کی رو سے عذاب کا مستحق قرار پا جائے اسے اس سے کون بچا سکتا ہے۔ (۳۹ : ۱۹)
۸۔ ہمارے رسولوں کے متعلق ہمارا قانون پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ وہ فاتح و منصور ہوں گے۔ (۶ : ۳۴) — (۳۷ : ۱۷۱)
۹۔ آدم نے خدا سے کچھ کلمات (قوانینِ ہدایت) سیکھ لئے۔ (۲ : ۳۷)
۱۰۔ خدا کے بندوں (اولیاء اللہ) کی دنیا بھی خوشگوار ہو گی اور آخرت بھی۔ یہ خدا کا وہ قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا۔ (۱۰ : ۶۴) — (۱۱)۔ کلماتِ خداوندی لامتناہی اور بے حد و شمار ہیں۔ (۱۸ : ۱۰۹) — (۳۱ : ۲۷)

۱۲۔ حضرت مریمؑ نے قانونِ خداوندی کو سچ کر دکھایا۔ (۶۶ : ۱۲)

۱۳۔ رسول اللہ قوانینِ خداوندی پر ایمان رکھتے تھے۔ (۷ : ۱۵۸)

۱۴۔ خدا کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے قوانین کے مطابق احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کر دے۔ (۸ : ۷)۔(۱۰ : ۸۲)

(۴۲ : ۲۴)۔ (۱۵)۔اہلِ کتاب وحیٔ خداوندی میں تحریف کر دیتے تھے۔ (۴ : ۴۶)۔(۵ : ۱۳)۔(۴۱ : ۵)

۱۶۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے قانون کو بدل ڈالیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ (۴۸ : ۱۵)

(٠)

ل

۱۔ لعنت

لعنت۔ ہمارے ہاں تو لعنت کو گالی سمجھا جاتا ہے لیکن اس لفظ کے بنیادی معانی اور قرآنی استعمال کی رو سے یہ گالی نہیں بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہے۔(ل۔ع۔ن) کے معنی ہیں دور ہٹا دینا۔ الگ کر دینا۔محروم کر دینا۔مفہوم اس کا یہ ہے کہ جو شخص،گروہ یا قوم،قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کر کے غلط روش اختیار کر لیتی ہے،اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی خوشگواریوں اور انسانیت ساز صلاحیتوں سے محروم رہ جاتی ہے۔اسے لعنت کہتے ہیں اور ایسی قوم (یا فرد) کو ملعون۔اس سے واضح ہے کہ لعنت درحقیقت،قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے،غلط روش کے اس نتیجہ کا نام ہے جس میں انسان زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

۲۔ ایک جگہ لعنت کا نتیجہ قساوتِ قلبی،یعنی دل کا پتھر کی سخت ہو جانا،بتایا گیا ہے۔ (۵ : ۱۳)۔اس قسم کے دل کی حرماں نصیبی ظاہر ہے۔

۳۔ دنیاوی زندگی میں ملعون کے معنی ہوں گے۔ایسا مجرم جسے معاشرہ کی عام خوشگواریوں،حقوق اور مراعات سے محروم کر

۱۲۔ حضرت مریمؑ نے قانونِ خداوندی کو سچ کر دکھایا ۔ (۱۲ : ۶۶)

۱۳۔ رسول اللہ قوانینِ خداوندی پہ ایمان رکھتے تھے ۔ (۱۵۸ : ۷)

۱۴۔ خدا کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے قوانین کے مطابق احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کر دے ۔ (۷ : ۸)۔(۸۲ : ۱۰)

(۲۴ : ۴۲)۔ (۱۵)۔اہلِ کتاب وحیٔ خداوندی میں تحریف کر دیتے تھے۔ (۴۶ : ۴)۔(۱۳ : ۵)۔(۴۱ : ۵)

۱۶۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے قانون کو بدل ڈالیں ؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ (۱۵ : ۴۸)

(۰)

ل

۱۔ لعنت

لعنت ۔ ہمارے ہاں تو لعنت کو گالی سمجھا جاتا ہے لیکن اس لفظ کے بنیادی معانی اور قرآنی استعمال کی رو سے یہ گالی نہیں بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہے ۔ (ل ۔ ع ۔ ن) کے معنی ہیں دور ہٹا دینا۔ الگ کر دینا۔ محروم کر دینا۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ جو شخص، گروہ یا قوم، قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کر کے غلط روش اختیار کر لیتی ہے اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی خوشگواریوں اور انسانیت ساز صلاحیتوں سے محروم رہ جاتی ہے ۔ اسے لعنت کہتے ہیں اور ایسی قوم (یا فرد) کو ملعون۔ اس سے واضح ہے کہ لعنت درحقیقت، قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے، غلط روش کے اس نتیجہ کا نام ہے جس میں انسان زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے ۔

۲۔ ایک جگہ لعنت کا نتیجہ قساوتِ قلبی، یعنی دل کا پتھر کی سخت ہو جانا، بتایا گیا ہے ۔ (۱۳ : ۵) ۔ اس قسم کے دل کی حرماں نصیبی ظاہر ہے۔

۳۔ دنیاوی زندگی میں ملعون کے معنی ہوں گے۔ ایسا مجرم جسے معاشرہ کی عام خوشگواریوں، حقوق اور مراعات سے محروم کر

دیا جائے۔ مختلف جرائم کی سزا میں اس قسم کی محرومی (لعنت) کا کوئی نہ کوئی گوشہ مضمر ہوتا ہے۔ دنیا میں لعنت بہرحال اسلامی مملکت اور معاشرہ کی طرف سے ہوگی۔ اس میں معاشرتی بائیکاٹ بھی شامل ہوگا۔

لعنت اللہ

خدا کی لعنت کن پر ہوتی ہیں۔ یعنی وہ کون لوگ ہیں جو غلط روش اختیار کرنے کی وجہ سے، قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق، زندگی کی انسانیت ساز خوشگواریوں سے دور اور محروم رہ جاتے ہیں۔

۱۔ کفار۔ یعنی قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے اور سرکشی برتنے والے۔ (۲ : ۱۶۱) ۔ (۳۳ : ۶۴)

۲۔ بنی اسرائیل کے اصحاب السبت ۔ (۴ : ۴۷)

۳۔ بنی اسرائیل اپنے مختلف جرائم کی وجہ سے ۔ (۴ : ۴۶) ۔ (۴ : ۵۲) ۔ (۵ : ۱۳) ۔ (۵ : ۶۰) ۔ (۵ : ۶۴) ۔ یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ (۲ : ۸۸) ۔ حضرت داودؑ اور حضرت عیسٰےؑ کی زبان سے لعنت (۵ : ۷۸) قرآن سے کفر کی وجہ سے ۔ (۲ : ۸۹) ۔

(۴) ۔ مومن کو عمداً قتل کر دینے والا ۔ (۴ : ۹۳)

۵۔ "شیطان" تو سرکشی کا مجسمہ ہے وہ ملعون کیوں نہیں ہوگا؟ (۴ : ۱۱۸) ۔ رجیم اور ملعون مرادف ہیں (۱۵ : ۳۴-۳۵) (۳۸ : ۷۷-۷۸) ۔ (ان مقامات میں بھی شیطان کو رجیم کہا گیا ہے ۔ (۳ : ۳۵) ۔ (۱۵ : ۱۷) ۔ (۱۶ : ۹۸) ۔ (۸۱ : ۲۵) ۔

(۶) منافقین ۔ (۹ : ۶۸) ۔ (۴۷ : ۲۲-۲۳) ۔ (۴۸ : ۶)

۷۔ "اللہ اور رسول" کو اذیت پہنچانے والے۔ اور مومن مردوں اور عورتوں کے خلاف بہتان تراشی سے انہیں اذیت پہنچانے والے۔ دنیا اور آخرت میں ملعون ۔ (۳۳ : ۵۷-۵۸) ۔ (۳۳ : ۶۰-۶۱) ۔ دنیاوی سزا بھی ۔ (۲۴ : ۲۳)

۸۔ وحی کی تعلیم (قرآنی تعلیم) کو چھپانے والے ۔ (۲ : ۱۵۹) ۔

(۹) ۔ ظالمین پہ ۔ (۷ : ۴۴) ۔ (۱۱ : ۱۸) ۔ (۴۰ : ۵۲)

۱۰۔ خدا کے خلاف افترا کرنے والوں پہ ۔ (۱۱ : ۱۸)

۱۱۔ قومِ عاد کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگی رہی اور قیامت میں بھی ایسا ہی ہوگا ۔ (۱۱ : ۶۰) ۔ قومِ فرعون کے بھی ۔ (۱۱ : ۹۹) ۔ (۲۸ : ۴۲)

۱۲۔ اللہ کے عہد کو توڑنے والے ۔ جسے ملانے کا حکم دیا گیا تھا اسے قطع کرنے والے۔ ملک میں فساد برپا کرنے والے —— (۱۳ : ۲۵)

ایک دوسرے کی لعنت

یعنی ایک گروہ کا دوسرے گروہ کی خیر سگالی، ہمدردی یا معاونت سے محروم رہ جانا۔

۱۔ جہنم میں داخل ہونے والی ایک قوم، اپنے جیسی دوسری قوم کو ملعون کہے گی۔ ان کی باہمی رفاقتیں ختم ہوجائیں گی اور وہ اپنی تباہی کے لئے دوسروں کو ملعون کریں گی۔ (۳۸ : ۷)

۲۔ مذہبی پیشوا، باطل پرستی سے دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوجاتے ہیں لیکن قیامت میں یہ ایک دوسرے کو ملعون گردانیں گے۔ (۲۵ : ۲۹)

۳۔ قرآنی تعلیم کو چھپانے والوں پر خدا کی بھی لعنت اور ہر لعنت کرنے والے کی لعنت بھی۔ (۱۵۹ : ۲)

۴۔ قیامت میں عوام اپنے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے متعلق کہیں گے کہ انہیں دھرا عذاب دے اور ان پر لعنتِ کبیر کر۔ (۶۸ : ۳۳)

۵۔ مباہلہ، یعنی ایک دوسرے سے قطع تعلق کے معنی ہیں کہ فریقِ ثانی اپنے کذب کی وجہ سے ہماری رفاقت اور معاونت سے محروم ہوگا۔ (۶۱ : ۳) - اسی لئے لعنت اللہ علی الکاذبین کہا گیا ہے۔

۶۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرلینے والوں پر خدا کی، ملائکہ کی، اور لوگوں کی سب کی، لعنت۔ (۸۶ - ۸۵ : ۳)

۷۔ جہنم میں ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔ (۴۴ : ۷)

۸۔ اخلاقی الزام کے سلسلہ میں میاں بیوی میں باہمی ملاعنہ (یہ ایک عدالتی طریق ہے)۔ (۷ : ۲۴)

متفرقات

۱۔ شجرِ ملعونہ۔ (۶۰ : ۱۷) - قرآن میں شجرۃ الزقوم کو اہلِ جہنم کی خوراک بتایا گیا ہے۔ (۶۶ - ۶۲ : ۳۷) (۴۴ - ۴۳ : ۴۴) - اگرچہ اسے خاص طور پر ملعون نہیں کہا گیا لیکن جس شجر کی جہنم کی جڑوں سے نمود ہوتی ہو اور وہ اہلِ جہنم کی خوراک بنتا ہو، اس کے لعنت ہونے میں شبہ کیا ہوسکتا ہے۔ "شجرِ ملعونہ" سے غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ (تفصیل جہنم کے عنوان میں ملے گی)

۲۔ لغو

لغو۔ بنیادی طور پر لغو، ان چیزوں یا باتوں کو کہتے ہیں جو ناقابل اعتبار ہوں۔ یعنی بے معنی، بے وزن، بیہودہ سی باتیں۔ یعنی ایسی باتیں جو شریف انسانوں کے شایانِ شان نہ ہوں۔ ایسی باتیں جن کا کوئی مطلب اور مفہوم نہ ہو۔ (پرندوں کی آواز کو بھی لغو کہتے ہیں) ایسی گفتگو جو بے سوچے سمجھے کی جائے۔ ایسے کام جن کا کوئی وزن یا شمار نہ ہو۔ ان تمام مفاہیم کے لئے لغو کا لفظ آتا ہے۔

قرآن کریم انسانی زندگی کو بڑا (SERIOUSLY) لیتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کا ایک ایک لمحہ اس طرح قیمتی ہوتا ہے جس طرح کسان کا فصل بونے کا موسم۔ اسے (SERIOUSLY) نہ لینا اور بے معنی اور بیہودہ باتوں میں ضائع کر دینا انسانیت کی عدالت میں جرم ہے اور فردِ متعلقہ کے لئے بہت بڑے خسارہ کا موجب۔ اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ قرآن، لغویات کی تفصیل نہیں دیتا۔ انہیں ہم (مندرجہ بالا مفہوم کی روشنی میں) خود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ چونکہ دنیا میں جنتی زندگی کا عکس ہوتا ہے اس لئے اس میں لغو کا دخل نہیں ہوتا۔

لغو کے معنی بے سوچے سمجھے بات کہہ دینا

۱۔ جو قسم یونہی بے سوچے سمجھے منہ سے نکل جائے اس کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ یعنی اسے (SERIOUSLY) نہیں لیا جاتا۔ مواخذہ اس قسم کا ہوتا ہے جس میں دل کا ارادہ شامل ہو۔ یہاں سے لغو کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ (۲ : ۲۲۵)۔(۵:۸۹)

مومن لغو سے اعراض برتتے ہیں

۱۔ مومنین کی خصوصیت۔ (۳ : ۲۳)۔ انہیں اگر کبھی لغو کے پاس سے گزرنا پڑے، تو نہایت شریفانہ انداز سے 'دامن کشاں گزر جاتے ہیں۔ (۷۲ : ۲۵)۔ وہ لغو سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ (۵۵ : ۲۸)

جنت میں لغو نہیں ہوگا

۱۔ جنت کی 'شراب' (پینے کی شے) میں نہ لغو ہوگا نہ تاثیم۔ لغو جس سے انسان بیہودہ بکنے لگ جائے اور تاثیم جس سے

افسردگی اور اضمحلال پیدا ہو۔ (۵۲ : ۲۳)

۲۔ اہلِ جنت وہاں لغو سنیں گے ہی نہیں۔ وہاں ہر طرف سے سلاماً سلاماً کی نشید جانفزا' فردوسِ گوش بنے گی۔ (۶۲ : ۱۹)۔ (۵۶ : ۲۵)

۳۔ وہاں لغو اور کذب کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ یعنی نہ جھوٹ بولنا اور نہ ہی یونہی کچھ بیہودہ بک دینا۔ (۷۸ : ۳۵)

۴۔ ایک جگہ اسے لاغیہ بھی کہا گیا ہے۔ (۸۸ : ۱۱)

متفرق

۱۔ کفار کہتے ہیں کہ اس قرآن کو بالکل نہ سنو۔ جب کوئی اسے پیش کرے تو بے معنی شور مچا دو تاکہ کوئی اسے سننے نہ پائے ہمارے واعظوں کے توہم پرستانہ قصے، بیہودہ داستانیں، بے معنی کہانیاں، طرح طرح کا 'مقدس' شور، سب اسی زمرہ میں آتا ہے۔ (۴۱ : ۲۶)۔ مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کا پیغام نہ سن سکیں کیونکہ وہ پیغام مذہبی پیشوائیت کے لئے پیامِ مرگ ہوتا ہے۔

۳۔ لقاءِ رب

قرآن کریم میں ایک اصطلاح 'لقاءِ رب' بھی آتی ہے۔ لقاء کے معنی ہوتے ہیں:۔

۱۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا۔ اور (۲) کسی بات کا محسوس طور پر یا برینائے بصیرت ادراک کر لینا۔ ہمارے ہاں اس اصطلاح سے عام طور پر 'خدا سے ملاقات' کرنا' مراد لی جاتی ہے۔

۲۔ جہاں تک اس دنیا میں خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کا تعلق ہے، یہ ناممکنات میں سے ہے۔ عام انسان تو ایک طرف، جب حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم رسول نے اس کی التجا کی تو ان سے بھی کہہ دیا گیا کہ "لن ترانی" تو مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ لہٰذا 'لقاءِ رب' کے معنی اس دنیا میں خدا کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لینا نہیں ہو سکتے۔

۳۔ جہاں تک اخروی زندگی میں لقاءِ رب کا تعلق ہے، ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اس کا تصور تک بھی نہیں کر سکتے کہ اس زندگی کی کنہ اور ماہیت کیسی ہوگی۔ اس لئے اس وقت ہم وہاں کے 'لقاءِ رب' کا شعور نہیں کر سکتے۔

۴۔ لیکن جس طرح ہم اس دنیا میں "آیاتِ خداوندی" ۔ یعنی اشیائے کائنات پر غور و فکر کرنے ۔ سے "خالقِ کائنات کی ہستی پر ایمان لاسکتے ہیں ۔ اسی طرح ہم کائنات میں جاری و ساری خدا کے نظامِ ربوبیت پر غور و تدبر سے اسے (گویا) اپنے سامنے بے نقاب دیکھ سکتے ہیں ۔ اسے استعارۃً لقاءِ رب کہا جاسکتا ہے ۔

۵۔ "لقاءِ رب" کا ایک مفہوم اور بھی ہے ۔ ہم اپنے ہاں عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ "وہ تو یوں سمجھ رہا ہے گویا اس نے کبھی ہمارے سامنے آنا ہی نہیں" یا یہ کہ "وہ جو جی میں آئے کہتا پھرے ، ایک دن اس کے ساتھ آمنا سامنا تو ہوگا ہی" یا جیسے ہم کہتے ہیں ۔ قانون کا سامنا کرنا ۔ عدالت کے سامنے آنا ۔ وغیرہ ۔ ان معانی کی رو سے "لقاءِ رب" سے مراد ہوگا — انسان کا اپنے اعمال کے نتائج کو محسوس طور پر اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لینا ۔ اسے خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل کہیئے ۔ یہ اس دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی ۔

زیرِ نظر عنوان میں "لقاءِ رب" کے یہ تینوں گوشے سامنے لائے جاتے ہیں ۔ (۱) لقاءِ رب مرنے کے بعد ۔ (۲) ۔ لقاءِ رب نظامِ کائنات اور نظامِ ربوبیت پر غور و فکر سے ہستیٔ باری تعالیٰ پر ایمان ۔ اور (۳) انسانی اعمال کے نتائج کا محسوس طور پر سامنے آنا ۔ اس دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ۔

اس سلسلہ میں عنوانات "قیامت" ۔ جنت ۔ قوانینِ فطرت وغیرہ بھی دیکھئے ۔

مرنے کے بعد لقاءِ رب

۱۔ منافقین کے دل میں اس دن تک نفاق ڈال دیا جب وہ خدا سے ملیں گے ۔ اس کے معنی "مرتے دم تک" ہوں گے ۔ اس سلسلہ میں عنوان قیامت میں "الیٰ یوم القیامۃ" کا باب بھی دیکھئے ۔ (۷۷ : ۹)

۲۔ مومنین جس دن خدا سے ملاقی ہوں گے تو ان کا باہمی تحفۂ تبریک و تہنیت "سلام" ہو گا ۔ (۴۴ : ۳۳)

۳۔ عہدِ خداوندی توڑنے والوں کی طرف خدا ، قیامت کے دن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا ۔ (۷۷ : ۳)

۴۔ اس دن بہت سے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے ؛ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے (۲۳ - ۲۲ : ۷۵)

قانونِ مکافاتِ عمل کے معنی لقاءِ رب

۱۔ جن لوگوں نے لقاء اللہ کی تکذیب کی وہ نقصان میں رہے ۔ (۶:۳۱) ۔ (۴۵ : ۱۰) ۔ (۱۰۵ : ۱۸) ۔ (۲۳ : ۲۹) ۔ (۱۶ : ۳۰)

۲۔ اس دن کا سامنے آجانا جب اعمال کے نتائج رونما ہوں گے۔ (۲ : ۱۳۱) - (۷ : ۵۱) - (۷ : ۱۴۷) - (۲۳ : ۳۳)
(۱۴ : ۳۲) - (۴۱ : ۳۹) - (۴۵ : ۳۴)

۳۔ وحی سے مقصود یہ بھی ہے کہ لوگ لقاءِ رب پر ایمان لے آئیں۔ (۶ : ۱۵۵) - (۱۳ : ۲) - (۳۲ : ۲۳)

۴۔ جو لقاءِ رب کی تمنا رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اعمالِ صالح کرے۔ (۱۸ : ۱۱۰) - اسے یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا کا مقررہ وقت آکر رہے گا۔ (۲۹ : ۵) - مومن لقاءِ رب پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۲ : ۴۶) - (۲ : ۲۴۹)

۵۔ اکثر لوگ لقاءِ رب سے انکار کرتے ہیں اور اقوامِ سابقہ کے انجام سے دیکھتے نہیں کہ غلط اعمال کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (۳۰ : ۷-۹) (۴۱ : ۵۴) - یہ صرف دنیاوی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ (۱۰ : ۷) - (۱۰ : ۱۱) - (۱۰ : ۱۵) - (۲۵ : ۲۱)

۶۔ حیات بعد الممات کے منکر درحقیقت لقاءِ رب سے انکار کرتے ہیں۔ (۱۰ : ۷) - (۳۲ : ۱۰)

۷۔ اسے یوم التلاق کہا گیا ہے۔ (۴۰ : ۱۵) - (۸) حساب سے ملاقات (آمنے سامنے ہونا)۔ (۶۹ : ۲۰)

۹۔ مومن (ایمان رکھتے ہیں کہ وہ) اپنے رب کے سامنے جائیں گے۔ (۱۱ : ۲۹)

۱۰۔ یاد رکھو کہ تم نے اپنے رب کے سامنے جانا ہے۔ (۲ : ۲۲۳)

۱۱۔ اے انسان! تم نے مشقتوں کے بعد ہی سہی، لیکن خدا کے سامنے ضرور جانا ہے۔ (۸۴ : ۶)

نظامِ فطرت اور نظامِ ربوبیت سے لقاءِ رب

۱۔ وہ کائنات میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم لقاءِ رب پر ایمان لاؤ۔ (۱۳ : ۲)

۲۔ ہم تمہیں اپنی نشانیاں عالم النفس و آفاق میں دکھائیں گے تاآنکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ لیکن یہ لوگ لقاءِ رب کے متعلق شک میں ہیں۔ حالانکہ وہ تمام اشیائے کائنات کو محیط ہے۔ (۴۱ : ۵۳-۵۴)

۳۔ نظامِ کائنات کے مختلف گوشوں کو سامنے لاکر کہا کہ جو لوگ لقاءِ رب کی آرزو نہیں رکھتے اور پیش پا افتادہ مفادات ہی پر مطمئن ہو جاتے ہیں، ان کا مستقبل جہنم کی زندگی ہے۔ (۱۰ : ۵-۷)

۴۔ آیات اللہ اور لقاءِ رب سے انکار کرنے والے رحمتِ خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ (۲۹ : ۲۳)

۴۔ لقمان

قرآن کریم میں علم و حکمت کی باتوں کے سلسلے میں ایک شخصیت کا ذکر آتا ہے جن کا نام لقمان ہے۔ قرآن کریم نے انہیں نبی نہیں کہا، نہ ہی ان کا تعارف کرایا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن کے عرب، اس شخصیت سے متعارف تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی ہیں ان کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ (۱۹-۱۲ : ۳۱)

(ان کے متعلق قیاسات کیا ہیں، اس کی بابت میری لغات القرآن دیکھئے)

۵۔ (حضرت) لوطؑ

قومِ لوط

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔ (۲۶ : ۲۹)۔ یہ حضرت لوطؑ کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اور انہوں نے (غالباً) حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہی ہجرت کی (۲۶ : ۲۹)۔

اور اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے جسے، ان کی نسبت سے قرآن نے قومِ لوط کہہ کر پکارا ہے۔ وہ قوم، اغلام جیسی قبیح اور انسانیت سوز عادت میں مبتلا تھی۔ اور اس پر اصرار کا نتیجہ تھا کہ وہ تباہ ہوگئی۔ قرآن میں ہے کہ اس تباہی سے پہلے، خدا کے فرستادگان، حضرت ابراہیمؑ کے ہاں سے ہوتے ہوئے حضرت لوطؑ کے پاس آئے۔ یہ ملائکہ نہیں تھے۔ انسان ہی تھے۔ ان کی تفصیل عنوان ابراہیمؑ میں بھی دی گئی ہے۔

۲۔ ہمارے ہاں اغلام کے لئے لفظ لواطت عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس سے اجتناب برتنا چاہیئے کیونکہ (ہر چند اس کی نسبت قومِ لوط کی طرف مقصود ہوتی ہے لیکن) اس سے ذہن حضرت لوطؑ کی طرف بھی منتقل ہو سکتا ہے اس لئے اس سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔

فرستادگانِ خداوندی کی حضرت لوطؑ کے پاس آمد

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہوتے ہوئے فرستادگانِ خداوندی کا حضرت لوطؑ کے پاس آنا۔ (۷۴-۷۰ : ۱۱)۔ (۷۷ : ۱۱)۔

(۸۱ : ۱۱) - (۶۱ : ۱۵) - (۳۳ : ۲۹)

۲۔ حضرت لوطؑ زمرۂ انبیاء میں سے تھے - (۸۶ : ۶) - انہیں علم اور حکومت عطا کی گئی تھی - (۷۴ : ۲۱) - (۱۳۳ : ۳۷)

قومِ لوط کی قبیح عادت اور تباہی

۱۔ قومِ لوط کا مقام عربوں سے دور نہیں تھا۔ (۸۹ : ۱۱)

۲۔ ان کی بستی تباہ ہوئی اور مومنین محفوظ نکال لیے گئے۔ (۸۳-۸۴ : ۷) - (۵۹ : ۱۵) - (۷۱ : ۲۱) - (۷۴ : ۲۱) - (۳۴ : ۵۴)

۳۔ قومِ لوط کا دیگر اقوام کے ساتھ ذکر - (۴۳ : ۲۲) - (۱۳ : ۳۸) - (۱۳ : ۵۰)

۴۔ انہوں نے مرسلین کی تکذیب کی تھی - (۱۶۰ : ۲۶) - (۳۳ : ۵۴)

۵۔ قوم کا حضرت لوطؑ کے ساتھ جھگڑا۔ (۱۶۱-۱۶۷ : ۲۶) - (۵۶ : ۲۷)

۶۔ حضرت لوطؑ کی بیوی مخالفین میں سے تھی - (۱۰ : ۶۶)

۷۔ قومِ لوط کا جرم اغلام - (۸۰-۸۱ : ۷) - (۵۴-۵۵ : ۲۷) - (۲۸-۲۹ : ۲۹)

(۰)

۶۔ لہو و لعب

لھو - لہو و لعب اگرچہ مرادف سے الفاظ ہیں لیکن ان میں لطیف سا فرق ہے - بنیادی طور پر لھو ہر اس کام کو کہتے ہیں جو انسان کی توجہ اہم امور کی طرف سے ہٹا کر غیر اہم باتوں کی طرف مرکوز کر دے "غیر اہم امور" میں ایسے کام بھی آجاتے ہیں جن کی کوئی صحیح غرض و غایت نہ ہو۔

لعب - ایسے عمل کو کہتے ہیں جس میں حرکت تو ہو لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلے - بلا مقصد کام۔ اسے جِدٌّ کی ضد کے طور پر استعمال کرتے ہیں - جِدٌّ کے معنی ہوتے ہیں کسی بات کو (SERIOUSLY) لینا - لہذا لعب کے معنی ہوں گے کسی معاملہ میں (SERIOUS) نہ ہونا -

۲۔ قرآن کریم کی اکثر آیات میں دنیاوی زندگی کو لھو و لعب سے تعبیر کیا گیا ہے - اس کا غلط مفہوم لینے سے بہت سی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں - قرآن کریم، دنیاوی زندگی کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس کی خوشگواریوں کو خدا کے انعامات سے تعبیر

کرتا ہے۔ وہ اسے نہایت (SERIOUSLY) لینے کی تاکید کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ جب کبھی ایسا ہو کہ دنیا کے کسی مفاد یا متاع (سامانِ زیست) اور مستقل اقدارِ خداوندی میں تصادم ہو۔ ان میں (TIE) پڑ جائے تو اس وقت یہ سمجھو کہ متاعِ دنیا، مستقل اقدار کے مقابلہ میں لھو و لعب ہے۔ مستقل قدر کا تحفظ ان کے مقابلہ میں بڑی بیش قیمت متاع ہے۔ اس لئے اُس دنیاوی مفاد کو قربان کر کے مستقل قدر کی حفاظت کرو کیونکہ مستقل اقدار کے تحفظ سے انسان کی حیاتِ اُخروی سنورتی ہے اور حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں حیاتِ ارضی بہرحال کم قیمت ہے۔ یہ ہے صحیح مطلب حیاتِ دنیا کے لھو و لعب ہونے کا۔ نہ یہ کہ یہ زندگی فی اصلہٖ بیکار، بے مقصد کھیل تماشا ہے۔ قرآن کا یہ مقصد نہیں (تفصیل دنیا کے عنوان میں دیکھئے)۔ اس نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ جو لوگ حیاتِ دنیا کو محض کھیل تماشا (لعب) سمجھتے ہیں۔ اور اسے (SERIOUSLY) نہیں لیتے، وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔

لعب

۱۔ یونہی مذاق کرنا

۱۔ ان منافقین سے پوچھو کہ تم دین سے استہزا کیوں کرتے ہو تو یہ کہیں گے کہ یہ تو ہم یونہی مذاق کرتے ہیں۔ اسے آپ سنجیدگی سے نہ لیں۔ (۶۵-۶۴ : ۹)

۲۔ زندگی کو (SERIOUSLY) نہ لینے والے

۱۔ انہیں کھیل تماشا میں الجھے رہنے دو تا آنکہ ان کے اعمال کے نتائج ان کے سامنے آجائیں۔ (۸۳ : ۴۳) — (۱۲ : ۵۲) (۴۲ : ۷۰)

۳۔ حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے

۱۔ آخرت کے منکر نقصان میں رہیں گے۔ انہیں اس وقت معلوم ہوگا کہ حیاتِ دنیا لہو ولعب تھی۔ زندگی کہلانے کی مستحق حیاتِ آخرت ہی تھی۔ (۳۲-۳۱ : ۶)۔ (۶۴ : ۲۹)۔ ایمان وتقویٰ کے مقابلہ میں حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے۔ (۳۶ : ۴۷) خدا کی مغفرت، رحمت اور جنت کے مقابلہ میں حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے۔ (۲۰ : ۵۷)

۴۔ دین کو مذاق سمجھنے والے

۱۔ جو تمہارے دین کو مذاق سمجھیں انہیں دوست مت بناؤ۔ (۵۷ : ۵)۔ جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (۵۸ : ۵)

۲۔ جو اپنے دین کو (یا جو دین ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اسے) یونہی مذاق سمجھیں ان سے قطع تعلق کرلو۔ (۶ : ۷۰) ۔ یہ اہل جہنم ہیں ۔ (۷ : ۵۱) ۔ یہ انبیاء سے بھی پوچھا کرتے تھے کہ تم اپنی دعوت میں سنجیدہ ہو یا اسے محض کھیل تماشا کے طور پر پیش کرتے ہو۔ (۲۱ : ۵۵)

۵۔ تخلیقِ کائنات

۱۔ ہم نے کائنات کو محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (۲۱ : ۱۶) ۔ اسے بالحق پیدا کیا ہے۔ (۴۴ : ۳۸-۳۹)

لھو

۱۔ اصل مقصد سے غافل کردینا

۱۔ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس تمہیں زندگی کے حقیقی مقصد کی طرف سے غافل کردیتی ہے ۔ (۱۰۲ : ۱)

۲۔ تمہاری اولاد اور مال و دولت تمہیں قوانینِ خداوندی (ذکر اللہ) سے غافل نہ کردے۔ (۶۳ : ۹)

۳۔ مومن وہ ہیں جنہیں کاروبار کی کشش ذکر اللہ سے غافل نہیں کرسکتی ۔ (۲۴ : ۳۷)

۴۔ جنہیں لمبی لمبی خواہشات اور آرزوئیں اصل مقصد سے غافل کردیں، انہیں چھوڑ دو کہ وہ ان دھندوں میں الجھے رہیں۔ ان کے اعمال کے نتائج جلدی ان کے سامنے آجائیں گے ۔ (۱۵ : ۳)

۵۔ جو خدا کے ہاں سے ملتا ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے ۔ (۶۲ : ۱۱)

۶۔ وہ دل جو زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل ہو۔ (۲۱ : ۳)

۲۔ لہوالحدیث

۱۔ بعض لوگ بے مقصد امور، بیہودہ باتوں میں الجھے رہتے ہیں جو انہیں خدا کی راہ سے بہکا دیتے ہیں ۔ وہ اپنے جذبات کی رو میں ایسے بہ جاتے ہیں کہ وہ "خدا کی راہ" سے مذاق کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۳۱ : ۶)

۲۔ صدرِ اول میں ناتربیت یافتہ افراد کی حالت یہ تھی کہ حضور ان سے مخاطب ہوتے تھے، لیکن جونہی کوئی کھیل تماشے کی آواز آتی یا کوئی قافلہ آتے دکھائی دیتا وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ۔ (۶۲ : ۱۱)

۳۔ لہو ولعب

۱۔ دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے (اسے لعبؔ کے تحت دیکھئے)۔

م

۱۔ ماپ تول (وزن)

قرآن کریم نے ماپ تول کو صحیح رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس میں انفرادی کاروبار بھی آجاتا ہے اور اجتماعی نظامِ معیشت بھی (اس کے لئے دیکھئے "معاشی نظام" کا عنوان)۔ اس سے مراد معاشی عدل ہے۔

۱۔ ماپ تول پورا رکھو۔ میزان کو بالکل سیدھا رکھو۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو۔ (۶: ۱۵۳)۔ (۷: ۸۵)۔ (۱۱: ۸۴-۸۵)۔ (۱۷: ۳۵)۔ (۲۶: ۱۸۲)۔ (۵۵: ۹)۔ (۸۳: ۱-۳)

۲۔ علاوہ ازیں، قرآن نے کہا ہے کہ دوسروں کا مال باطل (ناجائز) طریق سے مت کھاؤ۔ اس میں ماپ تول میں دھوکا کرنا بھی آجاتا ہے۔ (۲: ۱۸۸)۔ (۴: ۲۹)۔ (۵: ۶۲)

۳۔ جس طریق سے مذہبی پیشوا لوگوں کا مال بٹور لیتے ہیں۔ وہ بھی باطل (ناجائز) ہے۔ (۹: ۳۴)

۲۔ مال

(نیز دیکھئے انفاق۔ معاشی نظام۔ دولت وغیرہ)

مال (جس کی جمع اموال ہے) کا مادہ (م۔ و۔ ل) ہے۔ ابتداءً یہ لفظ اس چاندی یا سونے کے لئے بولا جاتا ہے جس کا کوئی مالک بن جائے۔ اس کے بعد دوسری چیزوں کے ذخیرے کو بھی مال کہنے لگ گئے۔ ویسے عربوں کے ہاں زیادہ تر اونٹوں کے گلے کو مال کہتے تھے۔ کیونکہ یہی ان کی دولت تھی۔ خود ہمارے ہاں بھی (زمینداروں میں) "مال مویشی" اکٹھا بھی بولتے ہیں اور خالی مال

سے بھی مراد، ان کے جانور ہوتے ہیں۔ عام استعمال اس کا ہر قسم کی دولت کیلئے ہوتا ہے۔ قرآنی نظام میں مال، صرف انسان کی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ دوسرے انسانوں کو محتاج بنا کر انہیں اپنا محکوم و مطیع بنا لینے کا ذریعہ نہیں۔ اسی لئے اس نظام میں مال و دولت کو سمیٹ کر جمع کر لینے کی اجازت نہیں۔ تفصیل اس کی معاشی نظام کے عنوان میں ملے گی۔

مال و دولت وجۂ جاذبیت ہے اور خدا کا انعام

۱۔ مال و دولت ایسی چیز نہیں جس سے نفرت کی جائے۔ اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا۔ وہ دولت کمانے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اس کا مصرف خود متعین کرتا ہے۔ (۳ : ۱۴)

۲۔ مال، زندگی کے کاموں کا سہارا ہے۔ اسے ایسے لوگوں کی تحویل میں مت دو جو عقل و فکر سے عاری ہوں۔ (۴ : ۵)

۳۔ مال و دولت کی فراوانی خدا کی نعمت ہے۔ (۱۷ : ۶) - (۷۱ : ۱۲)

۴۔ حضرت سلیمانؑ کو بڑی فراوانی سے مال دیا گیا تھا۔ (۲۷ : ۳۶)

۵۔ خدا نے نبی اکرمؐ کو حاجت مند پایا تو آپ کو غنی کر دیا۔ (۹۳ : ۸)

۶۔ مال و بنون دنیاوی زندگی کے لئے زینت ہیں۔ لیکن بقا صرف عملِ صالح کے لئے ہے۔ (۱۸ : ۴۶)

۷۔ مال و بنون کی زیادتی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا شخص خدا کے ہاں مقبول ہے۔ (۲۳ : ۵۵) - (۳۴ : ۳۷)

۸۔ خدا نے مومنین کو کفار کے مال و املاک کا مالک بنا دیا۔ (۳۳ : ۲۷)

لیکن یہی مال تباہی کا موجب بھی بن جاتا ہے

۱۔ اجتماعی ضروریات کے وقت مال صرف کرنے سے دریغ کرنا اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ (۲ : ۱۹۵)

۲۔ جب مال کی محبت، بلند انسانی اقدار کے راستے میں حائل ہو جائے تو وہی مال فتنہ (تباہی کا موجب) بن جاتا ہے (۸ : ۲۸) (۹ : ۲۴) - (۶۴ : ۱۵)

۳۔ مال کو جمع رکھنا اور اسے انسانیت کو فلاح و بہبود کے لئے کھلا نہ رکھنا، عذابِ جہنم کا موجب ہے۔ (۹ : ۳۵)

۴۔ مال کے نشے میں بدمست ہو کر قوانینِ خداوندی کو فراموش کر دینے سے تباہی آجاتی ہے۔ (۹ : ۵۵) - (۱۸ : ۳۲) (۱۹ : ۷۷) - (۴۴ : ۲۹) - (۶۸ : ۱۴)

۵۔ اس بات کا خیال رکھو کہ کہیں تمہارے مال اور اولاد تمہیں قوانینِ خداوندی سے غافل نہ کر دیں۔ (۸ : ۲۸) - (۶۳ : ۹)

۶۔ اگر انسان وحی کے تابع نہ چلے تو مال کی کثرت اسے حق کی مخالفت پر آمادہ کر دیتی ہے۔ (۴۱ : ۶۸) — (۲۱ : ۷۱) — (۱۵۔ ۱۲ : ۴۷) —

۷۔ مال کی ایسی محبت کہ انسان چاہے کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ کر اس کے پاس آجائے اور وہ اُسے پھر اپنی ملکیت سمجھ کر اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے، تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ (۲۰ : ۸۹)

۸۔ انسان اگر وحی کے تابع نہ چلے تو مال کی محبت اس پر غالب آجاتی ہے۔ (۸ : ۱۰۰)

۹۔ مال و دولت نہ وجۂ عزت و تکریم ہو سکتا ہے نہ کسی کام کی اہلیت کا بدل۔ انتخاب کا معیار صلاحیت ہونا چاہیئے نہ کہ مال و دولت۔ (۲۴۷ : ۲) — (۱۰)۔ طبیعی نظریۂ حیات میں مقصدِ زندگی "تکاثر فی الاموال" رہ جاتا ہے۔ (۲۰ : ۵۷)

مال جمع کرنے اور اُسے انسانیت کی بہبود کے لئے کھلا نہ رکھنے سے تباہی آجاتی ہے

۱۔ بخل کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ خدا نے دیا ہے اسے چھپا کر اپنے ہی لئے رکھ لیا جائے۔ (۳۷ : ۴)

۲۔ مال کو جمع کرنا اور اسے انسانیت کی بہبود کے لئے کھلا نہ رکھنا، عذاب جہنم کا موجب ہے۔ (۳۵ : ۹)

۳۔ شیطان (یعنی انسان کا خود غرضی کا جذبہ) وہ طریقہ سمجھاتا رہتا ہے جس سے مال بڑھتا رہے اور اسے انسانیت کی بہبود کے لئے صرف نہ کیا جائے۔ (۶۴ : ۱۷)

۴۔ مال کو جمع کر کے اسے بند رکھنے والا جہنمی ہے۔ (۱۸ : ۷۰) — (۲۰ : ۸۹) — (۳ - ۱۰۴ : ۱۰۴)

۵۔ ابولہب اسی ذہنیت کا نمائندہ تھا۔ اس لئے اس کے لئے تباہی فطری امر تھا۔ (۲ : ۱۱۱)

۶۔ دولت کے بل بوتے پر لیڈر بن جانے والے تباہی کا موجب بنتے ہیں۔ (۲۱ : ۷۱)

۷۔ قوموں کی تباہی اسی طرح ہوتی ہے۔ (۶۹ : ۹) — (۸۸ : ۱۰) — (۳۵ : ۳۴)

مال و دولت کا صحیح مصرف

۱۔ نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے جدوجہد میں مال کا نقصان بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہی اس مال کا صحیح مصرف ہے۔ (۲ : ۱۵۵)

۲۔ نیک عملی یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود اسے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صرف کیا جائے۔ (۱۷۷ : ۲)

۳۔ مال اس بات کی جانچ بنتا ہے کہ تم حق و صداقت کی راہ میں کس قدر ایثار کر سکتے ہو۔ (اس کو ابتلا کہتے ہیں) — (۱۵۵ : ۲) — (۱۸۵ : ۳)

۴۔ جہاد، جان اور مال دونوں سے ہوتا ہے۔ (۹۵ : ۴) ۔ (۷۲ : ۸) ۔ (۲۰ : ۹) ۔ (۴۱ : ۹) ۔ (۴۴ : ۹)
(۸۸ : ۹) ۔ (۱۵ : ۴۹) ۔ (۱۱ : ۶۱)

۵۔ خدا نے مومنین کی جان اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ اس لئے مومن نہ اپنی جان کا مالک ہوتا نہ مال کا۔ (۱۱۱ : ۹)

۶۔ اپنے مال میں تصرف قوانین خداوندی کے مطابق کیا جا سکتا ہے لہٰذا انسان اپنے مال کا مطلق مالک نہیں ہوتا۔ امین ہوتا ہے۔ (۸۷ : ۱۱)

۷۔ مومن کے مال میں محتاج اور ضرورت مند کا حق ہوتا ہے۔ وہ اسے بطور حق لے سکتے ہیں اس لئے خیرات یا بھیک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۱۹ : ۵۱) ۔ (۲۴ : ۷۰)

۸۔ مال اور جان سے جہاد ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ (۱۰ : ۶۱)

۹۔ متقی اپنا مال دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے تو اس سے اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ (۱۰۳ : ۹) ۔
(۱۸ : ۹۲) ۔ (۱۰) ۔ تعمیری کاموں کی مخالفت میں مال خرچ کرنا، مال ضائع کرنا ہے۔ (۲ : ۹۰)

۱۱۔ مال کی گردش اوپر کے طبقے ہی میں محدود نہیں رہنی چاہیئے۔ اسے (خون کی گردش کی طرح) پورے معاشرہ کے اندر یکساں طور پر گردش کرنا چاہیئے۔ (۷ : ۵۹)

۱۲۔ جو غلام آزادی حاصل کرنا چاہیں ان کی مال سے مدد کرو۔ (۳۳ : ۲۴)

۱۳۔ لوگوں کے دکھاوے کے لئے نیک کاموں میں مال خرچ کرنا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ (۲۶۴ : ۲)

۱۴۔ مال و اولاد کہیں تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کر دیں۔ (۹ : ۶۳) ۔ یعنی تم کہیں قوانین خداوندی کو فراموش نہ کر دو۔

انفاق فی سبیل اللہ کے نتائج

۱۔ ایک ایک دانہ کے سات سات سو دانے۔ (۲۶۱ : ۲) ۔ (۲۶۵ : ۲) ۔ (۲۷۴ : ۲)

۲۔ بشرطیکہ اس میں ریاء نہ ہو۔ نہ ہی کسی کو اذیت پہنچائی جائے۔ (۲۶۲ : ۲) ۔ (۳۸ : ۴)

۳۔ کفار، سبیل اللہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔ (۳۶ : ۸)

۴۔ منافقین پر انفاق فی سبیل اللہ سخت گراں گزرتا تھا۔ (۸۱ : ۹)

ایک دوسرے کا مال ناحق طریق پر مت کھاؤ

۱۔ ایک دوسرے کا مال ایسے طریق سے مت کھاؤ جسے قانونِ خداوندی نے جائز قرار نہیں دیا ۔نہ ہی اسے رشوت کے طور پر حکام تک پہنچاؤ۔ (۲ : ۱۸۸)۔(۴ : ۲۹)

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرو۔ (۲ : ۴)۔(۶ : ۴)۔(۱۰ : ۴)۔اسے ناحق مت کھاؤ۔ (۶ : ۱۵۲)۔(۱۷ : ۳۴)

۳۔ یہودی دوسروں کا مال ناحق کھا جاتے تھے' اس لئے تباہ ہوئے۔ (۴ : ۱۶۱)

۴۔ مذہبی علماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں۔ یہاں ناحق (باطل) کے معنی ہیں تعمیری نتائج پیدا کئے بغیر۔(۹ : ۳۴)

۵۔ اہل کتاب کی بددیانتی ۔ (۳ : ۷۴)

مال بطور فدیہ یا کفارہ

۱۔ تم مال دیکر اپنے غلط اعمال کے نتائج سے نہیں بچ سکتے۔ (۳ : ۹)۔(۳ : ۱۱۵)۔(۲۶ : ۸۸)۔(۱۷ : ۵۸)۔(۲۸ : ۶۹)۔(۱۱ : ۹۲)

۲۔ مال اور اولاد زندگی کی پرکشش چیزیں ہیں لیکن باقی رہنے والے اعمالِ صالح ہیں ۔ (۱۸ : ۴۶)۔ اضافی چیزیں ختم ہو جاتی ہیں ۔انسان کے اعمال کے نتائج' جس سے اس کی انسانیت مرتب ہوتی ہے' باقی رہتے ہیں۔لہذا مال کو اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کیا جائے تو یہ وہ عمل ہے جس کا نتیجہ انسانی ذات کی نشوونما کا موجب بن جاتا ہے اس لئے باقی رہتا ہے۔

۳۔ مال' مکافاتِ عمل سے نہیں بچا سکتا۔ (۱۷ : ۵۸)۔(۱۱ : ۹۲)

ربٰو

۱۔ قرآن کی رُو سے سرمایہ کے معاوضہ کو ربٰو کہا جاتا ہے ۔خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو۔اسے الگ عنوان ربٰو کے ماتحت درج کیا گیا ہے ۔قرآن نے اسے "دوسروں کا مال ناحق طریق سے کھا جانا" قرار دیا ہے ۔ (۲ : ۲۷۹)۔(۴ : ۱۶۱)۔(۳۰ : ۳۹)

متفرقات

۱۔ جو غلام آزادی کا خواہاں ہو اسے آزاد کر دو۔ اور اپنے مال میں سے کچھ مال بھی اسے دو تاکہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔ (۳۳ : ۲۴) ۔تفصیل ان امور کی "غلام اور لونڈیاں" کے عنوان میں ملے گی۔

۲۔ مال کے لالچ سے، باطل کے ساتھ مفاہمت مت کرو۔ (۳۶ : ۲۷)

۳۔ رسول، اجرِ رسالت کے طور پر مال کا طلبگار نہیں ہوتا تھا۔ وہ اجرِ رسالت مانگتا ہی نہیں تھا۔ (۲۹ : ۱۱)

۴۔ حق کی مخالفت میں صرف کردہ مال ضائع چلا جاتا ہے۔ (۶ : ۹۰)

۵۔ خدا تمہارے مال کا محتاج نہیں۔ (۳۶ : ۴۷) ۔ (۶) ۔دینِ خداوندی مال پہ بھی کنٹرول رکھتا ہے۔ (۸۷ : ۱۱)

۷۔ مہر کو مال خرچ کرنا، کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان مہر)

۸۔ مال و دولت طبعی قوانین کے مطابق کام کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں اس لئے یہ کفار کو بھی مل جاتا ہے۔ (۵۵ : ۹) ۔ (۸۵ : ۹)

۹۔ کفار نے مومنین کو ان کے دیار و اموال سے نکال دیا تھا (۸ : ۵۹) ۔خدا نے مومنین کو کفار کے مال و دولت کا مالک بنا دیا۔ (۲۷ : ۳۳)

(۰)

۳۔ مودّت

مودّت ۔ (مادہ ۔ و ۔ د ۔ د) یہ، محبت سے بھی کچھ زیادہ گہرے تعلق کے لئے آتا ہے۔ یعنی ایسی محبت جس میں انسان کی تمنّا یہ ہو کہ وہ اپنے محبوب کا ہو جائے۔ یعنی من تو شدم تو من شدی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

جیسا کہ "محبت" کے عنوان میں بتایا گیا ہے "انسان کی خدا سے محبت یا مودّت کے معنی ہوں گے اس کے قوانین و احکام کی ایسی اطاعت جس میں خود سپردگی کی کیفیت ہو۔ اور خدا کی انسان سے محبت یا مودّت سے مفہوم ہوگا، اس کی تائید و نصرت اور حفاظت و رحمت کا مل جانا۔

وَدَّ ۔ کسی بات کو دل سے چاہنا

۱۔ اہلِ کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔ (۲ : ۱۰۹) ۔ (۳ : ۶۹) ۔ (۴ : ۸۹) ۔ (۲ : ۶۰)

۲۔ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر حملہ کر دیں۔ (۱۰۲ : ۴)

۳۔ غیر مسلم جی سے چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی مصیبت پڑے۔ (۱۱۸ : ۳)

۴۔ کفار چاہتے ہیں کہ کچھ تم اپنے مقام سے ہٹو، کچھ وہ ہٹ جائیں اور اس طرح دین کے معاملہ میں باہمی مفاہمت کی صورت نکل آئے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ دین، حق پر مبنی ہے اور حق کی باطل کے ساتھ مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۹ : ۶۸)

۵۔ ظہورِ نتائج کے وقت، کفار چاہیں گے کہ ان کے اور ان کے اعمال کے درمیان لمبی مسافت ہوتی۔ (۳۰ : ۳)۔ (۴۲ : ۴) یا اے کاش! وہ بھی مسلم ہوتے۔ (۲ : ۱۵)۔ یا وہ فدیہ دے کر چھوٹ سکتے۔ (۱۱ : ۷۰)

۶۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کی ہو جائے۔ لیکن اس سے وہ عذاب سے تو نہیں بچ سکیں گے۔ (۹۶ : ۲)

۷۔ کفار اور مشرکین چاہتے ہی نہیں تھے کہ تم پر خدا کی طرف سے خیر نازل ہو۔ (۱۰۵ : ۲)

۸۔ مومن کبھی ان لوگوں سے دوستی (مودّت) نہیں کرنا چاہتے جو خدا اور رسول سے برسرِ پیکار ہوں۔ (۲۲ : ۵۸)

۹۔ مشرکین نے مشترکہ معبود (بت) اس لیے تراش رکھے ہیں تاکہ وہ ان میں باہمی مودّت کا ذریعہ بنے رہیں۔ (۲۵ : ۲۹)

مومنین اور خدا کی مودّت

۱۔ خدا عنقریب لوگوں کے دلوں میں مودّت پیدا کر دے گا۔ (۹۶ : ۱۹)۔ (۷ : ۶۰)

۲۔ خدا نے اپنے آپ کو الودود کہا ہے۔ (۹۰ : ۱۱)۔ (۱۴ : ۸۵)

۳۔ یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ اس زمانے میں، مومنین سے زیادہ دوست داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ (۸۲ : ۵)

۴۔ میاں بیوی میں مودّت کے تعلقات۔ (۲۱ : ۳۰)

۵۔ رسول اللہ نے مخالفین قریش سے کہا کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم قرابت داری کے تعلقات (مودّۃ فی القربیٰ) کی پاس داری کرو۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے عنوان قربیٰ)۔ (۲۳ : ۴۲)

۶۔ اے جماعتِ مومنین تم خدا کے اور خود اپنے دشمنوں سے دوست داری کے تعلقات مت استوار کرو۔ (۱ : ۶۰)

۴۔ مترفین۔ ملأ

مترف (مادہ ت۔ ر۔ ف)۔ مترفین ایسے لوگوں کو کہتے ہیں جو خوش حالی اور عیش پرستی کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اور دولت کا نشہ انہیں ایسا بدمست کر دے کہ وہ اپنی من مانی کرتے جائیں اور انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ یہ وہی طبقہ ہے جسے ہمارے زمانے میں سرمایہ دار کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جس رسول نے بھی دین کی دعوت دی، مترفین کے طبقہ نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس کی مخالفت کی۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا دین نظامِ سرمایہ داری کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ طبقہ اس کی اس شدت سے مخالفت کرتا تھا۔ یہی شروع سے ہوتا چلا آیا ہے اور یہی آج بھی ہو رہا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کی رُو سے مرفہ الحالی کی زندگی خدا کی نعمت ہے۔ لیکن مرفہ الحالی اور سرمایہ داری میں بنیادی فرق ہے۔ سرمایہ دار، دوسروں کی محنت کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور محنت کش طبقہ کی محنت کا استحصال کر کے، اسے اپنا محتاج بنائے رکھتا ہے۔ اور وہ اپنی اس احتیاج کی بنا پر، اس کے محکوم اور فرمان پذیر رہتے ہیں۔ خدا کا نظامِ ربوبیت، عالمگیر انسانیت کی خوش حالی چاہتا ہے اور اس طرح کہ اس میں نہ کوئی کسی دوسرے فرد کا محتاج ہو نہ محکوم۔ اس بنا پر، خدا کا دین اور نظامِ سرمایہ داری ایک دوسرے کی ضد ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ یہی وجہ ہے جو مترفین کی طرف سے خدا کے دین کی ہمیشہ مخالفت ہوتی ہے۔ (تفصیل "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی)

نظامِ سرمایہ داری کی حمایت مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہوتی ہے جو اس کی تائید میں دلیل یہ لاتے ہیں کہ یہ مسلک ان کے اسلاف سے متواتر چلا آ رہا ہے اس لئے اسے چھوڑا یا بدلا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ دلیل جس قدر بے معنی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

اَلْمَلَأُ۔ انہی لوگوں کے لئے قرآن کریم کی دوسری اصطلاح اَلْمَلَأُ ہے (مادہ م۔ ل۔ ا)۔ اس کے بنیادی معنی ہیں وہ جن کے برتن ضروریاتِ زندگی سے بھرے ہوئے ہوں۔ اور مفہوم اس سے ہے، وہ لوگ جنہیں بکثرت دولت میسر ہو اور وہ اس دولت کی بنا پر قوم کے سردار (صاحبِ اقتدار) بن جائیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ دین کی مخالفت میں یہ گروہ پیش پیش رہا ہے، مقصد اپنی سرمایہ داری سے ہے۔ یہی لوگ نظامِ ملوکیت کے اکابرین اور رؤسا، اور بادشاہ کے مشیر اور مصاحب ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں عنوان "دولت" دیکھئے۔

۲۔ قرآن کریم میں دو مقامات پر اَلْمَلَأُ الْاَعْلٰی کا بھی ذکر آیا ہے۔ (۸ : ۳۷)۔ (۶۹ : ۳۸)۔ اس کی تشریح لغات القرآن اور مفہوم القرآن میں ملے گی۔

مترفین

۱۔ کفر یعنی قانونِ مکافاتِ عمل اور حیاتِ آخرت سے انکار کی وجہ سے نظامِ سرمایہ داری قائم ہوتا ہے ۔ اور یہی لوگ سب سے پہلے نظامِ خداوندی (دین) کی مخالفت کرتے ہیں۔ (۲۳ : ۳۳)

۲۔ جب دین کے ہاتھوں نظامِ سرمایہ داری کا خاتمہ ہوتا ہے تو یہ لوگ اپنے بچاؤ کے لئے کہیں بھاگ جانا چاہتے ہیں لیکن خدا کا قانونِ مکافات انہیں آواز دے کر بلا لیتا ہے اور ان سے پوچھتا ہے کہ انہوں نے اسقدر دولت کس طرح جمع کر رکھی تھی۔ (۲۱ : ۱۳)۔ (۲۳ : ۶۴ - ۶۸) - (۳)۔ مترفین ظالم بھی ہوتے ہیں اور مجرم بھی - (۱۱ : ۱۱۶-۱۱۷)

۴۔ نظامِ خداوندی کی مخالفت سب سے پہلے مترفین کی طرف سے ہوتی ہے - (۳۴ : ۳۴)

۵۔ دلیل یہ کہ یہ مسلک اسلاف سے متواتر چلا آ رہا ہے ۔ (۴۳ : ۲۳) - (۶)۔ مترفین جہنم میں جائیں گے۔ (۵۶ : ۴۵)

۷۔ جب اتراف حد سے گذر جاتا ہے اور یہ لوگ بدمستیوں میں مدہوش ہو جاتے ہیں، تو ان کی تباہی آجاتی ہے۔ (۱۷ : ۱۶-۱۷)

اَلْمَلَأُ

۱۔ انہوں نے مختلف انبیاءِ کرام کی دعوت کی مخالفت کی۔ سورۂ اعراف (مـ۷) کی حسب ذیل آیات میں ان کی مخالفت کا تذکرہ آیا ہے۔ ۶۰ ؛ ۶۶ ؛ ۷۵ ؛ ۸۸ ؛ ۹۰ ؛ ۱۰۹ ؛ ۱۲۷۔ نیز (۱۱ : ۲۷) - (۱۱ : ۳۸)۔ (۲۳ : ۲۴) - (۲۳ : ۳۳) - (۲۶ : ۳۴) - (۲۸ : ۲۰) - (۲۸ : ۳۸)

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور وہی دلیل کہ یہ اسلاف کے مسلک کے خلاف ہے۔ (۳۸ : ۶ - ۷)

۳۔ سرداران فرعون ۔ (۷ : ۱۰۳) - (۱۰ : ۷۵) - (۱۰ : ۸۸) - (۱۱ : ۹۷) - (۲۳ : ۴۶) - (۲۸ : ۳۲) - (۴۳ : ۴۶)

۴۔ فرعون اور اس کے سرداران کے خوف کی وجہ سے لوگ موسیٰؑ پر ایمان نہیں لاتے تھے ۔ (۱۰ : ۸۳)

۵۔ متشابہات و محکمات

قرآن کریم نے اپنی آیات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ ایک آیاتِ محکمات ۔ اور دوسری آیاتِ متشابہات ۔ (۳ : ۶)۔ محکمات وہ آیات ہیں جن کا متعلق قرآنی احکام و اصول سے ہے ۔ ان آیات میں لفظوں کے حقیقی معانی لئے جاتے ہیں ۔ مثلاً نکاح کے ضمن میں کہا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (۴ : ۲۳) تم پر تمہاری امہات (مائیں) حرام ہیں ؛ تو یہاں اُمّ کے حقیقی معنی لئے جائیں گے یعنی ماں ۔ لیکن جہاں کہا ہے کہ آیاتِ محکمات اُمّ الکتاب ہیں (۳ : ۶) تو ظاہر ہے کہ وہاں اُمّ کے معنی ماں کے نہیں ہوں گے بلکہ اصل و بنیاد کے ہوں گے ۔ یعنی یہاں لفظ اُمّ کے مجازی معنی لئے جائیں گے ۔ یا یوں کہا جائے گا کہ قرآن نے حقیقت کو ایک تشبیہ کے ذریعے سمجھایا ہے ۔ ایسی آیات کو متشابہات کہا گیا ہے ۔ یعنی ان کا بیان تشبیہی ہے ۔ مثلاً اس نے خدا کے متعلق کہا ہے کہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (۷ : ۵۴) ۔ خدا عرش پر متمکن ہو گیا ۔ تو عرش کے حقیقی معنی تخت کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد سچ مچ لکڑی وغیرہ کا تخت نہیں ، بلکہ اس سے مراد خدا کا تمکن اور اقتدار ہے ۔ اس کے لئے کہا جائے گا کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے یعنی عرش کا لفظ تشبیہاً آیا ہے ۔ ان آیات میں الفاظ کے حقیقی معانی لینے سے ، مفہوم بالکل بدل جاتا ہے ۔

۲۔ جیسا کہ "مثال" کے عنوان میں بتایا گیا ہے ، جن امور کو تمثیلی یا تشبیہی انداز سے بیان کیا گیا ہو ، جوں جوں انسانی فکر ترقی کرتی جائے گی ، ان امور کا مفہوم واضح سے واضح تر ہوتا چلا جائے گا ۔ یوں کہیئے کہ اس طرح رفتہ رفتہ ، متشابہ آیات ، محکمات کی شق میں آتی چلی جائیں گی ۔ قرآن کریم نے متشابہات اور محکمات کو الگ الگ بیان نہیں کیا ۔ نہ ہی ان کی الگ الگ فہرستیں مرتب کی جا سکتی ہیں ۔ قرآن کریم میں غور و فکر سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ فلاں آیت میں بات کو تشبیہاً بیان کیا گیا ہے یا حقیقتاً ۔ یعنی وہاں الفاظ کے معانی مجازی لینے چاہئیں یا حقیقی ۔

۳۔ ایک مقام پر قرآن کریم کو کتاباً متشابہاً کہا گیا ہے ۔ (۳۹ : ۲۳) ۔ وہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تمام آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ۔ ان میں کہیں تضاد و تخالف نہیں ۔ (۴ : ۸۲) ۔ دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (۱۱ : ۱) ۔ اس کی تمام آیات محکم ہیں ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آیات کے الفاظ کے معانی حقیقی لئے جائیں یا مجازی ، اس کی ہر آیت اپنے مقام پر محکم اور اٹل ہے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان حکم) ۔ ویسے ، آیت کے ساتھ محکمۃ کا لفظ (۴۷ : ۲۰) میں آیا ہے ۔ جہاں اس کے معنی ہیں " دوٹوک حکم " ۔ فیصلہ کن بات (تشبیہات و محکمات کی تفصیلی بحث آپ کو لغات القرآن ۔ مادہ ح ۔ ک ۔ م) میں ملے گی ۔)

جیساکہ اوپر کہا گیا ہے، متشابہ کے معنی ہیں، ایک دوسرے سے ملتے جلتے - ایک دوسرے کے مانند - جن آیات میں یہ لفظ ان معانی میں آیا ہے ان کا حوالہ یہاں نہیں دیا گیا - یہاں صرف آیات متشابہات و محکمات کا ذکر آیا ہے - یہ قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آیا ہے - (۳:۷)

——(۰)——

۶۔ مثالیں

قرآن کریم کا بنیادی مقصد تو انسانی راہ نمائی ہے - یعنی انسان کو یہ بتانا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کس طرح بسر کرے جس سے اس دنیا کی خوشحالیاں بھی نصیب ہوں اور آخرت کی سرفرازیاں بھی - لیکن اس سلسلہ میں اس نے ایسے حقائق بھی بیان کئے ہیں جو عام محسوسات یا طبیعی کائنات سے ماوراء ہیں - جیسے 'عالم امر' یا اخروی زندگی یا پھر نفسیاتی مسائل - جذبات و احساسات - قلبی رجحانات، ذہنی کیفیات وغیرہ - ظاہر ہے کہ اس قسم کے حقائق کو محسوس مثالوں کے ذریعے ہی سمجھایا جا سکتا تھا - ان مثالوں کا مقصد اس نے بتایا ہے - لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۲۱ : ۵۹) تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں - یعنی مثال مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ وہ غور و فکر کی رو سے، اصل مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے - ظاہر ہے کہ ہر دور کی انسانی فکر، اس دور تک کے انسانی علم کی پیداوار ہوتی ہے - اس لئے جوں جوں انسانی علم وسیع ہوتا جائے گا اس کی فکر کے میدان بھی وسیع ہوتے چلے جائیں گے اور جوں جوں انسانی علم کے افق وسیع ہوتے جائیں گے جو حقائق مثالوں کے ذریعے سمجھائے گئے ہیں، ان کے مفہوم میں بھی وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی جائے گی - اس لئے یہ سمجھ لینا کہ قرآنی حقائق کے متعلق جو کچھ کسی ایک دور میں سمجھا گیا ہے وہ اس باب میں حرفِ آخر ہے، صحیح نہیں - قرآنی حقائق، قیامت تک کے انسانوں کی فکر کے محور ہیں - جوں جوں انسانی فکر بلند ہوگی، ان کے نئے نئے مفاہیم روشن ہوتے چلے جائیں گے -

۲۔ ذاتِ خداوندی کی کنہ و حقیقت، انسانی فہم و ادراک (بلکہ، سعدیؒ کے الفاظ میں، خیال و قیاس و گمان و وہم) سے برتر ہے - قرآن کریم نے اسے کسی مثال سے بھی نہیں سمجھایا اور کہا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (۱۱ : ۴۲) - اس کی مثل کوئی شے نہیں - اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اس کے مانند کوئی نہیں - اور یہ بھی کہ اسے مثال سے بھی سمجھایا نہیں جا سکتا - مثال، بہرحال کسی محسوس شے ہی سے دی جاتی ہے - اس صورت میں جب بھی خدا کا ذکر ہوتا ہے تو وہ محسوس شے ہمارے سامنے آجاتی اور یوں خدا کا تصوّر بھی اس کے مطابق ہمارے ذہن میں مرتسم ہو جاتا - خدا کے تصور کو بہ تمام و کمال منزہ رکھنے کے لئے، قرآن نے اسے کسی مثال سے بھی بیان نہیں کیا -

۳۔ قرآن کریم نے قانونِ مکافاتِ عمل کو سمجھانے کے لئے اقوامِ سابقہ کی داستانیں بھی بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ ان کی مثالوں سے تم

حقیقت تک پہنچ جاؤ گے۔ ان اقوام کے احوال و کوائف، ان سے متعلق عنوانات میں بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ انسانی سیرت و کردار جس قالب (سانچے) میں ڈھلتی ہے، قرآن نے اسے بھی مَثَل کہہ کر پکارا ہے کہ آخرت کی زندگی سے انکار کرنے والوں کا یہ ڈھانچہ بہت بُرا ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں کی ذات سے (حدِ بشریت کے اندر) صفاتِ خداوندی کی نمود ہوتی ہے ان کا یہ ڈھانچہ بہت بلند ہوتا ہے۔ (۶۰ : ۱۶) ۔ (۲۷ : ۳۰)

۵۔ عربی زبان میں مثال بیان کرنے کے لئے ضَرَبَ کا فعل آتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کے معنی ہیں، خدا ایک مثال بیان کرتا ہے، یا مثال دیتا ہے۔ ہمارے ہاں "ضرب المثل" اسی نہج سے کہتے ہیں۔

قرآنی مثالیں

۱۔ منافقین کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے جنگل میں آگ جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہوگیا۔ اور پھر وہ آگ بجھ گئی تو اس پر پہلے سے بھی زیادہ تاریکی چھا گئی۔ یا ایسی جس طرح ایک تاریک رات میں بجلی کی چمک سے ذرا سی روشنی مل گئی اور اس کے بعد پھر تاریکی چھا گئی۔ (۲۰-۱۷ : ۲)

۲۔ اللہ، چھوٹی سی چھوٹی مثال دے کر بھی بات سمجھاتا ہے مثلاً مچھر کی مثال۔ اس پر کفار کا ردِعمل یہ ہوتا ہے کہ یہ کیا مثال ہوئی۔ مومن غور و فکر سے، صحیح بات تک پہنچ جاتے ہیں۔ (۲۶ : ۲)

۳۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی انہیں بندروں کی مثل بنا دیا۔ (۶۵ : ۲)

۴۔ قساوتِ قلبی کی مثال پتھروں کی سی۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت۔ (۷۴ : ۲)

۵۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کی مثال، بھیڑوں کے گلہ اور ان کے چرواہے کی۔ (۱۷۱ : ۲)

۶۔ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی مثال۔ (۲۶۲-۲۶۱ : ۲) ۔ (۲۶۵ : ۲)۔ اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے مال خرچ کرنے والوں کی مثال۔ (۲۶۴ : ۲) ۔ (۱۱۶ : ۳)

۷۔ مستقبل کی فکر نہ کرنے والوں کی مثال۔ (۲۶۶ : ۲)

۸۔ شرک کرنے والے کی مثال۔ بیابان میں حیران و ششدر۔ (۷۱ : ۶)۔ یا جیسے کوئی آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آ گرے اور اسے چیل وغیرہ اچک کر لے جائے۔ یا ہوا کا تیز جھونکا اسے اڑائے اڑائے پھرے۔ (۳۱ : ۲۲)

۹۔ بنجر زمین کو سرسبز و شاداب بنانے سے، مردوں کو زندگی عطا کرنے کی مثال۔ (۵۷ : ۷)

۱۰۔ اپنے سفلی جذبات کا اتباع کرنے والوں کی مثال۔ کتے کی سی، جو ہر وقت زبان لٹکائے رکھتا ہے۔ (۱۷۵ : ۷) ——

(۱۷۷–۱۷۶ : ۷) –

۱۱۔ دنیاوی زندگی کی مثال۔ لہلہاتی کھیتی جو ایک ہی حادثہ سے اجڑ جائے۔ (۲۴ : ۱۰) - (۴۵ : ۱۸) - (۲۰ : ۵۷)

۱۲۔ کافر و مومن کی مثال۔ اندھا، بہرہ - اور دانا و بینا۔ (۱۲۳ : ٦) – (۲۴ : ۱۱) – (۱۲ : ۱۳)-
(۱۹ : ۱۳) – (۲۱-۱۹ : ۳۵)

۱۳۔ باطل خداؤں کو پکارنے والے کی مثال۔ پیاسا جو پانی کے کنارے کھڑا، ہاتھ پھیلائے ہو۔ لیکن پانی اس تک نہ پہنچ سکے۔
(۱۴ : ۱۳) – (۱۴)۔ دنیاوی متاع اور باقی رہنے والے اعمال کی مثال۔ سیلاب کے اوپر تیرنے والے خس و خاشاک
یا دھات کی میل کچیل۔ اس کے مقابل میں زرِ خالص۔ جو نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو، بقا اس کے لئے ہے۔ (۱۷ : ۱۳)

۱۵۔ جنت کی مثال۔ باغات، انہار وغیرہ۔ (۳۵ : ۱۳) – (۱۵ : ۴۷)

۱۶۔ کفار کے اعمال کی مثال جو رائیگاں جاتے ہیں۔ (۱۸ : ۱۴) – (۴۰-۳۹ : ۲۴)

۱۷۔ کلمۂ طیبہ و کلمۂ خبیثہ کی مثال۔ (۲۷-۲۴ : ۱۴)

۱۸۔ اللہ کے لئے کوئی مثال نہ دو۔ (۷۴ : ۱۶)۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ (۱۱ : ۴۲)۔ خدا کے لئے مثل (مانند) تراشنے
والے۔ (۷۸ : ۳۶)

۱۹۔ ایک عبدِ مملوک اور صاحبِ اختیار کی مثال۔ (۷۵ : ۱۶)۔ ایسے ملازم کی مثال جو مالک پر بوجھ بنا رہے اور کہیں سے خیر کی
خبر نہ لائے۔ (۷٦ : ۱۶) – مالک اور آقا کی مثال۔ (۲۸ : ۳۰)- (۲۹ : ۳۹)

۲۰۔ اس عورت کی مثال جو دن بھر سوت کاتے اور شام کو اسے خود ہی اُدھیڑ کر رکھ دے۔ (۹۲ : ۱۶)

۲۱۔ اس بستی کی مثال جو بڑی خوش حال تھی لیکن کفرانِ نعمت سے اس پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہوگیا۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۲۲۔ قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ (۸۹ : ۱۷) – (۵۴ : ۱۸) – (۵۸ : ۳۰) – (۲۷ : ۳۹)- (۳ : ۴۷)
(۲۱ : ۵۹) – خدا مثالیں بیان کرتا ہے۔ (۱۷ : ۱۳)۔ تاکہ لوگ فراموش کردہ حقیقتوں کو یاد کرسکیں۔ (۲۵ : ۱۴)
(۳۵ : ۲۴) – (۹ : ۲۵)

۲۳۔ معبودانِ باطل مکھی تک بھی پیدا نہیں کرسکتے۔ (۷۳ : ۲۲)۔ (۲۴)۔ دو باغ والوں کی مثال۔ (۴۴-۳۲ : ۱۸)

۲۵۔ خدا کے نور۔ یعنی وحی کی مثال۔ ایک جگمگاتا چراغ۔ (۳۵ : ۲۴)

۲۶۔ جو اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں ان کی مثال مکڑی کے جالے کی سی۔ (۴۱ : ۲۹)

۲۷۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ کی مثال۔ (۲۹ : ۴۸)

۲۸۔ شیطان کی مانند کہ پہلے لوگوں سے کہتا ہے، کفر کی روش اختیار کرو۔ جب وہ ایسا کر لیتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں تمہارے جرم سے بری الذمہ ہوں۔ (۱۶ : ۵۹)

۲۹۔ عالم بے عمل کی مثال۔ گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں۔ (۵ : ۶۲)

۳۰۔ امثال سے ارباب علم ہی بات سمجھ سکتے ہیں۔ (۴۳ : ۲۹)۔ اربابِ فکر و تدبر۔ (۲۱ : ۵۹)

۳۱۔ حوروں کی مثال جیسے سیپ میں مستور موتی۔ (۲۳ : ۵۶)

۔مجادلہ۔جدل۔جدال

(جحود و انکار)

مجادلہ۔ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں خواہ مخواہ بات کو طول دیتے چلے جانا۔ ایک ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ بات کو خالی الذہن ہو کر سمجھا جائے اور اگر ذہن اس سے مطمئن ہو جائے تو اسے تسلیم کر لیا جائے۔ یہ ذہنیت بڑی مستحسن اور عمدہ نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ دوسری ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے کہ میری بات سچی ہے اور مجھے فریقِ مقابل کی بات کو ماننا ہی نہیں۔ اس فیصلہ کے ساتھ دوسرے سے بحث شروع کر دی جائے۔ اسے خواہ مخواہ جھگڑا کرنا کہیں گے۔ یہ ہوتا ہے مجادلہ۔ یہ ذہنیت بڑی تخریبی اور فساد کا موجب ہوتی ہے قرآن کریم جماعتِ مؤمنین کو اس قسم کی بحث و جدل سے منع کرتا ہے۔ جب کوئی دوسرا ان سے بحث کرے تو وہ انہیں تاکید کرتا ہے کہ اس کا اطمینان کر لو کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہے اگر مقصد افہام و تفہیم ہے اور وہ بات سمجھنا چاہتا ہے تو اس کے جدل کو بھی گوارا کر لو۔ لیکن اگر اس کا مقصد محض جدال ہے تو اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

۔جحد۔(جحود)

اسی سلسلہ میں ایک اور مادہ (ج ۔ ح ۔ د) بھی قرآن میں آتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دل ایک بات کو صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود انسان محض اپنی بات کی پچ میں، یا جھوٹی عزت کی خاطر، اس سے انکار کئے جاتا اور اپنی ضد پر قائم رہتا ہے۔ یہ ذہنیت بڑی ہی تخریبی ہوتی ہے اور قرآن کریم اس سے سختی سے روکتا ہے۔

قرآن کریم انسان کے اندر وسعتِ قلب اور کشادہ نگہی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یعنی خالی الذہن ہو کر حق و صداقت کی تلاش،

اور حق کے سامنے آجانے کے بعد کشادہ نگہی سے اسے تسلیم کر لینا اور اس طرح، سینے کی کشادگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا۔

اسی طرح کج بحثی کی خاطر بے معنی اور لغو باتوں پر اتر آنے کا ذکر بھی بعض آیات میں آیا ہے۔ انہیں بھی اسی عنوان کے تابع لکھا گیا ہے۔

عام معنوں میں مجادلہ

۱۔ جو لوگ اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں، ان کا طرفدار ہو کر، ان کے حق میں بحث و جدل مت کرو۔ (۴ : ۱۰۷) - تم اس دنیا میں ان کے متعلق بحث و جدل کر سکتے ہو لیکن خدا کے ہاں ان کے حق میں کون بحث کرے گا؟ (۴ : ۱۰۹)

۲۔ قیامت میں ہر شخص خود اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (۱۶ : ۱۱۱)

۳۔ خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے (اے رسولؐ) اپنے خاوند کے معاملہ میں جھگڑتی تھی۔ (۵۸ : ۱)

۴۔ اہلِ کتاب سے بطریقِ احسن بحث کرو۔ (۲۹ : ۴۶) - ہر ایک سے (۱۶ : ۱۲۵)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لوط کو عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا سے بحث کی۔ (۱۱ : ۷۴)

معیوب معنوں میں مجادلہ

۱۔ حضرت نوحؑ نے قوم کو سمجھانے کی بے انتہا کوشش کی۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ اے نوحؑ! تم نے بہت لمبی چوڑی باتیں کر لیں۔ اب قصہ ختم کرو اور جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ۔ (۱۱ : ۳۲)

۲۔ ہر قوم نے اپنے رسول سے کج بحثی کی تاکہ اسے حق سے پھیر دے۔ (۱۸ : ۵۶) - (۴۰ : ۵)

۳۔ اے رسولؐ! اگر یہ لوگ تیرے ساتھ کج بحثی شروع کر دیں تو کہہ دے کہ خدا تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ (۲۲ : ۶۸)

۴۔ قومِ عاد کی اپنے معبودوں کی حمایت میں کج بحثی۔ (۷ : ۷۱)

۵۔ خدا کے بارے میں بلا علم و دلیل جھگڑے کئے جانا شیطان کا اتباع ہے۔ (۱۳ : ۱۳) - (۲۲ : ۳) - (۲۲ : ۸) - (۳۱ : ۲۰)

۶۔ آیات اللہ کے بارے میں یونہی کج بحثی کرنے والے۔ (۴۰ : ۴) - (۴۰ : ۳۵) - (۴۰ : ۵۶) - (۴۰ : ۶۹) - (۴۲ : ۳۵)

۷۔ شیطان اپنے دوستوں کو اکساتا ہے کہ تم سے خواہ مخواہ جھگڑیں۔ (۶ : ۱۲۲)

۸۔ مخالفین کی رسول اللہؐ سے بے معنی بحث۔ (۶ : ۲۵) - حق واضح ہو جانے کے بعد بھی کج بحثی۔ (۸ : ۶) - (۴۳ : ۵۸)

۹۔ انسان اکثر معاملات میں جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (۵۴ : ۱۸) ۔کھلا ہوا جھگڑالو۔ خَصِیمٌ مُّبِینٌ۔ (۷۷ : ۳۶)

۱۰۔ حج میں جدال اچھا نہیں۔ یعنی ویسے تو ایسی باتیں عام حالات میں بھی مستحسن نہیں لیکن حج کے دوران جب تم زندگی کے ایسے عظیم مشن کے لیے جمع ہوتے ہو، تو فضول بحثوں سے خصوصیت کے ساتھ بچنا چاہیئے۔ (۱۹۷ : ۲)

جحود

۱۔ قوم عاد نے اپنے خدا کے قوانین سے محض ضد کی وجہ سے انکار کیا۔ (۵۹ : ۱۱)۔(۱۵ : ۴۱)

۲۔ قوم فرعون کو دل سے یقین تھا کہ (حضرت) موسیٰؑ سچے ہیں لیکن اپنی نخوت اور جھوٹی عزت کی بنا پر اس کی مخالفت کئے چلی جاتی تھی۔ (۱۴ : ۲۷)

۳۔ آیاتِ خداوندی سے جحود، کفار ہی کرتے ہیں۔ (۴۷ : ۲۹)۔ظالمین (۴۹ : ۲۹)۔(۳۲ : ۳۱)

۴۔ اے رسولؐ! یہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے۔ یہ آیات اللہ سے جحود برتتے ہیں۔ (۳۳ : ۶)

۵۔ آیات اللہ سے جحود کا نتیجہ جہنم ہے۔ (۵۱ : ۷)۔(۲۸ : ۴۱)

۶۔ سرمایہ دار، نعمائے خداوندی سے جحود برتتے ہیں۔ (۷۱ : ۱۶)

۷۔ آیات اللہ سے جحود برتنے والے، حق کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ (۶۳ : ۴۰)

۸۔ قوانینِ خداوندی سے جحود برتا جائے تو سمع و بصر اور علم و تہذیب، کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ (۲۶ : ۴۶)

۹۔ بعض آیات میں لفظ خوض آیا ہے جس کے معنی فضول باتوں میں الجھنے کے ہوتے ہیں۔ سورۂ انعام میں ہے کہ جب تم دیکھو کہ کہیں آیات اللہ کے متعلق بیہودہ باتیں ہو رہی ہیں۔ تو ان سے اعراض برتو تاآنکہ وہاں گفتگو کا موضوع بدل جائے۔ (۶۸ : ۶) ۔ (۱۰)۔تم اللہ پر ایمان رکھو اور انہیں ان کی بیہودہ باتوں میں الجھے رہنے دو۔ یہ زندگی سے کھیل کھیلتے ہیں۔ (۹۲ : ۶)

۱۱۔ یہ منافقین بھی پہلے لوگوں کی طرح بیہودہ گوئی میں مصروف رہتے ہیں۔ (۶۹ : ۹)

۱۲۔ قرآن، ضدی لوگوں کے لئے تنذیر ہے۔ (۹۷ : ۱۹)

۱۳۔ مومن جب لغویات سنتے ہیں تو وہاں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ (۵۵ : ۲۸)

۱۴۔ یونہی بے معنی باتیں کرنے والے اہلِ جہنم ہیں۔ (۴۵ : ۷۴)

۸- مجوس

مجوسیت، قدیم ایرانی مذہب تھا جس کی تجدید و اصلاح (جناب) زرتشت نے کی۔ جب زرتشتی مذہب بگڑ گیا تو اس میں ثنویت کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔ یعنی خیر کا خدا یزداں، اور شر کا خدا اہرمن۔ آجکل زرتشتی مذہب کے پیرو عام طور پر پارسی کہلاتے ہیں۔ قرآن کریم میں مجوس کا ذکر صرف ایک مقام پر (۱۷ : ۲۲ میں) آیا ہے۔ جہاں کہا ہے کہ مومنین، یہود نصاریٰ، صابئین، مجوس اور مشرکین میں خدا قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔

چونکہ نزولِ قرآن کے زمانے میں عرب، مجوس وغیرہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لئے قرآن کریم میں ان کے تعارف کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

(۰)

۹- مجید

مادہ کے اعتبار سے المجد کے معنی کثرت کے ہیں۔ لیکن استعمال کی رو سے اس کے معنی صفاتِ محمودہ میں انتہا تک پہنچ جانے کے آتے ہیں۔ عربوں کے ہاں کریم کی طرح مجید بھی بڑی جامع صفت ہے جس میں ہر قسم کی صفتِ محمودہ شامل ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں شرف و مجد مرادف طور پر بولے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں شریف تو نہیں آیا۔ مجید خدا کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ اور قرآن کریم کے لیے بھی۔

۱۔ خدا کی صفت مجید۔ حمیدٌ مجید (۷۳ : ۱۱)۔ ذوالعرش المجید (۱۵ : ۸۵)

۲۔ قرآن کریم کے لئے۔ والقرآن المجید (۱ : ۵۰)۔ قرآن مجید۔ (۲۱ : ۸۵)

(۰)

۱۰۔ محبت

محبت۔ (مادہ۔ ح۔ ب۔ ب)۔ اس مادہ کے بنیادی معانی متعدد ہیں جن میں اہم یہ ہیں:۔

(۱) اس چیز کو چاہنا جسے اچھا اور مفید پایا جائے۔ (۲)۔ کسی شے کو لازم پکڑنا اور مستحکم طور پہ اس کے ساتھ رہنا۔ اور کسی شے کی حفاظت کرنا اور اس کے قیام کا سہارا بننا۔

ہمارے ہاں، خدا سے محبت کرنے کو دین کی غایت سمجھا جاتا ہے اور تصوّف میں زندگی کا حقیقی مقصود و مطلوب ہی اسے قرار دیا جاتا ہے۔ خدا کی ذات، انسانی فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس قسم کی ہستی سے اس قسم کی محبت نہیں کی جا سکتی جس قسم کی محبت ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ لہٰذا، قرآن کریم میں جہاں خدا کے ساتھ محبت کرنے کا ذکر آئے گا، اس سے مراد، اس کے احکام کو لازم پکڑنا اور مضبوطی سے ان پر قائم رہنا ہوگا۔ اور جہاں خدا کی انسانوں سے محبت کا ذکر ہوگا اس کے معنی، خدا کا اپنے بندوں کے لئے حفاظت اور سہارا بننا ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ، احکام و قوانینِ خداوندی کا فطری نتیجہ ہوگا۔ اسی طرح جب کہا جائے گا کہ خدا فلاں بات کو پسند نہیں کرتا، تو اس سے بھی یہی مراد ہوگی کہ وہ چیز خدا کے متعین کردہ دین کے خلاف ہے۔ اس سے انسان کا نقصان ہوگا۔ ورنہ اگر اس کے عام معنی لئے جائیں تو یہ بات عجیب سی ہوگی کہ ایک چیز خدا کو ناپسند ہے اور اس کے باوجود وہ دنیا میں موجود ہے۔ اور جب کہا جائے گا کہ خدا فلاں بات کو پسند کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ بات اس کے مقرر کردہ قوانین و اقدار کے مطابق ہے۔

خدا کن لوگوں یا کن چیزوں کو پسند کرتا ہے

۱۔ تمہارے دلوں میں ایمان کو پسند کرتا ہے۔ (۴۹ : ۷)

۲۔ محسنین کو پسند کرتا ہے۔ (۲ : ۱۹۵)۔ (۳ : ۱۳۴)۔ (۳ : ۱۴۸)۔ (۵ : ۱۳)۔ (۵ : ۹۳)

۳۔ توابین کو۔ (۲ : ۲۲۲)———(۴)۔ مطہرین کو۔ (۲ : ۲۲۲)۔ (۹ : ۱۰۸)

۵۔ متقین کو۔ (۳ : ۷۶)۔ (۹ : ۴ ; ۷)——(۶) صابرین کو۔ (۳ : ۱۴۶)

۷۔ متوکلین۔ (۳ : ۱۵۹)۔ (۸)۔ مقسطین۔ (۵ : ۴۲)۔ (۴۹ : ۹)۔ (۶۰ : ۸)

۹۔ فی سبیل اللہ قتال کرنے والوں کو۔ (۶۱ : ۴)

۱۰۔ ایسی قوم جو اس سے محبت کرے۔ مومنین کے سامنے جھکی ہوئی۔ مخالفین کے مقابلہ میں غلبہ کی مالک۔ (۵ : ۵۴)

۱۱- اگر دنیا کی کوئی جاذبیت بھی خدا ، رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہوگئی تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیگا- (۹ : ۲۴)

خدا کن لوگوں یا کن چیزوں کو پسند نہیں کرتا

۱- کفر، فسق اور عصیان کو ناپسند کرتا ہے - (۴۹ : ۷)

۲- حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا - (۲ : ۱۹۰) - (۵ : ۸۷) - (۷ : ۵۵)

۳- فسادکو - (۲ : ۲۰۵) - (۵ : ۶۴) - (۲۸ : ۷۷) - (۴) - کُلّ کفار اثیم - (۲ : ۲۷۶)

۵- کافرین کو - (۳ : ۳۲) - (۳۰ : ۴۵) - (۶) - ظالمین کو - (۳ : ۵۷) - (۳ : ۱۴۰) - (۴۲ : ۴۰)

۷- کلّ مختال فخور - (۴ : ۳۶) - (۳۱ : ۱۸) - (۵۷ : ۲۳)

۸- خوانًا اثیما - (۴ : ۱۰۷) - خائنین - (۸ : ۵۸) - خوان کفور - (۲۲ : ۳۸)

۹- برائیوں کی تشہیر بجز مظلوم کے - (۴ : ۱۴۸) - (۱۰) - مُسرفین - (۶ : ۱۴۱) - (۷ : ۳۱)

۱۱- مُستکبرین - (۱۶ : ۲۳)　(۱۲) - فرحین - (۲۸ : ۷۶)

مومنین کن چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور کن چیزوں کو پسند نہیں کرتے

۱- مومن، دنیاوی متاع کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ وہ خدا کے پروگرام کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہیں - حضرت سلیمانؑ کا اپنے گھوڑوں کے کے رسالہ کو پسند کرنا اسی جہت سے تھا - (۳۸ : ۳۲)

۲- آفلین کو پسند نہیں کرتے - حضرت ابراہیمؑ کی معبودان باطل سے برأت - (۶ : ۷۶)

۳- مغفرت کو پسند کرنا چاہیئے - (۲۴ : ۲۲) - (۴) نصرٌ من اللہ و فتح قریب - (۶۱ : ۱۳)

۵- غیر مُومنین سے محبت نہیں کرتے - (۳ : ۱۱۹) - (۶) - غیبت کو پسند نہیں کرتے - (۴۹ : ۱۲)

۷- پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں - (۹ : ۱۰۸) - (۸) - بے حیائی کی باتوں کو عام کرنا پسند نہیں کرتے - (۲۴ : ۱۹)

۹- جو ہجرت کرکے آئیں ان سے محبت کرتے ہیں - (۵۹ : ۹)

۱۰- اگر تمہارے ماں باپ اور دیگر اعزہ ، ایمان کے مقابلے میں کفر کو زیادہ پسند کریں : تو انہیں اپنا دوست مت بناؤ - (۹ : ۲۳)

۱۱- مال کی محبت کے باوجود اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں - (۲ : ۱۷۷) - (۷۶ : ۸)

۱۲- اگر دنیا کی کوئی جاذبیت بھی خدا ، رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہوگئی تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا - (۹ : ۲۴)

۱۴۔ مومن، مستقل قدر کی خلاف ورزی کے مقابلہ میں جیل خانے کو پسند کرتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا کردار۔ (۱۲ : ۳۳)

خدا سے محبت۔ اور خدائی محبت

۱۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تم سے محبت کرے تو تم رسول کی اطاعت کرو۔ وہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہاری لغزشوں کے نقصانات سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ (۳ : ۳۱)

۲۔ خدا ایسی قوم لے آئے گا جو خدا سے محبت کرے اور خدا اس سے محبت کرے۔ (۵ : ۵۴)

۳۔ مشرکین انداداً من دون اللہ کی محبت، خدا کی محبت سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۶۵)

عام انسانوں کی محبت اور کشش کی چیزیں

۱۔ انسان ان چیزوں کو بھی پسند کر لیتا ہے جو اس کے لئے باعثِ شر ہوتی ہیں۔ (۲ : ۲۱۶)

۲۔ تم بِرّ اور کشادگی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک ان چیزوں کو خدا کی راہ میں نہ دیدو جو تمہیں محبوب ہوں۔ (۳ : ۹۲)

۳۔ متاعِ دنیا، یعنی مالِ غنیمت کی کشش جس کی وجہ سے احد میں فتح مبدل بہ شکست ہو گئی۔ (۳ : ۱۵۲)

۴۔ انسان مفادِ عاجلہ کو پسند کرتا ہے۔ (۷۵ : ۲۰) ۔ (۷۶ : ۲۷)

۵۔ انسان چاہتا ہے کہ سارا مال سمٹ کر اس کے پاس آجائے۔ (۸۹ : ۲۰)

۶۔ ان کاموں کی بنا پر ان کی تعریف کی جائے، جنہیں وہ کرتے نہیں۔ (۳ : ۱۸۸)

۷۔ انداداً من دون اللہ کی محبت۔ (۲ : ۱۶۵)

۸۔ آخرت کے مقابلہ میں، حیاتِ دنیا سے زیادہ محبت۔ (۱۴ : ۳) ۔ (۱۶ : ۱۰۷)

۹۔ ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو زیادہ عزیز رکھنے والے۔ (۴۱ : ۱۷)

۱۰۔ عورتوں کی۔ مال بچوں کی محبت بری چیز نہیں۔ (۳ : ۱۴) ۔ (۱۱)۔ مال کی شدید ترین محبت (۱۰۰ : ۸)

متفرق

۱۔ یہود و نصاریٰ کا دعوےٰ کہ ہم خدا کی چاہتی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ (۵ : ۱۸)

---(۰)---

۱۱- مرض شفا

کسی نظام کے اعتدال اور توازن کے بگڑنے کو مرض کہتے ہیں جس سے قوتوں میں اضمحلال واقعہ ہو جاتا ہے۔ اس نظام کے پھر سے اعتدال پہ آجانے کا نام شفا ہے۔

قرآن کریم نے انسان کے جسمانی امراض کا بھی ذکر کیا ہے اور نفسیاتی امراض کا بھی جن کے لئے "دل کی بیماریاں" یا "مافی الصدور کے امراض" کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے (PSYCHOLOGICAL DISORDERS) یا (MENTAL— DISTURBANCES) یا ذہنی توازن (EQUILIBRIUM) کے بگڑ جانے کا ذکر کرنا، قرآن ہی کا کام تھا۔ اس نے منافقت جیسی کیریکٹر کی کمزوری کو نفسیاتی مرض قرار دیا ہے اور قرآن کے متعلق کہا ہے کہ اس میں نفسیاتی امراض کے لئے شفا کا سامان ہے۔ یعنی قرآنی پروگرام پر عمل کرنے سے انسانی ذات میں اعتدال اور توازن پیدا ہوتا ہے جس کا عملی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود معاشرہ میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کا منتہی و مقصود، افراد کی ذات کی نشو و نما ہے۔ جس کی مشہود شکل متوازن شخصیت (BALAN— CED PERSONALITY) ہوتی ہے۔ اس میں کوئی نفسیاتی مرض (COMPLEX) نہیں ہوتا۔ علم النفس کی روشنی میں قرآنی حقائق نہایت وضاحت سے سامنے آئے ہیں۔

نفسیاتی امراض - دل کے روگ

۱- منافقین کے دل میں مرض ہوتا ہے اور جوں جوں انہیں ناکامیاں ہوتی ہیں، وہ مرض اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ (۲ : ۱۰)

۲- منافقین (دل کے مریض) ان لوگوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ (۵ : ۵۲)

۳- اس سے دل میں حسد اور بغض پیدا ہوتا ہے (۴۹ : ۸)۔ ذہن ایسا مکدر ہو جاتا ہے کہ کوئی بات صاف صاف دکھائی نہیں دیتی (۹ : ۱۲۵)۔ رسولوں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں کج روی کے جذبات شدید تر ہو جاتے ہیں۔ (۲۲ : ۵۳)۔ شکوک و شبہات بڑھتے ہیں۔ (۲۴ : ۵۰)۔ کسی بات پر اعتماد نہیں ہوتا۔ (۳۳ : ۱۲)۔ میدانِ جنگ کے تصور سے ان کی روح کانپنے لگ جاتی ہے۔ (۴۷ ، ۲۰)۔ کسی بات کو سنجیدگی سے سمجھنے کے بجائے اس پر جھٹ سے اعتراض کر دیتے ہیں۔ (۷۴ : ۳۱)

۴- نبی کی عورتوں سے کہا کہ اپنی بات میں لوچ نہ پیدا کیا کرو تاکہ ایسا شخص جس کے دل میں روگ ہے، اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (۳۳ : ۳۲)

۵۔ شریف زادیوں کو چھیڑنے والوں کے دل میں روگ ہوتا ہے ۔ انہیں سخت سزا دو ۔ (۶۰ : ۳۳)

۶۔ کیا منافق سمجھتے ہیں کہ ان کی اصلیت کبھی بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آئے گی ۔ (۲۹ : ۴۷)

جسمانی امراض

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا مجھے شفا دیتا ہے ۔ یعنی شفا، قانونِ خداوندی کے مطابق عمل (علاج) کرنے سے ملتی ہے ۔ (۸۰ : ۲۶)

۲۔ کھانے پینے کے معاملہ میں مریضوں کی رعایت ۔ (۶۱ : ۲۴) ۔ جنگ کے معاملہ میں رعایت ۔ (۱۷ : ۴۸) ۔ روزوں کے معاملہ میں رعایت (۱۸۵-۱۸۴ : ۲) ۔ مناسکِ حج کے سلسلے میں رعایت ۔ (۱۹۶ : ۲) ۔ غسل اور وضو کے معاملہ میں رعایت ۔ (۴۳ : ۴) ۔ (۶ : ۵) ۔ ہتھیار اتارنے کے سلسلہ میں رعایت ۔ (۱۰۲ : ۴) ۔ جنگ میں جانے کے سلسلہ میں رعایت ۔ (۹۱ : ۹) راتوں کو جاگنے کے سلسلہ میں رعایت ۔ (۲۰ : ۷۳)

شفا

۱۔ قرآن کریم دل کی بیماریوں کے لئے شفا ہے ۔ (۵۷ : ۱۰) ۔ (۸۲ : ۱۷) ۔ (۴۴ : ۴۱)

۲۔ مرض سے شفا خدا کے قانون کے مطابق عمل کرنے سے ملتی ہے ۔ (۸۰ : ۲۶)

۳۔ شہد میں شفا ہے ۔ (۶۹ : ۱۶) ۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کے نظام کے مطالعہ سے انسانوں کے خود ساختہ غلط نظامِ تمدن و معاشرت کی خرابیاں رفع ہو سکتی ہیں ۔

(۰)

۱۲ ۔ (حضرت) مریمؑ

مریم ۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عابدہ اور بلند مرتبہ عورت کے ہیں ۔ عربوں کے ہاں مریم اسے کہتے تھے جو بہت ہی عجیب بات کرے ۔ یا وہ عورت جو مردوں کے ساتھ باتیں کرنا پسند کرے لیکن برائیوں سے دور رہے ۔ قرآن کریم میں حضرت عیسےٰؑ کی والدہ کا نام مریم بتایا گیا ہے ۔ سامی اقوام میں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو بھی زیادہ شہرت کا مالک ہوتا ۔ بچے

کو اس کی طرف منسوب کرتے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کو ابن امی کہہ کر پکارتے ہیں۔ یعنی اے میری ماں کے بیٹے۔ (۱۵۰ : ۷) ۔ (۹۴ : ۲۰)۔ خود ہماری تاریخ میں بھی بنو فاطمہ کی حکومت مشہور ہے۔ اسی رواج کے مطابق، حضرت عیسٰےؑ کو ابن مریم کہہ کر پکارا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کے نزدیک، حفاظتِ عصمت بلند ترین مستقل اقدار میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے دو افراد کی زندگیوں کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ مردوں میں سے حضرت یوسفؑ اور عورتوں میں سے حضرت مریمؑ۔ دونوں نے بڑے ہی سخت آزما حالات میں اپنی عصمت کا تحفظ کیا۔

۳۔ حضرت مریمؑ کی زندگی کو قرآن نے ایک انقلابی کی زندگی کی حیثیت سے بھی پیش کیا ہے۔ یہودیوں نے ہیکل کی خانقاہیت کی زندگی کو نہایت بلند مقام دے رکھا تھا۔ حالانکہ یہ نظریہ بھی خلافِ دینِ خداوندی تھا اور اس کے رسوم و قیود بھی خلافِ منشائے خداوندی۔ شروع میں صرف راہب (مرد) ہی اپنے آپ کو ہیکل کے لئے وقف کرتے تھے لیکن بعد میں وہاں لڑکیاں بھی بطور (NUNS) کے داخل ہونی شروع ہو گئیں۔ ان کے لئے شرط یہ تھی کہ راہبہ یا تو ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرے اور یا ہیکل کے متولیوں میں سے جو چاہے اس کی بیوی بن کر رہے۔ یہ دونوں پابندیاں منشائے خداوندی کے خلاف تھیں۔ یہودی رہبان و احبار کا اس زمانے میں اقتدار اتنا زبردست تھا کہ انہیں صرف سزائے موت کی توثیق کے لئے رومی حاکم کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس سے کم ہر قسم کی سزا دینے کے وہ خود مجاز تھے۔ نیز معاشرہ میں ان کی عقیدت و ارادت اتنی شدید تھی کہ جسے وہ مردود قرار دے دیں اسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ اس قسم کے شدید مخالف حالات میں حضرت مریمؑ نے (جو ایک متشدد مذہب پرست گھرانے کی لڑکی اور ہیکل کی راہبہ تھیں) ہیکل کی ان انسانوں کی خود ساختہ پابندیوں کو توڑا اور ان کی زنجیروں سے آزادی حاصل کر کے اپنی مرضی کے مطابق متاہل زندگی بسر کی۔ یہ اقدام بڑی جرأت کا متقاضی تھا اور اس لئے قرآن نے انہیں اس قدر فضیلت کا حامل قرار دیا ہے۔

عیسٰےؑ

۱۔ حضرت عیسٰےؑ کو ابنِ مریم کہہ کر پکارا گیا ہے۔ ان مقامات کی تفصیل عنوان "عیسٰےؑ" میں ملے گی۔ یہاں صرف حوالے درج کئے جاتے ہیں۔ (۸۷ : ۲) ۔ (۲۵۳ : ۲) ۔ (۴۵ : ۳) ۔ (۱۵۷ : ۴) ۔ (۱۷۱ : ۴) ۔ (۱۷ : ۵) ۔ (۴۶ : ۵) ۔ (۷۲ : ۵) ۔ (۷۵ : ۵) ۔ (۷۸ : ۵) ۔ (۱۱۰ : ۵) ۔ (۱۱۴ ؛ ۱۱۲ : ۵) ۔ (۱۱۶ : ۵) ۔ (۳۱ : ۹) ۔ (۳۴ : ۱۹) ۔ (۵۰ : ۲۳) ۔ (۷ : ۳۳) ۔ (۵۷ : ۴۳) ۔ (۲۷ ؛ ۵۷) ۔ (۶ : ۶۱) ۔ (۱۴ : ۶۱) ۔

حضرت مریمؑ یا حضرت عیسیٰؑ کو مقامِ الوہیت حاصل نہیں

۱۔ اگر خدا انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا تو انہیں کوئی بھی بچا نہیں سکتا تھا۔ (۵ : ۱۷)

۲۔ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ (۵ : ۷۲)۔ حضرت عیسےؑ نے ایسی تعلیم نہیں دی تھی۔ (۵ : ۱۱۶)

۳۔ انہیں صرف ایک نشانی بنایا تھا۔ (۲۳ : ۵۰)

۴۔ اُمِّ حضرت عیسےؑ صدیقہ تھی۔ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اس لیے انسان تھے۔ فوق البشر نہیں تھے۔ (۵ : ۷۵)

قصۂ حضرت مریمؑ

۱۔ حضرت مریمؑ کی پیدائش اور ہیکل کی نذر۔ (۳ : ۳۵-۳۴)

۲۔ حضرت مریمؑ کے پاس رزق۔ ہیکل کی زندگی میں۔ (۳ : ۳۷)۔ زیرِ کفالت حضرت زکریاؑ

۳۔ ملائکہ کی طرف سے بشارت۔ (۳ : ۴۲ - ۴۵)۔ اقوامِ عالم کی عورتوں پر افضلیت اور ایک عظیم مقصد کے لئے انتخابِ خداوندی۔ (۳ : ۴۱)۔ ہیکل کی زندگی۔ متولیوں کی آلودہ نگہی۔ (۳ : ۴۳)

۴۔ حضرت مریمؑ کے خلاف بہتان۔ (۴ : ۱۵۶)۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے ہیکل کی غیر خداوندی قیود کو توڑا تھا۔

۵۔ پیدائشِ حضرت عیسےؑ۔ (۳ : ۴۶ - ۴۷)۔ (۴ : ۱۷۱)۔ (۱۹ : ۱۶ - ۲۷)

۶۔ حضرت عیسےؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا نے نعماء سے نوازا تھا۔ (۵ : ۱۱۰)

۷۔ قوم کی طرف واپسی۔ (۱۹ : ۲۷)۔ (۸) ربوہ کی طرف سفر۔ (۲۳ : ۵۰)

۹۔ مریم بنت عمران۔ بطورِ مثال زندگی۔ (۶۶ : ۱۲)۔ اختِ ہارون۔ (۱۹ : ۲۸)

۱۰۔ خصوصیتِ کبریٰ۔ حفاظتِ عصمت۔ (۲۱ : ۹۱)۔ (۶۶ : ۱۲)۔ (۱۱)۔ وہ صدیقہ تھیں۔ (۵ : ۷۵)

۱۳۔ مستقل اقدار

قرآن کریم نے انسانی راہ نمائی کے لئے کچھ تو احکام (یا قوانین) دیئے ہیں اور باقی، اصول عطا کئے ہیں۔ انہی اصولوں کو اقدار

بھی کہا جاتا ہے اور چونکہ یہ اصول ابدی اور غیر متبدل ہیں اس لئے انہیں مستقل اقدار (PERMANEHT VALUES) کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما کا دار و مدار انہی اقدار کی پابندی پر ہے۔ یہ اقدار درحقیقت انسانی ذات کی بنیادی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یعنی جس طرح آب و تاب اور چمک دمک، گہر کی بنیادی خصوصیت ہے اس طرح (مثلاً) قوتِ تخلیق (CREATIVITY) نشوونما یافتہ ذات کی بنیادی خصوصیت ہے۔ ذاتِ خداوندی چونکہ سب سے زیادہ مکمل اور اکمل ذات ہے۔ اس لئے جنہیں صفاتِ خداوندی یا الاسماء الحسنیٰ کہا جاتا ہے وہ اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان میں سے کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو صرف ذاتِ خداوندی سے مختص ہیں۔ مثلاً ھو الاول و الآخر۔ کہ اس ازلیت اور ابدیت میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ ایسی صفات کے علاوہ باقی صفاتِ خداوندی ایسی ہیں جن کی نمود (علیٰ حد لبشریت) انسان کی نشوونما یافتہ ذات میں بھی ہوتی ہے جوں جوں انسانی ذات نشوونما پاتی جائے گی، اس سے ان صفات کا ظہور ہوتا چلا جائے گا۔ یوں صفاتِ خداوندی وہ پیمانہ، یا معیار بن جائیں گی جس سے یہ ناپا جائے کہ انسانی ذات کس حد تک نشوونما پا چکی ہے۔ اس کو بالفاظِ دیگر قربِ خداوندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا، بہ ہیئت مجموعی، مستقل اقدار وہ صفاتِ خداوندی ہیں جن کی نمود انسانی ذات میں (علیٰ حد لبشریت) ہو سکتی ہے۔ ان صفات کو اللہ (یا الٰہ) کے عنوان میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایک نمایاں صفات کو دہرایا جاتا ہے جو انسانی ذات کی نسبت سے مستقل اقدار کہلا سکتی ہے۔ انہی میں وہ اصول بھی شامل ہیں جو عالمِ انسانیت کے لئے مستقل اقدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ اسلامی مملکت ان افراد کے ہاتھوں متشکل ہوتی ہے جو ان اقدار کے پیکر ہوتے ہیں، اور اس مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ماحول پیدا کرے جس میں ان اقدار کی عام ترویج ہو اور اس طرح افرادِ معاشرہ کی ذات زیادہ سے زیادہ حد تک نشوونما پا سکے۔

مستقل اقدار و اصولِ حیات

۱۔ ربوبیت عالمینؑ

خدا رب العالمین ہے (۱ : ۱)۔ اس لئے انسانی ذات کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ (علیٰ حد لبشریت) نوعِ انسان کی پرورش اور نشوونما کا فریضہ سرانجام دے۔ اس ربوبیت کا انداز رحمانیت اور رحیمیت کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ (۲:۱) یعنی ربوبیت بلا مزد و معاوضہ کی جائے گی۔ اور اس میں رافت اور محبت کا پہلو نمایاں ہوگا۔ (۲ : ۲۰۷)۔ خدا نے

اپنے آپ کو ارحم الراحمین (۸۳ : ۲۱) - خیر الرازقین (۵۸ : ۲۲) - اور احسن الخالقین (۱۴ : ۲۳) کہا ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ اور راحم - رازق اور خالق بھی ہیں - یہ لامحالہ انسان ہی ہو سکتے ہیں لیکن انسانوں میں یہ صفات محدود پیمانے پہ ہوں گی - خدا میں لامحدود - کرۂ ارض پر جس قدر ذی حیات ہیں ان کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے - (۶ : ۱۱) - انسانوں کی دنیا میں یہ ذمہ داری اس مملکت کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے جو ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جن کی ذات نشوونما پا رہی ہو - (۱۵۲ : ۶) - اسی صفت کے ظہور سے وہ مملکت صاحبِ فضلِ عظیم بنتی ہے - (۱۰۵ : ۲)

۲- خدا کی ایک صفت غفور بھی ہے - (۱۷۳ : ۲) - یعنی سامانِ حفاظت بہم پہنچانے والا - اس صفت کی نمود، انسانی ذات سے بھی ہوتی ہے - لہذا، مظلوم، کمزور و ناتواں کی حفاظت کا انتظام کرنا بھی ایک مستقل قدر یا اصولِ حیات ہے - اس مقصد کے لئے قرآنی مملکت اپنی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے - (۶۰ : ۸) - اور قرآن کے ساتھ صاحبِ شمشیر بھی ہوتی ہے - (۲۵ : ۵۷)

۳- **تکریم انسانیت**

ہر انسان، ذات (PERSONALITY) کا حامل ہوتا ہے - اس لئے ہر انسانی بچہ، بلا تمیزِ رنگ - نسل - خون - خاندان، محض انسان ہونے کی جہت سے یکساں واجب التکریم قرار پاتا ہے - (۷۰ : ۱۷) - احترامِ انسانیت، مستقل قدر اور ابدی اصول ہے -

۴- **تعینِ مدارج**

معاشرہ میں مدارج کا تعین ہر فرد کے جوہرِ ذاتی اور سیرت و کردار کی رو سے ہوگا - (۱۹ : ۴۶) - جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گا - وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا - (۱۳ : ۴۹)

۵- **کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے**

یہ نظریہ کہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے ایک مستقل قدر ہے - بالحق کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے - یہ تعمیری نتائج کے لئے پیدا کی گئی ہے - یہ فریبِ تخیل، سراب یا مایا نہیں - (۸۵ : ۱۵) - (۱۶ : ۲۱) - (۳۸ : ۴۴) کائنات کی کوئی شے باطل (رائیگاں یا تخریبی نتائج کے لئے پیدا نہیں کی گئی (۱۹۰ - ۱۸۹ : ۳) - یہ سارا سلسلہ، خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے - ان قوانین میں (جنہیں قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے) کوئی تبدیلی نہیں ہوتی - (۷۷ : ۱۷) - انسان ان تمام قوانین کا علم حاصل کر سکتا ہے - (۳۱ : ۲) - ان قوانین کا علم حاصل کرنے سے انسان اس قابل ہو سکے گا کہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکے - قصۂ آدم میں ملائکہ کے سجدہ سے یہی مراد ہے - (۳۴ : ۲) - اس

میں زمین کی قوتیں اور فضائی قوتیں سب شامل ہیں۔ (۴۵ : ۱۳) - ان علوم کے ماہرین کو علماء کہا جاتا ہے - (۳۵ : ۲۷-۲۸) - ان کی ریسرچ سے جوں جوں کائنات کے راز ہائے سربستہ بے نقاب ہوتے جائیں گے، قرآن کے دعاوی کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچتا جائے گا - (۴۱ : ۵۳)

۶- عملِ تخلیق

خدا کی ایک صفت بدیع السموٰت والارض (۲ : ۱۱۷) یا فاطر السموٰت والارض ...... (۶ : ۱۴) ہے۔ یعنی کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے والا - اس صفت میں تو کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا - اس کی دوسری صفت ہے۔ خالقیت - عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں موجود عناصر میں خاص ترکیب و ترتیب سے ایک نئی چیز پیدا کر لینا - ان معنوں میں انسان، خدا کی صفتِ خالقیت میں شریک ہو سکتا ہے اسی نہج سے خدا نے اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا ہے - (۲۳ : ۱۴) - خدا اپنی تخلیق میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے - (۳۵ : ۱) - لہٰذا انسان کے لئے عملِ تخلیق بھی ایک مستقل قدر ہے - عملِ تولید (PROCREATION) خدا کا عمل نہیں - (۱۱۲ : ۳) - اس میں انسان بھی منفرد نہیں - انسان اور حیوان سب اس میں شریک ہیں - لیکن حیوان عملِ تخلیق میں شریک نہیں - لہٰذا وجہِ شرفِ انسانیت عملِ تخلیق (CREATION) ہے -

۷- نعمائے حیات

جب تسخیرِ فطرت اور عملِ تخلیق مستقل اقدار ہیں، تو ظاہر ہے کہ نعمائے کائنات (پرورش۔ آسائش و آرائش کی چیزوں) سے متمتع ہونا بھی ایک مستقل اصولِ حیات ہے - اس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے - (۱ : ۶-۷) - (۸ : ۲۶) - (۲۷ : ۱۴) - (۲۰ : ۱۷) - (۲، ۲۷ : ۱۷) - (۲۰ : ۱۲۴) - (۲۲ : ۴۱) - (۵۵ : ۲۴) - (۵-۶ : ۲۸) - (۳۳ : ۲۷) - نعمائے زندگی میں عام سامانِ آسائش و آرائش سے لے کر حکومت و سلطنت تک سب شامل ہیں - اشیائے زینت کے متعلق قرآن نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ انہیں کوئی حرام قرار نہیں دے سکتا - (۷ : ۳۲) - (۱۲ : ۶) - یہ چیزیں انسان کے لئے حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچاتی ہیں - (۱۰ : ۷) - لہٰذا رہبانیت (دنیا سے نفرت یا ترکِ مادہ) - قرآنی تعلیم کے خلاف ہے - (۵۷ : ۲۷)

۸- علم و عقل

خدا سمیع و بصیر اور علیم و حکیم ہے - (۲ : ۳۲) - (۲ : ۱۱۰) - (۲ : ۱۲۷) - (۳۱ : ۳۴) - اس کا علم بڑا وسیع ہے - (۲ : ۱۱۵) - لہٰذا انسان کے لئے صاحبِ علم و عقل، خبیر و حکیم ہونا مستقل اقدار ہیں - علم بذریعہ حواس حاصل کیا جاتا ہے اور قوتِ فکر سے صحیح نتائج تک پہنچا جاتا - (۱۷ : ۳۶) - علم و عقل سے کام نہ لینے والے جہنمی ہیں - (۷ : ۱۷۹) -

(۱۰ : ۷۶) - تفکر وتدبر بنیادی خصوصیت ہے - (۴۶ : ۴۴) - خدا نے مومن کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اور تو اور، اگر اس کے سامنے آیاتِ خداوندی بھی پیش کی جائیں تو وہ انہیں بھی اندھا بہرہ بن کر قبول نہیں کرتا - (۲۵ : ۷۳) - کسی بات کو محض تقلیداً مان لینا اس کے نزدیک شرفِ انسانیت سے محرومی ہے - (۲ : ۱۷۰)

لیکن عقلِ انسانی کو وحیِ خداوندی کی روشنی میں چلنا چاہیئے۔

۹- جذبات

جذبات، عمل کے محرک ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان کے لئے بڑی گراں قدر متاع ہیں - قرآن ان کی تنقیص نہیں کرتا لیکن کہتا یہ ہے کہ انہیں بھی بے باک نہیں ہونا چاہیئے بلکہ وحیٔ خداوندی کے مطابق کارفرما ہونا چاہیئے۔ (۲۸ : ۵۰) - انہیں اپنا الٰہ نہیں بنالینا چاہیئے۔ (۴۵ : ۲۳) - جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے - (۴۶ : ۲۸) اس لئے صحیح طریق کار یہ ہے کہ جذبات کو عقل کے تابع رکھا جائے اور عقل وحی کی راہ نمائی میں چلے - اس قسم کی جدوجہد سے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلتی چلی جاتی ہے۔ (۲۹ : ۶۹) - وحی کاروانِ انسانیت کے لئے منزل کا تعین کر دیتی ہے۔ اس کے بغیر انسان، محض اپنے جذبات کی تسکین کے لئے مختلف وادیوں میں مارے مارے پھرتا ہے - اسے قرآن، شاعرانہ مسلکِ حیات سے تعبیر کرتا ہے جس میں انسان کی تمام توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں - (۲۶ : ۲۲۵) - جب منزل کا تعین ہو جائے تو انسان کا ہر قدم اسی کی طرف اٹھتا ہے، اور یوں، آوارگی، سفر میں بدل جاتی ہے، "آوارگی" نہیں رہتی۔ (۲ : ۱۵۰) - (۶ : ۱۶۳)

۱۰- آزادی

قرآن آزادی کو بڑی اہمیت دیتا ہے - وحی کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ہر نوع کی غلامی سے آزادی دلائے (۷ : ۱۵۷) - (۱۳ : ۹۰) - لیکن اس آزادی کے معنی "مادر پدر آزادی" نہیں - اس سے مطلب یہ ہے کہ انسان صرف قوانینِ خداوندی کا مطیع رہے - اور کسی کی اطاعت نہ کرے - (۱۸ : ۲۶) - (۱۸ : ۱۱۰) - خدا کی محکومیت اختیار کرنے کا عملی طریق یہ ہے کہ اس کی کتاب (قرآن کریم) کی اطاعت کی جائے - (۵ : ۴۴ - ۴۸)

جس نظام میں، احکامِ خداوندی کی کارفرمائی ہو اسے اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کہا جاتا ہے - یعنی خدائے احکم الحاکمین (۹۵ : ۸) کے احکام کو نافذ کرنے کی ایجنسی - اس کو استخلاف فی الارض سے تعبیر کیا جاتا ہے - (۲۴ : ۵۵) - اس کے بغیر، دین کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا - (۲۲ : ۴۱)

۱۱۔ لا اکراہ فی الدین

قرآن کی رو سے، کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس نظام میں داخل ہو۔ (۲ : ۲۵۶)۔ نہ ہی کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ جس نظام کو اس نے اختیار کیا ہے وہ طوعاً و کرہاً اس کے اندر ہی رہے۔ (۱۰ : ۹۹)۔ (۱۸ : ۲۹)۔ دین، کے معنی نظام خداوندی کو دل و دماغ کی کامل رضامندی سے اختیار کرنا ہے۔ اس کا نام نفسیاتی تبدیلی ہے۔ جس کے بغیر خارجی معاشرہ میں تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔ (۸ : ۵۳)۔ (۱۳ : ۱۱)

۱۲۔ قرآنی تصورِ زندگی کی ساری عمارت قانونِ مکافاتِ عمل پر استوار ہوتی ہے۔ یعنی یہ قانون کہ انسان کے ہر عمل کا ایک نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ تفصیل اس کی "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں ملے گی۔

۱۳۔ عدل و احسان مستقل اقدار ہیں۔ عدل کے معنی ہیں ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دینا۔ اور احسان کے معنی ہیں کسی کی کمی کو پورا کر کے اس کے توازن کو برقرار رکھنا۔ (۱۶ : ۹۰)

۱۴۔ وحدتِ امت

وحدت امت بھی ایک مستقل قدر ہے۔ اختلاف اور تفرقہ شرک ہے (۳۰ : ۳۱ - ۳۲)۔ اور خدا کا عذاب (۳ : ۱۰۴)

۱۵۔ وحدتِ انسانیت

دین کا مقصد نوعِ انسان کی عالمگیر برادری کی تشکیل ہے۔ (۲ : ۲۱۳)۔ (۱۰ : ۱۹)۔ یہ برادری، آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک کی بنا پر وجود پذیر ہوگی۔ (۲ : ۶۲)۔ حسنِ عمل کا معیار یہ ہے کہ وہ کام عالمگیر انسانیت کے لئے کس قدر منفعت بخش ہے۔ (۱۳ : ۱۷)

۱۶۔ اقدار میں توازن

انسانی ذات کی صفات (خصوصیات - یا اقدار) میں پورا پورا توازن رکھنا ضروری ہے اسی سے اس میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی صفات کو بھی اسی نہج سے الاسماء الحسنیٰ کہا گیا ہے۔ (۲۰ : ۸) کہ ان میں یہ توازن اپنی تکمیل تک پہنچا ہوا ہے۔ ان صفات میں افراط و تفریط الحاد کہلاتی ہے جس سے اس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ (۷ : ۱۸۰)

اسلام کے معنی یہ ہیں کہ ہر واقعہ - ہر حادثہ - ہر موقعہ - یا ہر فیصلہ کے وقت دیکھا جائے کہ اس وقت کونسی صفت کے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے اور کس حد تک اس کے مطابق فیصلہ اور عمل کرنا اسلام کہلاتا ہے۔

۱۷۔ یہ اصول و اقدار مکمل بھی ہیں اور غیر متبدل بھی

یہ اصول و اقدار، قرآن میں مکمل بھی کردی گئی ہیں اور غیر متبدل بھی۔ (۶ : ۱۱۶)۔ اسی کو تکمیل دین کہا جاتا ہے۔ جس کا

فطری نتیجہ ختم نبوت ہے ۔

۱۷۔ یہ چند ایک اہم اقدار ہیں ۔ باقی اقدار "صفاتِ خداوندی" کے عنوان (اللہ) میں دیکھئے ۔

۱۴۔ مسکین

مادہ (س ۔ ک ۔ ن) کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں وہ جس کی حرکت رک جائے ۔ اصطلاحی طور پر مسکین سے مراد ایسا شخص ہوگا جس کا یا تو چلتا ہوا کاروبار رک جائے یا وہ ویسے ہی چلنے پھرنے یا کام کاج سے معذور ہو جائے ۔ قرآن کے معاشی نظام میں ، ایسے افراد جو کسی وجہ سے محنت کرنے کے قابل نہ رہیں خصوصی توجہ کے محتاج ہیں ۔ اس لئے قرآن نے ان کی ضرورت پوری کرنے کی تاکید کی ہے ۔ (سائل اور فقیر بھی اسی ضمن میں آتے ہیں ۔ ان کے لئے عنوان سائل دیکھئے ۔ نیز محروم بھی ۔ اسے اسی عنوان میں لکھا جا رہا ہے)

مسکنت کے معنی جمود و تعطل کے ہیں ۔ جس قوم پر مسکنت طاری ہو جائے اُسے خدا مغضوب علیہ قرار دیتا ہے ۔ یعنی حرکت و حرارت قوم کے عروج و ارتقاء کی علامت ہے اور جمود و تعطل اس کی ذلت کی نشانی ۔ بنی اسرائیل کے زوال و انحطاط کو اسی لئے مسکنت ، فلہذا غضبِ خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ (دیکھئے ۔ (۲ : ۶۱) ۔ (۳ : ۱۱۲)

۲۔ مساکین کی امداد کو خدا نے ان کا حق قرار دیا ہے ، خیرات نہیں ۔ خیرات ، دینے والے کے دل میں جذبۂ برتری اور لینے والے کے دل میں احساسِ کمتری پیدا کر دیتی ہے اور یہ دونوں چیزیں شرفِ انسانیت کے منافی ہیں ۔ لیکن جو چیز لینے والا بطور اپنے حق کے لیتا ہے اور دینے والا اسے اس کا حق سمجھ کر ادا کرتا ہے ، اس سے شرفِ انسانیت کو ضعف نہیں پہنچتا ۔ (تفصیل ان امور کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی ۔ نیز یہ چیز بھی کہ انفرادی طور پر مساکین وغیرہ کی مدد اس دور کی بات ہے جب قرآن کا معاشی نظام ہنوز قائم نہ ہوا ہو ۔ اس نظام میں اس قسم کے تمام انتظامات اجتماعی طور پر نظامِ مملکت کی طرف سے ہوتے ہیں ۔)

مساکین کی امداد

۱۔ مساکین وغیرہ کو ان کا حق دے دو ۔ (۱۷ : ۲۶) ۔ (۳۰ : ۳۸)

۲۔ سرمایہ دار، کسی مسکین کو پاس نہیں پھٹکنے دینا چاہتا۔ (۲۴ : ۶۸)

۳۔ جو لوگ نہ مساکین کی خود مدد کرتے ہیں نہ دوسروں کو اس پر آمادہ کرتے ہیں، ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (۳۴ : ۶۹)۔ (۴ ۱۴ : ۴۷)

۴۔ ذلیل ہونے والے لوگ شکایت کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں یونہی ذلیل کر دیا۔ کہا گیا کہ خدا کسی کو یونہی ذلیل نہیں کیا کرتا۔ تم لوگ یتیم (تنہا رہ جانے والوں) کی عزت نہیں کرتے تھے اور مساکین کی روٹی کے لئے لوگوں کو آمادہ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے تم ذلیل ہوئے۔ (۱۸-۱۶ : ۸۹)

۵۔ ایسا کرنے والے تکذیبِ دین کرتے ہیں۔ (۳ : ۱۰۷)

۶۔ اہلِ جنت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ مساکین کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ (۸ : ۷۶)

۷۔ اسلام، پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے مرادف ہے۔ یتیم ذا مقربہ اور مسکین ذا متربہ کی روٹی کا انتظام۔ (۱۵-۱۳ : ۹۰)

۸۔ بنی اسرائیل سے بھی یہی عہد لیا گیا تھا کہ وہ مساکین سے احسان کریں (ان کی کمی پوری کریں)۔ (۸۳ : ۲)

۹۔ اصل نیکی یہ ہے کہ مساکین کو مال دیا جائے۔ (۱۷۷ : ۲)۔ (۲۱۵ : ۲)

۱۰۔ تقسیمِ وراثت کے وقت مساکین کو بھی کچھ دے دینا چاہیئے۔ (۸ : ۴)

۱۱۔ مساکین کے ساتھ احسان کی تاکید۔ (۳۶ : ۴)۔ ان کی کسی لغزش کی وجہ سے ہاتھ نہ روک لو۔ (۲۲ : ۲۴)

۱۲۔ مالِ غنیمت میں مساکین کا حصّہ۔ (۴۱ : ۸)

۱۳۔ صدقات میں مساکین کا حصّہ۔ (۶۰ : ۹)۔ مالِ فے میں بھی۔ (۷ : ۵۹)

کفارہ کے طور پر مساکین کی امداد

۱۔ روزہ کا کفارہ طعامِ مسکین۔ (۱۸۴ : ۲)۔ (۲)۔ ظہار کا کفارہ۔ (۴ : ۵۸)

۳۔ لغو قسموں کا کفارہ۔ (۸۹ : ۵)۔ حرم میں شکار کا کفارہ۔ (۹۵ : ۵)

محروم

۱۔ دولت مندوں کے مال میں سائل و محروم کا حق ہے۔ (۱۹ : ۵۱)۔ (۲۵ : ۷۰)

۱۵۔ مشرق ومغرب

مشرق یا شرق۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا دکھائی دے۔ اور غرب یا مغرب، جہاں وہ غروب ہوتا نظر آئے۔

۱۔ مشرق ومغرب سب اللہ کے لئے ہیں۔ تم جس طرف بھی اپنا رخ کروگے ادھر خدا موجود ہوگا۔ (۲ : ۱۱۵)

۲۔ تعین قبلہ کے سلسلہ میں کہا کہ مشرق ومغرب اللہ کے لئے ہیں۔ (۲ : ۱۴۲)

۳۔ اصل نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنا منہ مشرق کی طرف کرلیا یا مغرب کی طرف۔ اصل نیکی یہ ہے کہ .... (۲ : ۱۷۷)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے بادشاہ سے کہا کہ میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تم اسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ (۲:۲۵۸)

۵۔ خدا کا نور۔ یعنی قرآن کی روشنی۔ مشرق ومغرب کی حدود کی پابند نہیں۔ یہ عالمگیر ہے۔ (۲۴ : ۳۵)

۶۔ خدا، مشرق ومغرب وما بینہما کا رب ہے۔ (۲۶ : ۲۸)۔ (۷۳ : ۹)

۷۔ رب المشرقین ورب المغربین۔ (۵۵ : ۱۷)۔ سال میں سورج کے طلوع وغروب کے دونوں منتہائی کنارے۔ مطلب اس سے پورا افق ہے۔

۸۔ مشارق ومغارب کا رب۔ (۷۰ : ۴۰)۔ رب المشارق۔ (۳۷ : ۵)

۹۔ بُعدَ المشرقین۔ (۴۳ : ۳۸)۔ (۱۰)۔ بنی اسرائیل کو ارضِ بابرکت کے مشارق ومغارب کا مالک بنا دیا۔ (۷ : ۱۳۷)

۱۱۔ حضرت مریمؑ مشرقی علاقہ کی طرف منتقل ہوگئیں۔ (۱۹ : ۱۶)

۱۲۔ مُشرِق۔ طلوع الشمس کا وقت۔ علی الصبح۔ (۱۵ : ۷۳)۔ (۲۶ : ۶۰)

۱۳۔ ذوالقرنین جب مغرب کی سمت آیا تو اسے یوں دکھائی دیا جیسے سورج سیاہ سمندر میں چھپ رہا ہو۔ (۱۸ : ۸۶)

۱۴۔ قبل طلوع الشمس اور قبل غروب خدا کی حمد وتسبیح۔ (۲۰ : ۱۳۰)۔ (۵۰ : ۳۹)

۱۶۔ مصیبت ۔ مصائب

مصیبت ۔ مادہ (ص۔ و۔ ب) کے اعتبار سے مصیبت، ہر واقعہ یا حادثہ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن استعمال کے اعتبار سے مصیبت اس واقعہ یا حادثہ کو کہیں گے جو نقصان رساں ہو۔

کائنات میں ہر واقعہ (EVENT) خدا کے مقرر کردہ قانون علت و معلول (LAW OF CAUSE AND EFFECT) کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔ انسانی دنیا میں، جب انسان خدا کے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا نتیجہ خوشگوار اور منفعت بخش ہوتا ہے لیکن جب اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ مضرت رساں ہوتا ہے۔ اسے عام اصطلاح میں مصیبت کہا جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ ہر واقعہ خدا کے قانون (اذن) کے مطابق وقوع میں آتا ہے لیکن اس کا مصیبت (مضرت رساں) ہو جانا انسانوں کے اپنے (غلط) اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بڑا اہم اور ذرا پیچیدہ سا مسئلہ ہے۔ جس کی تفصیل میری تصنیف ۔ کتاب التقدیر۔ میں ملے گی۔

دوسرے انسانوں کی طرح، مومنین کو بھی حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کی بعض غلط تدابیر کی وجہ سے انہیں نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے حالات میں ثبات و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ہمت نہیں ہارتے۔ ناکامی کے بعد پھر مصروف جدوجہد ہو جاتے ہیں اور مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں، تاآنکہ ان کی ناکامی، کامیابی میں نہ بدل جائے۔

دنیا میں حق و باطل میں ہر آن تصادم اور تزاحم ہوتا رہتا ہے۔ ان تصادمات میں حق کی حمایت کرنے والوں کو بھی مصائب کا سامنا اور مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں مومنین کے قدم میں لغزش نہیں آتی۔ وہ ان مصائب کا مقابلہ جواں ہمتی سے کرتے ہیں، خواہ اس میں انہیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ قرآن کی رو سے جنت کا راستہ انہی مشکلات سے پٹا پڑا ہے۔ ان تصادمات کے بغیر جنت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ انسانی ذات میں استحکام باطل کے ساتھ تصادمات سے پیدا ہوتا ہے۔ انہی تصادمات سے ایک فرد کو اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کی ذات کس حد تک مستحکم ہو چکی ہے۔ یوں ایک ہی واقعہ (تصادم) مومن اور کافر کے حق میں مختلف (بلکہ متضاد) اثرات کا موجب بن جاتا ہے۔

مومنین اور مصائب

۱۔ مومنین مصائب سے گھبراتے نہیں۔ مستقل مزاجی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۵۶)۔ (۲ : ۱۷۷)۔ (۱۱ : ۱۱)۔
یہ من عزم الامور ہے۔ (۳۱ : ۱۷)۔ مومن کو پریشان ہونا ہی نہیں چاہیے۔ (۳ : ۱۵۲)۔ (۱۰۵ : ۲۲)

۲۔ مصائب کا سامنا کرتے ہوئے خدا اور رسول کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ (۳ : ۱۷۱)

۳۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کا ایمانِ محکم۔ (۷ : ۱۲۳-۱۲۶)

۴۔ مصائب کے وقت اور زیادہ اطاعت گزاری۔ (۱۵ : ۹۷-۹۸)

۵۔ مصائب کے وقت مومن اور منافق کی تمیز ہو جاتی ہے۔ (۳ : ۱۱۹)۔ (۴ : ۷۲-۷۳)۔ (۹ : ۵۰)۔ (۲۹ : ۱۰-۱۱)

جنت مصائب کا سامنا کئے بغیر نہیں مل سکتی

۱۔ ہر دور کے انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بغیر جنت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔
(۲ : ۲۱۴)۔ ثواب الدنیا اور ثواب الآخرۃ اسی سے ملتا ہے۔ (۳ : ۱۴۵-۱۴۸)۔ (۳ : ۱۹۴)

مصائب اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہیں

۱۔ مصیبت انسان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ (۳ : ۱۶۴)۔ (۴ : ۶۲)۔ (۵ : ۴۹)۔ (۷ : ۱۰۰)
(۱۴ : ۳۴)۔ (۲۸ : ۴۷)۔ (۳۰ : ۳۶)۔ (۳۰ : ۴۱)۔ (۳۹ : ۵۱)۔ (۴۲ : ۳۰)
(۴۲ : ۴۸)

مصائب قانونِ خداوندی کے مطابق واقع ہوتی ہیں

۱۔ ہر واقعہ خدا کے قانون کے مطابق رونما ہوتا ہے۔ حسنات خدا کی طرف سے ہوتی ہیں، یعنی قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرنے سے
اور مصائب، ان کی خلاف ورزی سے آتی ہیں۔ اس لئے وہ انسان کی اپنی روش کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ (۴ : ۷۸-۷۹)۔ (۱۱ : ۶۴)

۲۔ وہی مصیبت آ سکتی ہے جو خدا نے لکھ دی ہے۔ یعنی ہر واقعہ اس کے قانون کے مطابق رونما ہوتا ہے جو پہلے سے متعین ہے۔
(۳ : ۱۴۵)۔ (۹ : ۵۱)

۳۔ خدا کے سوا کوئی مصائب کا دور کرنے والا نہیں۔ (۱۰ : ۱۰۷) - (۲۷ : ۶۲) - (۳۳ : ۱۷)

۴۔ ہر واقعہ کتاب میں ہوتا ہے۔ (قوانینِ خداوندی کے ضابطہ کے مطابق)۔ (۵۷ : ۲۲)

۵۔ قومِ فرعون کو جب خوشگواریاں حاصل ہوتی تھیں تو کہتے تھے کہ یہ ہماری اپنی کاریگری کا نتیجہ ہے اور جب مصیبت پڑتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ نحوست موسیٰؑ کی وجہ آئی ہے۔ (۷ : ۱۳۱)

مصائب سے ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان عبرت پکڑ لے

۱۔ مصائب کے وقت انسان کا دل پسیج جاتا ہے لیکن بعد میں وہ پھر سخت ہو جاتا ہے۔ (۶ : ۴۲-۴۳)

مصائب کے وقت رجوع اللہ۔ بعد میں اعراض

۱۔ مصائب کے وقت انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بعد میں شرک کرنے لگ جاتا ہے (۶ : ۶۳-۶۴) - (۱۰ : ۱۲) (۱۰ : ۲۱-۲۲) - (۱۱ : ۹-۱۰) - (۱۶ : ۵۳-۵۴) - (۳۱ : ۳۲) - (۳۹ : ۸) - (۴۱ : ۴۹-۵۰)

۲۔ منافق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مساعد حالات میں خدا کی اطاعت کرتا ہے اور جب حالات نامساعد ہو جائیں تو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ (۲۲ : ۱۱)

متفرق

موت کے سانحہ کو "مصیبۃ الموت" کہا گیا ہے۔ (۵ : ۱۰۶)

۱۷۔ معاشی نظام

انسانی زندگی (بلکہ ہر ذی حیات کی زندگی) کا دار و مدار سامانِ زیست پہ ہے۔ سامانِ زیست میں، روشنی، حرارت ہوا۔ پانی اور غذا شامل ہے۔ اول الذکر چار چیزیں فطرت کی طرف سے تیار ملتی ہیں۔ ان کے صرف استعمال کا سوال رہ جاتا ہے۔ غذا کو البتہ زمین سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ، انسانی زندگی کے لئے مصنوعات کی بھی ضرورت پڑتی ہے

انسانی تمدن نے جو نظام وضع کیا ہے، اس کی رُو سے، ان چیزوں کو تیار کرنے اور صرف میں لانے کے لئے روپے (دولت) کا سوال سامنے آتا ہے اور یہی سوال ہے جو درحقیقت (دورِ حاضر میں) معاشی مسئلہ کہلاتا ہے اور جس نے اس قدر اہمیت حاصل کر رکھی ہے کہ ہمارے زمانے کو کہا ہی عصرِ معیشت (AGE OF ECONOMICS) جاتا ہے سکہ کی ایجاد سے پہلے، مختلف ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لئے تبدیلیٔ اجناس (BARTER SYSTEM) رائج تھا۔ اس میں ایک شے کا تبادلہ دوسری شئے سے ہو جاتا تھا۔ چونکہ اشیاء کے تبادلہ میں بعض (بلکہ اکثر) اوقات بڑی دقتیں پیش آتی تھیں، اس کے حل کے لئے سکہ ایجاد کیا گیا۔ سکہ ایجاد تو اس مشکل کے حل کے لئے کیا گیا تھا۔ لیکن خود سکہ ایک ایسی مشکل بن گیا جس کے حل میں انسان پریشان اور حیران چلا آ رہا ہے جتنا یہ اس چھلاوے کو اپنے کندھے سے اتارنے کی کوشش کرتا ہے یہ اس پر اپنی گرفت اتنی ہی زیادہ مضبوط کرتا چلا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے معاش کے لئے ایسا نظام وضع کیا جس میں یہ مسئلہ کسی قسم کی مشکل پیدا نہیں کرتا۔ اس نے علاماتِ مرض کا علاج کرنے کے بجائے، علتِ مرض کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ اس نے ذرائع پیداوار (زمین یا صنعت) اور مال و دولت پر افراد کی ذاتی ملکیت کو ختم کر دیا، اور ہر ایک کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کام دینا اور اس کی ضروریات کا پورا کرنا، نظام کی ذمہ داری قرار دے دیا۔ بنیادی طور پر، اس ذمہ داری کو خدا نے اپنے اوپر لیا تھا لیکن چونکہ انسانی دنیا میں خدا کی ذمہ داریاں انسانی ہاتھوں سے پوری ہوتی ہیں اس لئے اس نظام نے جو خدا کے قوانین کے مطابق متشکل ہوتا ہے، اس ذمہ داری کے پورا کرنے کا بیڑہ اٹھا لیا۔

واضح رہے کہ یہ نظام جس کی رُو سے، ذرائع پیداوار اور مال و دولت، افراد کی ذاتی ملکیت کے بجائے اسلامی نظام مملکت (یعنی پوری امت) کی تحویل میں چلا جاتا ہے، بتدریج اپنی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ اس لئے قرآن نے، اس عبوری دور کے لئے بھی احکام دیئے ہیں جس سے گزرنے کے بعد، یہ نظام اپنے منتہیٰ تک پہنچے گا۔ انفاق۔ صدقات۔ محتاجوں کی انفرادی امداد۔ قرضہ۔ وراثت وغیرہ کے احکام اس دور سے متعلق ہیں۔ جب یہ نظام اپنی آخری منزل میں پہنچ جاتا ہے تو عبوری دور سے متعلق احکام، نافذ العمل نہیں رہتے (جس طرح پانی مل جانے کے بعد تیمم سے متعلق حکم نافذ العمل نہیں رہتا)

۲۔ معاشی نظام کے سلسلہ میں، حسب ذیل عنوانات کے تابع الگ الگ لکھا جا چکا ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں، ان موضوعات کی طرف صرف اشارہ کیا جائے گا اور دیگر عنوانات کے تفصیلی حوالے دئے جائیں گے۔

اس سلسلہ میں ربّ (ربوبیت)۔ حمد (حمدیت)۔ رزق۔ انفاق۔ دولت۔ ربوا۔ زکوٰۃ۔ زمین۔ ملکیت۔ صدقات وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے۔

رزق کی اہمیت

۱۔ امن اور رزقِ فراواں خدا کی نعمتوں میں سے ہیں۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)
۲۔ جنتِ آدم کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بنیادی ضروریاتِ زندگی (کھانا۔ پینا۔ لباس۔ مکان) سب بآسانی میسر تھے۔ ہر ایک کے لئے ہر جگہ۔ (۳۵ : ۲)۔(۱۹ : ۷)۔(۱۱۸ : ۲۰)
۳۔ تعمیرِ کعبہ کے بعد دعائے ابراہیمی کہ وہاں بسنے والوں کو رزقِ فراواں مل جائے۔ (۱۲۶ : ۲)۔ (۳۷ : ۱۴)۔ اہلِ مکہ کو اس نعمت خداوندی کی یاددہانی (۵۷ : ۲۸)۔ (۴ : ۱۰۶)
۴۔ قوانینِ خداوندی کے اتباع سے، زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۶۶ : ۵)۔ (۹۶ : ۷)
۵۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے کا نتیجہ۔ معیشت کی تنگی اور آخرت کی زندگی میں اندھاپن۔ (۷۲ : ۱۷)۔(۱۲۴ : ۲۰)
۶۔ رزق، خدا کے طبیعی قوانین کے مطابق، محنت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں کافر و مومن کی بھی کوئی تمیز نہیں۔ (۲۱-۱۹ : ۱۷)۔(۲۰ : ۴۲)
۷۔ لیکن رزقِ فراواں کے ساتھ، اگر مستقل اقدارِ خداوندی کو ملحوظ نہ رکھا جائے، تو تباہی آجاتی ہے۔ (۴۴ : ۶)۔ (۱۶ : ۱۷)۔ (۵۸ : ۲۸)

رزق کی ذمہ داری

۱۔ خدا مستحقِ حمد اس لئے ہے کہ اس نے ربوبیتِ عالمینی کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ (۲-۱ : ۱)۔ ایسا انتظام کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ (۳ : ۳۵)
۲۔ ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے۔ (۶ : ۱۱)
۳۔ انسانوں کے رزق کی بھی۔ (۱۵۲ : ۶)۔ (۳۱ : ۱۷)۔ (۶۰ : ۲۹)
۴۔ لیکن خدا انسانوں کو براہِ راست رزق نہیں دیتا۔ (۴۷ : ۳۶)
۵۔ یہ فریضہ، اسلامی مملکت ادا کرے گی۔ اس کا فریضہ "ایتائے زکوٰۃ" ہے۔ (۴۱ : ۲۲)۔ یعنی سامانِ نشوونما کا بہم پہنچانا۔
۶۔ اس نظام کی رو سے، ارض و سما دونوں کا اِلٰہ "خدائے واحد" قرار پاجاتا ہے۔ یعنی انسان کی معاشی زندگی اور اقدارِ سماوی دونوں کا سرچشمہ خدا کی ذات۔ (۵۲ : ۱۶)۔ (۲۱ : ۲۱)۔ (۸۴ : ۲۳)۔ (۸۴ : ۴۳)

۷۔ یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے جو اپنا مال اور جان، خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ (۹ : ۱۱۱) - یہ بیع وشریٰ کا معاملہ، مملکتِ خداوندی کے سربراہ کی وساطت سے طے پاتا ہے۔ (۴۸ : ۱۰) - یوں انسان کا مال، خدا کا مال ہو جاتا ہے۔ (۲۴ : ۳۳) - اس مال میں، سائل اور محروم کا حق مسلّم ہو جاتا ہے۔ (۵۱ : ۱۹) - (۷۰ : ۲۴-۲۵)- اس سے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ (۲ : ۲۰۱)

عبوری دور سے متعلق احکام — انفاق

۱۔ مفلسوں اور محتاجوں کی امداد کرنے کی انفرادی اپیل۔ (۲۹ : ۳۴) - (۴۴ : ۴۳) - (۷۴ : ۸-۹) ——— (۲۰۱-۷۰ : ۸۹) - (۱۱-۱۶ : ۹۰) - (۱۰ : ۹۳) - (۱-۷ : ۱۰۷)

۲۔ انفاق فی سبیل اللہ

مومن وہ ہیں جو انفاق کرتے ہیں۔ (۲ : ۳) - صالح ہونے کے لئے انفاق ضروری ہے۔ (۶۳ : ۱۰-۱۱) - انفاق بڑھتا ہے۔ (۲ : ۲۶۱ - ۲۶۵) — سب سے زیادہ عزیز چیزوں کا انفاق۔ (۳ : ۹۱) - انفاق والدین اور اقربین کے لئے۔ (۲ : ۲۱۵) - (۳۰ : ۳۸) - اس طرح دیا ہوا مال، بالآخر (جب یہ نظام قائم ہو جائے گا تو) تمہارے پاس واپس آجائے گا۔ اس لئے اسے قرضِ حسنہ کہا گیا ہے۔ (۸ : ۶۰) - (۵۷ : ۱۸) - (۷۳ : ۲۰) - انفاق ریاء الناس کے لئے نہ کرو۔ (۴ : ۳۸) - انفاق نہ کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ (۲ : ۱۹۵) - تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے گی۔ (۴۷ : ۳۸) - انفاق سے تمہاری ذات کی نشوونما ہو جائے گی۔ (۹۲ : ۱۸)

۳۔ نظام متشکل ہو جانے کے بعد

اپنی ضروریات سے زائد سب کا سب نظامِ خداوندی کے حوالے کر دو۔ (۲ : ۲۱۹) - (۱۶ : ۵۳) - (۱۶ : ۷۱) - (۳۳ : ۲۴) - (۵۷ : ۱۰)

مال و دولت کے متعلق احکام — عبوری دور میں

۱۔ وصیت کا حکم۔ (۲ : ۱۸۰) - (۵ : ۱۰۶) - (۲) - وراثت کے احکام۔ (۴ : ۷) - (۴ : ۱۱)

۲۔ قرض کا لین دین لکھ لیا کرو۔ (۲ : ۲۸۲) - (۴) - یتیموں کے مال کی حفاظت۔ (۴ : ۶) - (۶ : ۱۵۳) (۱۷ : ۳۴) - سفہا کے مال کی حفاظت۔ (۴ : ۵)

۵۔ ناجائز طریق سے مال نہ کماؤ۔ (۲ : ۱۸۸) ۔ (۴ : ۲۹) ۔ (۶) مذہبی پیشوا ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھاجاتے ہیں۔ (۹ : ۳۴) ۔ (۷) مرد کی کمائی مرد کے لئے عورت کی عورت کے لئے۔ (۴ : ۳۲)

۴۔ ماپ اور تول کے پیمانے درست رکھو۔ اس میں پورا نظامِ معیشت آجاتا ہے۔ (۶ : ۱۵۲) ۔ (۷ : ۸۵) ۔ (۱۱ : ۸۴) ۔ (۱۷ : ۳۵) ۔ (۸۳ : ۱-۲)

دولت جمع کرنا

۱۔ دولت کا جمع کرنا جہنم کی آگ میں جلنا ہے۔ (۹ : ۳۴-۳۵)

۲۔ دولت جمع کرنے والوں کی مذمت۔ (۹ : ۳۵) ۔ (۷۰ : ۱۸) ۔ (۲ : ۱۱۴) ۔ (۱۰۴ : ۷)
قارون کا جرم۔ (۲۸ : ۷۶-۷۸) ۔ (۲۹ : ۳۹) ۔ قارونی ذہنیت۔ (۴۱ : ۵۰)

۳۔ دولت اوپر کے طبقہ میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔ (۵۹ : ۷)

۴۔ مال، وجہِ تقربِ خداوندی نہیں ہوسکتا۔ (۳۴ : ۳۷)

۵۔ مال دار کے مال میں سائل و محروم کا حق۔ (۵۱ : ۱۹) ۔ (۷۰ : ۲۴-۲۶)

۶۔ مال و دولت کو اجتماعی ملکیت میں ہونا چاہیئے۔ (۴ : ۵)

۷۔ بخل سے تباہی۔ (۴ : ۳۷) ۔ (۴۷ : ۳۸) ۔ (۵۷ : ۲۴) ۔ (۹۲ : ۸-۱۰)

زرعی اصلاحات

۱۔ زمین کی پیداوار میں محتاجوں کا حق۔ (۲ : ۲۶۷) ۔ اسے "خدا کا حق" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۶ : ۱۴۲)

۲۔ اگر تم نے "خدا کا حق" نہ دیا تو تمہاری کھیتیاں تباہی کا موجب بن جائیں گی۔ (۱۸ : ۳۲-۴۴) ۔ (۶۸ : ۱۷-۳۳)
تمہارے بال بچے محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔ (۲ : ۲۶۶)

ربوٰا

۱۔ ربوٰا کے معنی ہیں سرمایہ کا معاوضہ لینا خواہ اس کی شکل کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی رو سے معاوضہ محنت کا ہے ۔۔۔ (۵۳ : ۳۹) ۔ سرمایہ کا نہیں ۔۔۔ ربوٰا حرام ہے۔ (۲ : ۲۷۵-۲۷۹) ۔ (۳ : ۱۲۹)

کمرشل انٹرسٹ بھی - (۳۹ : ۳۰) — (۲) - قرض کی سہولتیں - (۲۸۰ : ۲)

قرآن کا معاشی نظام

۱- زمین، تمام افراد کو رزق بہم پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہتی - (۲۰ : ۱۵)-(۵۴ : ۴۰)
(۳۳ : ۶۹) - (۳۲ : ۸۰) — خدا کی زمین، خدا کی مخلوق کے لئے۔ (۳ : ۷۳) - (۶۴ : ۱۱)-(۲۶:۱۵۵)
(۱۰ : ۴۱) - (۱۰ : ۵۵) - (۱۳ : ۹۱)

۲- فصل اگانے میں انسان صرف محنت کرتا ہے۔ باقی سب کچھ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ (۶۳-۷۳ : ۵۶) ———
(۳۰ : ۲۱ ؛ ۲۷) - (۳۲-۲۴ : ۸۰)
عطائے رب پہ ذاتی ملکیتوں کے بند نہیں باندھے جا سکتے - (۲۱-۱۸ : ۱۷) - (۷ : ۱۰۷)
ان کا ذاتی مالک بن جانا، خدا کے ہمسر بن جانے کے مرادف ہے - (۲۲ : ۲) - (۶۱-۶۰ : ۲۷)

۳- زمین میں جو کچھ ہے خدا کا ہے - (۵۲ : ۱۶) - (۸۴ : ۴۳)

۴- جب رزق کے ذرائع قوانینِ خداوندی کے تابع آجائیں تو پھر "آسمانوں کا خدا" عملاً "زمین کا بھی خدا" بن جاتا ہے۔
(۴-۳ : ۹) - (۵۲ : ۱۶)-(۲۱ : ۲۱) - (۶۰ : ۲۹) - (۸۴ : ۴۳)

۵- ہر شخص (جو محنت کرنے کے قابل ہے) پوری پوری محنت کرتا ہے اور اس میں سے صرف بقدر اپنی ضروریات کے لے کر باقی سب نظامِ اسلامی کی تحویل میں دے دیتا ہے - (۲۱۹ : ۲) - اس طرح فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی۔

۶- مختلف انسانوں میں صلاحیتوں کا فرق، تقسیمِ کار کے لئے ہوتا ہے۔ (۳۲ : ۴۳) — اس سے ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے ماحصل کا ذاتی مالک نہیں بن جاتا - (۵۳ : ۱۶) - (۷۱ : ۱۶) — یہ سرمایہ داری کا پیدا کردہ باطل تصوّر ہے جس کی رو سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی ہنرمندیوں کے ماحصل کا آپ مالک ہے۔ اس ذہنیت کو قارونیت کہتے ہیں - (۷۸ : ۲۸) - (۴۹ : ۳۹)

۷- یہ تصور خلافِ قرآن ہے کہ اس مال میں سے کچھ خدا کے لئے دے دیا جائے تو اس سے جنت مل جاتی ہے۔ (۵۰ : ۴۱)
اپنی ضروریات سے زائد سب کا سب دے دیا جائے گا۔ (۲۱۹ : ۲) - بلکہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی جائے گی - (۹ : ۵۹)

۸- اس میں ماپ تول کے پیمانے صحیح صحیح ہوتے ہیں۔ (۶ : ۱۵۳) - (۷ : ۸۵) - (۸۵-۸۴ : ۱۱)-(۱۷:۳۵)

اس میں نہ کسی پر ظلم ہوتا ہے نہ استحصال۔ (۱۵ : ۲۰)۔ (۱۱۲ : ۲۰)۔ اس میں صلوٰۃ کا دائرہ معاشیات کو بھی محیط ہو جاتا ہے۔ یعنی معاشیات، قوانینِ خداوندی کے تابع آجاتی ہے۔ (۸۷ : ۱۱)

۹۔ مفاد پرست گروہ (مترفین) اس نظام کی سخت مخالفت کریں گے۔ (۵۳ : ۲۳)۔ (۳۴ : ۳۴)۔ مذہبی پیشوا ان مفاد پرستوں کے ہم نوا ہوں گے۔ (۳۵-۳۴ : ۹)۔ لیکن جب عالمگیر انسانیت اس کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی تو یہ مخالفتیں ناکام رہ جائیں گی۔ (۶-۵ : ۸۳)۔ مفاد پرستوں کے گروہ راستے سے ہٹا دئے جائیں گے۔ (۴-۱ : ۸۳)۔ جو لوگ اس نظام کی مخالفت میں روپیہ صرف کرتے تھے، انہیں افسوس ہوگا کہ انہوں نے اپنی دولت یوں ضائع کر دی۔ (۳۶ : ۸)۔ اس وقت ہر ظالم کی جڑ کٹ جائے گی اور خدا کی ربوبیت عام ہو جائے گی۔ (۴۵ : ۶)۔ یہی اسلامی نظام کا منتہیٰ ہے۔ (۱۰ : ۱۰)

۱۰۔ لیکن یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوگا جو اُخروی زندگی پر ایمان رکھیں۔ اور جب کسی دنیاوی فائدے اور مستقل اقدارِ خداوندی میں ٹکراؤ ہو، تو وہ مستقل قدر کو، مفادِ عاجلہ پر ترجیح دیں اور اس طرح زندگی کی ارتقائی راہوں میں آگے بڑھتے چلے جائیں۔ (۲۳-۲۰ : ۵۷)۔ اس کی حفاظت کے لئے ضابطۂ قوانین کے ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہوگی۔ (۲۵ : ۵۷)۔ کیونکہ مفاد پرست گروہ (نظامِ سرمایہ داری کے علمبردار) اس کی انتہائی مخالفت کریں گے۔

۱۸۔ معجزات

معجزہ، یا معجزات کے الفاظ تو قرآن کریم میں نہیں آئے البتہ اس کے مادہ (ع-ج-ز) سے جو دیگر الفاظ بنے ہیں وہ قرآن میں آتے ہیں۔ ____________ ۔ مادہ کے اعتبار سے معجزہ کے معنی ہوں گے وہ بات جو دوسرے کو عاجز کر دے۔ اور مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ہیں وہ خارقِ عادت (یا فوق الفطرت) باتیں جو انبیاءِ کرام سے صادر ہوتی تھیں اور جن کے کرنے سے (یا سمجھنے سے) دوسرے لوگ عاجز ہوتے تھے۔ یعنی دوسرے لوگ نہ اس قسم کے امور عمل میں لا سکتے تھے اور نہ ہی سمجھ سکتے تھے کہ وہ کیسے ظہور میں آ گئے۔ ہمارے ہاں عام عقیدہ یہ ہے کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض کے نزدیک یہ ضروری نہیں۔

۲۔ خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی ایسے قوانین جاری کر دیئے جن کے مطابق سلسلۂ کائنات لگے بندھے نظام کی شکل میں چلا جا رہا ہے۔ ان قوانین کو عام اصطلاح میں قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے۔ معجزہ سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے بعض ایسے امور سرزد ہوتے تھے جو ان قوانینِ فطرت کے خلاف تھے۔ یہ بحث بہت قدیم ہے کہ کیا قوانینِ فطرت میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ بالفاظِ دیگر کیا معجزات کا امکان ہے؟ جو حضرات معجزات کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ وہ جو جی میں آئے کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے انبیاء کرام کو معجزات دیئے تھے۔ جو اس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا بے شک قادرِ مطلق ہے اس لئے وہ جو جی میں آئے کر سکتا ہے۔ لیکن جب اس نے خود کہہ دیا ہے کہ ہم "سنت اللہ" میں تبدیلی نہیں کرتے (دیکھئے عنوان سنت اللہ) تو وہ قوانینِ فطرت میں تبدیلی کر دینے پر قادر ہونے کے باوجود ایسا کرتا نہیں۔

۳۔ قرآن کریم میں بعض انبیاء کرام کے تذکرہ کے سلسلہ میں ایسے واقعات کا ذکر آتا ہے جو خلافِ قوانینِ فطرت نظر آتے ہیں۔ معجزات کے قائل انہیں اپنے دعوے کی دلیل میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ جو لوگ اس کے قائل نہیں وہ ان آیاتِ قرآنی کے الفاظ کے مجازی معنی لے کر ان کی ایسی توجیہہ کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعات خلافِ فطرت نہیں تھے۔ چونکہ موضوع کے اعتبار سے تبویب القرآن ایسی تالیف ہے جس میں اس قسم کے مسائل سے متعلق بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں، اس لئے ذیل میں ان آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ جنہیں عام طور پر معجزات سمجھا جاتا ہے۔ میں نے لغات القرآن میں ان الفاظ کے لغوی معانی بھی دیئے ہیں اور مجازی بھی، البتہ مفہوم القرآن میں ان کا مفہوم، مجازی معانی کی رُو سے مرتب کیا ہے۔ اربابِ ذوق و تجسس ان مباحث کو وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

۴۔ جہاں تک حضورؐ نبی اکرم کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہے، قرآن کریم نے بار بار اس کی وضاحت کر دی ہے کہ حضورؐ کا معجزہ خود قرآن کریم ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو کوئی حسّی معجزہ نہیں دیا گیا۔ (اگرچہ اس کے باوجود، معجزات کے قائل حضرات خود حضورؐ کی طرف بھی بہت سے معجزات منسوب کرتے ہیں)

۵۔ قرآن کریم، اربابِ علم و تحقیق کی توجہ بار بار اس امر کی طرف منتقل کرتا ہے کہ کائنات کی تخلیق، اور جس نظم و نسق کے ماتحت یہ سلسلہ سرگرمِ عمل ہے، وہ خود ایک عظیم معجزہ ہے۔ چونکہ ان امور کو وہ "آیات اللہ" کہہ کر پکارتا ہے۔ اس لئے ہم نے انہیں "آیت" کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ بعض مقامات پر اس کے لئے "بینات" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اور جہاں تک قرآن کے معجزہ ہونے کا تعلق ہے، اُسے قرآن کے عنوان میں دیکھئے۔ نیز مختلف انبیاء کرام کی طرف منسوب کردہ معجزات کا ذکر خود ان انبیاء کے عنوان میں بھی آگیا ہے۔ (زیادہ تفصیل میری تصنیفات، جوئے نور، برق طور، شعلۂ مستور اور معراج انسانیت میں ملے گی)۔

۶۔ اسے دہرا دیا جائے کہ آئندہ سطور میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ ایسی باتیں ہیں جنہیں ہمارے ہاں بطور معجزات پیش کیا جاتا ہے اور ان کے حوالوں میں جو آیات درج کی گئی ہیں، وہ، وہ آیات ہیں جنہیں ان معجزات کی سند میں بطور حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ راقم السطور انہیں اپنی طرف سے بطور معجزہ درج نہیں کر رہا۔

حضرت موسٰیؑ کی طرف منسوب معجزات

۱۔ بنی اسرائیل کے لئے سمندر کا پھٹ جانا۔ (۴۹ : ۲) — (۷۷ : ۲۰) — (۶۳ : ۲۶) — (۲۴ : ۴۴)

۲۔ چٹانوں سے بارہ چشموں کا پھوٹ بہنا۔ (۶۰ : ۲) — (۱۶۰ : ۷)

۳۔ بنی اسرائیل کو کتنی ہی آیاتِ بینات دی گئی تھیں۔ (۲۱۱ : ۲)

۴۔ دربارِ فرعون میں معجزات۔ عصائے کلیمی اور یدِ بیضا۔ (۱۲۰-۱۰۷ : ۷) — (۶۹-۶۶ : ۲۰) — (۴۵-۴۳ : ۲۶)

۵۔ حضرت موسٰیؑ کے نو معجزات۔ (۱۳۳ - ۱۳۰ : ۷) — (۱۰۱ : ۱۷)

۶۔ کوہِ طور پہ عصا اور یدِ بیضا کا ذکر۔ (۲۲-۱۷ : ۲۰) — (۱۲-۱۰ : ۲۷) — (۳۲ - ۳۰ : ۲۸)

حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ سے متعلق معجزات

۱۔ حضرت مریمؑ کے ہاں مختلف قسم کی کھانے کی چیزوں کا موجود ہونا۔ (۳۷ : ۳)

۲۔ حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش کی بشارت۔ آپ کا مہد اور کہل میں لوگوں سے باتیں کرنا۔ (۴۶-۴۴ : ۳) — (۱۱۰ : ۵) — (۲۱-۲۰ : ۱۹) — باتیں کرنا۔ (۳۱ - ۲۹ : ۱۹)

۳۔ حضرت عیسٰیؑ کے معجزات۔ مردوں کا زندہ کرنا۔ کوڑھیوں کا اچھا کرنا۔ پرندوں کا اڑانا وغیرہ —— (۴۹ - ۴۸ : ۳) — (۱۱۰ : ۵)

کفار کے حضورؐ سے معجزات کے تقاضے اور ان کا جواب

۱۔ حقیقت سے ناآشنا لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا۔ یا کوئی آیت (معجزہ) کیوں نہیں بھیجتا۔ اس قسم کی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ (۱۱۸ : ۲)

۲۔ کیا یہ لوگ اس کا انتظار کرتے ہیں کہ خدا اور اسکے فرشتے بادلوں میں بیٹھ کر ان کے پاس آجائیں۔ (۲۱۰ : ۲)- (۱۵۹ : ۶)- (۳۳ : ۱۶)- (۲۱ : ۲۵)

۳۔ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ایسی قربانی نہ دکھائی جائے جسے آگ کھا جائے۔ (۱۸۲ : ۳)

۴۔ ایک لکھی لکھائی کتاب آسمان سے لاؤ۔ (۱۵۳ : ۴)- یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (۷ : ۶)

۵۔ اس پر فرشتہ کیوں نہیں اترتا (جو ہمیں دکھائی دے)۔ (۸-۱۰ : ۶)

۶۔ یہ تمام آیات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (۲۵ : ۶)

۷۔ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی آیت (معجزہ) دکھا دیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ کہو کہ خدا کے معجزات تو (زمین و آسمان میں) بکھرے پڑے ہیں۔ (۱۱۰ : ۶)

۸۔ اگر ان پر فرشتے بھی نازل ہو جاتے یا مردے بھی بولنے لگ جاتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ (۱۱۲ : ۶)- (۷ : ۱۵)- (۱۴-۱۵ : ۱۵)- (۴۴ : ۵۲)

۹۔ بعض لوگ (۱۲۵ : ۶) میں "آیت" سے مراد معجزہ لیتے ہیں۔

۱۰۔ اعتراض کہ معجزہ کیوں نہیں دکھاتا۔ جواب کہ اس کا مشن تنذیر و ہدایت ہے۔ (۷ : ۱۳)- (۲۷ : ۱۳)- (۵۰ : ۲۹)

۱۱۔ یہ ایسا قرآن چاہتے ہیں جس سے پہاڑ چلنے لگ جائیں۔ جس سے مردے بولنے لگ جائیں۔ (۳۱ : ۱۳)

۱۲۔ سب رسولوں کے بیوی بچے ہوتے تھے۔ آیت باذن اللہ لائی جاسکتی ہے۔ (۳۸ : ۱۳)- (۱۱ : ۱۴)- (۷۸ : ۴۰)

۱۳۔ عجیب و غریب معجزات کا مطالبہ۔ جواب میں کہا گیا کہ رسول صرف ایک بشر ہے۔ (۹۰-۹۳ : ۱۷)

۱۴۔ زمین میں فرشتے بستے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (۹۵ : ۱۷)

۱۵۔ یہ معجزہ مانگتے ہیں۔ کیا قرآن معجزہ نہیں۔ (۱۳۳ : ۲۰)- (۵۰-۵۱ : ۲۹)

۱۶۔ اعتراض کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے۔ فرشتے اس کے جلو میں کیوں نہیں ہوتے۔ باغات اس کے لئے کیوں نہیں لگتے۔ جواب کہ اسے باغات اور محلات سب ملیں گے۔ (۷-۱۰ : ۲۵)

۱۷۔ اس رسول کو موسیٰ جیسی آیات کیوں نہیں دیں۔ (۴۸ : ۲۸)

معجزات کے سلسلہ میں حضورؐ سے خطاب

۱۔ اگر ان لوگوں کا اعراض آپ پر اس قدر گراں گذرتا ہے تو زمین میں سرنگ لگا لیجیے یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جائیے۔ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ یاد رکھو! مردے سنا نہیں کرتے۔ اللہ آیات بھیجنے پر قادر ہے (لیکن اس سے فائدہ کیا ہے)۔
(۶ : ۳۵-۳۷)-(۱۱ : ۱۲-۱۳)-(۲۶ : ۳-۴)

۲۔ معجزہ طلبی کے جواب میں کہا کہ میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔ اس میں بصائر ہیں۔ (۷ : ۲۰۳)

۳۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو کوئی معجزہ کیوں نہیں دیا گیا۔ کہہ دو کہ غیب خدا کے پاس ہے۔ (۱۰ : ۲۰)

۴۔ تمام آیات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ آیات تو کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ لیکن ایمان نہ لانے والوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (۱۰ : ۹۶-۱۰۱)

۵۔ معجزات اس لئے نہیں دئے جاتے کہ لوگوں نے پہلے بھی ان کی تکذیب کی تھی۔ (۱۷ : ۵۹)-(۲۱ : ۵-۶)۔ رسول اللہ کا خواب جو لوگوں کیلئے فتنہ بن گیا۔ (۱۷ : ۶۰)-(۴۸ : ۲۷)

۶۔ تو تمام معجزات دکھا دیتا یہ جب بھی ایمان نہ لاتے۔ (۳۰ : ۵۸)

حضورؐ کا معجزہ

۱۔ قرآن ہے جس میں بصائر ہیں۔ (۷ : ۲۰۳)-(۱۰ : ۳۸)-(۱۱ : ۱۲-۱۳)-(۲۰ : ۱۳۳)-کافی معجزہ (۲۹ : ۵۱)

۲۔ میں نے اپنی عمر تم میں گذاری ہے۔ کیا یہ میری صداقت کی دلیل نہیں۔ (۱۰ : ۱۶)

۳۔ قرآن بے مثل ہے۔ (۲ : ۲۳)-(۸ : ۳۱)-(۱۰ : ۳۸)-(۱۱ : ۱۳)-(۱۷ : ۸۸)-(۵۲ : ۳۴)

۴۔ کیا قرآن کافی نہیں۔ (۲۹ : ۵۰-۵۱)

حضورؐ کی طرف منسوب معجزات

۱۔ شق القمر۔ (۵۴ : ۱) — (۲) معراج۔ (۱۷ : ۱)-(۵۳ : ۱-۱۸)

۳۔ جنگِ بدر کی کنکریاں۔ (۸ : ۱۷) — (۴) جنگوں میں فرشتوں کی مدد۔ (۳ : ۱۲۲-۱۲۶)-(۸ : ۹)-(۸ : ۱۲)

حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب معجزات

۱- پرندے اور حضرت ابراہیمؑ - (۲ : ۲۶۰) - (۲) - حضرات ابراہیمؑ کو کبر سنی میں اولاد کی بشارت - (۱۱ : ۷۱-۷۲)
۳- آگ کا ٹھنڈا ہو جانا- (۲۱ : ۶۹)

پیدائشِ حضرت یحییٰؑ بطور معجزہ

۱- حضرت زکریا کی کبر سنی اور بیوی کا عقیم ہونا- (۳ : ۳۹) - (۱۹ : ۷-۹) - بیوی کا اولاد کے قابل ہو جانا- (۲۱ : ۹۰)

حضرت یونسؑ کی طرف منسوب معجزہ

۱- سمندر میں پکار- (۲۱ : ۸۷)

حضرت طالوتؑ

۱- تابوتِ سکینت کا لانا- (۲ : ۲۴۸)

کائنات میں بکھرے ہوئے معجزات

۱- جیساکہ تمہید میں لکھا گیا ہے، قرآن کریم بار بار کہتا ہے کہ کائنات کا نظم ونسق خود ایک منہ بولتا ہوا معجزہ ہے۔ یہ لوگ اس پہ غور نہیں کرتے تو اور کون سے معجزہ سے ایمان لے آئیں گے - اس اجمال کی تفصیل آیت کے عنوان میں ملے گی - یہاں چند ایک آیات مثال کے طور پہ درج کی جاتی ہیں - (ا)- تخلیقِ ارض وسما وغیرہ - (۲ : ۱۶۴)

۲- بارش - نباتات - فصلیں - باغات - (۱۶ : ۱۰-۱۳) - (۲۰ : ۵۳-۵۴)

۳- اجرامِ فلکی - (۱۰ : ۵-۶) - (۱۳ : ۲-۴)

۴- انسانی پیدائش - (۱۵ : ۲۶) - (۲۳ : ۱۲-۱۴) - (۳۲ : ۷) - (۷۶ : ۲) - مزید تفصیل کے لیے دیکھئے عنوان انسان - آدم وغیرہ - (۲) - ان آیات سے یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گذر جاتے ہیں اور معجزات کی فرمائش کرتے رہتے ہیں- (۱۲ : ۱۰۵) - (۳) - انفس وآفاق میں آیات - (۴۱ : ۵۳) - (۵۱ : ۲۰-۲۱)

متفرق

۱۔ وہ بستی جو سو سال سے اجڑی ہوئی تھی۔ اس کا دوبارہ زندہ ہوجانا۔ (۲ : ۲۵۹)

۲۔ حضرت ہودؑ کی قوم کا اعتراض کہ تم کوئی معجزہ کیوں نہیں لائے۔ (۱۱ : ۵۳)

۳۔ حضرت یوسفؑ کے کرتے سے حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ (۱۲ : ۹۶)

۴۔ حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ اور طیر تسبیح کیا کرتے تھے۔ اور لوہا نرم ہوجاتا تھا۔ (۲۱ : ۷۹-۸۰)۔ (۳۴ : ۱۰)

۵۔ حضرت سلیمانؑ کے تابع فرمان ہوائیں بھی تھیں اور شیاطین بھی۔ (۲۱ : ۸۱-۸۲)۔ (۳۴ : ۱۲) منطق الطیر (۲۷ : ۱۶-۱۷)
وادیٔ نمل۔ (۲۷ : ۱۸-۱۹)۔ ملکۂ سبا کا تخت۔ (۲۷ : ۳۸-۴۱)

۶۔ حضرت ایوبؑ کی مصیبت کے وقت پکار۔ (۲۱ : ۸۳-۸۴)

۷۔ قومِ ثمود کی معجزہ طلبی۔ (۲۶ : ۱۵۴-۱۵۵)۔ ناقۂ حضرت صالحؑ۔ (۸)۔ قومِ شعیبؑ کی معجزہ طلبی۔ (۲۶ : ۱۸۷)

۱۹۔ معرفت (عرفان)

ہمارے ہاں عام طور پر چار مسالک و مدارج مشہور ہیں۔ شریعت۔ طریقت۔ معرفت اور حقیقت۔ شریعت، مذہبی عقائد، عبادات رسوم، احکام، قوانین وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے اور اسے "اہلِ ظواہر" کا مسلک قرار دیا جاتا ہے۔ باقی تینوں مشارب و مدارج، اہلِ تصوف سے متعلق ہیں۔ طریقت، ان کے ہاں کا خاص طریقہ ہے جس پر چل کر سالک، مقاماتِ تصوف طے کرتا ہے۔ اس کا پہلا درجہ معرفت ہوتا ہے۔ جس میں خدا کو دیکھ کر پہچانا جاتا ہے۔ اور اگلا درجہ، جس میں حقیقت (یعنی ذاتِ خداوندی) اپنے آپ کو بے نقاب کو دیتی ہے۔ ان امور کے متعلق تفصیل میں جانے کا یہ مقام نہیں۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ تصوف یا صوفی کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ یہ سارا تصور ہی خارج از قرآن، اور دوسروں کے ہاں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ جہاں تک ذاتِ باری تعالیٰ کا تعلق ہے، قرآن کا مطالبہ اس پر ایمان کا ہے۔ عرفان یا معرفت کا نہیں۔ خدا کے لئے یہ الفاظ بھی قرآن میں کہیں نہیں آئے۔ رسول، کتاب اور آیاتِ خداوندی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں۔ خارجی کائنات میں پھیلی ہوئی آیات (نشانیوں) اور خود قرآن کریم پر غور و خوض سے، خالقِ کائنات اور ہدایت دینے والی ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لایا جا سکتا ہے۔ نیز، خدا کی جو صفات قرآن میں مذکور ہیں، ان سے خدا کے متعلق، صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ذات کی کنہ و حقیقت، انسانی حیطۂ ادراک

سے ماوراء ہے۔ نہ ہی قرآن نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ جو لوگ خدا کے متعلق صحیح تصور نہیں رکھتے، ان کے متعلق اتنا ہی کہا ہے کہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۶ : ۹۲)۔ انہوں نے خدا کے متعلق صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اس کی ذات کی معرفت نہیں حاصل کی جاسکتی۔ نہ ہی وہ کسی کے سامنے بے نقاب ہو کر آتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۶ : ۱۰۴)۔ کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔

اور اگر کہا جائے کہ باطنی طریق، ظاہری طریق سے الگ ہے، تو قرآن کریم میں کسی باطنی طریق کا ذکر نہیں۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (۶ : ۱۰۱) یہ لوگ خدا کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ اس سے بہت بلند اور ماوراء ہے۔

۲۔ اس مادہ (ع۔ ر۔ ف) سے جو دوسرے الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً عرف۔ معروف۔ اعراف۔ عرفات۔ انہیں الگ الگ (متعلقہ) عنوانات میں لکھا گیا ہے۔

۲۰۔ معصیت

عصیان ۔ عدوان

قوانینِ خداوندی کی اطاعت کا نام اسلام ہے، اور ان قوانین کی نافرمانی کو معصیت یا عصیان کہا جاتا ہے۔ دراصل عصیان کے معنی ہوتے ہیں۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے بجائے اِدھر اُدھر نکل جانا۔

قرآن، زندگی کے کچھ حدود مقرر کرتا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے معاملات کا فیصلہ آزادی سے کرسکتا ہے۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا نام عدوان ہے۔ یعنی حدود فراموشی۔ حدود شکنی۔ سرکشی۔

ایک چیز تو کفر ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی صداقت کو تسلیم ہی نہ کرنا۔ اسلامی سوسائٹی کا ممبر ہی نہ بننا۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اس سوسائٹی کا ممبر بننے (مسلمان ہونے کا دعوےٰ کرنے) کے بعد، قرآنی قوانین کی خلاف ورزی کرنا اور اس کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنا۔ اس کا جو نتیجہ ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس سلسلہ میں اثم اور جرم وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے۔

۲۔ ہمارے ہاں، عام طور پر لوگ (اور اس میں اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ، حتیٰ کہ علماءؔ تک بھی شامل ہیں) اپنے آپ کو (از رہِ انکسار) "عاصی پُرمعاصی" یا "مذنب" وغیرہ کہتے ہیں۔ ان الفاظ کا مفہوم جرم ہے۔ ان سے کہئے کہ اپنے آپ کو "مجرم" لکھیں۔ یہ کبھی نہیں کریں گے۔ پھر اگر ہم اپنے آپ کو مجرم کہلانے سے عار برتتے ہیں تو عاصی اور مذنب وغیرہ کیوں (بظاہر از رہِ

انکسار لیکن درحقیقت فخریہ) کہلائیں؛ مسلم اور مومن کے لئے عاصی اور مذنب وغیرہ کہلانا نہایت شرم کی بات ہونی چاہیئے۔ اسی قبیل سے یہ کہنا بھی ہے کہ "بندہ بڑا گنہگار ہے"۔ آپ گنہگار ہیں تو گناہوں سے توبہ کیجئے۔ نہ یہ کہ ساری عمر اس کا اعتراف کرتے رہیئے کہ بندہ بڑا گنہگار ہے۔

معصیت

۱۔ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی اور تباہ ہوگیا۔ (۱۲۱ : ۲۰)

۲۔ فرعون نے رسول کی معصیت کی تو عذاب میں پکڑا گیا۔ (۹۱ : ۱۰) ۔ (۱۰-۹ : ۶۹) ۔ (۱۶ : ۷۳) ۔ (۲۱ : ۷۹)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جو میرا اتباع کرے گا۔ وہ میرا ہے۔ جو میری معصیت کرے گا اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اس سے معصیت کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی اتباع نہ کرنا۔ (۳۶ : ۱۴)

۴۔ بنی اسرائیل پر ذلت و مسکنت کا عذاب طاری ہوا اس وجہ سے کہ وہ معصیت اور عدوان کے مرتکب ہوئے۔ یہاں معصیت اور عدوان دونوں اکھٹے آئے ہیں۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۹۳ : ۲) ۔ (۱۱۱ : ۳) ۔ (۴۶ : ۴) ۔ (۸ : ۵۱)

۵۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسول کی معصیت کی، وہ مکافاتِ عمل کے دن چاہیں گے کہ وہ کہیں زمین میں دھنس جاتے تو اچھا تھا۔ (۴۲ : ۴)

۶۔ قوم عاد نے قوانینِ خداوندی سے انکار کیا اور رسول کی معصیت۔ تو وہ تباہ ہوگئے۔ (۵۹ : ۱۱)

۷۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ جو لوگ تیری معصیت اختیار کرتے ہیں، تو ان سے کہہ دے کہ تمہارے اعمال کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ (۲۱۶ : ۲۶)

۸۔ قوم نوحؑ نے اپنے رسول کی معصیت کی تو غرق ہوگئے۔ (۲۱ : ۷۱)

۹۔ رسول اللہؐ کا اعلان کہ اگر میں بھی خدا کی معصیت کروں تو اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ (۱۵ : ۶) ۔ (۱۵ : ۱۰) ۔ (۱۳ : ۳۹) ۔ (جو لوگ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہؐ گنہگاروں کو بخشوا دیں گے وہ ان آیات پر غور کریں!)

۱۰۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے؟ (۹۳ : ۲۰)

۱۱۔ جنگِ احد میں تیراندازوں کے دستے نے اپنے کمانڈر کی ہدایت کی نافرمانی برتی تو فتح مبدل بہ شکست ہوگئی۔ (۱۵۱ : ۳)

۱۲۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں خدا کی معصیت اختیار کروں تو وہ کون ہے جو اس کے خلاف میری مدد کر سکے گا؟ (۶۳ : ۱۱)

۱۳۔ اللہ اور رسول کی معصیت اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے جہنم میں ۔ (۱۴ : ۴) ۔ (۳۶ : ۳۳) ۔ (۲۳ : ۷۲)

۱۴۔ ملائکہ احکام خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے ۔ (۶ : ۶۶)

۱۵۔ رسول اللہ بیعت لیتے تھے کہ معروف میں آپ کی معصیت نہیں کی جائے گی ۔ (۱۲ : ۶۰)

۱۶۔ حضرت یحییٰ جبار و عصیا نہیں تھے ۔ (۱۴ : ۱۹) ۔ (۱۷) شیطان، خدا کا نافرمانبردار ہے ۔ (۴۴ : ۱۹)

۱۸۔ خدا کفر ۔ فسق اور عصیان کو پسند نہیں کرتا ۔ (۷ : ۴۹)

۱۹۔ اثم ۔ عدوان اور معصیت رسول کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں ۔ (۹-۸ : ۵۸)

عدوان

۱۔ بنی اسرائیل نے سبت کے معاملہ میں حدود شکنی (عدوان) کی ۔ (۶۵ : ۲) ۔ (۱۵۴ : ۴) ۔ (۱۶۳ : ۷) ۔ دیگر احکام کے سلسلہ میں بھی ۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۱۱۲ : ۳) ۔ (۷۸ : ۵)

۲۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے ظالم ہیں ۔ (۲۲۹ : ۲) ۔ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں ۔ (۱ : ۶۵) ۔ جہنمی ہیں ۔ (۱۴ : ۴)

۳۔ قصاص کے احکام دینے کے بعد کہا کہ جو اس کے بعد حدود شکنی کرے گا، اسے سخت سزا دی جائے گی ۔ (۱۷۸ : ۲)

۴۔ جو لوگ تمہارے خلاف چڑھ آئیں ۔ (اعتدیٰ) تم بھی ان کے خلاف اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو ۔ اس سے مراد جنگ کرنا ہے ۔ (۱۹۴ : ۲) اس سے آگے مت بڑھو ۔ (۱۹۰ : ۲) ۔ (۱۹۲ : ۲)

۵۔ حالتِ احرام میں شکار کے احکام دینے کے بعد کہا کہ جو اس کے بعد حدود شکنی کرے گا اُسے سزا دی جائیگی ۔ (۹۴ : ۵)

۶۔ طلاق کے احکام کے سلسلہ میں کہا کہ حدود شکنی کر کے ان عورتوں کو اذیت مت پہنچاؤ ۔ (۲۳۱ : ۲)

۷۔ کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر نہ اکسا دے کہ تم حد سے آگے بڑھ جاؤ ۔ (۲ : ۵)

۸۔ حلال چیزوں کو حرام قرار مت دو ۔ یہ حدود سے تجاوز کر جانا ہے ۔ (۸۷ : ۵)

۹۔ یہ حدود اللہ ہیں ۔ ان سے تجاوز مت کرو ۔ (طلاق کے احکام کے سلسلہ میں کہا) ۔ (۲۲۹ : ۲)

۱۰۔ فرعون اور اس کے لشکروں نے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا ۔ (۹۰ : ۱۰)

۱۱۔ حالتِ اضطرار میں حرام کھانے کے سلسلہ میں کہا کہ یہ حدود شکنی کی غرض سے نہیں ہونا چاہیئے ۔ (۱۷۳ : ۲) ۔ (۱۲۰ : ۶) ۔ (۱۴۵ : ۶) ۔ (۱۱۵ : ۱۶)

۱۲۔ جنسی معاملات میں احکام دینے کے بعد کہا کہ جو ان کے علاوہ کسی اور طریق اس جذبہ کی تسکین کرے تو وہ سرکشی اختیار کرنے

والا ہوگا۔ (۶ : ۲۳) - (۳۰ : ۰) - قومِ لوط ایسی ہی تھی۔ (۱۶۶ : ۲۶)

۱۳۔ حدود شکنوں کے لئے جہنم۔ (۲۵ : ۵۰)

۱۴۔ معتد اور اثیم کے الفاظ اکھٹے آئے ہیں۔ (۸۵ : ۲) - (۶۲ : ۵) - (۹-۸ : ۵۸) - (۱۲ : ۶۸) - (۱۲ : ۸۳)

اثم و عدوان کے امور میں تعاون مت کرو۔ (۲ : ۵)

۱۵۔ جنگ میں اخلاقی آئین کی پرواہ نہ کرنے والے حدود فراموش ہیں۔ (۱۰ : ۹)

۱۶۔ خدا حدود شکنوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۹۰ : ۲) - (۸۷ : ۵) - (۵۵ : ۷) - ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔

(۷۴ : ۱۰) - (۱۷) - ایک دوسرے کا مال باطل طریق پر کھا جانا عدوان ہے۔ (۳۰-۲۹ : ۴)

۲۱۔ مغفرت

غفر۔ اس مادہ کے بنیادی معنی حفاظت کرنا ہیں۔ مغفرت کے معنی ہیں حفاظت۔ استغفار کے معنی سامانِ حفاظت طلب کرنا۔

غفور، غفار، غافر ——— کے معنی حفاظت دینے والا۔ غفران۔ حفاظت

۲۔ قانونِ خداوندی کے خلاف جو کام بھی کیا جائے اس کا نتیجہ نقصان ہوتا ہے۔ یہ نقصان خارجی دنیا میں بھی ہوتا ہے اور خود انسان کی اپنی ذات کا بھی۔ اگر ایسی زندگی بسر کی جائے جس میں قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو، تو انسان اس قسم کے نقصان سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ اقدام (PREVENTIVE) ہوگا۔ لیکن اگر کبھی اس قسم کی لغزش سرزد ہو گئی ہے تو اس سے عائد شدہ نقصان کی تلافی کا امکان بھی ہے یہ عمل (CURATIVE) کہلائے گا۔ (اس کے لئے دیکھئے عنوان توبہ)

لیکن جس طرح جوم، کسی لفظ کے دھرا لینے کا نام نہیں بلکہ خلافِ قانونِ خداوندی ارادہ اور عمل کا نام ہے۔ اس طرح مغفرت بھی کسی لفظ یا الفاظ کے دھرا لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ حاصل ہوتی ہے قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرنے سے۔ ہمارے ہاں جو عام تصور ہے کہ "استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ"۔ یا اسی قسم کے دیگر الفاظ کی تسبیح پڑھ لینے سے خدا گناہوں کو بخش دیتا ہے، یہ غیر قرآنی تصور ہے۔ غلط کام سے بچنے کے لئے بڑے پختہ ارادہ اور ضبطِ خویش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر ایسا کام سرزد ہو جائے تو اس کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رہنے کا طریق یہ ہے

کہ اس کام کے برعکس، ایسے اچھے کام کئے جائیں جن کے منفعت بخش نتائج، اس نقصان کی تلافی کر دیں۔ ملیریا سے محفوظ رہنے کے لیے بطور حفظ ماتقدم، تھوڑی سی مقدار میں کونین کافی ہوتی ہے۔ لیکن جب ہماری عدم احتیاط سے ملیریا کا حملہ ہو جائے تو پھر کونین بھی زیادہ مقدار میں کھانی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ایسی اور ادویات اور غذا بھی جس سے مریض کی کھوئی ہوئی طاقت بحال ہو جائے۔ یہ مغفرت کی مثال ہے۔ یاد رکھیئے۔ کوئی گناہ (جرم) بھی "بخشش مانگنے" سے بخشا نہیں جاتا۔ لہٰذا یہ تصور کہ خدا یونہی گناہ بخش دیتا یا معاف کر دیتا ہے، صحیح نہیں۔ صحیح تصور یہ ہے کہ قوانین خداوندی کے مطابق کام کرنے سے گناہ (جرم) سے پیدا شدہ نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ استغفار سے مراد یہ ہے کہ غلط کام سرزد ہو جانے کے بعد، انسان کے دل میں احساس ندامت پیدا ہو۔ اس احساس کے بعد یہ احساس بیدار ہو کہ مجھے اس نقصان سے بچنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔ (اس قسم کے شدید احساس یا آرزو کا نام دعا ہے۔ دیکھئے عنوان دعا) اور پھر اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں۔ اسے کہیں گے مغفرت۔ اور چونکہ یہ سب کچھ خدا کے مقرر کردہ قانون اور قاعدے کے مطابق ہوگا، اس لئے، قرآن کے انداز بیان کے مطابق، اس کی بابت یہ کہا جائے گا کہ خدا نے مغفرت عطا کر دی۔ وہ غفور رحیم ہے۔

۳۔ اگر ہم کسی دوسرے انسان کو کوئی نقصان پہنچائیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سے اس کا بدلہ نہ لے اور درگذر کر دے۔ اسے معاف کر دینا کہا جائے گا۔ (اس کے لئے بھی غفر کا لفظ آتا ہے) لیکن اس سے جو نقصان ہم نے اپنی ذات کا کیا ہے (جسے قرآن "ظَلَمْتُ نَفْسِی" کہہ کر پکارتا ہے۔ یعنی اپنے آپ پر ظلم) اُسے کوئی دوسرا شخص معاف نہیں کر سکتا۔ اس کی معافی (یعنی اس نقصان کی تلافی) ہم خود ہی کر سکتے ہیں۔ یعنی زیادہ اچھے کام کرنے سے۔ (۱۱ : ۱۱۴)۔ (۱۳ : ۲۲)۔ (۲۸ : ۵۴)۔ اسی طرح، چونکہ قوانین خداوندی کی خلاف ورزی سے ہم خدا کا کچھ نقصان نہیں کرتے۔ خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اس لئے "خدا کی طرف سے معاف کر دینے" کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی تلافی تو ہمیں آپ ہی کرنی ہوگی۔

لیکن یہ تلافی اس طرح ہو سکے گی کہ ہم قوانین خداوندی کے مطابق کام کریں اور اگر ہم یہ سمجھیں کہ یہاں خدا کے قوانین کے علاوہ اوروں کے قوانین بھی کارفرما ہیں۔ اس لئے ان کے مطابق کچھ کرنے سے، اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی جو قوانین خداوندی کی خلاف ورزی سے واقع ہوا ہے تو اس سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔ یہ مفہوم ہے، قرآن کی ان آیات کا جن میں کہا گیا ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ (دیکھئے عنوان شرک)

۴۔ انسانی نظام عدل میں جرم کی سزا دی جائے گی۔ لیکن جن معاملات میں خدا نے اپنے غفور ہونے کا اعلان کیا ہے یا

مغفرت کا وعدہ ، ان ہیں ، قانونی طور پر معافی کی گنجائش سمجھی جائے گی ۔ ہمیں اپنے قوانینِ تعزیرات اسی اصول کے مطابق مرتب کرنے ہوں گے ۔ اس ضمن میں عنوان "جرم و سزا" دیکھئے ۔

۵۔ چونکہ قرآن کریم میں مغفرت سے متعلق آیات بڑی کثرت سے آئی ہیں ، اس لئے ان تمام آیات کا درج کرنا (یا ان کا حوالہ دینا) مشکل ہے ۔ اس موضوع کے مختلف گوشوں سے متعلق آیات میں سے بعض کے حوالے کافی سمجھے گئے ہیں ۔

مغفرت نہ ملے تو نقصان باقی رہ جاتا ہے

۱۔ آدم کی التجا کہ ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے ۔ اگر تو سامانِ حفاظت عطا نہ کرے تو ہمارا سخت نقصان ہو جائے گا (۲۳ : ۷)

۲۔ حضرت نوح کی التجا ۔ (۴۷ : ۱۱) ۔ (۳) ۔ بنی اسرائیل کا اعتراف ۔ (۱۴۹ : ۷)

مغفرت

۱۔ کسی پر احسان کرکے اسے اذیت پہنچانے سے بہتر ہے کہ اسے قاعدے کے مطابق جواب دیدو اور یوں اسے اس اذیت سے محفوظ رکھو ۔ اس کے لئے لفظ مغفرت آیا ہے ۔ (۲۶۳ : ۲)

۲۔ شیطان فقر کی دعوت دیتا ہے ۔ خدا مغفرت کی ۔ (۲۶۸ : ۲)

۳۔ اطاعتِ خدا و رسول سے ، مغفرت اور جنت کی طرف آجاؤ ۔ (۱۳۲ : ۳) ۔ (۲۱ : ۵۷)

۴۔ فی سبیل اللہ قتل ہو جانے یا مر جانے سے مغفرت ملتی ہے ۔ (۱۵۶ : ۳)

۵۔ ایمان اور اعمالِ صالح سے مغفرت ۔ (۹ : ۵)

۶۔ مومنین کی صفات و اعمال کے تذکرہ کے بعد کہا کہ ان کے درجات بلند ہیں اور ان کے لئے مغفرت ہے ۔ (۴ : ۸) ۔ (۷۴ : ۸) ۔ (۱۱ : ۱۱) ۔ (۵۰ : ۲۲) ۔ (۲۶ : ۲۴) ۔ (۳۵ : ۳۳) ۔ (۴ : ۳۴) ۔ (۷ : ۳۵) (۲۹ : ۴۸) ۔ (۳ : ۴۹)

۷۔ خدا شدید العقاب ہے ۔ لیکن گرفت میں جلدی نہیں کرتا ۔ مہلت دیتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے مغفرت چاہتا ہے ۔ (۶ : ۱۳) ۔ (۸) ۔ قرآن کا اتباع کرنے سے مغفرت ۔ (۱۱ : ۳۶)

۹۔ اے رسولؐ ! یہ لوگ جو کچھ تمہارے خلاف کہتے ہیں اس کا اثر مت لو ۔ خدا ذو مغفرت بھی ہے اور ذو عقاب الیم بھی ۔ وہ ان باتوں سے تمہاری حفاظت کرے گا ۔ اور انہیں تباہ کر دے گا ۔ (۴۳ : ۴۱)

۱۰۔ نعمائے جنت کے ساتھ وہاں مغفرت بھی ہوگی - (۱۵ : ۴۷)

۱۱۔ جو لوگ کبائر الاثم سے بچتے ہیں ان سے اگر کبھی کوئی قابل ملامت بات ہو جاتی ہے تو خدا صاحبِ مغفرت ہے - (۳۲ : ۵۳)

۱۲۔ آخرت میں مغفرت اور رضوان من اللہ - (۲۰ : ۵۷)

۱۳۔ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے ان دیکھے نتائج سے خائف رہنے والوں کے لئے مغفرت - (۱۲ : ۶۷)

۱۴۔ اہل التقویٰ ہی اہل المغفرت ہیں - (۵۶ : ۷۴)

خدا کی طرف سے مغفرت

۱۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ جب بھی میں نے اپنی قوم کو بلایا کہ خدا انہیں مغفرت دے دے تو انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ اس سے، خدا کی طرف سے مغفرت ملنے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - (۷ : ۷۱)

۲۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا کے سامنے جھکتے ہوئے فلسطین میں داخل ہو جاؤ تو تمہیں مغفرت مل جائے گی۔ (۵۸ : ۲) - (۱۶۱ : ۷)

۳۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی یہ کچھ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے - (۲۸۴ : ۲) - (۱۲۹ : ۳) - (۴۰ ؛ ۱۸ : ۵) - (۱۴ : ۴۸)

۴۔ مغفرت اسے ملتی ہے جو غلط کاموں پر اصرار نہ کرے - (۱۳۴ : ۳) - (۷۴ : ۵) - (۳۸ : ۸) - توبہ اور استغفار لازم و ملزوم ہیں (۱۰ : ۳) - (۳ : ۱۱) - (۵۲ : ۱۱) - (۹۰ : ۱۱) -

۵۔ کن لوگوں کو مغفرت نہیں مل سکتی۔ مشرکین کو (۱۱۶ ؛ ۴۸ : ۴) - (۱۱۳ : ۹) - منافقین کو - (۸۰ : ۹) - (۶ : ۶۳)

• تمام ذنوب سے ماسوائے شرک - (۵۳ : ۳۹)

۶۔ انسان غلط روش پر چلتا رہے تو مغفرت نہیں مل سکتی - (۱۳۷ : ۴) - (۱۶۸ : ۴) - (۳۴ : ۴۷)

۷۔ مغفرت تقویٰ سے ملتی ہے - یعنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت سے - (۲۹ : ۸) - حسنِ نیت سے - (۷۰ : ۸) —— (۷۱ - ۷۰ : ۳۳) - (۲۸ : ۵۷)

۸۔ مغفرت کے لئے ایمان شرطِ اولیں ہے - یعنی قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین - (۱۰ : ۱۴) - (۱۸ : ۵۵) —— (۷۳ : ۲۰) - (۵۱ : ۲۶) - (۳۱ : ۴۶)

۹۔ مغفرت اچھے کاموں سے ملتی ہے - (۸۲ : ۲۰) - (۲۲ : ۲۴) - (۱۲ - ۱۰ : ۶۱) —— (۱۷ : ۶۴) - (۷۳ : ۲۰)

۱۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا وہ ہے جو میری خطاؤں کی مغفرت کر دے گا۔ جیسے وہ مجھے مرض سے شفا دیتا ہے۔ (۲۶ : ۸۰-۸۲)

۱۱۔ رسول اللہؐ کے لئے سامانِ حفاظت۔ (۴۰ : ۵۵) - (۱۹ : ۴۷) - (۴۸ : ۲)

۱۲۔ غلط کام کرتے جانا اور یہ سمجھ لینا کہ خدا معاف کر دے گا، باطل عقیدہ ہے۔ (۷ : ۱۶۹)

۱۳۔ خدا غافر الذنب ہے اور قابل التوب۔ (۴۰ : ۳) - خیر الغافرین۔ (۷ : ۱۵۵)

۱۴۔ وہ غفار اس کے لئے ہے جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ اعمال صالح کرے۔ صحیح راستے پہ چلے۔ (۲۰ : ۸۲) - (۲۵ : ۷۰)

غفور

خدا کی یہ صفت قرآن کریم میں بے شمار مقامات پہ آئی ہے۔ ہم ذیل میں صرف ان مقامات کا ذکر کرتے جن میں اس صفت کا کوئی نمایاں پہلو سامنے لایا گیا ہے۔

۱۔ اضطراری حالت میں حرام شے کھانے کی اجازت کے بعد کہا کہ خدا غفور رحیم ہے۔ (۲ : ۱۷۳) - (۵ : ۳) - (۶ : ۱۴۵) - (۱۶ : ۱۱۵)

۲۔ وصیت کرنے والے نے اگر عدل سے کام نہ لیا ہو تو اس کی وصیت میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ اس جگہ کہا کہ خدا غفور رحیم ہے۔ (۲ : ۱۸۲)

۳۔ اگر دشمن جنگ سے رک جائے تو خدا غفور رحیم ہے۔ یعنی اسے حفاظت کی ضمانت دی جائے گی۔ (۲ : ۱۹۲)

۴۔ مہاجرین اور مجاہدین کے لئے سامانِ حفاظت بہم پہنچانے والا۔ (۲ : ۲۱۸) - ہجرت اور جہاد کرو۔ اس کے بعد خدا غفور رحیم ہو گا۔ (۱۶ : ۱۱۰)

۵۔ لغو (بلا ارادہ قسموں) پہ گرفت نہیں۔ خدا غفور حلیم ہے۔ (۲ : ۲۲۵) - (۲ : ۲۲۶) - (۵ : ۳۳) - (۵۸ : ۲) - (۶۶ : ۱) - (۶)۔ اتباعِ رسول سے مغفرتِ خداوندی۔ (۳ : ۳۰)

۶۔ توبہ اور اصلاح کے بعد خدا غفور ہوتا ہے۔ (۳ : ۸۸) - (۴ : ۱۱۰) - (۵ : ۳۹) - (۵ : ۷۴) - (۶ : ۵۴) - (۷ : ۱۵۳) - (۹ : ۵) - (۱۶ : ۱۱۹) - (۲۵ : ۱۷) - (۵ : ۲۴) - (۲۵ : ۷۰) - (۲۸ : ۱۶) - (۳۳ : ۲۴) - (۴۲ : ۴۰)

۸۔ جو لوگ لغزش کی وجہ سے میدانِ جنگ سے بھاگ آئے تھے۔ ان کے لئے خدا غفور ہو گیا۔ (۳ : ۱۵۴) - (۹ : ۲۷) - (۹ : ۱۰۲)

۹۔ جنسی معاملات میں استقامت سے کام لو تو خدا غفور رحیم ہے ۔ (۲۵ : ۴)

۱۰۔ باغی اگر مغلوب ہونے سے پہلے توبہ کر لیں، تو خدا غفورٌ رحیم ہو گا ۔ (۳۴ : ۵)

۱۱۔ وہ شدید العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ۔ (۹۸ : ۵) ۔ (۴۹-۵۰ : ۱۵)

۱۲۔ لاعلمی میں کوئی بات کر دی جائے تو خدا غفور حلیم ہے ۔ (۱۰۱ : ۵) ۔ (۵۴ : ۶) ۔ (۵ : ۲۳) ۔ (۲ : ۵۸)

۱۳۔ تقویٰ کے بعد وہ غفور رحیم ہے ۔ (۶۹ : ۸) ۔ اعمال کے بعد ۔ (۱۲۹ : ۳) ۔ (۲۹ : ۳۵) ۔ (۲۲ : ۴۲)
(۲۸ : ۵۷) ۔ (۱۴) ۔ معذورین کے لیے غفور رحیم ۔ (۹۹-۹۸ : ۴) ۔ (۱۰۰ : ۴) ۔ (۹۱ : ۹)

۱۵۔ انفاق کے بعد غفور رحیم ۔ (۹۹ : ۹) ۔ (۳۰-۲۹ : ۳۵)

۱۶۔ کشتی بناؤ ۔ اسے حفاظت سے چلاؤ ۔ یوں خدا غفور و رحیم ہو گا ۔ (۴۱ : ۱۱)

۱۷۔ عمل اور اس کے نتیجہ میں جو مہلت کا وقفہ ہے وہ اس کی غفور رحیمی ہے ۔ (۵۸ : ۱۸)

۱۸۔ جس پہ زیادتی ہو اللہ اس کی مدد کرے گا ۔ وہ غفور رحیم ہے ۔ (۶۰ : ۲۲)

۱۹۔ غلطی کر جانے والوں سے حسنِ سلوک سے دست کش نہ ہو جاؤ ۔ خدا غفور ہے ۔ (۲۲ : ۲۴)

۲۰۔ مجبور کے لیے خدا غفور ہے ۔ (۳۳ : ۲۴) ۔ (۶۲ : ۲۴)

۲۱۔ جس سے کوئی زیادتی ہو جائے ۔ پھر وہ برائی کے بجائے بھلائی کرے اس کے لیے غفور ہے ۔ (۷۰ : ۲۵) ۔ (۱۱ : ۲۷)

۲۲۔ غلطی کے بعد مایوس نہ ہو ۔ حفاظت کا امکان ہے ۔ (۵۳ : ۳۹)

۲۳۔ وہ اعمال میں سے کمی نہیں کرتا ۔ غفور رحیم ہے ۔ (۱۴ : ۴۹)

۲۴۔ جن امور کے لیے فدیہ واجب قرار دیا جائے ۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو خدا غفور رحیم ہے ۔ (۱۲ : ۵۸)

۲۵۔ قانون نافذ ہونے سے پہلے جو کچھ کر چکے ہوں وہ قابلِ معافی ہے ۔ خدا غفور ہے ۔ (۲۳ : ۴)

۲۶۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر لو ۔ خدا غفور ہے ۔ (۴۳ : ۴)

۲۷۔ مجاہدین کو قاعدین پر فضیلت ہے ۔ لیکن وعدۂ حسنیٰ سب کے ساتھ ہے کہ خدا غفور ہے ۔ (۹۶-۹۵ : ۴)

۲۸۔ جو توبہ کرے ۔ ایمان لائے ۔ اعمال صالح کرے ۔ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلے ۔ اس کے لیے خدا غفور ہے ۔ (۸۲ : ۲۰)
(۷۰ : ۲۵) ۔ (۲۹) ۔ رسول اللہؐ کے لیے خصوصی احکام کے بعد کہا کہ خدا غفور و رحیم ہے ۔ (۵۰ : ۳۳)

۳۰۔ عورتوں کو جلابیب پہننے کے حکم کے بعد کہا کہ وہ غفور ہے ۔ (۵۹ : ۳۳) ۔ یعنی وہ اس طرح انہیں شرارت پسندوں کے شر سے محفوظ رکھے گا ۔

۳۱۔ سلسلۂ کائنات کو اس قدر محکم بنایا۔ اسی لئے کہ وہ غفور (حفاظت عطا کرنے والا) ۔ (۴۱ : ۳۵) ۔ یہاں سے غفور کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ نیز۔ (۶۶ : ۳۸) ۔ (۵ : ۳۹)

۳۲۔ بات سن کر اس پر عمل کرے۔ قانون کی اطاعت کرے۔ سہواً خطا ہو جائے تو خدا غفور ہے (۸۶-۲۸۵ : ۲)

استغفار (مغفرت کے لئے شدتِ آرزو)

۱۔ حضرت موسٰیؑ سے جب ایک قبطی کا قتل ہو گیا تو آپ نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے حفاظت عطا فرما۔ (۱۶ : ۲۸)

۲۔ استغفار کے لئے شرطِ اول یہ ہے کہ انسان غلط کاموں پر اصرار نہ کرے۔ (۱۳۴ : ۳) ۔ (۱۱۰ : ۴)

۳۔ انبیائے اور مومنین کی دعائے مغفرت۔ یعنی خدا سے حفاظت طلب کرنا۔ (۲۸۶ : ۲) ۔ (۱۶ : ۳) ۔ (۱۴۸ : ۳) ۔ (۱۹۳ : ۳) ۔ (۱۵۱ : ۷) ۔ (۱۵۵ : ۷) ۔ (۴۱ : ۱۴) ۔ (۱۰۹ : ۲۳) ۔ (۱۱۸ : ۲۳) (۸۶ : ۲۶) ۔ (۱۶ : ۲۸) ۔ (۳۵ : ۳۸) ۔ (۷ : ۴۰) ۔ (۱۰ : ۵۹) ۔ (۵ : ۶۰) (۸ : ۶۶) ۔ (۲۸ : ۷۱)۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مغفرت طلب کرو۔ (۱۰ : ۷۱)

۴۔ رسول کا غلط کاروں کے لئے مغفرت طلب کرنا۔ یہ مغفرت خدا کی طرف سے مل سکتی ہے۔ یعنی مجرموں کو معافی خدا کے قانون کے مطابق مل سکتی ہے۔ (۶۴ : ۴) ۔ (۸۰ : ۹) ۔ (۹۸ : ۱۲) ۔ (۵ : ۶۳) ۔ (۶ : ۶۳)

۵۔ حضرت داؤدؑ کا استغفار۔ (۲۴ : ۳۸)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار (یعنی یہ آرزو کہ وہ ایمان لے آئے)۔ (۴۷ : ۱۹) ۔ (۴ : ۶۰)

۷۔ حضرت صالحؑ کا اپنی قوم سے کہنا کہ تم مغفرت طلب کیوں نہیں کرتے۔ (۴۶ : ۲۷)

۸۔ مشرکین کے لئے استغفار (سامانِ حفاظت طلب) نہیں کیا جا سکتا۔ (۱۱۳ : ۹)

۹۔ استغفار سے عذاب رفع ہو جاتا ہے۔ (۳۳ : ۸) ۔ (۱۰) ۔ حاملین عرش کا مومنین کے لئے استغفار۔ (۷ : ۴۰) ۔ (۵ : ۴۲)

۱۱۔ مومنین کی صفت۔ ہر کام شروع کرنے سے پہلے سامانِ حفاظت کے لئے استدعا۔ (۱۷ : ۳) ۔ (۱۸ : ۵۱)

۱۲۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ اپنی جماعت کے افراد سے درگزر کرو۔ استغفار کرو۔ ان سے مشاورت کرو۔ یہاں عفو اور استغفار الگ الگ آیا ہے۔ عفو تو اپنی طرف سے ہے اور استغفار، خدا سے حفاظت طلبی۔ (۱۵۹ : ۳) ۔ (۶۲ : ۲۴) (۱۴ : ۴۹) ۔ (۱۲ : ۶۰)

۱۳۔ مقدمات کے فیصلہ میں اجتہادی غلطی سے استغفار۔ (۱۰۶-۱۰۵ : ۴) ۔ یہ رسول اللہؐ کے لئے ہے۔ نیز (۴۷ : ۱۹) ۔ (۵۵ : ۴۰)

۱۴۔ مومنین کو استغفار کی تاکید ۔ (۳ : ۱۱۰)

۱۵۔ توبہ اور استغفار لازم و ملزوم ہیں ۔ (۳ : ۱۱) ۔ (۹۰ ؛ ۵۲ : ۱۱) ۔ (۳ : ۱۱۰) ۔ اور نیک اعمال بھی ۔
(۶۱ : ۱۱) ۔ (۸۲ : ۲۰) ۔ (۳ : ۴۰) ۔ (۶ : ۱۴) ۔ (۲۰ : ۷۳)

انسانوں کا ایک دوسرے کو معاف کر دینا

۱۔ استقامت سے کام لینا اور جس میں اصلاح کا امکان ہو اسے معاف کر دینا بڑی بات ہے ۔ (۴۳ : ۴۲) ۔
(۴۱ : ۴۳) ۔ مومنین کو معاف کر دینے کی تاکید ۔ (۳۷ : ۴۲) ۔ (۱۴ : ۴۵)

۲۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور اسے مغفرت من اللہ کہا ۔ (۹۲ : ۱۲)

۳۔ عفو اور استغفار الگ الگ آیا ہے ۔ (۱۵۹ : ۳) ۔ (۴) ۔ جرم کی معافی مانگنا ۔ (۲۹ : ۱۲)

۵۔ خدا خیر الغافرین ہے ۔ یعنی انسان بھی غافر ہیں ۔ (۱۵۵ : ۷)

مغفرت بمقابلہ عذاب

مغفرت کے معنی ہیں ، نقصان سے محفوظ رہنا ۔ عذاب کے معنی ہیں اس نقصان کا واقع ہو جانا ۔ اس لئے قرآن کریم میں مغفرت کے مقابلہ میں عذاب کا لفظ بے شمار مقامات پر آیا ہے ۔

۱۔ حضرت عیسیٰؑ ، خدا سے کہیں گے کہ میری امت نے مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لیا تھا ، تو ان کی مغفرت کر دے یا عذاب دے دے ۔ (۱۱۷ - ۱۱۸ : ۵)

۲۔ فَیَغْفِرُ لِمَن یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَن یَّشَآءُ (دیکھئے باب ، "خدا کی طرف سے مغفرت")

۳۔ انہوں نے مغفرت کے عوض عذاب خرید لیا ۔ (۱۷۵ : ۲)

۴۔ مغفرت اور جنت بمقابلہ النار ۔ ہم آہنگی کی شادی کا نتیجہ جنت اور مغفرت ۔ (۲۲۱ : ۲)

۲۲۔ مقطعات

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ اپنے اشعار میں مخففات (ABBREVIATIONS) استعمال کرتے تھے۔ یعنی کسی لفظ میں سے ایک حرف لے کر اس سے اُس لفظ کا مفہوم لے لیا۔ وہ اسی طرح مختلف الفاظ میں سے حروف لے کر انہیں یکجا کر لیتے تھے۔ قرآن کریم چونکہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا۔ اس لیے اس نے اسلوب بیان اُسی قوم کا اختیار کیا ہے اور اس طرح مخففات کا بھی استعمال کیا ہے۔ یہ حروف کے مجموعے مختلف سورتوں کے ابتداء میں آتے ہیں۔ (انہیں مقطعات کہا جاتا ہے۔ یعنی الفاظ میں سے قطع کردہ حروف) اور (ہماری بصیرت کے مطابق بجز چند حروف) یہ بالعموم خدا کی صفات (الاسماء الحسنیٰ) سے متعلق الفاظ میں سے اخذ کردہ حروف ہیں۔ ان کے کوئی باطنی معانی نہیں نہ ہی یہ کوئی معمہ ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ یہ حروف حسب ذیل ہیں۔ ہم نے اپنی بصیرت کے مطابق ان کا مفہوم بھی لکھ دیا ہے۔

۱۔ الٓمٓ (ا-ل-م) اللہ علیم و حکیم کا ارشاد ہے کہ...... (۲ : ۱)۔ (۳ : ۱) ۔ (۲۹ : ۱)۔
(۳۰ : ۱)۔ (۳۱ : ۱) ۔ (۳۲ : ۱)

۲۔ الٓرٰ (ا-ل-ر)۔ اللہ علیم و رحیم کا ارشاد ہے کہ...... (۱۰ : ۱)۔ (۱۱ : ۱)۔ (۱۲ : ۱)
(۱۴ : ۱) ۔ (۱۵ : ۱)۔ (۳)۔ الٓمٓرٰ۔ (ا-ل-م-ر)۔ اللہ علیم و حکیم و رحیم کا ارشاد ہے کہ..... (۱۳ : ۱)

۴۔ الٓمٓصٓ۔ (ا-ل-م-ص)۔ اللہ۔ علیم و حکیم و بصیر کا ارشاد ہے کہ...... (۷ : ۱)

۵۔ حٰمٓ۔ (ح-م)۔ اللہ۔ حکیم و علیم کا ارشاد ہے کہ۔ (۴۰ : ۱)۔ (۴۱ : ۱)۔ (۴۳ : ۱)۔ (۴۴ : ۱)
(۴۵ : ۱)۔ (۴۶ : ۱)

۶۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ (ح-م-ع-س-ق)۔ اللہ۔ حمید و مجید و علیم و سمیع و قدیر کا ارشاد ہے کہ..... (۴۲ : ۱)

۷۔ طٰہٰ (ط-ھ)۔ اے مخاطب (یعنی رسول)...... (۲۰ : ۱)

۸۔ صٓ (ص)۔ اس بات کی صداقت پر یہ قرآن شاہد ہے کہ...... (۳۸ : ۱)

۹۔ طٰسٓ (ط-س)۔ اللہ۔ ذی الطول و سمیع کا ارشاد ہے کہ..... (۲۷ : ۱)۔ (ذی الطول کے معنی ہیں بڑی قوتوں کا مالک)۔

۱۰۔ طٰسٓمٓ (ط-س-م)۔ اللہ۔ ذی الطول و سمیع و علیم کا ارشاد ہے کہ..... (۲۶ : ۱)۔ (۲۸ : ۱)

۱۱۔ قٓ (ق) ذرا رکو (توقف کرو) اور جو کچھ کہا جاتا ہے اُسے غور سے سنو ۔ (۱ : ۵۰)
۱۲۔ کٓھٰیٰعٓصٓ (ک۔ھ۔ی۔ع۔ص)۔ اللہ الکریم الہادی الحی العلیم البصیر کا ارشاد ہے کہ (۱ : ۱۹)
۱۳۔ نٓ ۔ (ن)۔ دوات اور قلم (یا شمشیر اور قلم) اس حقیقت کی شہادت دیتی ہیں کہ (اے رسولؐ!) تو خدا کے فضل و کرم سے دیوانہ نہیں ۔ (۱ : ۶۸)
۱۴۔ یٰسٓ (ی۔س)۔ اے وہ انسان (یعنی رسول)۔ یہ قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ..... (۱ : ۳۶)

۲۳۔ مکافاتِ عمل

دین کا مدار، خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ہے ۔ دین کا مدار ہی نہیں بلکہ تمام کارگہِ کائنات کا مدار۔ مکافاتِ عمل کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام اپنا متعین نتیجہ مرتب کرکے رہتا ہے ۔ خارجی کائنات کی ہر شے، قانونِ خداوندی کے مطابق چلنے پر مجبور ہے اس لئے وہاں ہر حرکت کا متعینہ نتیجہ از خود مرتب ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اسے (LAW OF CAUSE AND EFFECT) کہا جاتا ہے ۔ لیکن انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہے ۔ اس لئے یہ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق بھی زندگی بسر کرتا ہے اور ان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے ۔ جب وہ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اس کا نتیجہ تعمیری ہوتا ہے ۔ اس سے اس کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے ۔ اور جب یہ ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ تخریبی ہوتا ہے ۔ یعنی اس سے اس کی ذات پستیوں کی طرف گر جاتی ہے ۔ اور جس قسم کے افراد ہوں گے اسی قسم کا معاشرہ ہو گا ۔ لہٰذا معاشرہ کا دار و مدار بھی قانونِ مکافاتِ عمل پر ہو گا ۔ یعنی کائنات کی کوئی شے یا نظام اس قانون کے احاطہ سے باہر نہیں ۔

یہی قانونِ مکافات، افراد کی طرح اقوام میں بھی عمل پیرا رہتا ہے ۔ صحیح روش پر چلنے والی قوم کو عروج اور ترقی حاصل ہوتے ہیں ۔ غلط روش پر گامزن، زوال و ہلاکت کے گڑھوں میں گر جاتی ہے ۔

۲۔ ہر عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس طور پر اسی وقت سامنے نہیں آجاتا ۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس طور پر سامنے آنے کے وقفہ کو مہلت کی مدت کہا جاتا ہے ۔ اگر اس دوران میں اس شخص سے کوئی زیادہ بڑا تعمیری کام سرزد ہوتا ہے تو وہ (عمل) اس کے سابقہ غلط عمل کے تخریبی نتیجہ کو مٹا دیتا ہے ۔ اُسے توبہ اور مغفرت کہتے ہیں ۔

دراصل کائنات میں، حق اور باطل (تعمیری اور تخریبی قوتوں) میں ہر وقت ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ جب تک تعمیری قوتوں کا پلڑا بھاری رہتا ہے، انسان تباہی سے محفوظ رہتا ہے۔ جب وہ پلڑا ہلکا ہو جاتا ہے۔ تو اس پر تباہی مسلط ہو جاتی ہے۔ مہلت کے وقفہ میں، زیادہ بڑے تعمیری کام کے سرزد ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ انسان اپنے تعمیری پلڑے کا وزن بڑھا لیتا ہے۔ یعنی اس کی قوتِ مدافعت بڑھ جاتی ہے جس سے وہ تخریبی قوتوں کے تباہ کن نتیجہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ اعمال کے نتائج محسوس طور پر اس دنیا میں سامنے آجاتے ہیں، اور جو یہاں سامنے نہیں آتے، وہ مرنے کے بعد ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ حیاتِ آخرت کا منکر یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ کسی طرح اس دنیا میں اپنے غلط کردار کے تباہ کن نتائج سے اپنے آپ کو بچا لے تو پھر اسے کسی قسم کا خوف و خطر نہیں۔ لیکن قرآن کا دعوےٰ یہ ہے کہ انسانی زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ مرنے کے بعد بھی آگے چلتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اپنے غلط کردار کے تباہ کن نتیجہ سے کسی طرح بچ بھی جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ نتائج مرنے کے بعد سامنے آجائیں گے۔

۴۔ قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ عام طور پر، فوراً محسوس ہو جاتا ہے۔ اور اس سے کوئی دوسرا اسے بچا نہیں سکتا۔ مثلاً ایک شخص آگ میں انگلی ڈالتا ہے تو اس کی انگلی جل جاتی ہے۔ اس سے اسے سخت درد ہوتا ہے۔ یہ اس کے عمل کا محسوس نتیجہ ہے۔ یہ درد، نہ کسی کی سفارش سے کم ہو سکتا ہے۔ نہ رشوت دینے سے۔ نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا غمگسار اس کے درد کو اس سے اپنی طرف منتقل کر سکتا ہے۔ اسے اپنے کئے کی سزا خود ہی بھگتنی پڑتی ہے۔ اس درد کی اذیت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان، وہ دوا استعمال کرے جو خدا نے، اس قسم کے درد کے لئے پیدا کر رکھی ہے۔ یعنی وہ قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کے نتیجہ سے بچنے کے لئے، قانونِ خداوندی ہی کی طرف رجوع کرے۔ اسے رجوع الی اللہ کہتے ہیں اور خدا کی طرف سے اس قسم کی دوا کا پیدا ہونا اس کی رحمت کہلاتا ہے

قرآن کہتا ہے کہ خدا کا جو قانون (سنت اللہ) طبیعی دنیا میں کارفرما ہے اسی قسم کا قانون خود انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ اس کے لئے بھی اس نے کچھ قوانین مقرر کر رکھے ہیں جنہیں مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مستقل قدر کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو اس سے اس کی ذات میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے (اسے اس قانون شکنی کی سزا کہہ لیجئے)۔ کسی کی سفارش۔ کسی قسم کی رشوت، کوئی کفارہ۔ کوئی فدیہ اس نتیجہ کو مٹا نہیں سکتا۔ ہاں اگر وہ شخص پھر اسی مستقل قدر۔ یا کسی دوسری قدر۔ پر عمل پیرا ہو تو اس سے اس کی ذات میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس تخریب کا مقابلہ کر سکتی ہے جو پہلی غلط روش سے پیدا ہوئی تھی۔

یوں خدا کا قانونِ مکافات، انسانی دنیا میں کارفرما رہتا ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں "مکافات" کا لفظ نہیں آیا۔ اس میں اس کے بجائے "اعمال کی جزاؔ یا اجرؔ" کے الفاظ آئے ہیں۔ خود لفظ دینؔ کے ایک بنیادی معنی بھی "اعمال کا بدلہ" ہیں۔ الفاظ کوئی بھی ہوں، مطلب ان سے یہی ہے کہ خدا کے قانونِ علت و معلول کے مطابق، انسان کا ہر عمل ایک متعین نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ انسان کو اس کا تو اختیار ہے کہ وہ جونسا عمل (کام) جی چاہے کرے۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ وہ جو کام کرے اس کا نتیجہ بدل دے۔ مثلاً اسے اس کا تو اختیار حاصل ہے کہ وہ مصری کا ٹکڑا منہ میں ڈال لے یا زہر کی پڑیا۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ وہ کھائے تو زہر لیکن اس کا نتیجہ مصری کا پیدا کرے۔

۶۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں، بہت سے دیگر عنوانات بھی سامنے رکھنے ہوں گے مثلاً۔ دینؔ۔ جزاؔ۔ اجرؔ۔ حسابؔ۔ اعمالؔ کفارہؔ۔ فدیہؔ۔ شفاعتؔ۔ قیامتؔ۔ آخرتؔ۔ جنتؔ۔ جہنمؔ۔ وغیرہ۔ اس عنوان میں ہم اس موضوع (مکافاتِ عمل) کے اصولی گوشوں کو سامنے لائیں گے۔

۷۔ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ ایک شخص نہایت دیانتدار اور پاکباز ہے۔ لیکن غلط معاشرہ میں لوگوں کی سازشوں کی وجہ سے اسے مصیبتوں میں پھنسا دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اسے بہت سا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ اذیت اور نقصان اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ نہیں۔ غلط معاشرہ کی روش کا نتیجہ ہیں۔

قرآن کریم اس باب میں کہتا ہے کہ نقصانات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ مثلاً جسمانی اذیت۔ مالی نقصان۔ حتّٰی کہ جان تک کا اتلاف غلط معاشرہ میں اس قسم کے نقصان ہر شخص کو پہنچ سکتے ہیں بلاتخصیص اس امر کے کہ وہ شخص مستقل اقدار کا پابند ہے یا نہیں۔ نقصان کی دوسری قسم وہ ہے جس سے انسانی ذات کو ضعف پہنچتا ہے۔ یہ نقصان، کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچا سکتا۔ اس قسم کا نقصان فردِ متعلقہ خود اپنے آپ کو پہنچاتا ہے اور وہ خود ہی اس کا ازالہ بھی کر سکتا ہے۔ انسان کو اس امر کی احتیاط کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو اس قسم کا نقصان پہنچائے۔ یعنی احتیاط تو اس بات کی بھی کرنی چاہیئے کہ انسان کو طبیعی نقصان بھی نہ پہنچے لیکن غلط معاشرہ میں بعض اوقات ایک فرد کے بس کی بات نہیں رہتی کہ وہ اس قسم کے نقصان سے محفوظ رہے۔ لیکن دوسری قسم کا نقصان وہ ہے جس سے محفوظ رہنا ہر فرد کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ اس کی احتیاط نہایت ضروری ہے۔ معاشرہ کیسا ہی غلط روکیوں نہ ہو، انسان کو مستقل اقدار کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ ان اقدار کے تحفظ سے اگر طبیعی نقصان ہوتا ہے تو اسے برداشت کر لینا چاہیئے۔ (مزید تفصیل کے لئے "نفس" کا عنوان دیکھئے)۔

اور سب سے آخر یہ کہ انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ معاشرہ، اقدارِ خداوندی کے مطابق متشکل ہو جائے تاکہ اس میں کسی کو ناحق طبیعی نقصان نہ پہنچے۔ اور افراد کو اپنی ذات کے تحفظ کے لئے آسانیاں میسر آجائیں۔

اعمال (ہرکام) کا اجر خدا کے قانون کے مطابق ملے گا

۱۔ مومن - یہود - نصاریٰ - صابئین - کسے باشد - ہرایک کو ایمان و عملِ صالح کا اجر ملے گا۔ (۲ : ۶۲) - اچھے کام کا اچھا - برے کا برا - (۲ : ۸۰-۸۲) - (۲ : ۱۱۰-۱۱۲) - (۲ : ۲۶۲) - (۲ : ۲۷۷) - (۳ : ۲۹) - (۳ : ۱۹۸)

۲۔ نتیجہ جھوٹی آرزوں کے مطابق مرتب نہیں ہوتا - اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۰۱-۲۰۲) (۲ : ۱۱۰-۱۱۲) - (۴ : ۱۲۳)

۳۔ مواخذہ جرائم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۳ : ۱۰) -

(۴)۔ شاکرین کو بدلہ۔ (۳ : ۱۴۳)

۵۔ مہاجرین کو بدلہ خواہ راستے میں موت ہی کیوں نہ آجائے۔ (۴ : ۱۰۰) -

(۶)۔ کوئی خدا کی چہیتی اولاد نہیں۔ (۵ : ۱۸)

۷۔ اپنے آپ کو مجبور تصور کر لینے سے، اپنے اعمال کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ (۶ : ۱۵۰) - اسے راستہ دکھا دیا گیا ہے۔ (۷۶ : ۲-۵) - (۹۰ : ۸-۱۰)

۸۔ جو عمل کروگے وہی اس کا بدلہ ہوگا۔ (۷ : ۱۴۷) - (۲۷ : ۹۰) - (۲۹ : ۷) - (۳۹ : ۳۷) - (۱۹ ؛ ۱۷ : ۵۲) - (۶ : ۶۶) - (۳۶ : ۸۳)

۹۔ خدا تخلیق کی ابتدا کرتا ہے - پھر اسے گردش دیتا یا لوٹاتا ہے تاکہ ہرایک کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے۔ (۱۰ : ۴) - (۷ : ۱۱) - انسان عبث پیدا نہیں کیا گیا - اسے خدا کی طرف جانا ہے۔ (۲۳ : ۱۱۵)

۱۰۔ ظلم کی وجہ سے عذاب۔ (۱۰ : ۵۲) -

(۱۱)۔ صبر اور عملِ صالح کا اجرِ کبیر۔ (۱۱ : ۱۱) - (۹ : ۱۷)

۱۲۔ اللہ کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے عذاب۔ (۱۳ : ۲۵)

۱۳۔ سلسلۂ کائنات بالحق پیدا کیا گیا ہے - اس لئے جزائے اعمال ضروری ہے۔ (۱۱ : ۷) - (۱۳ : ۲) - (۱۴ : ۱۹) - (۱۶ : ۱۱-۲۱) - (۲۳ : ۱۱۵) - (۳۸ : ۲۷-۲۸) - (۴۴ : ۳۸-۴۱) - (۴۵ : ۲۲) - (۴ ؛ ۴۸ : ۴۸) - (۵۳ : ۳۱) - (۷۶ : ۲) - (۳۶ : ۷۵)

۱۴۔ خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ (۱۴ : ۴۲) - وہ دل کے رازوں اور نگاہ کی خیانتوں تک سے واقف ہے۔ (۴۲ ؛ ۲۳ : ۱۳) - (۱۹ : ۴۰) - (۵۰ : ۱۶-۱۸) - (۵-۷ : ۹۰) - (۱۴ : ۹۶) -

۱۵۔ اعمال کی باز پرس ضرور ہوگی۔ (۱۶ : ۹۳) - خدا سے باز پرس نہیں ہوگی - انسانوں سے سب سے ہوگی۔ (۲۱ : ۲۳)

۱۶۔ سماعت - بصارت - فواد - ہرایک سے باز پرس ہوگی۔ (۱۷ : ۳۶)

۱۷۔ الساعت وہ ہے جس میں ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائیگا۔ (۲۰ : ۱۵)

۱۸۔ مجرمین، خدا کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے۔ (۲۹ : ۴)

۱۹۔ مجرمین کو سزا مل کر رہے گی۔ (اس کے لئے انتقام کا لفظ آیا ہے)۔ (۳۲ : ۲۲)

۲۰۔ وہ اعمال جن کا مومن مردوں اور عورتوں کو اجرِ عظیم ملے گا۔ (۳۳ : ۳۵)

۲۱۔ انسان، امانتِ خداوندی میں خیانت کرتا ہے (قانون شکنی کرتا ہے) اور سزا پاتا ہے۔ (۳۳ : ۷۲-۷۳)

۲۲۔ الدین واقع ہو کر رہے گا۔ (۵۱ : ۶)-(۵۱ : ۲۳)-(۲۳)۔ خدا کی گرفت بڑی شدید ہوتی ہے (۱۱ : ۱۰۲)-(۸۵ : ۱۲)

۲۴۔ خدا گھات میں رہتا ہے۔ (۸۹ : ۱۴)- (۲۵)۔ کیا انسان سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کا اقتدار نہیں؟ یہ غلط ہے (۹۰ : ۵-۷)

۲۶۔ جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی وہ کامیاب ہو گیا جس نے اسے دبا دیا وہ تباہ ہو گیا۔ (۹۱ : ۹-۱۰)

۲۷۔ اعمال کے نتائج برآمد کرتے وقت خدا اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ (۹۱ : ۱۵)

۲۸۔ قانونِ مکافاتِ عمل خدا کے فضل پر مبنی ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکرگزار نہیں ہوتے۔ (۱۰ : ۶۰)

۲۹۔ ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل مل جاتا ہے۔ (۱۱ : ۳)-(۳۰) صرف سعی مشکور ہوتی ہے۔ (۱۷ : ۱۹)-(۷۶ : ۲۲)

۳۱۔ فرض کرو کہ رسول اور اس کے ساتھی سب ہلاک ہو جائیں تو کیا اس سے یہ لوگ عذابِ خداوندی سے بچ جائیں گے (۶۷ : ۲۸)

ہر شخص کو اپنے عمل کا نتیجہ خود بھگتنا ہوگا۔ کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا

۱۔ ظہورِ نتائج کے وقت کوئی کسی دوسرے کے کام نہیں آسکے گا۔ نہ کسی کی شفاعت (سفارش) قبول کی جائے گی۔ نہ کوئی اپنی جگہ کسی دوسرے کو آگے کر سکے گا۔ نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا۔ (۲ : ۴۸)-(۲ : ۱۲۳)-(۲ : ۲۵۴)-
(۲ : ۲۸۶)-(۳ : ۹۰)-(۳ : ۱۱۵)-(۴ : ۱۰۹)-(۴ : ۱۲۳)-(۵ : ۳۶)-
(۶ : ۷۰)-(۱۰ : ۵۴)-(۱۳ : ۱۸)-(۱۴ : ۳۱)-(۲۰ : ۱۰۹)-(۳۱ : ۳۳)-
(۴۲ : ۴۴)-(۳۹ : ۴۷)-(۴۰ : ۱۸)-(۵۷ : ۱۵)

۲۔ بزرگوں کا کوئی عمل ان کے اخلاف کے کام نہیں آسکتا۔ ان کے اعمال ان کے لئے۔ تمہارے، تمہارے لئے۔ (۲ : ۱۳۴)-
(۲ : ۱۳۹)-(۲ : ۱۴۱)-(۱۴ : ۱۰)-(۳۵ : ۱۱)

۳۔ نیک کام کا اجر، تمہارے اپنے لئے۔ (۲ : ۲۷۲)-(۲۹ : ۶)-(۳۵ : ۱۸)-(۴۱ : ۴۶)

۴۔ بُرا کام انسان خود اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے۔ (۴ : ۱۱۱)-(۶ : ۱۲۴)-(۳۵ : ۱۸)-(۴۰ : ۲۹)-(۴۱ : ۴۶)

۵۔ ہر ایک کا حساب اپنا اپنا۔ حتیٰکہ رسول اور امتیوں کا بھی۔ (۶ : ۵۲)۔ (۱۰ : ۴۱)۔ (۲۴ : ۵۴)۔ (۳۴ : ۲۵)
(۳۹ : ۳۹)۔ (۴۲ : ۱۵)۔ رسول بھی اگر معصیت کرے تو اس کی سزا بھگتے۔ (۶ : ۱۵)۔ (۱۰ : ۱۵)۔ (۳۹ : ۱۳)

۶۔ تباہی اپنے اعمال ہی کی وجہ سے آتی ہے۔ (۶ : ۷۰)۔ (۲۹ : ۵۵)

۷۔ خدا کے حضور ہر شخص فرادیٰ جائے گا۔ (۶ : ۹۵)۔ (۱۸ : ۴۸)

۸۔ خدا نے بصائر بھیج دیئے۔ جو دیکھ کر چلے گا، اس کا فائدہ اس کو ہوگا۔ جو اندھا بن کر چلے گا، تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ (۶ : ۱۰۵)۔ (۱۰ : ۱۰۸)۔ (۱۷ : ۷)۔ (۱۷ : ۱۵)۔ (۲۹ : ۶)۔ (۳۰ : ۴۴-۴۵)
(۳۹ : ۴۱)۔ (۴۱ : ۴۶)۔ (۴۵ : ۱۵)

۹۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۶ : ۱۶۵)۔ (۱۰ : ۴۱)۔ (۱۷ : ۱۵)۔ (۳۵ : ۱۸)
(۳۹ : ۷)۔ (۵۳ : ۳۸-۴۱)۔ اپنا بوجھ بھی اور ان کا بھی جنہیں گمراہ کیا تھا۔ (۱۶ : ۲۵)۔ (۲۹ : ۱۲-۱۳)

۱۰۔ اہلِ جنت، جہنم والوں کو پانی کا ایک چھینٹا بھی نہیں دے سکیں گے۔ (۷ : ۵۰)

۱۱۔ رسول بھی شرک کرے تو جہنم رسید ہو جائے۔ (۱۷ : ۳۹)

۱۲۔ رسول کی بیوی بھی اپنے اعمال کے مواخذہ سے نہیں بچ سکتی۔ (۳۳ : ۲۹)۔ (۶۶ : ۱۰)۔ بلکہ دگنی سزا ملے گی۔ (۳۳ : ۳۰)

عمل کا بدلہ پورا پورا۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی

۱۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ۔ کسی پر زیادتی نہیں ہوگی۔ (۲ : ۲۸۱)۔ (۳ : ۲۴)۔ (۳ : ۵۶)۔
(۳ : ۱۱۴)۔ (۲ : ۱۸۱)۔ (۳ : ۱۸۴)۔ (۴ : ۴۰)۔ (۴ : ۴۹)۔ (۱۱ : ۱۰۹)۔ (۱۱ : ۱۱۱)
(۱۴ : ۵۱)۔ (۲۳ : ۶۲)۔ (۲۹ : ۴۰)۔ (۳۰ : ۹)۔ (۳۹ : ۷۰)۔ (۴۰ : ۱۷)
(۴۶ : ۱۹)۔ (۵۰ : ۲۹)۔ (۷۸ : ۲۶)

۲۔ ہر کام کرنے والے کے کام کا بدلہ۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ (۳ : ۱۹۴)۔ (۴ : ۱۲۴)۔ (۱۶ : ۹۷)۔
(۳۳ : ۳۵)۔ (۳)۔ ظاہر اور باطن اعمال، سب کا بدلہ۔ (۶ : ۱۲۱)

۴۔ خدا ذو رحمت ہے لیکن مجرمین اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ (۶ : ۱۴۸)

۵۔ جہنم میں قوموں کا ایک دوسرے کو مطعون کرنا کہ انہوں نے انہیں گمراہ کیا۔ ہر ایک کو دگنا عذاب۔ (۷ : ۳۸)۔

اپنا بوجھ بھی اور ان کا بھی جنہیں انہوں نے گمراہ کیا۔ (۱۶ : ۲۵) - لیڈروں اور متبعین کا مکالمہ - (۳۴ : ۳۱-۳۳)

۶- مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (۷ : ۱۷۰) - محسنین کا بھی نہیں - (۱۱ : ۱۱۵) - (۱۲ : ۵۶) - (۱۲ : ۹۰)
جو بھی حسنِ عمل کرے - (۱۸ : ۳۰) - محسنین کا - (۲۸ : ۱۴) - (۳۷ : ۱۰۵) - (۳۷ : ۱۲۱) -
(۳۷ : ۱۳۱) - (۳۹ : ۳۴)

۷- الساعت وہ ہے جس میں ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا - (۲۰ : ۱۵)

۸- مومن کو اپنے اعمال کے بدلہ میں ظلم اور استحصال کا ڈر نہیں ہو گا۔ (۲۰ : ۱۱۲)

اجر — اس دنیا میں یا آخرت میں

۱- اس دنیا میں ذلت اور آخرت میں اشد عذاب۔ (۲ : ۸۵) - (۳ : ۵۵) - (۲۲ : ۹) - (۳۹ : ۲۴-۲۶)
(۳۹ : ۴۰) - (۴۱ : ۱۶) - (۶۸ : ۳۳)

۲- قومِ فرعون کا مؤاخذہ اس دنیا میں - (۳ : ۱۰) - (۸ : ۵۲)

۳- کوئی بستی ہلاک نہیں ہوتی در آنحالیکہ اس کے رہنے والوں کو آگاہ نہ کر دیا گیا ہو۔ (۶ : ۱۳۲) - (۷ : ۱۷۲)
یا اس کے رہنے والے مصلح ہوں - (۱۱ : ۱۱۷) - یا اس میں رسول نہ بھیج دیا جائے۔ (۱۷ : ۱۵)

۴- قانونِ استخلاف و استبدالِ قومی - (۶ : ۱۳۴) - (۱۰ : ۱۳-۱۴) - خلقِ جدید ہی لے آئے - (۱۱ : ۱۳) - (۱۴ : ۱۹)
(۲۱ : ۱۱-۱۵) - (۳۰ : ۹-۱۰) - (۳۵ : ۱۶) - (۴۰ : ۲۱) - (۴۴ : ۲۸) - (۴۵ : ۱۴) -
(۴۵ : ۲۸) - (۶۵ : ۸-۱۰)

۵- اگر بستیوں والے ایمان لاتے تو ان پر زمین و آسمان کے دروازے کھل جاتے۔ لیکن انہوں نے قانون کی تکذیب کی اور گرفت
میں آ گئے۔ (۷ : ۹۶) - (۶) ہلاکت ظلم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۱۰ : ۱۳) - (۱۸ : ۵۹)

۷- جو اس دنیا میں اجر چاہتا ہے، اسے مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (۱۱ : ۱۵-۱۶)
(۱۷ : ۱۸-۲۱) - (۸) محسنین کو اس دنیا میں تمکن اور آخرت میں بہترین اجر - (۱۲ : ۵۶-۵۷) -
(۱۲ : ۹۰) - (۲۴ : ۵۵)

۹- مترفین فسق میں آگے بڑھ جاتے ہیں تو بستی تباہ ہو جاتی ہے - (۱۷ : ۱۶-۱۷)

۱۰- حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو کہا کہ اب الساعت نمودار ہو جائیگی اور ہر شخص کو اس کے کام کا پورا پورا بدلہ

ل جائے گا۔ یہ الساعت وہ انقلاب تھا جسے حضرت موسےؑ نے برپا کیا تھا۔ (۱۵ : ۲۰)

۱۱۔ لوگوں کی بدعملی کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو چکا ہے۔ اس کا نتیجہ ان کے سامنے آئے گا۔ (۴۱ : ۳۰)

۱۲۔ سلامی مملکت کے ہاتھوں جرائم کی سزا۔ یہ سنت اللہ ہے جو غیر متبدل ہے۔ (۶۲-۶۰ : ۳۳)

۱۳۔ قوم سبا کی تباہی (۱۶-۱۵ : ۳۴)۔ (۱۴)۔ حسن کارانہ زندگی سے اس دنیا کی زندگی بھی خوشگوار ہو جاتی ہے (۱۰ : ۳۹)

۱۵۔ بدعمل اور نیک اعمال والوں کی نہ زندگی ایک جیسی ہو سکتی ہے نہ موت۔ (۲۱ : ۴۵)۔ (۳۶-۳۵ : ۶۸)

۱۶۔ جنت اعمال کے بدلے میں۔ (۱۴ : ۴۶)۔ (۲۲ تا ۱۲ : ۶۹)۔ (۱۷)۔ باغ والوں کی مثال۔ (۳۳-۱۷ : ۶۸)

اعمال نامہ

۱۔ ہر ایک کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹک رہا ہے۔ قیامت میں وہ کھل کر سامنے آجائے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھ اور اپنا فیصلہ آپ کر۔ (۱۴-۱۳ : ۱۷)۔ (۱۵-۱۳ : ۷۵)

۲۔ اعمال نامہ میں کوئی چیز چھوٹی نہیں ہوگی۔ مجرم اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے۔ (۴۹ : ۱۸)

۳۔ حق اور انصاف کے ساتھ وزن کیا جائے گا۔ ایک ایک ذرہ سامنے آجائے گا۔ (۴۷ : ۲۱)۔ اصول، پلڑوں کا ہلکا اور بھاری ہونا ہوگا۔ (۹-۸ : ۷)۔ (۱۰۳-۱۰۲ : ۲۳)۔ منکرین آخرت کے لئے میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی۔ (۱۰۵-۱۰۲ : ۱۸)۔ چھوٹی چھوٹی لغزشیں دور ہو جائیں گی اور اعمال کا بدلہ ملے گا۔ (۳۵-۳۹)۔ (۳۲ : ۵۳)۔ ذرہ ذرہ سامنے آجائے گا۔ (۱۶ : ۳۱)۔ (۸-۷ : ۹۹)۔ ثقل وخفت موازین۔ (۹-۶ : ۱۰۱)۔ حسنات، سیئات کو دور کر دیتی ہیں۔ (۱۱۴ : ۱۱)

۴۔ مجرمین سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۷۸ : ۲۸)۔ (۳۹ : ۵۵)

۵۔ خدا کی کتاب مبین میں ہر عمل درج ہوتا ہے۔ اس کے مطابق جزا اور سزا مرتب ہوتی ہے۔ (۶۱ : ۱۰)۔ (۶۲ : ۲۳) (۴-۳ : ۳۴)۔ (۶۹ : ۳۹)۔ (۲۹ : ۴۵)

۶۔ ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ (۶۵ : ۳۶)۔ (۲۱-۲۰ : ۴۱)

۷۔ ہر امت اپنے اپنے اعمال نامہ (کتاب) کے مطابق بلائی جائے گی۔ (۲۸ : ۴۵)

۸۔ ہر شخص اپنے اعمال کے عوض رہین ہے۔ (۲۱ : ۵۲)۔ (۳۸ : ۷۴)

۹۔ لوگ اپنے اعمال بھول جاتے ہیں۔ خدا انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ (۶ : ۵۸)

۱۰۔ دائیں ہاتھ میں کتاب اور بائیں ہاتھ میں کتاب۔ (۶۹ : ۱۹ ؛ ۲۵) – (۸۳ : ۷ - ۹ ؛ ۱۸)

۱۱۔ اس دن سب کچھ یاد آجائے گا۔ (۷۹ : ۳۵)

۱۲۔ کراماً کاتبین۔ (۱۰ : ۲۱) – (۱۳ : ۱۰ - ۱۱) – (۲۱ : ۹۴) – (۴۳ : ۸۰) – (۵۰ : ۱۷ - ۱۸) –
(۸۲ : ۱۰ - ۱۲) – (۸۶ : ۴)

۱۳۔ اللہ لوگوں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ (۸۵ : ۲۰)

ما قدمت یداہ

۱۔ انسان اسے بھول جاتا ہے۔ (۱۸ : ۵۷)۔ عذاب اسی وجہ سے۔ (۲۲ : ۹ - ۱۰)۔ مصائب اسی وجہ سے۔
(۲۸ : ۴۷) – (۳۰ : ۳۶) – (۳۹ : ۵۱) – (۴۲ : ۳۰) – (۴۲ : ۴۸) – (۱۸ : ۵۹) – (۲۰ : ۷۳)
(۴۰ : ۷۸) – (۱۴ : ۸۱) – (۵ : ۸۲)

اچھے اعمال کا بدلہ مضاعف ہو کر ملتا ہے

۱۔ ظلم کسی پر نہیں ہوتا۔ حسنات کا بدلہ (تمہارے اندازے سے بھی) زیادہ ملتا ہے۔ (۴ : ۴۰) – (۳ : ۱۷۳)
(۶ : ۱۶۱) – (۱۰ : ۲۶) – (۲۴ : ۳۸) – (۲۷ : ۸۹)۔ اور برائیوں کا بدلہ اتنا ہی۔ (۲۸ : ۸۴)۔ کھیتی
کی مثال۔ (۲ : ۲۶۱)۔ مال اور اولاد کی محبت کے علی الرغم نیک روش اختیار کرنے کا دگن اجر۔ (۳۴ : ۳۷)۔
(۳۵ : ۲۹ - ۳۰)۔ (دہرا حصہ۔ ایک اس دنیا میں۔ ایک آخرت میں۔ (۵۷ : ۲۸)

۲۔ اہل کتاب ایمان لائیں تو دہرا اجر۔ (۲۸ : ۵۴)

۳۔ رسول کی بیویوں کو سزا بھی دگنی اور اجر بھی دہرا۔ (۳۳ : ۳۰ - ۳۱)

۴۔ اجر بغیر حساب۔ (۳۹ : ۱۰) – (۴۰ : ۴۰)

قانونِ مہلت

۱۔ خدا جلدی گرفت نہیں کرتا۔ مہلت دیتا ہے۔ (۱۰ : ۱۱) – (۱۳ : ۳۲) – (۱۴ : ۴۲) – (۱۶ : ۶۱)۔
(۱۸ : ۵۸ - ۵۹) – (۳۵ : ۴۵)

۲۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد مہلت نہیں ملتی۔ (۲۹ : ۴۴)

۳۔ مہلت کا مل جانا خدا کا فضل ہے۔ (۴۳-۲، ۲ : ۲۷)

حبطِ اعمال

۱۔ غلط اعمال راکھ کی طرح ہوتے ہیں جو یونہی اڑ جاتے ہیں۔ (۱۸ : ۱۴)۔ (۳۹ : ۲۴)

۲۔ صرف اسی دنیا کو زندگی سمجھنے والوں کے اعمال رائگاں جاتے ہیں۔ ان کے لئے میزان تک کھڑی نہیں کی جائے گی۔ (۱۰۶-۱۰۲ : ۱۸)

۲۴۔ مکر۔ کید

مکر۔ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسی تدبیر کہ جس کے خلاف وہ کی جائے اسے اس کا علم اس وقت ہو جب اس کا نتیجہ محسوس طور پر سامنے آجائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی تدابیر اچھے مقاصد کے لئے بھی اختیار کی جا سکتی ہیں اور برے مقاصد کے لئے بھی۔ چنانچہ مخالفینِ حق کی مخالفت میں جو چال بچھاتے اور سازشیں کرتے تھے انہیں بھی مکر کہا گیا ہے اور ان کے مقابلہ میں خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کو بھی مکر کہہ کر پکارا گیا ہے۔ جو ان کی تدابیر کو ناکام بنا کر انہیں شکست دیتا تھا۔

کید کے معنی بھی قریب قریب یہی ہیں۔ جب یہ غلط مقاصد کے لئے آئے گا تو اسے فریب کاری کہا جائے گا اور جب اچھے مقاصد کے لئے بولا جائے گا تو حسنِ تدبیر یا مکافاتِ عمل، مراد ہوگا۔ "اچھے مقاصد" سے مراد ہے اقدارِ خداوندی کے تحفظ و فروغ کے لئے اقدامات۔

اس سے کفار (مخالفین) کے کید و مکر اور جماعت مومنین، یا خدا کے کید و مکر میں فرق سامنے آجائے گا۔ قرآن کریم، دشمن کی فریب کاریوں یا خفیہ سازشوں کی مدافعت کے لئے خفیہ تدابیر کی اجازت دیتا ہے، البتہ اس میں کسی غلط قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔

مخالفین کا مکر اور خدا کا مکر

۱۔ مخالفینِ حضرت عیسٰیؑ کی خفیہ تدابیر اور ان کے مقابلہ میں خدا کی تدابیر۔ خدا کی تدابیر بہترین ہوتی ہیں۔ (۵۴ : ۳)

۲۔ اقوامِ سابقہ نے بھی خفیہ تدابیر سے کام لیا تھا۔ لیکن تدابیر تمام خدا ہی کے لئے ہیں۔ (۴۲ : ۱۳)

۳۔ قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ کے خلاف سازش کی۔ اور خدا نے اس کی مدافعت کے لئے خفیہ تدبیر اختیار کی جس کا انہیں پتہ بھی نہ چل سکا۔ ان کی سازش کا جو انجام ہوا وہ بڑا عبرت آموز ہے۔ (۵۰-۵۱ : ۲۷)

۴۔ رسول اللہؐ کے خلاف مخالفین کی خفیہ تدابیر اور خدا کی طرف سے ان کی مدافعت۔ (۳۰ : ۸) - (۴۶ : ۱۴) - ان کی سازشوں سے افسردہ خاطر مت ہو۔ (۱۲۷ : ۱۶) - (۷۰ : ۲۷) - مخالفین کو چیلنج "کیدُ" (۱۹۵ : ۷) - (۳۹ : ۷۷) - یہ اپنے مکائد کی زنجیروں میں خود ہی جکڑے جائیں گے۔ (۴۲ : ۵۲)

۵۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کو خدا نے مخالفین کے مکر سے محفوظ رکھا۔ (۴۵ : ۴۰)

۶۔ مخالفینِ حضرت نوحؑ نے بڑی تباہ کن خفیہ تدبیر اختیار کی تھی۔ (۲۲ : ۷۱)

۷۔ حضرت یوسفؑ کے خلاف بھائیوں کی سازش۔ (۱۰۲ : ۱۲) - عورتوں کی سازش۔ (۳۱ : ۱۲) - عورتوں کی چال بہت گہری تھی۔ (۲۸ : ۱۲) - (۳۴ : ۱۲) - (۵۰ : ۱۲)

۸۔ قوانینِ خداوندی (آیات) کے خلاف مکر۔ (۲۱ : ۱۰)

کید

۱۔ حضرت یوسفؑ کے لئے بھائی کو روک لینے کی تدبیر۔ (۷۶ : ۱۲)

۲۔ یہ بھی تدبیریں کر رہے ہیں اور ہم بھی۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ (۱۵-۱۷ : ۸۶)

۳۔ حضرت ہودؑ نے مخالفین کو چیلنج دیا کہ جو سازشیں بھی کرنا چاہتے ہو کر دیکھو۔ (۵۵ : ۱۱)

۴۔ مخالفین نے حضرت ابراہیمؑ کے خلاف منصوبہ (کید) بنایا جسے ہم نے ناکام کر کے رکھ دیا۔ یعنی ہم اسے وہاں سے نکال کر ایک دوسرے ملک میں لے گئے۔ (۷۰-۷۱ : ۲۱) - (۹۸ : ۳۷)

۵۔ فرعون نے ساحرین سے کہا کہ تم اپنے جملہ مکائد کو بروئے کار لاؤ۔ (۶۰ : ۲۰) - (۶۴ : ۲۰)

۶۔ انہیں مہلت دو۔ ہماری تدبیر (کید) بڑی محکم ہوتی ہے۔ (۴۵ : ۶۸)

مخالفین کے مکر کا انجام

۱۔ اقوامِ سابقہ نے خفیہ تدابیر کیں تو خدا نے انہیں جڑ بنیاد تک سے اکھیڑ دیا۔ (۲۶ : ۱۶)

۲۔ بری تدابیر کرنے والے کیا خدا کی گرفت سے بے خوف ہوگئے ہیں؟ (۹۹ : ۷) - (۴۵ : ۱۶)

۳۔ ہمارے فرستادہ ان کی تدابیر کو لکھتے رہتے ہیں۔ اور خدا تدبیر کرنے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ (۲۱ : ۱۰)

۴۔ اسی طرح ہر قریہ میں اکابر مجرمین سازشیں کرتے رہتے ہیں لیکن اتنا شعور نہیں رکھتے کہ یہ سازشیں وہ خود اپنے خلاف کرتے ہیں۔ ان کا وبال انہی پر پڑے گا۔ (۱۲۵-۱۲۴-۱۲۳-۶)

۵۔ طیب نظریہ حیات، اعمالِ صالحہ سے بلند ہوتا ہے اور برے مقاصد کے لئے سازشیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۱۰ : ۳۵)

۶۔ سازشیں کرنے والوں کی سازشیں خود انہی کو گھیر لیتی ہیں۔ (۴۳ : ۳۵) - (۴۲ : ۵۲)

۷۔ مخالفین کو ان کی سازشیں بڑی خوشنما بن کر دکھائی دیتی ہیں۔ (۳۳ : ۱۳)

کید

۱۔ خدا تمہارے مخالفین کے کید کو ذلیل کر دے گا۔ (یہ میدانِ جنگ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے) - (۱۸ : ۸)

۲۔ خدا، خیانت کرنے والوں کے مکائد کو کامیابی تک پہنچنے نہیں دیتا۔ (۵۲ : ۱۲)

۳۔ ساحرین کے مکائد کو کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ (۶۹ : ۲۰)

۴۔ کفار کے مکائد ناکام رہتے ہیں۔ فرعون و ہامان و قارون کے سلسلہ میں فرمایا۔ (۲۵ : ۴۰) - (۳۷ : ۴۰)

۵۔ اس دین کے خلاف کوئی بھی تدبیر (کید) کارگر نہیں ہو سکے گی۔ (۱۵ : ۲۲)

۶۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ اگر تم استقامت سے کام لوگے اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو گے تو مخالفین کی کوئی چال (کید) بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ (۱۱۹ : ۳) - اس سے ظاہر ہے کہ خدا، مخالفین کی چالوں کو کس طرح ناکام بناتا ہے، اُن انسانوں کے ہاتھوں سے جو تقویٰ شعار ہوں اور استقامت پذیر۔

۷۔ مکافاتِ عمل کے ظہور کے وقت کسی کی کوئی چال بھی اسے تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔ (۴۶ : ۵۲)

۸۔ اصحابِ فیل کی خفیہ تدبیر کو کس طرح ناکام بنا دیا گیا! (۲ : ۱۰۵)

متفرق

۱۔ فرعون نے ساحرین سے کہا کہ تم نے (حضرت) موسیٰؑ کے ساتھ مل کر سازش کی ہے کہ ہمیں مملکت سے نکال باہر کرو۔ (۷ : ۱۲۳)۔ (۲)۔ بڑے بڑے لیڈر ایسی سازشیں کرتے رہتے ہیں جن سے عوام غلط راستے اختیار کرلیں۔ (۳۴ : ۳۳)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے پجاریوں سے کہا کہ میں تمہارے بتوں کے خلاف ایک تدبیر (کید) کرونگا۔ (۲۱ : ۵۷)

۴۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ تیرے خلاف کوئی منصوبہ باندھ لیں گے۔ (۱۲ : ۵)۔ (۵)۔ شیطان کی تدبیریں (کید) کمزور ہوتی ہیں۔ (۴ : ۷۶)

۲۵۔ ملائکہ

ملائکہ۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کا مادہ (و ۔ ل ۔ ک) ہے جس کے معنی پیغام رسانی کے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کا مادہ (م ۔ ل ۔ ک) ہے جس کے معنی قوت اور اقتدار کے ہیں۔ ہم دوسرے خیال کے مؤید ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں، پیغام رسانی، ملائکہ کا صرف ایک منصب بتایا گیا ہے۔ ان کے باقی فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق قوت و اقتدار سے ہے۔

اللہ تعالیٰ سلسلۂ کائنات کو اپنی پیدا کردہ قوتوں کی رو سے چلا رہا ہے ان قوتوں کو ملائکہ کہا گیا ہے۔ انہیں خود کوئی اختیار و ارادہ حاصل نہیں۔ یہ خدا کے مقرر کردہ پروگرام کو، اس کی مشیت کے مطابق تکمیل تک پہنچاتی ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ یعنی وہ عالم جہاں خدا کے تدبیری امور طے پاتے ہیں ہم اس عالم کے متعلق صرف اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا قرآن نے بتا دیا ہے۔ اس لئے ہم ان ملائکہ کے متعلق بھی اس سے بیش کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں جتنا کچھ قرآن میں آیا ہے۔ ان میں سے جو قوتیں، ہماری محسوس کائنات میں کارفرما ہیں، انہیں، ہماری زبان میں فطرت کی قوتیں کہا جاتا ہے۔ یہ وہ قوتیں ہیں جن کا علم، انسان حاصل کرسکتا ہے۔ (اس علم کو علم الاشیاء یا قوانین فطرت کا علم کہا جاتا ہے) اور اس علم کی رو سے، انہیں مسخر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ 'ملائکہ' ہیں جو آدم (انسان) کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہیں۔ یعنی انسان ان سے کام لے سکتا ہے۔ ان میں سے بعض قوتیں خود انسان کے اندر کارفرما ہوتی ہیں۔ انہیں نفسیاتی قوتیں کہا جاسکتا ہے۔ یہ سب قوتیں غیر مرئی ہوتی ہیں۔ یعنی انہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ سمجھ سکتے اور محسوس کرسکتے ہیں۔

۲۔ انسان کے دورِ جہالت میں فطرت کی ان قوتوں کو دیوی دیوتا سمجھ کر ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ قرآن کریم نے اس قسم کی توہم پرستیوں کو مٹایا اور ملائکہ کے صحیح مقام اور منصب سے انسان کو آگاہ کیا۔ یعنی انہیں بتایا کہ جن قوتوں کو تم اپنا معبود تصور کر رہے ہو وہ (فطرت کی قوتیں) تمہارے سامنے سجدہ ریز ہوسکتی ہیں۔ آدم مسجودِ ملائکہ ہے۔ ملائکہ مسجودِ آدم نہیں۔ ملائکہ کے صحیح مقام اور منصب کو سمجھ لینا، ملائکہ پر ایمان لانا کہلائے گا۔ مومن وہی ہے جو ملائکہ کی اس حقیقت پر ایمان لاتا ہے۔

۳۔ جو ملائکہ، حضرات انبیاء کرامؑ کی طرف خدا کا پیغام (وحی) لاتے تھے، ان کی کنہ و حقیقت کے متعلق ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا تعلق عالمِ امر سے تھا۔

۴۔ ہمارے ہاں ملائکہ (جمع ملائکہ) کا ترجمہ فرشتہ کیا جاتا ہے اور ملائکہ کو فرستادگان کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے۔ اس میں ملائکہ کے منصب پیغام رسانی کا پہلو مضمر ہے۔ لیکن چونکہ یہ منصب، ملائکہ کے فرائض میں سے صرف ایک فریضہ ہے اس لئے ملائکہ کا یہ تصور جامع نہیں۔ اگر ہمیں بھی کسی جگہ فرشتہ لکھنا پڑے تو اس لفظ کو پیغام رساں کے محدود معنوں میں نہ لیا جائے بلکہ ملکوتی یا کائناتی قوتوں کے وسیع معنوں میں لیا جائے۔

مَلَکٌ

۱۔ رسول جب دعوے کرتا تھا کہ میری طرف فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو مخالفین کہتے تھے کہ ہم اس دعوے کو اس وقت مانیں گے۔ جب وہ فرشتہ خود ہمیں دکھائی دے دے۔ یہ ان کی حماقت تھی۔ فرشتے نظر نہیں آیا کرتے۔ نظر تو انسان آسکتا ہے۔ لہٰذا اگر فرشتہ کو مرئی (نظر آنے والا) بنا کر بھیجا جائے، تو وہ انسان ہوگا۔ یہ لوگ اس پر بھی اعتراض کریں گے۔
(۱۰ – ۸ : ۶) – (۱۲ : ۱۱) – (۷ : ۲۵) – یہ جب بھی ایمان نہ لاتے۔ (۱۱۱ : ۶) – (۸ – ۷ : ۱۵) – (۹۲–۹۰ : ۱۷)
(۲۴ : ۲۳) – (۲۱ : ۲۵) – (۱۴ : ۴۱) – (۵۳ : ۴۳)

۲۔ رسول اللہؐ نے کہا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ (۵۰ : ۶) – (۳۱ : ۱۱) – "اگر زمین میں فرشتے بستے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجدیا جاتا۔ (۹۵ : ۱۷) – (۶۰ : ۴۳)

۳۔ ملک الموت وفات دیتا ہے۔ (۱۱ : ۳۲) – ملائکہ۔ (۹۷ : ۴) – (۹۳ : ۶) – (۵۰ : ۸) – (۲۸ : ۱۶) – (۳۲ : ۱۶) – (۲۷ : ۴۷)

ملائکہ اور قصۂ آدم

۱۔ خلافتِ آدم۔ علم الاسماء۔ سجدۂ ملائکہ۔ انکارِ ابلیس۔ (۲ : ۳۰-۳۴)۔ (۷ : ۱۱)۔ (۱۵ : ۲۸-۳۰)۔ (۱۷ : ۶۱)۔ (۱۸ : ۵۰)۔ (۲۰ : ۱۱۶)۔ (۳۸ : ۷۱)

ملائکہ اور حضرات انبیاءِ کرام وغیرہ

۱۔ ملائکہ نے حضرت زکریاؑ کو آواز دی۔ (۳ : ۳۹)۔ (۲)۔ ملائکہ اور حضرت مریمؑ۔ (۳ : ۴۲)۔ (۳ : ۴۵)۔ (بعض کے نزدیک (۱۹ : ۱۹) میں رسول سے مراد فرشتہ ہے۔

۳۔ ملائکہ شہادت دیتے ہیں کہ انبیاءؑ کی طرف جو کچھ نازل کیا جاتا تھا، وہ مبنی پر علم تھا۔ (۴ : ۱۶۶)

۴۔ ملائکہ اور الروح کا نزول نبی پر ہوتا تھا۔ (۱۶ : ۲)۔ (۵)۔ فریضۂ پیغام رسانی۔ (۲۲ : ۷۵)۔ (۳۵ : ۱)

۶۔ ملائکہ حضورؐ کے پشت پناہ ہو جاتے (۶۶ : ۴)۔ حضورؐ پر صلوٰۃ بھیجتے تھے۔ (۳۳ : ۵۶)

۷ لیلۃ القدر میں نزولِ ملائکہ اور الروح۔ (۹۷ : ۴)۔ (۸)۔ پیغامِ خداوندی کے محافظ۔ (۷۲ : ۲۷)

۹۔ جبریل نے قلبِ محمدی پر باذنِ خداوندی قرآن نازل کیا۔ (۲ : ۹۷)

جنگوں میں ملائکہ کی امداد

۱۔ تین ہزار ملائکہ کی امداد۔ (۳ : ۱۲۴)۔ پانچ ہزار۔ (۳ : ۱۲۵)۔ یہ مجاہدین کو بشارت دیتے تھے اور ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کرتے تھے۔ (۳ : ۱۲۶)۔ (۸ : ۹؛ ۱۲)

۲۔ یہ وہ جنودِ خداوندی تھے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ (۹ : ۲۶)۔ (۹ : ۴۰)۔ (۳۳ : ۹)

۳۔ کفار کے دل میں رعب ڈال دو۔ ان کا اچھی طرح مؤاخذہ کرو۔ انہیں اپنی گرفت میں لے لو۔ (۸ : ۱۲)

ملائکہ کی حیثیت

۱۔ ملائکہ اس سے کبھی عار نہیں برتیں گے کہ وہ خدا کے عبد ہیں۔ (۴ : ۱۷۲)۔ (۲۱ : ۱۹)

۲۔ ملائکہ اور رعد، خدا کی تحمید میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ (تسبیح)۔ (۱۳ : ۱۳)۔ (۴۱ : ۳۷-۳۸)۔ ملائکہ کبھی

سرکشی اختیار نہیں کرتے۔ (۴۹ : ۱۶) ۔نیز اہلِ ارض کے لئے حفاظت چاہتے ہیں۔ (۵ : ۴۲)

۳۔ جہنم کے داروغے ۔جو کچھ خدا کہتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ (۲۰-۱۹ : ۲۱) - (۷۳ ، ۷۱ : ۳۹) - (۴۹ : ۴۰) (۶ : ۶۶) - (۳۱ : ۷۴) - جہنم والوں کی استدعا- (۵۰-۴۸ : ۴۰) - جہنم کا داروغہ مالک - (۷۷ : ۴۳)

۴۔ ملائکہ اور الروح خدا کی طرف عروج کرتے ہیں ایک ایک دن میں جس کی مقدار پچاس پچاس ہزار سال ہوتی ہے۔ (۴ : ۷۰)

۵۔ انہیں اتنا ہی علم ہے جتنا خدا نے دیا ہے۔ (۳۲ : ۲)

۶۔ کتابتِ اعمال کرنے والے۔ (۲۱ : ۱۰) - (۱۱ : ۱۳) - (۸۰ : ۴۳) - (۱۸-۱۷ : ۵۰)

۷۔ عباد مکرم - (۲۶ : ۲۱) - بعض کے نزدیک ان سے مراد ملائکہ ہیں۔

۸۔ دو دو - تین تین - چار چار "پروں" والے - یعنی مختلف خواص رکھنے والی قوتیں - (۳-۱ : ۳۵)

۹۔ دوزخ کے محافظ اُنیس - یہ متشابہات میں سے ہے - (۳۱-۳۰ : ۷۴) - (۱۰) - ہر نفس پر ایک محافظ ہے - (۴ : ۸۶)

۱۱۔ ملائکہ امرِ رب سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ جنت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے - (۶۴ : ۱۹)

۱۲۔ سورۂ الصّٰفّٰت میں جن جماعتوں کا ذکر ہے بعض کے نزدیک ان سے مراد ملائکہ ہیں - (۳-۱ : ۳۷) - اسی طرح (۴-۱ : ۷۷) میں بھی اور (۵-۱ : ۷۹) میں -

ملائکہ جن کا تعلق عالم امر سے ہے

خدا کے قانونِ مکافات کو عملاً متشکل کرنے والے

۱۔ فرشتہ نازل ہو جائے تو سارا معاملہ طے ہو جائے۔ (۸ : ۶) - (۱۵۸ : ۶) - (۳۳ : ۱۶) - (۲۲ : ۲۵)

۲۔ عرشِ خداوندی کے حاملین ———— (۷۵ : ۳۹) - (۷ : ۴۰) - (۱۷ : ۶۹)

۳۔ قیامت میں خدا اور ملائکہ صف بستہ آئیں گے - (۳۸ : ۷۸) - (۲۲ : ۸۹)

۴۔ سمٰوٰت میں کتنے ملائکہ ہیں جن کی شفاعت کسی کے کام نہیں آتی - (۲۹-۲۶ : ۲۱) - (۲۶ : ۵۳)

۵۔ بعض کے نزدیک (۳-۱ : ۳۷) - (۴-۱ : ۷۷) - (۵-۱ : ۷۹) میں جن کا ذکر ہے وہ ملائکہ ہیں - بالخصوص مدبرات امر والے - (۵ : ۷۹)

ملائکہ پر ایمان

۱۔ ملائکہ پر ایمان - (۱۷۷ : ۲) - (۲۸۵ : ۲) - (۱۳۶ : ۴)

ملائکہ کے متعلق توہم پرستانہ عقائد

۱۔ رسول کبھی یہ نہیں کہے گا کہ تم ملائکہ کو خدا بنالو۔ (۳ : ۸۰)
۲۔ وہ لوگ ملائکہ کو دیویاں قرار دیتے تھے اور خدا کی بیٹیاں۔ (۱۷ : ۴۰)۔ (۳۷ : ۱۵۰)۔ (۴۳ : ۱۹)۔ (۵۳ : ۲۷)
۳۔ قیامت میں خدا فرشتوں سے پوچھیگا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے۔ (۳۴ : ۴۰)

ملائکہ اور مومنین

۱۔ ملائکہ جنت میں مومنین کا استقبال کریں گے۔ (۱۳ : ۲۳)۔ وفات کے وقت بھی۔ (۱۶ : ۳۲)۔ (۲۱ : ۱۰۳)۔ ان کے لیے دعائیں کرنے والے۔ (۴۰ : ۷-۹)
۲۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس دعوے پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان پر اسی دنیا میں ملائکہ کا نزول ہو جاتا ہے۔ (۴۱ : ۳۰)۔ (۳)۔ ملائکہ مومنین پر سلام وصلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ (۳۳ : ۴۳)

متفرق

۱۔ زنانِ مصر نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ملک کریم ہے۔ (۱۲ : ۳۱)
۲۔ یہودیوں کا توہم پرستانہ عقیدہ تھا کہ بابل میں دو فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ (۲ : ۱۰۲)
۳۔ ابلیس نے آدم کو بہکایا کہ خدا نے اس شجر سے تمہیں اس لئے منع کر دیا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ۔ (۷ : ۲۰)
۴۔ ملائکہ کی طرف سے لعنت۔ (۲ : ۱۶۱)۔ (۳ : ۸۶)
۵۔ کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ خدا اور ملائکہ بادلوں کے سائے میں ان کے پاس آئیں؟۔ (۲ : ۲۱۰)
۶۔ تابوتِ سکینہ کو ملائکہ اٹھاتے ہوئے لائے تھے۔ (۲ : ۲۴۸)
۷۔ ملائکہ شہادت دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (۳ : ۱۸)۔ (۸) قیامت میں نزولِ ملائکہ۔ (۲۵ : ۲۵)
۹۔ ملائکہ۔ جبریل۔ میکائیل۔ کا کون دشمن ہو سکتا ہے۔ (۲ : ۹۸)

—(۰)—

۲۶- ملامت

ملامت کے معنی ہیں کسی کو سرزنش کرنا۔ اُسے بُرا بھلا کہنا۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص سے سہواً کوئی لغزش سرزد ہو جائے اور اس کے بعد جب اسے اس کا احساس ہو، تو وہ خود ہی اپنے آپ پر ملامت کرے۔ دوسرے یہ کہ کوئی دوسرا کسی کو ملامت کرے۔ اس کو پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی سے فی الواقعہ کوئی غلط بات سرزد ہو جائے اور اس پر کوئی دوسرا اس کو ملامت کرے اور دوسرے یہ کہ ایک شخص حق کے راستے پر چل رہا ہے۔ لیکن اس کے مخالفین، محض مخالفت کی غرض سے بات بات پر اسے ملامت کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں، ملامت کی ان تمام قسموں کی مثالیں ملتی ہیں۔

۱- اپنے آپ پر ملامت

سورۃ القیامۃ میں ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ (۷۵ : ۲) "میں نفسِ لوّامہ کو شہادت میں پیش کرتا ہوں۔" نفسِ لوّامہ کی تشریح نفس کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں اتنا دہرا دیا جائے کہ انسان کے اندر اس قسم کی صلاحیت نہیں۔ جو از خود حق اور باطل میں تمیز کر کے، اسے باطل پر ملامت کرے۔ جسے عرفِ عام میں ضمیر کی آواز کہا جاتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس ماحول میں انسانی بچے کی تعلیم و تربیت ہوگی، اس میں جن باتوں کو اچھا قرار دیا جائے گا، انہیں وہ بھی اچھا سمجھنے لگے گا۔ اور جنہیں معیوب قرار دیا جائے گا، ان سے وہ نفرت کرے گا۔ تعلیم و تربیت و ماحول کے انہی نقوش کو ضمیر کی آواز کہا جاتا ہے مثلاً جینیوں کے بچے کو شروع ہی سے بتایا جائے گا کہ گوشت کھانا بڑی معیوب بات اور بہا پاپ ہے بڑے ہو کر اس کی "ضمیر" اسے گوشت کھانے پر ملامت کریگی۔ اور مسلمان کے بچے کی ابتدا ہی سے گوشت پر پرورش کی جائے گی اس لئے اس کی ضمیر اسے گوشت خوری پر ملامت نہیں کرے گی۔ لہٰذا، نفسِ لوّامہ سے مراد ہوگی انسان کی وہ صلاحیت جو اسے ہر اس بات پر ملامت کرے جسے وہ (یا اس کی سوسائٹی) معیوب سمجھتی ہے۔ لیکن ابتدائی نقوش کے باوجود، جس شخص کے دل سے یہ نکل جائے کہ وہ بات معیوب ہے، اس کی ضمیر اسے اس پر ملامت نہیں کریگی۔ اسے "مردہ ضمیر" کہا جاتا ہے۔

۲- قابلِ ملامت افعال

خدا کی وحی نے جن امور کو معیوب قرار دیا ہے اور ان کے ارتکاب سے منع کیا ہے، اگر کوئی شخص دیدہ دانستہ ان کی

خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے مجرم کہا جائے گا۔ لیکن اگر کسی شخص سے کبھی سہواً ان کی خلاف ورزی ہو جائے تو قرآن اُسے قابلِ ملامت (سرزنش کا سزاوار) قرار دیتا ہے۔ معصیت (سرکشی) کا مجرم نہیں۔ مثلاً حضرت یونسؑ سے جب ایک اجتہادی غلطی ہوئی تو کہا گیا کہ وَهُوَ مُلِيمٌ (۳۷ : ۱۴۲)

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ نہ تو اپنے مال و دولت کو فضول خرابیوں میں برباد کرو، اور نہ ہی بالکل بخیل بن جاؤ۔ ان دونوں صورتوں میں تم بعد ازاں متاسف بھی ہو گے اور قابلِ ملامت بھی قرار پاؤ گے۔ (۱۷ : ۲۹)

سورۃ النجم میں ہے کہ مومنین، کبائر الاثم (بڑے بڑے جرائم) سے ہمیشہ مجتنب رہتے ہیں۔ البتہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی غلط بات کا خیال ان کے دل میں آجائے یا ان سے سہواً کوئی چھوٹی موٹی لغزش سرزد ہو جائے تو اس کا احساس ہونے کے بعد وہ اس کی فوراً اصلاح کر لیں۔ ایسے خیال یا لغزش کے لئے لفظ لَمَم آیا ہے (۵۳ : ۳۲) جس کا مادہ تو ملامت (ل - و - م) ہے۔ لیکن مراد اس قسم کی لغزش یا لغزش کے خیال سے ہے۔

۳۔ مخالفین کی طرف سے حق بات پر ملامت

مومنین کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں ہر قسم کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ (۵ : ۵۴)

جس جنسی اختلاط کی قرآن نے اجازت دی ہے، اس کے متعلق کہا کہ یہ قابلِ ملامت بات نہیں۔ چونکہ قرآن کی رُو سے یہ قابلِ ملامت نہیں، اس لئے اگر مخالفین اسے قابلِ ملامت قرار دیتے ہیں، تو دیتے رہیں۔ مومنین کو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ (۶ : ۲۳) — (۷۰ : ۳۰)

رسول اللہ سے کہا گیا کہ جو مخالفین کسی بات کے سننے کیلئے آمادہ ہی نہیں، ان سے اب اعراض برتو۔ ایسا کرنے میں تو سزاوارِ ملامت قرار نہیں پائے گا۔ (خواہ لوگ کچھ ہی کیوں ہی کہیں)۔ (۵۱ : ۵۴)

لہٰذا حسن و قبیح، صحیح اور غلط، معیوب و محبوب اور مذموم و مرغوب کا معیار قرآن کا ضابطۂ قوانین و اخلاق ہے، نہ کہ لوگوں کے خیالات یا انسانوں کے خود ساختہ معیار۔

۴۔ ایک دوسرے کی ملامت

انسان کی حالت یہ ہے کہ — کارِ بد تو خود کرے، لعنت کرے شیطان پر۔ انسان کی یہی ذہنیت ہے جسے واشگاف کرنے کی

غرض سے قرآن میں آیا ہے کہ شیطان ایسے لوگوں سے کہے گا کہ تم مجھے کیوں ملامت کرتے ہو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (۲۲ : ۱۴)۔ جہنم میں داخل ہونے والوں کے متعلق کہا کہ وہ ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (۳۰ : ۶۸)۔ تفصیل ان امور کی "جہنم" کے عنوان میں گذر چکی ہے۔

عزیزِ مصر کی بیوی کو اس کی ہم جلیسوں نے طعنہ دیا کہ تم ایک غلام پہ ریجھ گئی ہو، تو اس نے انہیں کھانے پہ بلایا اور (حضرت) یوسفؑ کو ان کے سامنے لے آئی جنہیں دیکھ کر وہ مبہوت ہوگئیں۔ اس پر اس نے ان سے کہا کہ یہ ہے وہ جس پر ریجھ جانے پر تم میری ملامت کیا کرتی ہو۔ (۳۲ : ۱۲)

جب فرعونِ مصر اپنے لشکر سمیت، غرقِ دریا ہوا ہے تو قرآن نے کہا ہے کہ وَهُوَ مُلِيْمٌ (۴۰ : ۵۱)۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اس کی زندگی، جس کا یہ انجام ہوا، قابلِ ملامت تھی اور یہ بھی کہ وہ خود اپنے آپ پر ملامت کرتا تھا۔ یہ مفہوم اس لئے متبادر ہوتا ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے چلا کر کہا کہ میں ربِ موسٰے پر ایمان لاتا ہوں، یعنی وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا۔

نفسِ لوامہ۔ (۲ : ۷۵)

۲۷۔ ملت

بنیادی طور پر اس مادہ (م - ل - ل) کے معنی "لکھانے" کے ہوتے ہیں۔ اس سے مِلَّةٌ لکھے ہوئے قانون کو کہیں گے۔ نیز اس کے معنی ایسے راستے کے ہیں جس پر بکثرت آمد و رفت ہوتی ہو۔ اس سے یہ لفظ مسلک و مشرب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اور قرآن کریم میں یہ انہی معانی میں آیا ہے۔

۱۔ اسلام ملتِ ابراہیمی ہے۔ (۱۳۰ : ۲)۔ (۱۳۵ : ۲)۔ (۹۵ : ۳)۔ (۱۲۵ : ۴)۔ (۱۶۱ : ۶)۔ (۱۲۳ : ۱۶)۔ (۷۸ : ۲۲)۔ (۲)۔ (۲)۔ حضرت یوسفؑ نے بھی یہی کہا۔ (۳۷ : ۱۲)

۲۔ کفار کا اعتراض کہ ہم نے دیگر ملتوں میں ایسا نہیں سنا۔ (۷ : ۳۸)

۳۔ قومِ شعیبؑ نے ملّۃ کا لفظ اپنے مذہب و مسلک کے لئے بولا۔ (۸۹ - ۸۸ : ۷)

۵۔ دیگر انبیاء کی اقوام نے بھی۔ (۱۳ : ۱۴) ۔ اصحاب کہف کے مخالفین نے بھی۔ (۲۰ : ۱۸)

۶۔ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کا اتباع نہیں کروگے۔ (۱۲۰ : ۲)

۲۸۔ مُلک ۔ مالک

<u>ملک</u> ۔ بنیادی طور پر اس مادہ کے معنی قوت ۔ اقتدار ۔ غلبہ ۔ اختیار ۔ اتھارٹی کے ہیں۔ اس لئے مالک کے معنی صاحبِ اقتدار و اختیار کے ہیں۔ مَلِک کے بنیادی معنی بھی اقتدار کے ہیں۔ بعد میں اسے بادشاہ (یعنی صاحبِ اقتدار) کے معنوں میں استعمال کرنے لگ گئے۔ اس طرح مُلک کے بنیادی معنی بھی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ بعد میں اس سے مراد وہ علاقہ ہوگیا جس پر کسی کا اقتدار ہو۔ ملکوت کے معنی وہ مظاہرِ فطرت ہیں جن سے خدا کے اقتدار و اختیار کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ مملکت کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔

ملائکہ کا مادہ بھی یہی ہے۔ اس کے لئے عنوان "ملائکہ" دیکھئے۔

ماملکت ایمانکم کے معنی ماتحت یا غلام اور لونڈیاں ہیں۔ اُسے الگ عنوان (غلام اور لونڈیاں) میں دیکھئے۔

"ذاتی ملکیت" کے لئے عنوان ملکیت دیکھئے۔

۲۔ کائنات میں ہر شے خدا کے قانون کے مطابق عمل پیرا ہے۔ لیکن قانون کے اندر بجائے خویش کوئی قوت نہیں ہوتی۔ کوئی اور قوت ہوتی ہے جو اس قانون کو مؤثر بناتی ہے۔ قوانینِ کائنات کے پیچھے یہ قوت خدا کی ہے جس میں کوئی اور شریک نہیں۔ اسی کو خدا کا اقتدار و اختیار کہا گیا ہے "لہٗ ملکُ السمٰوٰت والارض" کا یہی مفہوم ہے۔

رسول کا اعلان کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا

۱۔ یہاں ہر بات خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوتی ہے اس لئے اس قانون سے ہٹ کر، یا اس کے خلاف، کوئی شخص نفع یا نقصان کی صورت پیدا نہیں کر سکتا۔ اس باب میں رسولوں کی بھی استثناء نہیں تھی۔ (۱۸۸ : ۷)۔ (۴۹ : ۱۰)

۲۔ کسی دوسرے کے لئے بھی نہیں۔ (۴۱ : ۵)۔ (۲۱ : ۷۲)

۳۔ اپنے قریب ترین رشتہ دار (باپ تک) کے لئے بھی نہیں۔ (۴ : ۶۰)

۴۔ اگر میں خدا پہ افترا باندھوں تو اس کی گرفت سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ (۴۶ : ۸)۔ یہی حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کے متعلق کہا۔ (۵ : ۱۷)

معبودانِ باطل کسی قسم کا اقتدار نہیں رکھتے

۱۔ معبودانِ باطل کسی کے لئے نفع یا نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔ (۵ : ۷۶)۔ (۱۶ : ۷۳)۔ (۲۰ : ۸۹)۔ (۲۹ : ۱۷) شفاعت کا بھی اختیار نہیں۔ (۱۹ : ۸۷)۔ (۳۹ : ۴۳)۔ (۴۳ : ۸۶)۔ یہ اپنی ذات کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔ (۱۳ : ۱۶)۔ (۲۵ : ۳)

۲۔ سماعت و بصارت سے متعلق قانون بھی خدا ہی کا ہے۔ غیر اللہ اس میں کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ (۱۰ : ۳۱)

۳۔ ان سے پوچھو کہ اگر خدا کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے۔ (یعنی اس کے قانون کی خلاف ورزی سے کسی کو نقصان پہنچ رہا ہو) تو کون ہے جو اسے اس سے بچا سکے۔ (۱۷ : ۵۶)۔ (۴۸ : ۱۱)

۴۔ موت اور زندگی پر ان کا کوئی اختیار نہیں۔ (۲۵ : ۳)

۵۔ کائنات میں ایک ذرہ بھر کا اقتدار نہیں رکھتے۔ (۳۴ : ۲۲)۔ (۳۵ : ۱۳)۔ (۳۸ : ۱۰)۔ (۳۹ : ۴۳)

۶۔ خدا سے خطاب کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ (۷۸ : ۳۷)

انسانوں کا اقتدار

۱۔ انسانوں کو اقتدار، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتا ہے اور اسی کے مطابق چھنتا ہے۔ (۲ : ۲۴۸)۔ (۳ : ۲۶)۔ اس کے لئے اصول کیا ہے؟ (۲ : ۲۴۷-۲۴۸)

۲۔ جس بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کج بحثی کی تھی اس کے متعلق بھی کہا کہ اسے خدا نے اقتدار عطا کیا تھا۔ یعنی یہ طبیعی اقتدار (ملک کی حکومت) تھا جو خدا کے قوانینِ طبیعی کے مطابق ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔ (۲ : ۲۵۸)

۳۔ اگر ان لوگوں کو ذرا سا بھی اقتدار حاصل ہو جائے تو یہ کسی (ضرورت مند) کو ایک حبہ تک نہ دیں۔ (۴ : ۵۳)

۴۔ یوم الدّین میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی اقتدار و اختیار نہیں ہوگا۔ (۸۲ : ۱۹)

۵۔ خدا نے حضرت یوسفؑ کو اقتدار عطا فرمایا۔ (۱۲ : ۱۰۱)۔ حضرت داودؑ کو۔ (۲ : ۲۵۱)۔ (۳۸ : ۲۰)۔ حضرت طالوت کو۔ (۲ : ۲۴۷-۴۸)

۶- قومِ فرعون کا اقتدار - (۴۰ : ۲۹) - (۴۳ : ۵۱)

۷- آلِ ابراہیمؑ کو ملکِ عظیم عطا ہوا تھا - (۴ : ۵۴) - حضرت سلیمانؑ کی دعا - (۳۸ : ۳۵)

۸- خدا اپنے اقتدار کو، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق، انسانوں کو عطا کر دیتا ہے - (۲ : ۲۴۷)

۹- بنی اسرائیل میں سے ملوک بنائے - (۵ : ۲۰)

اقتدار و اختیار سب خدا کے لئے ہے

۱- سمٰوٰت و ارض (جملہ کائنات) میں اقتدار و اختیار خدا کا ہے - (۲ : ۱۰۷) - (۳ : ۱۸۹) - (۵ : ۱۷) -
(۵ : ۴۰) - (۵ : ۱۲۰) - (۷ : ۱۵۸) - (۹ : ۱۱۶) - (۲۴ : ۴۲) - (۲۵ : ۲) - (۳۵ : ۱۳)
(۳۹ : ۶) - (۳۹ : ۴۴) - (۴۳ : ۸۵) - (۴۵ : ۲۷) - (۴۸ : ۱۴) - (۵۷ : ۲) - (۵۷ : ۵)
(۶۷ : ۱) - (۸۵ : ۹)

۲- مالک الملک خدا ہے - (۳ : ۲۶) - الملک الحق - (۲۰ : ۱۱۴) - (۲۳ : ۱۱۶) - الملک القدوس - (۵۹ : ۲۳)
(۶۲ : ۱) - (۳) نفخِ صور کے وقت بھی اقتدار خدا ہی کا ہوگا - (۶ : ۷۳)

۴ اقتدارِ خداوندی میں کوئی شریک نہیں - (۱۷ : ۱۱۱)

۵- قیامت میں تمام اقتدار خدا کے لئے ہوگا - (۲۲ : ۵۶) - (۲۵ : ۲۶) - (۴۰ : ۱۶)

۶- لہٗ الملک و لہ الحمد (۶۴ : ۱) - (۷) - ملک الناس - (۱۱۴ : ۲)

۸- ملک یوم الدین - (۱ : ۴) - یوم الدین کیا ہے؟ (۸۲ : ۱۹)

۹- خدا ملیک و مقتدر ہے - (۵۴ : ۵۵)

۱۰- ملکوت کل شیئ خدا کے ہاتھ میں ہے - (۲۳ : ۸۸) - (۳۶ : ۸۳)

قانونِ مکافاتِ عمل کے خلاف کسی کو اقتدار حاصل نہیں

۱- اس دن کوئی ایک دوسرے کے لئے نفع یا ضرر کا اختیار نہیں رکھے گا - (۳۴ : ۴۲)

۲- اس دن تمام اقتدار خدا کے لئے ہوگا - (۲۲ : ۵۶)

۳- یوم الدین میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے لئے کوئی اقتدار نہیں رکھے گا - (۸۲ : ۱۹)

ملکوت السمٰوٰت والارض

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت والارض دکھائے گئے۔ (۷۵ : ۶)

۲۔ ملکوت السمٰوٰت والارض پر دعوتِ غور و فکر۔ (۷ : ۱۸۵)

۳۔ ہر شے کی ملکوت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (۸۸ : ۲۳) - (۸۳ : ۳۶)

متفرق

۱۔ مُلکؓ بمعنی اختیار و ارادہ۔ (۸۷ : ۲۰) - (۲) - مُلکِ سلیمانؑ - حکومت یا اقتدار۔ (۱۰۲ : ۲)

۳۔ ملکؓ کے معنی اتھارٹی - یا کمانڈ۔ (۲۴۷ - ۲۴۶ : ۲)

۴۔ خدا نے حضرت داؤدؑ کو مُلک (اقتدار) اور حکمت عطا کی تھی۔ (۲۵۱ : ۲)

۵۔ بادشاہ، حضرت ابراہیمؑ کے خلاف اس لئے کج بحثی کر رہا ہے کہ اسے اقتدار حاصل تھا۔ (۲۵۸ : ۲)

۶۔ شیطان نے آدم سے کہا تھا کہ میں تجھے ایک ایسی مملکت (مُلک) کا پتہ نشان دیتا ہوں جس پہ کبھی زوال نہ آئے۔ (۱۲۰ : ۲۰)

۷۔ جنت کو مُلک کبیر کہا گیا ہے۔ (۲۰ : ۷۶)

۸۔ قصۂ حضرت یوسفؑ میں بادشاہ کو ملک کہا گیا ہے۔ (۷۶ ؛ ۲۷ ؛ ۵۴ ؛ ۵۰ ؛ ۴۳ : ۱۲)

۹۔ قصۂ حضرت موسٰیؑ اور مردِ بزرگ میں بادشاہ کو ملک کہا گیا ہے۔ (۷۹ : ۱۸)

۱۰۔ ملکۂ سبا نے کہا کہ جب ملوک کسی ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں۔ (۳۴ : ۲۷)

۱۱۔ جہنم کے داروغے کو مالک کہا گیا ہے۔ (۷۷ : ۴۳)

۱۲۔ مویشیوں پر انسانوں کو اقتدار دیا گیا ہے۔ (فھم لھا مالکون) - (۷۱ : ۳۶)

۱۳۔ مملوک بمعنی غلام۔ (۷۵ : ۱۶) یعنی جسے کسی شے پر اقتدار نہ ہو۔

۲۹۔ ملکیت

ملکؔ (میم کی تینوں حرکات کے ساتھ) کے معنی ہوتے ہیں قوت رکھنا۔ کسی پر قادر اور مستولی ہوجانا۔ اختیار و ارادہ۔ اقتدار۔ بنیادِ محکم۔ سہارا۔

قرآنِ کریم کی رُو سے، کائنات کی ہر شے پر ملکیت بھی خدا کی ہے اور کائنات میں اختیار و ارادہ (مُلک) بھی خدا کا۔ انسان، اشیائے کائنات سے انتفاع (فائدہ) حاصل کرسکتا ہے۔ ان کا مالک نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا، خدا کی عطا کردہ اشیاء (زمین وغیرہ) پر کسی کی ذاتی ملکیت کا تصور باطل ہے۔

انسان پر اقتدار بھی خدا ہی کو حاصل ہے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر اپنا حکم نہیں چلا سکتا۔

اس عنوان میں صرف ملکیت کے تصور کو زیرِ بحث لایا گیا ہے "ملک" کے دیگر تصورات مختلف عنوانوں کے تحت آئیں گے۔

خدا کا مالک ہونا

۱۔ مالک یوم الدین۔ (۱ : ۳)۔ مالک الملک (۳ : ۲۵)۔ کسی اور کو ملک حاصل نہیں۔ (۵ : ۱۷)۔ (۲۵ : ۲۶)۔ (۳۵ : ۱۳)۔ (۶۷ : ۱)۔ للہ ملک السمٰوٰت والارض۔ (۳ : ۱۸۸)۔ (۵ : ۱۷)۔ (۵ : ۱۸)۔ (۵ : ۴۰)۔ (۵ : ۱۲۰)۔ (۷ : ۱۵۸)۔ (۹ : ۱۱۶)۔ (۱۷ : ۱۱۱) اس کا کوئی شریک نہیں (۴۲ : ۲۴)۔ (۲۵ : ۲)۔ (۳۸ : ۱۰)۔ (۴۲ : ۴۹)۔ (۴۵ : ۲۷)۔ (۴۸ : ۱۴)۔ (۵۷ : ۲)۔ (۵۷ : ۵)۔ (۶۴ : ۱)

۲۔ لہٗ مافی السمٰوٰت والارض۔ (۲ : ۲۵۵)۔ (۲ : ۲۸۴)۔ (۳ : ۱۰۹)۔ (۳ : ۱۲۸)۔ (۴ : ۱۲۶)۔ (۴ : ۱۳۳)۔ (۴ : ۱۷۰)۔ (۴ : ۱۷۱)۔ (۶ : ۱۲)۔ (۶ : ۷۳)۔ (۱۰ : ۵۵)۔ (۱۰ : ۶۶)۔ (۱۰ : ۶۸)۔ (۱۴ : ۲)۔ (۱۶ : ۵۲)۔ (۲۰ : ۶)۔ (۲۱ : ۱۹)۔ (۲۲ : ۶۴)۔ (۲۴ : ۶۴)۔ (۲۶ : ۳۰)۔ (۳۱ : ۲۶)۔ (۳۴ : ۱)۔ (۴۲ : ۴)۔ (۴۲ : ۵۳)۔ (۴۳ : ۸۵)۔ (۵۳ : ۳۱)۔ (۵۹ : ۲۴)۔ (۸۵ : ۹)۔

۳۔ للہ میراث السمٰوٰت والارض۔ (۳ : ۱۷۹)۔ (۱۹ : ۴۰)۔ (۵۷ : ۱۰)

۴۔ اگر ان لوگوں کو مُلکؔ میں سے کوئی حصہ مل جائے تو لوگوں کو ذرا بھی نہ دیں۔ (۴ : ۵۳)

۵۔ خدا نے بنی اسرائیل کو ملوک بنایا۔ (۵ : ۲۰)

۶۔ ملکوت السمٰوٰت والارض (۶ : ۷۶) — (۷ : ۱۸۵)۔ ملکوت کل شیٔ۔ (۲۳ : ۸۸) — (۳۶ : ۸۳)

۷۔ مومنین سے جان اور مال خرید لئے ہیں۔ (۹ : ۱۱۱)

۸۔ ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے۔ (۱۱ : ۶)

۹۔ ارض اللہ۔ (۴ : ۹۷) — (۷ : ۷۳) — (۱۱ : ۶۴) — (۳۹ : ۱۰)

۱۰۔ اسی نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ثمرات پیدا کئے۔ (۱۳ : ۳-۴) — (۱۴ : ۳۲) — (۱۵ : ۱۹)

۱۱۔ رب السمٰوٰت والارض۔ (۱۳ : ۱۶) — (۱۹ : ۶۵) — (۲۱ : ۵۶) — (۲۶ : ۲۴) — (۳۸ : ۶۶) — (۴۳ : ۸۲) — (۴۵ : ۳۶)۔ رب الناس۔ (۱۱۴ : ۱)

۱۲۔ خدا کے سوا رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ (۱۶ : ۷۳) — (۲۷ : ۶۴) — (۲۹ : ۱۷) — (۳۰ : ۴۰) — (۳۴ : ۲۴)

۱۳۔ عطائے رب پر بند نہیں لگائے جا سکتے۔ (۱۷ : ۲۰)

۱۴۔ الملک الحق (۲۰ : ۱۱۴) — (۲۳ : ۱۱۶) — (۵۹ : ۲۲)۔ الملک القدوس۔ (۶۲ : ۱)

۱۵۔ سماء و ارض میں وہی الٰہ ہے (۴۳ : ۸۴)۔ ارض میں اور الٰہ ماننا شرک ہے۔ (۲۱ : ۲۱)

۱۶۔ وراثت ارض عباد الصالحون کو دی جاتی ہے۔ (۷ : ۱۲۸) — (۲۱ : ۱۰۵)۔ الارض للہ

۱۷۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے۔ (لمن)۔ خدا کی۔ (۲۳ : ۸۴-۸۵) — (۲۷ : ۶۰-۶۱)

۱۸۔ لہٗ مقالید السمٰوٰت والارض۔ (۴۲ : ۱۲)

۱۹۔ ارض و سما کی کبریائی۔ (۴۵ : ۳۷) — جنود السمٰوٰت والارض۔ (۴۸ : ۷)

۲۰۔ کھیتی کون اگاتا ہے۔ پانی کون برساتا ہے؟ (۵۶ : ۶۳-۷۰)

خدا کے ہمسر نہ بناؤ

۱۔ خدا نے زمین بنائی۔ اس سے فصلیں پیدا کیں۔ اس کے ہم سر مت بناؤ۔ (۲ : ۲۲) — (۲ : ۱۶۴-۱۶۵)

۲۔ ارض اور سما میں وہی الٰہ ہے۔ (۴۳ : ۸۴)۔ ارض میں اور الٰہ ماننا شرک ہے۔ (۱۷ : ۱۱۱) — (۲۱ : ۲۱)

۳۔ زمین کو سواءً للسائلین نہ رکھا جائے تو یہ کفر بھی ہے اور شرک بھی۔ (۴۱ : ۹-۱۰)

۴۔ فرعون کا دعوٰے یہ تھا کہ ملکِ مصر اور اس کی انہار اس کی ملکیت ہیں۔ (۴۳ : ۵۱) — اسی طرح قارون کا دعوٰے تھا

کہ جو کچھ میرے پاس ہے۔ میری ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ (۲۸ : ۷۸) - (۳۹ : ۴۹-۵۰)

انسانوں کے فائدے کے لئے

۱۔ تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا۔ بارش برسائی۔ زمین سے فصلیں پیدا کیں۔ خدا کے ہمسر نہ بناؤ۔ (۲ : ۲۲)

۲۔ جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے بنایا۔ (۲ : ۲۹)

۳۔ انسان کے لئے زمین میں مستقر اور متاع ہے۔ (۲ : ۳۶) - (۷ : ۲۴) - (۴۰ : ۶۴) - (۷۹ : ۳۳) - (۸۰ : ۳۲)

۴۔ جو کچھ خدا نے رزق دیا ہے اُسے کھاؤ۔ (۲ : ۱۷۲) - (۵ : ۸۸) - (۶ : ۱۴۳) - (۱۶ : ۱۱۴) - (۲۰ : ۸۱) -

۵۔ اس میں سے خرچ کرو۔ (انفاق) جو خدا نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔ (۲ : ۲۶۷)

۶۔ جو خدا نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ (۴ : ۳۹)

۷۔ خدا نے زمین سے فصلیں پیدا کی ہیں۔ (۶ : ۱۰۰) - (۱۶ : ۱۳)

۸۔ نحن نرزقکم و ایاھم ۔ (۶ : ۱۵۲) - (۱۷ : ۳۱)

۹۔ زمین میں معاش (روزی) ہے۔ (۷ : ۱۰) - (۱۵ : ۲۰) - (۲۰ : ۵۴) - (۵۰ : ۱۱) - (۶۷ : ۱۵)

۱۰۔ سامانِ زینت اور رزق جسے اللہ نے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ اُسے کون حرام قرار دے سکتا ہے۔ (۷ : ۳۲)

۱۱۔ خدا رب العالمین ہے ۔ (۱ : ۱) - (۱۲)۔ انسانوں کے لئے وراثتِ ارض (اس سے مراد استخلاف ہے)۔ (۷ : ۱۰)۔ (۷ : ۱۲۸) - (۷ : ۱۳۷) - (۳۳ : ۲۷) - (۳۹ : ۷۴)

۱۳۔ قحط اور فصلوں کی کمی خدا کا عذاب ہے۔ (۷ : ۱۳۰) - (۱۶ : ۱۱۲) - (۲۰ : ۱۲۴)

۱۴۔ خدا سماء اور ارض سے رزق دیتا ہے ۔ (۱۰ : ۳۱)

۱۵۔ سخر لکم ما فی الارض ۔ (۲۲ : ۶۵) - (۴۵ : ۱۳)

۱۶۔ اس نے ارض کو تمہارے لئے مہد بنایا۔ (۴۳ : ۱۰) - (۷۸ : ۶) - (۲۰ : ۵۳) - بساط - (۷۱ : ۱۹)

۱۷۔ اس نے تمہارے لئے سمع و بصر و فؤاد پیدا کئے۔ (۲۳ : ۷۸)

۱۸۔ ارض کو مخلوق (انام) کے لئے بنایا۔ (۵۵ : ۱۰) - (۱۹)۔ جعل لکم الارض ذلولا ۔ (۶۷ : ۱۵)

۲۰۔ انسان مویشیوں کے مالک ہیں۔ ان پر اقتدار رکھتے ہیں ۔ (۳۶ : ۷۱-۷۲)

اکتسابی چیزیں

۱۔ ماکسب۔ اور اخرجنا من الارض میں فرق۔ (۲۶۷ : ۲)

۲۔ جو مرد کمائے وہ اس کا حق۔ جو عورت کمائے وہ اس کا حق۔ (۳۲ : ۴)

۳۔ ما انفقوا من اموالھم۔ (۳۴ : ۴) ۔ (۳۸ : ۴) ۔ (۴) ۔ اموال الناس۔ (۱۶۱ : ۴)

—(۰)—

۳۰۔ منافق

نفق۔ (مادہ کے اعتبار سے) نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے راستے دونوں کھلے ہوں۔ یعنی منافق جب کسی نظام یا سوسائٹی میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے یہ دیکھ لیتا ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ کونسا ہے۔ قرآن میں (سورۂ منافقون میں) ہے کہ یہ لوگ جب رسول کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ (۱ : ۶۳) ۔ یہ منافق ہیں۔ یعنی منافق وہ ہے جو زبان سے وہ کچھ کہے جس کی تصدیق اس کا دل نہ کرتا ہو۔ سورۂ بقرہ کی ابتدا ہی میں تین جماعتوں کا ذکر ہے۔ ایک کھلے کھلے مومن۔ دوسرے کھلے کھلے کافر اور تیسرے وہ لوگ جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پہ ایمان لائے ہیں۔ لیکن وہ مومن ہوتے نہیں۔ یہ لوگ اللہ اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ (۹-۸ : ۲) ۔ منافقین کو قرآن نے بدترین خلائق قرار دیا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کھلے ہوئے دشمن سے آپ ہر وقت محتاط رہ سکتے ہیں۔ لیکن جو مارِ آستین بن کر چھپا رہے، اس کے متعلق آپ کو گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دشمن ہے اس لئے قرآن کریم میں منافقین کا بڑی تفصیل سے ذکر آیا ہے اور ان سے محتاط رہنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

یاد رہے کہ منافقین کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا۔ جب بھی کسی کی زبان اس کے دل سے ہم آہنگ نہ ہو۔ یا اس کا کردار اس کے دعوے کی تصدیق نہ کرے، وہ نفاق کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن نے اسے "دل کی بیماری" (نفسیاتی مرض) قرار دیا ہے۔ جماعت میں وسوسہ انگیزیاں کرنے والے۔ ان میں بزدلی پھیلانے والے۔ لوگوں کو دکھانے کی خاطر نیک کام کرنے والے۔ امت میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے مسجدیں تعمیر کرنے والے۔ جنگ سے گریز کی راہیں تلاش کرنے والے۔ مشکل کے وقت بہانے تراشنے والے ہر وقت تنقیدیں اور اعتراضات کرنے والے۔ کچھ دے کر احسان جتاتے رہنے والے۔ یہ اعتراض کرنے والے کہ ہماری بات کیوں نہیں مانی جاتی۔

ہماری مرضی کے مطابق پروگرام کیوں نہیں بنایا جاتا ۔ جب اپنا فائدہ نظر آئے تو شریکِ پروگرام ۔ جب ذاتی منفعت نہ ہو تو کنارہ کش ۔ یہ ہیں مختصراً وہ خصوصیات جن کے حامل منافق کہلاتے ہیں اور قرآن نے اس خصلت کو کفر سے بھی زیادہ شدید مستوجبِ عذاب قرار دیا ہے ۔ جماعت پر تباہیاں آتی ہی منافقین کے ہاتھوں ہیں ہماری ساری تاریخ اس کی شاہد ہے اور قرآن کریم کے اس معیار کی رو سے کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ان کا عمل ان کے اس دعوے کا ثبوت بہم نہیں پہنچاتا ۔ ہمیں خود اپنی حالت پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا مقام کیا ہے ۔

منافقین کون ہیں

۱۔ جو زبان سے اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں لیکن درحقیقت مومن نہیں ۔ یہ دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں ۔ ان کے دل میں ہی روگ ہے ۔ (۲ : ۸-۱۰) - (۴ : ۱۴۲) - (۵ : ۴۱) - (۹ : ۱۲۵) ۔ زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو دل میں نہیں (۳ : ۱۶۷)

۲۔ جب یہ مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان والے ہیں ۔ جب خلوت میں اپنے سرغنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ ہم مومنین سے مذاق کرتے ہیں ۔ (۲ : ۱۴) - (۲ : ۷۶) - (۳ : ۱۱۸) - (۴ : ۸۱) - (۵ : ۵۳) - (۵ : ۶۱) - (۹ : ۶۴-۶۶)

۳۔ ان کی گفتگو بڑی پُرکشش اور سحر انگیز ہوتی ہے حالانکہ مخالفت میں یہ سب سے آگے ہوتے ہیں ۔ وہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں ۔ (۲ : ۲۰۴) - (۹ : ۸)

۴۔ لوگوں کو دکھانے کی خاطر نیک کام کرنے والے ۔ (۲ : ۲۶۴) - (۴ : ۳۸) ۔ کسی کی مدد کر کے احسان جتانے والے ۔ (۲ : ۲۶۳) - (۴ : ۱۴۲) - (۹ : ۵۴)

۵۔ منافقین جنگ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چلے جاتے تھے اور عین میدان میں ایسی سازشیں کرتے اور وسوسے پھیلاتے تھے ۔ جن سے مسلمان بددل ہو کر بھاگ اٹھیں ۔ (۳ : ۱۵۳ ؛ ۱۶۶) ۔ یہ جنگِ اُحد کا ذکر ہے ۔ (۴ : ۷۲) - (۸ : ۴۹) - (۹ : ۴۲) - (۹ : ۴۳-۴۹) - (۹ : ۵۶-۵۹) - (۳۳ : ۱۲-۱۹)

۶۔ جب انہیں خدا کی کتاب اور رسول کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ پہلو تہی کرتے ہیں ۔ اور ان کی جان پر بن جاتی ہے ۔ (۴ : ۶۲-۶۳) - (۵ : ۶۳)

۷۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی اپنے جیسا کافر بنا دیں ۔ گویا منافقت درحقیقت کفر ہی ہے ۔ (۴ : ۸۹) - (۹ : ۵۶-۵۹) - (۹ : ۶۶) - (۹ : ۷۴) - (۹ : ۱۲۵)

۸۔ ہجرت منافقین کا ٹسٹ تھا۔ (۴ : ۸۹)

۹۔ ایسے لوگ جو چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی بنائے رکھیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی۔ (۴ : ۹۱)

۱۰۔ لوگوں سے چھپانا۔ لیکن اللہ سے تو چھپا نہیں سکتے۔ (۴ : ۱۰۸)

۱۱۔ مسلمانوں میں سے جو بھی کفار کو دوست بنائے وہ کافر ہے۔ (۴ : ۱۳۹) - یہود و نصاریٰ کو بھی۔ (۵ : ۵۱-۵۲)

۱۲۔ فائدے کے وقت تمہارے ساتھ، مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دینے والے۔ (۴ : ۱۴۱) - (۹ : ۵۰)

۱۳۔ صلوٰۃ میں سستی کے ساتھ شریک ہونے والے۔ (۴ : ۱۴۲) - (۹ : ۵۴)

۱۴۔ نہ ادھر نہ اُدھر۔ مذبذبین بین ذالک۔ (۴ : ۱۴۳)

۱۵۔ فلاں حکم ملے تو قبول کر لینا اور فلاں ملے تو نہ ماننا۔ (۵ : ۴۱) -(۱۶)-منافق سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں (۹ : ۶۷)

۱۶۔ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ انہیں مال و دولت دے دے تو یہ اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔ لیکن جب دولت مل جاتی ہے تو بخل کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۹ : ۷۵-۷۸)

۱۸۔ مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے، ہر ایک پر تنقید۔ ہر ایک پر اعتراض۔ جو صدقہ دیتے ہیں ان پر طعن (کہ یہ دکھاوے کی خاطر ایسا کرتے ہیں)۔ جو غریب ہیں اور صرف اپنی محنت پیش کر سکتے ہیں، ان پر بھی طعن کہ یہ کچھ نہیں دیتے۔ (۹ : ۷۹)

۱۹۔ جنگ میں شرکت کے متعلق کوئی حکم نازل ہو جاتا ہے تو ان کی جان نکل جاتی ہے۔ (۹ : ۸۶) - (۹ : ۹۰-۹۹) - (۹ : ۱۲۷) - (۴۷ : ۲۰-۲۱)

۲۰۔ بعض عربی قبائل۔ اور اہل مدینہ میں سے بھی بعض منافقت میں انتہا تک پہنچے ہوئے۔ (۹ : ۱۰۱)

۲۱۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی خاطر مسجدیں بنانے والے (مسجد ضرار)۔ (۹ : ۱۰۷-۱۱۰)

۲۲۔ اپنے معاملات کے فیصلوں کے لئے خدا اور رسول کی طرف نہ آنے والے۔ (۲۴ : ۴۷-۵۴)

۲۳۔ مومن آزمائش کے وقت پورا اترتا ہے۔ منافق صرف آسانی اور آرام میں "مومن" رہتا ہے۔ (۲۹ : ۱۰-۱۱)

۲۴۔ خدا نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ (۳۳ : ۴)

۲۵۔ خدا نے ان کے نام نہیں بتائے تھے۔ رسول اللہ سے کہا تھا کہ تم انہیں ان کے طرزِ کلام سے پہچان سکتے ہو۔ (۴۷ : ۳۰)

۲۶۔ جہاد میں شریک نہ ہونے والے۔ گریز کی راہیں تراشنے والے۔ (۴۸ : ۱۱)

۲۷۔ جس بات سے روکو وہی بات کریں گے۔ سلام تک ذو معنی الفاظ میں کریں گے۔ (۵۸ : ۸)

۲۸۔ جھوٹی قسمیں کھانے والے۔ (۱۴ : ۵۸)

۲۹۔ یہ جن لوگوں سے اپنی مدد کا وعدہ کرتے ہیں ان سے بھی ایفائے عہد نہیں کریں گے۔ (۱۲ : ۵۹)

۳۰۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی بری بات ہے کہ تمہارے قول اور عمل میں مطابقت نہ ہو۔ (۳-۲ : ۶۱)

۳۱۔ یہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے۔ خدا بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ تو خدا کا رسول ہے۔ لیکن یہ منافق جھوٹے ہیں۔ ان کا دل اور ان کی زبان ہم آہنگ نہیں۔ (۳-۱ : ۶۳)

۳۲۔ ظاہرداری بڑی خوشنما۔ اندر سے کھوکھلے۔ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے کھڑی۔ (۴ : ۶۳)

۳۳۔ کہیں پتہ بھی کھٹکے کہ تو ان کی جان جاتی ہے کہ آئی مصیبت۔ نہایت بزدل۔ (۴ : ۶۳)

۳۴۔ دوسروں کو بھی روکتے ہیں کہ جماعت مومنین کے افراد کو کچھ نہ دو تاکہ یہ لوگ رسول کا ساتھ چھوڑ جائیں۔ (۷ : ۶۳)

۳۵۔ عزت تمام کی تمام اللہ۔ رسول۔ اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن منافق یہ بات نہیں سمجھتے۔ (۸ : ۶۳)

۳۶۔ متشابہ آیات سے مومنین کا ایمان بڑھتا ہے اور منافقین کا کفر زیادہ ہوتا ہے۔ (۳۱ : ۷۴)

۳۷۔ یہ اپنوں سے کہتے ہیں کہ صبح کے وقت مومنوں میں جاکر شامل ہو جاؤ اور شام کے وقت ان سے الگ ہو جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ان میں سے کچھ لوگ بھی تمہارے ساتھ نکل آئیں۔ (۷۲ : ۳)

۳۸۔ شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے۔ (۶۰-۵۹ : ۳۳)

۳۹۔ بس کنارے پر بیٹھے اطاعت کرنے والے۔ اگر فائدہ نظر آتا ہے تو اطاعت۔ ورنہ کنارہ کشی۔ مصلحت بینی اور مفاد کوشی (۱۱ :

منافقت کا انجام

۱۔ منافقت سے خرچ کئے مال و دولت کا انجام بھی تباہی ہوتا ہے۔ (۲۶۲-۲۶۶ : ۲) - (۵۴ : ۹)

۲۔ منافقین اور کفار دونوں جہنم میں۔ (۱۴۰ : ۴) - (منافق جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں۔ (۱۴۵ : ۴) - (۶۸ : ۹

۳۔ منافق ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی منافقت کا پردہ چاک نہ ہو جائے۔ (۶۴ : ۹)

۴۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا۔ خدا نے انہیں بھلا دیا۔ (۶۷ : ۹)

۵۔ دنیا اور آخرت دونوں میں الم انگیز عذاب۔ (۷۴ : ۹) - (۷۳-۷۲ : ۳۳) - (۶ : ۴۸)

۶۔ رسول کا استغفار بھی ان کے کسی کام نہیں آسکتا۔ (۸۰ : ۹) - (۶ : ۶۳)

۷۔ ان کی کثرتِ مال و اولاد تمہیں تعجب میں نہ ڈال دے۔ یہی ان کی تباہی کا موجب بن جائیں گے۔ (۸۵ : ۹)

۸۔ یہ اپنے دل کی باتیں خدا سے نہیں چھپا سکتے ۔ (۵ : ۱۱)

۹۔ منافقین قیامت میں مومنوں سے اکتسابِ نور کی درخواست کریں گے ۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی ۔ اس لئے کہ انہیں یقینِ محکم نہیں تھا ۔ (۱۴-۱۳ : ۵۷)

۱۰۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص خدا کا رسول ہے تو ہمیں فوراً سزا کیوں نہیں مل جاتی ۔ ان کا انجام تباہی ہوگا ۔ (۸ : ۵۸) خدا نے ایسا نہیں کیا تھا کہ ان کے نام رسول اللہ کو بتا دیتا ۔ تجربہ کے بعد ہی معلوم ہوسکتا تھا کہ کون کون منافق ہے ۔ (۳۰ : ۴۷) ۔ (۱۱) ۔ شریف زادیوں کو تنگ کرنے والے ۔ انہیں عبرت انگیز سزا دو ۔ (۶۰ - ۵۹ : ۳۳)

منافقین سے تعلقات

۱۔ منافقین سے دوستداری کے تعلقات جائز نہیں ۔ (۱۹-۱۱۷ : ۳) ۔ (۸۹ : ۴) ۔ (۱۵- ۱۴ : ۵۸)

۲۔ رسول اللہ کے زمانے میں منافقین مسلمانوں کے اندر ملے ہوئے تھے ۔ لیکن آخرالامر یہ چھٹ کر الگ ہوگئے تھے اور مسلمانوں کی خالص الگ جماعت رہ گئی تھی ۔ (۱۷۸ : ۳)

۳۔ منافقین کے متعلق تمہاری دو آراء نہیں ہونی چاہیئں ۔ (۸۸ : ۴)

۴۔ ان سے بھی کفار کی طرح جنگ کرو ۔ (۸۹ : ۴) ۔ (۷۳ : ۹) ۔ (۹ : ۶۶)

۵۔ ان میں سے جو توبہ کریں ان کے صدقات قبول کرلو ۔ انہیں دعا بھی دو ۔ (۱۰۴ - ۱۰۱ : ۹)

۶۔ منافقین کی اطاعت سے ممانعت ۔ (۱ : ۳۳) ۔ (۴۸ : ۳۳)

متفرق

۱۔ شعراء وہ کچھ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ۔ (۲۲۶ : ۲۶) ۔ یہ سخت بری بات ہے کہ انسان کے قول و عمل میں مطابقت نہ ہو ۔ (۳-۲ : ۶۱)

۲۔ مداہنت بالکل جائز نہیں ۔ (۱۵ : ۱۰) ۔ (۱۱۳ : ۱۱) ۔ (۷۴ : ۱۷) ۔ (۹ : ۶۸)

۱۳۔ منّت ماننا

جس مفہوم کے لئے ہم اپنے ہاں "منت ماننے" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، قرآن کریم میں اس کے لئے نذر کا لفظ آتا ہے ۔ نذر درحقیقت ایسے کام کرنے کو کہتے ہیں جس کا کرنا خدا نے تو واجب قرار دیا ہو لیکن انسان اسے خود اپنے اُوپر واجب قرار دے لے۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسا کرنا ہوگا۔ انہیں ذمہ داری، فریضہ یا واجب کہا جائے گا۔ لیکن بعض وقت انسان، بعض اچھی باتوں کو خود اپنے اوپر آپ واجب قرار دے لیتا ہے۔ مثلاً کسی نادار طالبعلم سے وعدہ کرنا کہ میں تمہاری تعلیم کا خرچ ادا کر دوں گا۔ اسے نذر کہا جائے گا۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ جو بات تم پر خدا (نظامِ خداوندی) کی طرف سے واجب قرار دی جائے اسے تو تمہیں بہر حال کرنا ہوگا۔ لیکن جو بات تم خود اپنے اوپر واجب قرار دے لو' اسے بھی اسی طرح پورا کرو جس طرح خارج سے عائد کردہ واجبات کو پورا کیا جاتا ہے۔ آجکل کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ انکم ٹیکس حکومت کی طرف سے عائد کردہ واجب ہے جس کا ادا کرنا قانونی فریضہ ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کی سزا ملتی ہے لیکن کسی محتاج کی مدد کرنا، قانونی فریضہ نہیں۔ ایسا نہ کرنے سے نہ کسی قسم کی گرفت ہوتی ہے، نہ باز پرس۔ لیکن قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جب تم کسی محتاج سے مدد کرنے کا وعدہ کرو، تو اسے اسی طرح پورا کرو۔ جس طرح حکومت کے عائد کردہ واجبات ادا کئے جاتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں منت ماننا۔ یا قرآن کی اصطلاح میں نذر۔

۲۔ اس مادہ (ن۔ ذ۔ ر) کے معنی آگاہ کرنا ہیں۔ اس سے انذار، تنذیر، نذیر، منذر، وغیر الفاظ، متعلقہ عنوانات میں ملیں گے۔

اپنے اوپر کچھ واجب ٹھہرالینا

۱۔ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو۔ یا جو کچھ تم اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیتے ہو، خدا کو اس کا علم ہوتا ہے ۔ (۲ : ۲۷۰)

۲۔ مومن ان واجبات کو پورا کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اوپر عائد کر لیتے ہیں ۔ (۷۶ : ۷)

۳۔ حج میں اپنے واجبات کو پورا کرو ۔ (۲۲ : ۲۹)

۴۔ حضرت مریمؑ کی والدہ نے یہ منت مانی تھی کہ وہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کو ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی۔ یہ اس زمانے کا رواج تھا۔ (۳ : ۳۴)

۵۔ حضرت مریمؑ نے بطور نذر روزہ رکھا ہوا تھا۔ (۱۹ : ۲۶)

منت ماننے کی مشرکانہ رسوم

۱۔ عہدِ جاہلیت کی مشرکانہ رسوم۔ (۶ : ۱۳۶-۱۴۱)

۲۔ قرآن کریم کی رُو سے، چار چیزیں حرام ہیں۔ مردار۔ بہتا ہوا لہو۔ خنزیر کا گوشت اور ہر وہ شے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان۔ حرام)۔ اس اعتبار سے، نذر و نیاز کی تمام ایسی چیزیں جنہیں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے، حرام قرار پاتی ہیں۔ اور غیر اللہ سے مرادیں مانگنا تو کھلا ہوا شرک ہے (دیکھئے عنوان شرک)۔

عہدِ جاہلیت میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں یہ کچھ دوں گا یا ایسا کروں گا۔ لیکن مومن، خدا سے اس قسم کی "سودے بازی" نہیں کرتا۔ وہ، قرآن کی روشنی میں، جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیتا ہے، اسے بلا مشروط پورا کرتا ہے۔ یعنی وہ یہ نہیں کہتا کہ اگر خدا نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں اس کے بدلے میں اتنا دوں گا۔ یا یہ کچھ کروں گا وہ جس کام کا کرنا اپنے اوپر واجب قرار دے لیتا ہے، اسے اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کرتا ہے اور خدا (کا قانونِ مکافات) اسے اس کا اجر دیتا ہے۔

۴۲۔ موت۔ مُردے

قرآن کریم میں موت اور حیات (زندہ اور مردہ) کے الفاظ ان کے حقیقی معنوں میں بھی آئے ہیں اور مجازی معانی میں بھی۔ وہ، بنجر زمین کو زمینِ مردہ کہتا ہے اور جب اس میں روئیدگی کی نمود ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ خدا نے اسے حیاتِ تازہ عطا کر دی۔ وہ ایسے انسانوں کو، جو عقل و فکر کام نہ لیں، مردہ کہکر پکارتا ہے۔ اسی طرح زوال پذیر اقوام کو مردہ قومیں قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف، جس انسان پر طبیعی موت وارد ہو جاتی ہے اسے بھی مردہ کہتا ہے اور اس کے بعد جب وہ دوبارہ زندہ ہوتا ہے تو اسے اس کی حیاتِ نو یا اُخروی زندگی سے تعبیر کرتا ہے۔ زیرِ نظر عنوان کا تعلق اسی قسم کے مُردوں اور ان کی اُخروی حیات سے ہے۔

۲- دین میں حیاتِ اُخروی (مرنے کے بعد کی زندگی) کو ـــــ بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قانونِ مکافاتِ عمل کی عمارت اس بنیاد پہ استوار ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ انسان کا ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ اگر وہ نتیجہ اس دنیا میں سامنے نہیں آتا، نہ سہی - وہ انسان کی اگلی زندگی میں سامنے آجائے گا۔ لیکن یہ اگلی زندگی انہی کے لئے ہے جن کا اس زندگی میں شعور بیدار ہوچکا ہو - وہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکنے کے قابل ہو چکے ہوں - اور اپنے اختیار و ارادے سے، اپنے لئے راستے متعین کریں اور ان پر چلیں - یعنی وہ ذمہ دار انسان ہوں -

۳- قرآن کی رُو سے طبیعی موت انسان کے جسم پہ وارد ہوتی ہے - انسانی ذات، جو نہ قوانینِ طبیعی کی پیدا کردہ ہوتی ہے اور نہ ہی ان قوانین کے تابع ہوتی ہے، اس پہ موت وارد نہیں ہوسکتی (قرآن نے اسے نفس کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے. تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان نفس) انسان کی طبیعی موت کے بعد نفسِ انسانی آگے جاتا ہے اور اس زندگی میں اُسے اپنی موزونیت کوئی اور پیکر عطا ہوتا ہے جس کی کنہ دحقیقت سے ہم اسوقت واقف نہیں ہوسکتے۔ انسانی شعور، انسانی دماغ کا نہیں بلکہ نفسِ انسانی کا عمل ہے - اسلئے نفسِ انسانی کے تسلسل کا لازمی نتیجہ انسانی شعور کا تسلسل ہے۔ انسان کی طبیعی موت اور حیاتِ نو کے درمیان ایک وقفہ ہوتا ہے جس میں انسانی شعور (یوں کہئے گویا) خوابیدہ حالت میں رہتا ہے۔ اسے عام اصطلاح میں عالمِ برزخ کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد وہ بیدار ہوتا ہے تو اسے حیاتِ اُخروی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۴- قرآن کی رُو سے مرنے والوں کا اس دنیا والوں سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا - نہ ان (دنیا والوں) کا اُن (مُردوں) کے ساتھ کوئی تعلق ہو سکتا ہے - لہٰذا یہ جو ہم مردوں سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں، یا ان سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ خدا تک ہماری بات پہنچا دیں، یہ سب ہمارے اپنے پیدا کردہ اعتقادات ہیں جن کا نہ حقیقت سے کوئی تعلق ہے نہ قرآن سے کوئی واسطہ - اسی طرح مُردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا عقیدہ بھی غیر قرآنی ہے - (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان - مکافاتِ عمل)

۵- قرآنِ کریم کی رو سے، قبر کی کوئی حقیقت نہیں - اس میں تو محض انسان کے جسمِ مردہ کو دفن کیا جاتا ہے تاکہ اس سے باہر کی فضا متعفن نہ ہو - نہ ہی قبر کے اندر کسی عذاب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جس جسم کو دفن کیا جاتا ہے اس میں احساس و شعور ہی نہیں ہوتا اور انسان کو حیاتِ نو، آخروی زندگی میں ملتی ہے نہ کہ قبر کے اندر، مردہ جسم کو۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ مُردے قبروں سے اٹھیں گے تو یہ بات سمجھانے کا تشبیہی انداز ہے -

۶- قرآن کی رُو سے، مرنے کے بعد، اس دنیا میں کوئی شخص واپس نہیں آسکتا - انسان کے لئے عمل (کام کرنے) کا صرف اسی دنیاوی زندگی میں موقعہ ہے۔ اس زندگی کے اعمال کے مطابق اس کی مستقبل کی زندگی متشکل ہوگی - اچھی بھی اور بری بھی - دوبارہ یہاں واپس آنے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے تناسخ کا عقیدہ باطل ہے -

۷۔ قرآن کی رو سے، طبیعی کائنات کا سلسلہ لا متناہی نہیں۔ یہ ایک مدت تک کے لئے قائم رہے گا۔ اس لئے کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی لا متناہی نہیں۔ افراد طبیعی موت کے بعد دنیا سے چلے جاتے ہیں، اور جب کائنات کا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے گا تو اس کے بعد اس پر انسانوں کے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے، قرآن نے انسان کے لئے (کرۂ ارض کو) مستقر (ٹھہرنے کا مقام) قرار دیا ہے اور اس کے بعد کی دنیا کو مستودع (جس کے سپرد کسی کو کر دیا جائے)

۸۔ اسی سلسلہ میں، مختلف دیگر عنوانات مثلاً نفس۔ حیات۔ قیامت۔ حشر۔ مکافاتِ عمل۔ جنت۔ جہنم وغیرہ بھی دیکھئے)

حیاتِ اخروی کے منکر

انہیں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ (۱۳ : ۵) - (۱۷ : ۴۹-۵۱) - (۱۷ : ۹۸) - (۱۹ : ۶۶) -
(۲۲ : ۵) - (۲۳ : ۳۳) - (۲۳ : ۸۲) - (۳۲ : ۱۰) - (۳۴ : ۷) - (۳۶ : ۷۸-۷۹) -
(۳۷ : ۱۵-۱۸) - (۴۴ : ۳۵) - (۴۵ : ۲۴) - (۴۷ : ۱۲) - (۵۰ : ۳) - (۵۶ : ۴۸-۵۰)
(۶۰ : ۱۳) - (۶۴ : ۷) - (۶۲ : ۷) - (۷۴ : ۴۶) - (۷۵ : ۳-۴) - (۷۵ : ۳۶-۴۰)
(۷۸ : ۱-۳) - (۷۸ : ۲۷-۲۸) - (۷۹ : ۱۰-۱۱) - (۸۲ : ۴) - (۸۴ : ۱۴)

موت و حیات خدا کے قانون کے مطابق

وہی مارتا ہے وہی زندہ کرتا ہے۔ (۳ : ۱۴۵) - (۳ : ۱۵۵) - (۱۰ : ۵۶) - (۱۵ : ۲۳) -
(۲۲ : ۶) - (۲۳ : ۸۰) - (۳۰ : ۴۰) - (۳۰ : ۵۰) - (۳۶ : ۱۲) - (۴۰ : ۶۸) -
(۴۲ : ۹) - (۴۴ : ۸) - (۴۵ : ۲۶) - (۴۶ : ۳۳) - (۵۰ : ۴۳) - (۵۳ : ۴۴)
(۵۳ : ۴۷) - (۵۷ : ۲)

مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ

خدا کے اس قانون کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔ اس مقام پر صرف آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ (۲۷ : ۳)
(۶ : ۹۶) - (۱۰ : ۳۱) - (۱۹ : ۳۰)

وہاں سے دنیا کی طرف واپسی نہیں ہو سکے گی

۱۔ (۱۰۰ : ۲۳) ۔ (۱۰۷ : ۲۳) ۔ (۱۲ : ۳۲) ۔ (۵۸ : ۳۹) ۔ (۴۷ : ۴۲)

۲۔ وہاں موت بھی نہیں آئے گی ۔ (۳۶ : ۳۵) ۔ (۷۷ : ۴۳) ۔ (۵۶ : ۴۴)

۳۔ اہلِ جہنم کی حالت ۔ نہ موت نہ زندگی ۔ (۱۷ : ۱۴) ۔ (۷۴ : ۲۰) ۔ (۱۳ : ۸۷)

۴۔ اہلِ جنت بھی موت سے نا آشنا ہوں گے ۔ (۵۶ : ۴۴)

سلسلۂ کائنات لامتناہی نہیں ۔ موت ہر انسان کے لئے ہے

۱۔ سلسلۂ کائنات اجلِ مسمیٰ (متعین مدت) کے لئے سرگرم عمل ہے ۔ (۲۹ : ۳۱) ۔ (۱۳ : ۳۵) ۔ (۵ : ۳۹) ۔ (۳ : ۴۶) ۔ (۲)۔ کوئی انسان ہمیشہ کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ موت ہر ایک کو آئے گی ۔ (۲۸ : ۲) ۔ (۱۸۴ : ۳) ۔ (۷۸ : ۴) ۔ (۳۵ : ۲۱) ۔ (۵۷ : ۲۹) ۔ (۳۰ : ۳۹) ۔ (۴۲ : ۳۹) ۔ (۱۹ : ۵۰) ۔ (۸ : ۶۲) ۔ (۱۶-۱۷ : ۷۷) ۔ خود حضورؐ اکرم کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے ۔ (۱۴۴ : ۳) ۔ (۳۴ : ۲۱) ۔ (۳۰ : ۳۹)

۲۔ ارض مستقر ہے ۔ اس کے بعد انسان، دوسری دنیا کے سپرد کر دیا جاتا ہے اُسے مستودع کہتے ہیں ۔ (۳۶ : ۲) ۔ (۹۹ : ۶) ۔ (۶ : ۱۱) ۔ یہ مستقر ایک مدتِ معینہ کے لئے ہے ۔ (۲۴ : ۷)

تم اس زمین میں رہو گے ۔ اسی میں مرو گے ۔ پھر اس سے نکالے جاؤ گے ۔ (یعنی موت کے بعد تمہیں براہِ راست دوسری زندگی مل جائے گی) ۔ (۲۸ : ۲) ۔ (۲۵ : ۷) ۔ (۵۵ : ۲۰) ۔ (۶۶ : ۲۲) ۔ (۱۵-۱۶ : ۲۳) ۔ (۱۱ : ۴۰) ۔ (۱۷-۱۸ : ۷۱)

۴ اس دنیا میں آنے سے پہلے کی حالت کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد اس دنیا کی زندگی ۔ پھر طبعی موت ۔ اس کے بعد حیاتِ اُخروی ۔ اس اعتبار سے، دو موتیں ہوئیں اور دو زندگیاں ۔ (۲۸ : ۲) ۔ (۱۵-۱۶ : ۲۳) ۔ (۱۱ : ۴۰) ۔ حیاتِ اُخروی میں زندگی کہلانے کی مستحق، اہلِ جنت کی زندگی ہوگی ۔ جہنم میں نہ موت ہوگی نہ زندگی ۔ (۱۳ : ۸۷)

موت کے وقت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے وقت، انسان کی پوری زندگی کے اہم واقعات اور معاملات، انسانی حافظہ پر ابھر کر آجاتے ہیں، اور مجرم، اپنے جرائم کے احساس سے سخت مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہے۔ اسے قرآن نے موت کے وقت کے عذاب سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے برعکس مومن کی موت ہے جس میں خوشگواریوں کا احساس بیدار ہو جاتا ہے۔

موت کے وقت کا عذاب۔ (۶ : ۹۴) - (۳۷ : ۷) - (۵۰ : ۸) - (۲۸ : ۱۶) - (۱۱ : ۳۲) - (۲۷ : ۴۷) - (۱۹ : ۵۰) - اہلِ ایمان کی موت۔ (۳۲ : ۱۶)

برزخ

۱۔ مرنے کے بعد زندگی، یوم القیامت کو ہوگی (۱۶ - ۱۵ : ۲۳)۔ اس لئے قبر میں زندہ ہونے اور عذاب ملنے کا عقیدہ قرآن سے ثابت نہیں۔

۲۔ زندگی شعور کا نام ہے۔ نیند میں انسانی شعور خوابیدہ ہوتا ہے۔ اور موت میں بھی۔ نیند کے بعد جاگنے والے کا شعور اس دنیا میں بیدار ہو جاتا ہے، مرنے والے کا شعور اس دنیا میں واپس نہیں آتا۔ آگے جا کر بیدار ہوتا ہے۔ (۴۲ : ۳۹)

۳۔ مردوں کے سلسلہ میں برزخ کا لفظ ایک ہی جگہ آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مردوں کے پیچھے ایک پردہ کھڑا ہو جاتا ہے جس سے وہ زندہ انسانوں سے اوٹ میں ہو جاتے ہیں۔ قیامت میں پھر ان کا آمنا سامنا ہوگا۔ (۱۰۰ : ۲۳)

مُردے کسی کی بات سن نہیں سکتے۔ وہ بے شعور و بے احساس ہوتے ہیں

۱۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے۔ (۸۰ : ۲۷) - (۵۲ : ۳۰) - (۲۲ : ۳۵) - (۵ : ۴۶)

۲۔ وہ بے شعور و بے احساس ہوتے ہیں۔ (۲۱ : ۱۶) - (۶۵ : ۲۷)

مقتولین فی سبیل اللہ (شہداءؑ) کی حیات

مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے موت اور حیاتِ نَو کا درمیانی وقفہ شعور کی خوابیدگی کا نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں مردہ نہیں کہا جاتا۔ (۲ : ۱۵۴)۔(۳ : ۱۶۹)

حیاتِ اُخروی

۱۔ مُردوں کی بعثت ایک حقیقت ہے۔ (۶ : ۳۶)۔(۵۶ : ۹۵)

۲۔ خدا انہیں اُٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ (۲۲ : ۷)۔(۳۰ : ۲۵)۔(۳۶ : ۵۱-۵۲)۔(۵۰ : ۴۳-۴۴)۔(۷۹ : ۱۴)۔(۸۲ : ۴)۔(۱۰۰ : ۹)

۳۔ ایک نئی پیدائش۔ (۵۶ : ۳۵)۔(۵۶ : ۵۷-۶۲)۔(۷۶ : ۲۸)

اُخروی زندگی میں شعور کی نئی سطح

اُس زندگی میں زمان (TIME) کے متعلق شعور بدل جائے گا۔ (۱۰ : ۴۵)۔(۲۰ : ۱۰۳-۱۰۴)۔(۲۳ : ۱۱۳)۔(۴۶ : ۳۵)

متفرقات

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب کہا تھا کہ مجھے دکھا کہ مردوں کو کس طریق سے زندہ کیا جاتا ہے تو اس سے مراد، قومِ مردہ کو ازسرِنو زندہ کرنا تھا۔ (۲ : ۲۶۰)

۲۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جہاں آیا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے تو اس سے مراد بنی اسرائیل جیسی مردہ قوم کو دوبارہ زندہ قوموں کے زمرے میں شمار ہونے کے قابل بنا دیا تھا۔ یا غیر شعورِ انسانوں کو زندگی کی نئی راہیں دکھا دینا۔ (۳ : ۴۸)۔

(۳)۔ بنی اسرائیل کی "موت" کے بعد زندگی۔ (۲ : ۵۶)

۴۔ انسان پر وہ وقت بھی گذرا ہے جب وہ قابلِ ذکر شے نہ تھا۔ (۷۶ : ۱)

۵۔ طبقاً عن طبق بلندیوں کی طرف چڑھتے جانا۔ (۸۴ : ۱۹)۔(۶)۔ مشیت کے مطابق نشور۔ (۸۰ : ۲۱-۲۲)

۷- ھو یبدی ویعید - (۱۳ - ۸۵)- ابتدا کرنے والا اور گردشیں دینے والا-

۸- کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کی موت کہاں ہوگی - (۳۴ : ۳۱)

۳۲- حضرت موسےٰؑ

(حضرت ہارونؑ - ہامان - قارون - فرعون)

انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت موسےٰؑ کو ایک خاص مقام حاصل ہے کیونکہ تاریخ کا ایک عظیم انقلاب ان کے ہاتھوں رُنما ہوا تھا - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کا تذکرہ جلیلہ بڑی شرح و بسط سے کیا ہے - مختصراً یہ داستان حسب ذیل منازل پر مشتمل ہے-

(۱) پیدائشِ حضرت موسےٰؑ　　(۲)- فرعون کے محلات میں پرورش

(۳) قبطی کا قتل اور مدین کی طرف روانگی - مدین میں شبان کی زندگی -

(۴) منصبِ نبوت پہ سرفرازی - اور مصر کی طرف واپسی - حضرت ہارونؑ کی معیت -

(۵) فرعون اور اُس کی قوم کے ساتھ مقابلہ -

(۶) بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر، سینا اور فلسطین کی طرف آمد -　(۷) - خود اپنی قوم کی بوالعجبیاں -

(۸) ضمناً - نبوت سے پہلے، ایک مردِ بزرگ سے ملاقات جنہیں عام طور پہ (حضرت) خضرؑ کہا جاتا ہے -

اس سلسلہ میں عنوانات - بنی اسرائیل - فرعون - یہود - تورات - مدین - شعیبؑ وغیرہ بھی دیکھئے -

پیدائش اور فرعون کے محلات میں پرورش - قبطی کا قصہ

۱- حضرت موسےٰؑ ذریتِ ابراہیمی میں سے تھے - (۸۵-۸۴ : ۶)- آپ، حضرت ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیبؑ کے بعد مبعوث ہوئے تھے - (۱۰۳ : ۷) - (۵ : ۱۰)

۲- اُمِ موسےٰؑ تک یہ حکم پہنچا یا کہ بچے کو صندوق میں بند کر کے سپردِ دریا کر دے - حضرت موسےٰؑ کی بہن نے صندوق کا تعاقب کیا - فرعون کے محلات میں بچے کی رضاعت اور پرورش - قبطی کا قتل - مدین میں قیام (۴۱-۳۸ : ۲۰)-(۲۱-۷ : ۲۸)

۳۔ حضرت موسیٰؑ کا خدا سے کہنا کہ میرے ذمے ان لوگوں کا ایک خون ہے۔ (۱۴ : ۲۶) ۔ (۳۳ : ۲۸)

۴۔ مدین کے پیاؤ کا واقعہ۔ (۲۴ - ۲۲ : ۲۸)۔ حضرت موسیٰؑ کا نکاح ۔ (۲۸ - ۲۷ : ۲۸)

مدین کی زندگی منصبِ نبوت پر سرفرازی

۱۔ حضرت موسیٰؑ خدا سے ہم کلام ہوئے ۔ (۱۶۴ : ۴)۔ (۱۴۴ : ۷)

۲۔ حضرت موسیٰؑ کی درخواست کہ خدا بے نقاب جلوہ فرما ہو ۔ (۱۴۳ : ۷)

۳۔ جانبِ طور سے ندا۔ حضرت موسیٰؑ مخلص رسول ۔ نبی تھے ۔ (۵۲-۵۱ : ۱۹)

۴۔ طور پر آگ کا دیکھنا۔ خدا سے ہم کلامی ۔ عصا اور یدِ بیضا۔ فرعون کی طرف جانے کا حکم ۔ (۲۴-۹ : ۲۰) ۔ (۱۱-۷ : ۲۷) ۔ (۱۲ : ۲۷) ۔ (۳۵-۲۹ : ۲۸)

۵۔ حضرت موسیٰؑ کی درخواست ۔ حضرت ہارونؑ کی معیت ۔ (۳۶-۲۵ : ۲۰)

۶۔ خدا نے بتایا کہ حضرت موسیٰؑ کو کس طرح پیدائش سے لے کر اس وقت تک مختلف منازل سے گزارا۔ اور جب اس طرح وہ پختہ ہوگئے تو پھر منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا ۔ (۴۱-۳۸ : ۲۰)

۷۔ خدا کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو بلاوا۔ حضرت موسیٰؑ کا اپنے حالات بیان کرنا ۔ (۱۵-۱۰ : ۲۶)

۸۔ "ہمارے ہاں رسول ڈرا نہیں کرتے" (۱۱-۱۰ : ۲۷)

۹۔ حضرت موسیٰؑ کو نشانیاں دے کر بھیجا ۔ (۱۰۱ : ۱۷) ۔ (۱۲ : ۲۷)

۱۰۔ اے رسول! تو وہاں موجود نہیں تھا جب ہم نے طور کی جانب سے موسیٰؑ کو آواز دی تھی ۔ (۴۶ و ۴۴ : ۲۸)

۱۱۔ وادیٔ مقدس طویٰ کی طرف سے ندائے ربانی ۔ (۱۶-۱۵ : ۷۹)

فرعون کے ساتھ ٹکراؤ۔ سینا کی طرف ہجرت

۱۔ حضرت موسیٰؑ کا مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے۔ فرعون کا انکار۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ ساحرین کا ایمان لے آنا۔ (۱۲۶-۱۰۴ : ۷)۔ (۸۲-۷۶ : ۱۰)۔ (۷۰-۶۹ : ۲۰)

۲۔ فرعون کا فیصلہ کہ بنی اسرائیل کے ابنائے قوم کو تباہ کر دیا جائے اور جرأت و بسالت سے عاری افراد کو آگے بڑھایا جائے (ابنا کا ذبح کر دینا اور نساء کا زندہ رکھنا)۔ (۴۹ : ۲)۔ (۱۲۷ : ۷)۔ (۶ : ۱۴)۔ (۴ : ۲۸)

بیان لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا جو حضرت موسٰےؑ پر ایمان لائے تھے۔ (۲۵ : ۴۰)

۳۔ موسٰےؑ کو نو نشانیاں دے کر بھیجا۔ (۱۰۱ : ۱۷) - (۱۲ : ۲۷)

۴۔ فرعون کی طرف جانے کا حکم - فرعون کے ساتھ مکالمہ - فرعون کا سوال کہ ہمارے اسلاف کا کیا حال ہے - حضرت موسٰےؑ کا جواب - خدا کی اہم صفات کا بیان۔ (۵۶ - ۴۳ : ۲۰)

۵۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ (۶۹ - ۵۷ : ۲۰) - ساحرین کا ایمان لے آنا۔ (۷۶ - ۷۰ : ۲۰)

۶۔ حضرت موسٰےؑ کو حکم کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جائیے - دریا کے خشک راستے سے دریا پار کریں ——— (۷۷ : ۲۰) - (۶۸ - ۵۲ : ۵۶) - دونوں گروہوں کا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا - (۵۰ : ۲) - (۶۳ : ۲۶)

۷۔ قومِ فرعون نے کہا کہ کیا ہم ان دو بھائیوں کی بات مان لیں جو ہماری محکوم قوم کے افراد ہیں۔ (۴۷ : ۲۳)

۸۔ حضرت موسٰےؑ کا فرعون کے ساتھ مکالمہ - تمہارا یہ احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے - خدا کی صفات کا بیان۔ (۳۳ - ۱۷ : ۲۶) - ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ (۴۵ - ۳۴ : ۲۶) - ساحرین کا ایمان لے آنا۔ (۵۱ - ۴۶ : ۲۶)

۹۔ فرعون نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی - قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کرتا رہتا تھا۔ (۴ - ۳ : ۲۸)

۱۰۔ ہم نے چاہا کہ جس قوم کو یوں کچل دیا گیا ہے - اس پر اپنا احسان کریں اور انہیں اس سرزمین کا وارث بنا دیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس کے تصوّر سے انہیں کپکپی آجاتی تھی۔ (۶ - ۵ : ۲۸)

۱۱۔ فرعون کے ساتھ مکالمہ - فرعون کا مذاق کرنا کہ ایک مینار بناؤ تاکہ میں موسٰےؑ کے خدا کو ذرا جھانک آؤں ——— (۳۸ - ۳۶ : ۲۸) - (۳۷ - ۳۶ : ۴۰)

۱۲۔ فرعون و ہامان و قارون کی طرف بعثتِ حضرت موسٰےؑ۔ (۳۹ : ۲۹) - (۲۴ : ۴۰)

۱۳۔ فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو - میں موسٰےؑ کو قتل کر دوں گا۔ (۲۷ - ۲۶ : ۴۰)

۱۴۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر - قرآن نے پوری تفصیل سے درج کی ہے۔ (۴۵ - ۲۸ : ۴۰)

۱۵۔ حضرت موسٰےؑ کا قومِ فرعون کی طرف جانا - ان کا مذاق اڑانا - فرعون کا اعلان کرنا کہ کیا ملک مصر اور اس کی نہریں میری ملکیت نہیں ہ کیا میں اس شخص سے بڑا نہیں جس کے پاس مال و دولت کچھ نہیں (۵۴ - ۴۶ : ۴۳)

۱۶۔ جاؤ فرعون کی طرف - وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے - وہ کہتا ہے - انا ربکم الاعلیٰ (۲۶ - ۱۷ : ۷۹)

قومِ فرعون کا انجام

۱- قحط میں مبتلا ہونا- (۱۳۰ : ۷) - (۲)- طوفان- ٹڈی دل- خون- مینڈک وغیرہ کی بھرمار- (۱۳۳ : ۷)

۳- مصیبت کے وقت ایمان لانے کے وعدے- بعد میں روگردانی- (۱۳۶-۱۳۴ : ۷)

۴- غرقِ دریا- (۵۰ : ۲) - (۱۳۶ : ۷) - (۹۰ : ۱۰) - (۷۸ : ۲۰) - (۶۶ - ۶۳ : ۲۶) - (۴۰ : ۲۸)
(۵۵ : ۴۳) - (۴۰-۳۸ : ۵۱)

۵- حضرت موسیٰؑ کی خدا سے دُعا کہ اس قوم کو تباہ کر دے- (۸۸ : ۱۰)

۶- فرعون کا مرتے وقت ایمان لانا- ایمان قبول نہیں کیا گیا- فرعون کی لاش کا محفوظ رکھنا- (۹۲ - ۹۰ : ۱۰)

۷- قومِ فرعون پر اس دنیا میں لعنت اور قیامت میں بُرا مقام- فرعون اپنی قوم کو جہنم میں لے گیا- (۹۹-۹۶ : ۱۱)
(۴۲ - ۴۰ : ۲۸)- (۸)- موسیٰؑ کی تکذیب پر قومِ فرعون کو پکڑ لیا- (۴۴ : ۲۲) - (۳۶ : ۲۵)

۹- قومِ فرعون نے سرکشی اختیار کی- کہا کہ کیا ہم ان (دو بھائیوں) کی بات مان لیں جو ہماری محکوم قوم کے افراد ہیں-
سو وہ ہلاک ہو گئے- (۴۸ - ۴۶ : ۲۳)

۱۰- ان کے باغات- خزانے- چشمے ان سے چھن گئے- اور بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنا دیا- (۵۹ - ۵۷ : ۲۶)

۱۱- یہ لوگ دل میں حضرت موسیٰؑ کی صداقت کا یقین رکھتے تھے- لیکن علوِ نفس کی بنا پر اس پر ایمان نہیں لاتے تھے-
سو وہ تباہ ہو گئے- (۱۴-۱۳ : ۲۷) - (۱۲)- فرعون اور قارون اور ہامان کا انجام- (۴۰ - ۳۹ : ۲۹)

۱۳- مدام آگ کا عذاب (صبح شام آگ کے سامنے)- اور الساعت کے دن- (۴۶ - ۴۵ : ۴۰)

۱۴- وہ قوم قصۂ ماضی بن گئی- (۵۶ : ۴۳)- (۱۵) یہاں اور وہاں دونوں جہانوں میں سزا- (۲۶-۲۵ : ۷۹)

ہامان

فرعون کے ہاں کا مذہبی پیشواؤں کا سردار- اس زمانے میں ان کا مقام اگر بادشاہ سے بڑا نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہوتا تھا- عوام سب ان کی گرفت میں ہوتے تھے اور بادشاہ کی قوت کا راز انہی کے پاس تھا-

۱- ہامان و فرعون اور ان کے لشکروں نے اپنا انجام دیکھ لیا- (۶ : ۲۸)

۲- یہ سب خطاکار تھے- (۸ : ۲۸)

۳۔ فرعون نے ہامان سے کہا کہ مجھے ایک محل بنوا دیں تاکہ میں موسیٰؑ کے خدا کو جھانک آؤں۔ (۳۸ : ۲۸)۔(۳۶ : ۴۰)

۴۔ حضرت موسیٰؑ، فرعون اور ہامان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ (۳۹ : ۲۹)۔(۲۴ : ۴۰)

اپنی قوم کا طرزِ عمل

۱۔ صحرائے سینا میں حضرت موسیٰؑ کا چالیس دن کے لئے طور پہ جانا اور قوم کا گوسالہ پرستی اختیار کر لینا۔ (۵۱ : ۲) — (۵۴ : ۲)۔(۹۲ : ۲)۔(۱۴۲ : ۷)۔(۱۵۱-۱۴۸ : ۷)۔(۸۸-۸۳ : ۲۰) سامری نے کیا کیا۔ (۸۸-۸۵ : ۲۰)۔اس نے ایسا کیوں اور کس طرح کیا۔ (۹۶-۹۵ : ۲۰)۔ سامری کو سزا۔ (۹۷ : ۲۰)

۲۔ قوم کا مطالبہ کہ ہم خدا کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ (۵۶-۵۵ : ۲)۔(۱۵۳ : ۴)۔(۱۵۵ : ۷)

۳۔ قوم کی طرف سے پانی کا مطالبہ اور بارہ چشموں کی دریافت۔ (۶۰ : ۲)۔(۱۶۰ : ۷)

۴۔ قوم کا مطالبہ کہ ہم طعامِ واحد پہ قناعت نہیں کر سکتے۔ (۶۱ : ۲)

۵۔ قوم سے ایک بچھڑا ذبح کرنے کو کہا گیا۔ (۷۱-۶۷ : ۲)

۶۔ قوم کی طرف سے عجیب عجیب سوالات۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ایسا نہ کرنا۔ (۱۰۸ : ۲)

۷۔ فلسطین پہ قبضہ کرنے سے قوم کا انکار۔ تم اور تمہارا بھائی جاؤ اور ان سے لڑو۔ جب تم کامیاب ہو جاؤ گے تو ہمیں آواز دے دینا۔ (۲۶-۲۰ : ۵)

۸۔ مصر میں حضرت موسیٰؑ کی قوم سے تلقین کہ ذرا ثبات سے کام لو۔ وراثتِ ارض تمہارے حصہ میں آ جائے گی۔ قوم کا طعن کہ ہم تمہارے آنے سے پہلے بھی مصیبت میں رہے اور اب بھی مصائب جھیل رہے ہیں۔ (۱۲۹ : ۷)

۹۔ بنی اسرائیل اس ملک کے وارث بن گئے۔ (۱۳۷ : ۷)۔(۱۰) قوم کا مطالبہ کہ ہمیں بھی ایک بت بنوا دو۔ (۱۳۸ : ۷)

۱۱۔ فرعون کے خوف کی وجہ سے، قومِ موسیٰؑ میں سے نوجوان کی ایک جماعت آپ پہ ایمان لائی۔ (۸۳ : ۱۰)

۱۲۔ مصر میں قوم کے گھروں کو قبلہ بنا لینے کا حکم۔ (۸۷ : ۱۰)

۱۳۔ حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا کہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ (۵ : ۱۴)

۱۴۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ تم قومِ موسیٰؑ کی طرح نہ ہو جانا جس نے حضرت موسیٰؑ کو بہت ستایا تھا۔ (۶۹ : ۳۳)

۱۵۔ حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے کہنا کہ مجھے کیوں ستاتے ہو۔ (۵ : ۶۱)

مردِ بزرگ سے ملاقات

۱۔ مجمع البحرین کی طرف سفر کا آغاز۔ (۶۰ : ۱۸) - مچھلی کا دریا میں واپس چلے جانا۔ (۶۴-۶۱ : ۱۸) - مردِ بزرگ سے ملاقات (۶۵ : ۱۸) - شرائط - (۶۹-۶۶ : ۹)

۲۔ کشتی - لڑکے کا قتل اور دیوارِ یتیم کے واقعات - (۷۷-۷۱ : ۱۸)

۳۔ ان واقعات کی تاویل - (۸۲-۸۰ : ۱۸)

قارون

۱۔ قارون قومِ موسٰےؑ سے تھا - نظامِ سرمایہ داری کا نمائندہ - اس کا انجام - دعوےٰ یہ تھا کہ یہ سب کچھ مجھے اپنی ہنرمندی سے ملا ہے اس لئے یہ سب میرا ہے۔ (۸۲-۷۶ : ۲۸)

۲۔ قارون کی طرف حضرت موسٰےؑ کی بعثت - (۳۹ : ۲۹) - (۲۴ : ۴۰)

کتابِ موسٰےؑ

۱۔ حضرت موسٰےؑ کو کتاب - یعنی الفرقان عطا کی گئی - (۵۳ : ۲) - (۸۷ : ۲) - (۳۶ : ۲) - (۸۴ : ۳) - (۹۱ : ۶) - (۱۵۴ : ۶) - (۲ : ۱۷) - (۴۹ : ۲۳) - (۳۵ : ۲۵) - (۴۳ : ۲۸) - (۲۳ : ۳۲)

۲۔ یہ کتاب الواح پہ مکتوب تھی - (۱۴۵ : ۷) - یہ امام و رحمت تھی۔ (۱۷ : ۱۱)

۳۔ قوم نے بعد میں اس کتاب میں اختلافات پیدا کر دیئے۔ (۱۱۰ : ۱۱) - (۴۵ : ۴۱)

۴۔ یہ کتاب حضرت موسٰےؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو دی گئی تھی۔ (۴۸ : ۲۱) - (۱۱۷ : ۳۷)

۵۔ قرآن اور کتابِ موسٰےؑ سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب لاؤ۔ (۴۹-۴۸ : ۲۸)

۶۔ بنی اسرائیل اس کتاب کے وارث تھے۔ (۵۳ : ۴۰) - انہوں نے اس میں اختلاف کر دیا تھا۔ (۴۵ : ۴۱)

۷۔ رسول اللہؐ کو اصولی طور پر وہی دین دیا گیا جو حضرت موسٰےؑ کو دیا گیا تھا۔ (۱۳ : ۴۲)

۸۔ کتابِ موسٰےؑ، امام و رحمت - (۱۲ : ۴۶)

۹۔ صحرائی قبائل (جنّات) میں سے ایک قبیلہ کا قرآن سن کر کہنا کہ یہ موسٰےؑ کے بعد کتاب آئی ہے۔ (۳۰ : ۴۶)۔

۱۰۔ صحفِ موسیٰؑ ۔ (۵۳ : ۲۶) – (۸۷ : ۱۹)

حضرت ھارونؑ

۱۔ حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں حضرت ہارونؑ ان کے فرائض سرانجام دیتے تھے ۔ (۷ : ۱۴۲)

۲۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کہ مصر میں قوم کے گھروں کو قبلہ بنالیں ۔ (۱۰ : ۸۷)

۳۔ حضرت موسیٰؑ کو ان کا بھائی ہارونؑ دے دیا ۔ وہ بھی نبی تھے ۔ (۴ : ۱۶۳) ۔ (۶ : ۸۴) – (۱۹ : ۵۳) ۔ (۲۰ : ۲۹ - ۳۶) – (۲۶ : ۱۳) – (۲۸ : ۳۴ - ۳۵)

۴۔ واقعۂ گوسالہ پرستی میں حضرت ہارونؑ کا ذکر ۔ حضرت موسیٰؑ کی خفگی ۔ (۲۰ : ۹۰ - ۹۲) ۔ آپ کا جواب کہ میں نے بنی اسرائیل کو یہ کچھ کرلے دیا کہ ان میں تفرقہ نہ پیدا ہو جائے ۔ (۲۰ : ۹۴)

۵۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو فرقان دی گئی تھی ۔ (۲۱ : ۴۸) ۔ (۳۷ : ۱۱۷)

۶۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تھا ۔ (۲۰ : ۴۳) – (۲۵ : ۳۶) – (۲۶ : ۱۵ - ۱۶) ۔ (۲۶ : ۴۸) ۔ (۲۸ : ۳۴) – (۷) ۔ موسیٰؑ کو کتاب دی ۔ ہارونؑ کو ان کا وزیر بنایا ۔ (۲۵ : ۳۵)

۸۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر احسان کیا ۔ ان دونوں کو کتاب دی ۔ ان پر سلام ہو ۔ (۳۷ : ۱۱۴ - ۱۲۱)

۹۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کا تذکرہ ۔ (۲ : ۲۴۸)

۱۰۔ ساحرینِ فرعون ، ربِ موسیٰؑ و ہارونؑ پر ایمان لائے ۔ (۷ : ۱۲۲) – (۲۰ : ۷۰) – (۲۶ : ۴۸)

۱۱۔ حضرت مریمؑ کو اختِ ہارون کہا ۔ (۱۹ : ۲۸)

متفرقات

۱۔ تابوت سکینت اور آلِ موسیٰؑ کا تذکرہ ۔ (۲ : ۲۴۸)

۲۔ میثاقِ انبیاء جس میں حضرت موسیٰؑ بھی شامل تھے ۔ (۳۳ : ۷)

۳۴- مہر

سورۂ نساء میں محرمات کی تفصیل دینے کے بعد، قرآن کریم نے کہا ہے کہ ان کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم انہیں "کچھ مال دے کر" (نکاح میں) لینا چاہو (۴ : ۲۴)- (۵ : ۵)- اسے اصطلاح میں مہر کہا جاتا ہے- مہر کا لفظ قرآن میں نہیں آیا- اس کے بجائے اس میں صدقۃ، اجور یا فریضہ کے الفاظ آئے ہیں- یہ الفاظ محاورۂ عرب کی رُو سے استعمال کئے گئے ہیں- ورنہ (مثلاً) اجور کے یہ معنی نہیں کہ مہر کسی چیز کا معاوضہ ہے- قرآن نے بالتصریح کہہ دیا ہے کہ مہر ایک تحفہ ہے جو مرد کی طرف سے عورت کو، بلامعاوضہ دیا جاتا ہے- اس کے لئے قرآن نے نحلۃ کا لفظ استعمال کیا ہے- (۴ : ۴)- جس کے معنی بلا بدل تحفۃً دینے کے ہیں- اسے فریضہ بھی کہا گیا ہے- (۲ : ۲۳۶)

۲- مہر کی کوئی مقدار قرآن نے مقرر نہیں کی- جو کچھ باہمی رضامندی سے طے پا جائے وہ مہر ہے لیکن چونکہ اسے ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے اسے استطاعت کے مطابق ہونا چاہیئے- یہ (حسبِ استطاعت) سونے کا ڈھیر بھی ہو سکتا ہے (۴ : ۲۰)

۳- مہر کی ادائیگی نکاح کے ساتھ ہی ہو جانی چاہیئے- اگرچہ استثنا کی شکل ایسی بھی ہو سکتی ہے جس میں مہر کا تعین نہ ہو سکا ہو- اور جب تعین ہی نہ ہو سکا ہو تو نکاح کے وقت وہ ادا بھی نہیں ہو سکے گا- (۲ : ۲۳۶)- لیکن یہ استثنا کی شکل ہے اگر ایسا نہ سکا ہو تو پھر اس کا تعین اور ادائیگی بعد میں بھی ہو سکتی ہے-

۴- مہر عورت کی ملکیت ہوتا ہے- لیکن وہ اگر چاہے تو اس میں سے کچھ چھوڑ بھی سکتی ہے- (۴ : ۴) اور باہمی رضامندی سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے- لیکن ایسا بالجبر نہیں کرنا چاہیئے- (۴ : ۲۴)

۵- نکاح کے بعد اگر قبل از خلوت طلاق ہو جائے تو

(ا) اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو مرد کی وسعت کے مطابق عورت کو کچھ دیا جانا چاہیئے- (۲ : ۲۳۶)

(ب) اگر مہر مقرر ہو چکا تھا تو اس کا نصف ادا کرنا ہو گا- لیکن عورت یا اس کا مختار چاہے یا عدالت (جس نے تنسیخ نکاح کا فیصلہ کرنا ہے) بعض حالات کے ماتحت ضروری سمجھے، تو اسے چھوڑا بھی جا سکتا ہے- (۲ : ۲۳۷)

۶- اگر عورت فحش کی مرتکب ہو تو اس کے مہر سے کچھ وضع کیا جا سکتا ہے- (۴ : ۱۹)- ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ عدالت کی رُو سے ہو گا-

۷- اگر عورت فسخِ نکاح کا مطالبہ کرے، اور عدالت ضروری سمجھے تو اُسے اس کے لئے کچھ ادا کرنا ہو گا- (۲ : ۲۲۹)-

لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ مہر ہی ہو۔ ہم نے اس شق کو احتیاطاً یہاں درج کر دیا ہے ورنہ اس کا صحیح مقام " طلاق " کا عنوان ہے۔

(نوٹ۔ لڑکی کو جہیز دینا، ایک رسم ہے۔ قرآن نے اس کا حکم نہیں دیا۔ لڑکے کی طرف سے جہیز کا مطالبہ بڑی زیادتی ہے۔ قرآن نے اُسے، کچھ (مہر) دینے کے لئے کہا ہے۔ لینے کے لئے نہیں۔

(۰)

ن

۱۔ ناسخ و منسوخ

ہمارے ہاں ایک (غلط) عقیدہ یہ بھی چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ایک حکم دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ اس غلط عقیدہ کی رو سے) قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو پڑھی جاتی ہیں لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ (بعض کے نزدیک ایسی آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی ہے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی نشاندہی نہیں کی کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فلاں آیت ہے۔ لوگوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ فلاں آیت منسوخ ہے اس کے علاوہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایسی آیات بھی ہیں جو نازل تو ہوئی تھیں لیکن وہ موجودہ قرآن میں موجود نہیں لیکن ان کا حکم بدستور باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ قرآن کی حفاظت کی یکسر نفی کرتا ہے جس کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے - (۹ : ۱۵)۔ جہاں تک ناسخ و منسوخ آیات کا تعلق ہے، یہ عقیدہ بھی قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ البتہ ایسی صورت ضرور ہے کہ قرآن کے بعض احکام بعض شرائط سے مشروط ہیں۔ اگر وہ شرائط موجود نہ ہوں تو اس حکم پر عمل کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن جب پھر وہ شرائط موجود ہو جائیں تو اس حکم پر پھر عمل ہو جائے گا۔ مثلاً قرآن میں صلوٰۃ کے لئے وضو کا حکم ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ اگر پانی موجود نہ ہو تو پھر تیمم کر لیا کرو۔ اب ظاہر ہے کہ

لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ مہر ہی ہو۔ ہم نے اس شق کو احتیاطاً یہاں درج کر دیا ہے ورنہ اس کا صحیح مقام " طلاق " کا عنوان ہے۔

(نوٹ۔ لڑکی کو جہیز دینا، ایک رسم ہے۔ قرآن نے اس کا حکم نہیں دیا۔ لڑکے کی طرف سے جہیز کا مطالبہ بڑی زیادتی ہے۔ قرآن نے اُسے، کچھ (مہر) دینے کے لئے کہا ہے۔ لینے کے لئے نہیں۔

(۰)

ن

۱۔ ناسخ ومنسوخ

ہمارے ہاں ایک (غلط) عقیدہ یہ بھی چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں پہلے ایک حکم دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ اس غلط عقیدہ کی رو سے) قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو پڑھی جاتی ہیں لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ (بعض کے نزدیک ایسی آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی ہے)۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کی نشاندہی نہیں کی کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فلاں آیت ہے۔ لوگوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ فلاں آیت منسوخ ہے اس کے علاوہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایسی آیات بھی ہیں جو نازل تو ہوئی تھیں لیکن وہ موجودہ قرآن میں موجود نہیں لیکن ان کا حکم بدستور باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ قرآن کی حفاظت کی یکسر نفی کرتا ہے جس کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے۔ (۹ : ۱۵)۔ جہاں تک ناسخ ومنسوخ آیات کا تعلق ہے، یہ عقیدہ بھی قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ البتہ ایسی صورت ضرور ہے کہ قرآن کے بعض احکام بعض شرائط سے مشروط ہیں۔ اگر وہ شرائط موجود نہ ہوں تو اس حکم پر عمل کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن جب پھر وہ شرائط موجود ہو جائیں تو اس حکم پر پھر عمل ہو جائے گا۔ مثلاً قرآن میں صلوٰۃ کے لئے وضو کا حکم ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ اگر پانی موجود نہ ہو تو پھر تیمم کر لیا کرو۔ اب ظاہر ہے کہ

پانی کی موجودگی میں تیمم کا حکم موقوف رہے گا۔ اور پانی کی عدم موجودگی میں وضو کا حکم موقوف۔ اسی پر اس قسم کے دیگر احکام کا قیاس کر لینا چاہیئے۔

۲۔ قرآن نے بتایا ہے کہ آسمانی رشد و ہدایات کا سلسلہ شروع سے جاری رہا ہے۔ لیکن ہوتا یہ رہا کہ رسولؑ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد، اس کی وحی میں انسانی خیالات کی آمیزش کر دی جاتی۔ اس کے بعض حصے فراموش ہو جاتے۔ بعض حوادثِ ارضی و سماوی کی وجہ سے بالکل مٹ جاتے۔ اس کے بعد ایک اور رسول آجاتا۔ وہ خدا کی وحی کی رُو سے

(i)۔ ان احکام کو پھر سے جاری کر دیتا جن کا جاری رکھنا منشائے خداوندی تھا۔

(ii)۔ جو احکام وقتی طور پر دیئے گئے تھے، انہیں یا تو منسوخ کر دیتا۔ اور یا ان کی جگہ ان سے بہتر احکام دے دیتا۔

یہ سلسلہ جاری رہا تاآنکہ خدا کا آخری رسولؐ آیا۔ اس نے خدا کی وحی کے مطابق جو دین عطا کیا اس میں:۔

(i) ایسے احکام علیٰ حالہٖ موجود رکھے گئے جو انبیاء سابقہ کی وساطت سے دیئے گئے تھے اور ابدی طور پر جاری رکھے جانے والے تھے۔ اور اپنی اصلی شکل میں موجود تھے۔

(ii) جو احکام ایسے تھے جن کا ابدی طور پر جاری رکھنا مقصود تھا لیکن جن میں یا تو انسانی خیالات کی آمیزش ہو گئی تھی اور یا وہ محو ہی ہو گئے تھے۔ انہیں ازسرِنو منزہ شکل میں دیا گیا۔

(iii)۔ سابقہ انبیاء کی وحی میں جو احکام ایسے تھے جن کا باقی رکھا جانا مقصود نہیں تھا انہیں شاملِ وحی نہ کیا گیا۔ اور

(iv) جن مزید احکام کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کر دیا گیا۔

اس طرح دینؔ کو مکمل کر دیا اور اسے غیر متبدل قرار دے کر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ (۶ : ۱۱۶)۔ (۱۵ : ۹)

لہٰذا، قرآن میں کوئی حکم ایسا نہیں جو منسوخ ہو۔ یہ ابدی ضابطۂ حیات ہر طرح سے مکمل اور غیر متبدل ہے۔

قرآن کریم کی آیت (۲ : ۱۰۶) میں جس نسخ کا ذکر ہے اس کا تعلق، سابقہ انبیاء کی وحی سے ہے۔ قرآن کریم سے نہیں۔ اسی کی تائید (۱۶ : ۱۰۱-۱۰۲) سے ہوتی ہے۔ اور (۲۲ : ۵۲-۵۳) سے بھی۔

ان امور کی تفصیل عنوانات (قرآن)۔ (کتبِ سابقہ)۔ (تحریف) وغیرہ میں دیکھئے۔

۲۔ نبی۔ نبوت۔ انبیاءؑ

نبی ۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ لفظ نبی کا مادہ (ن ۔ ب ۔ أ) ہے جس کے معنی خبر دینے کے آتے ہیں ۔ اس لئے نبی کے معنی ہیں غیب کی خبریں دینے والا ۔ پیش گوئیاں کرنے والا ۔ لیکن یہ تورات کا دیا ہوا تصوّر ہے ۔ یہودیوں کے ہاں ہیکل کے ایک منصب دار کو نبی کہتے تھے جس کا کام ، پیش گوئیاں کرنا ہوتا تھا ۔ اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں (PROPHET) کیا جاتا ہے ۔ اور نبوت کو (PROPHECY) سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہ قرآنی تصور نہیں ۔ قرآن کی رُو سے نبی کا منصب پیش گوئیاں کرنا نہیں ۔ وہ تو ایک عظیم انقلاب کا داعی ہوتا ہے ۔ قرآنی تصوّر کی رُو سے اس لفظ کا مادہ (ن ۔ ب ۔ و) ہے جس کے معنی بلند ہونا ہیں ۔ یعنی نبی اس مقامِ بلند پہ فائز ہوتا ہے ۔ جہاں سے اُسے خدا کی طرف سے وحی کا علم حاصل ہوتا ہے ۔

لہٰذا ، نبوت کے معنی ہیں ، خدا کی طرف سے وحی کا علم حاصل ہونا ۔ نبی اس علم کو حاصل کر کے ، دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے ۔ اس کے اس فریضہ کو رسالت کہا جاتا ہے ۔ اس اعتبار سے نبی اور رسول ایک ہی حقیقت کے دو گوشے ہیں ۔ نبی ، رسول ہوتا ہے ۔ اور رسول نبی ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی وہ ہے جسے کتاب (یعنی شریعت) نہ ملے اور رسول صاحبِ شریعت (صاحبِ کتاب) کو کہتے ہیں ۔ تو یہ تمیز و تفریق قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہے ۔ قرآن کریم کی رُو سے ، ہر رسول کو کتاب ملی تھی ۔ یعنی ہر نبی کو کتاب ملی تھی ۔

نبوت کا سلسلہ حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہو گیا ۔ یعنی حضورؐ کے بعد ، کسی شخص کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم نہیں مل سکتا ۔ (خواہ اس کا نام وحی رکھ لیا جائے یا کشف والہام ۔ یا کچھ اور) اب علمِ انسانی کے دو ہی ذرائع ہیں ۔ وہ وحی جو قرآن کے اندر محفوظ ہے ، اور وہ علم جسے انسان اپنے کسب و ہنر سے عام قواعد کے مطابق حاصل کرتا ہے ۔ اسے ختمِ نبوت کہتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں رسول اور وحی کے عنوانات بھی دیکھ لینے ضروری ہیں ۔

۲۔ نبی کی جمع انبیاء آتی ہے اور اس کی مختلف شکلیں نبیّون ۔ اور نبیین بھی ہیں ۔

جنہیں قرآنِ کریم نے انبیاءؑ کہہ کر پکارا ہے

۱۔ دیکھیئے عنوان (نبوت) ۔ شق (۶) ۔ (۹۰ ۔ ۸۴ : ۶)

۲۔ بنی اسرائیل کا ایک نبی جس نے طالوت کو کمانڈر مقرر کیا تھا۔ (۲۴۸ — ۲۴۶ : ۲)

۴۔ رسول اللہ۔ (۶ و ۱ : ۳۳) ۔ (۴)۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ خود رسول اللہؐ۔ (۷ : ۳۳)

۵۔ نوحؑ۔ ان کے بعد کے انبیاء۔ ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ اور اسباط۔ عیسیٰؑ۔ ایوبؑ۔ یونسؑ۔ ہارونؑ۔ سلیمانؑ۔ داؤدؑ کو زبور دی۔ رسول جن کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جن کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور موسیٰؑ۔ (۱۶۵-۱۶۳ :۴)

۶۔ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے۔ (۳۰ : ۱۹) ۔ حضرت ابراہیمؑ صدیق نبی تھے۔ (۴۱ : ۱۹)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ و یعقوبؑ۔ سب نبی تھے۔ (۴۹ : ۱۹) ۔ (۸)۔ حضرت موسیٰؑ رسولاً نبیاً تھے۔ (۵۱ : ۱۹)

۹۔ حضرت ہارونؑ نبی تھے۔ (۵۳ : ۱۹)۔ اور صاحب کتاب تھے۔ (۱۱۷ : ۳۷)

۱۰۔ حضرت اسحٰقؑ نبی تھے۔ (۱۱۲ : ۳۷) ۔ (۱۱)۔ حضرت اسماعیلؑ رسولاً نبیاً۔ (۵۴ : ۱۹)

۱۲۔ حضرت زکریاؑ۔ عیسیٰؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ اسماعیلؑ۔ ادریسؑ۔ یہ سب نبی تھے۔ (۵۸ : ۱۹)

۱۳۔ حضرت ادریسؑ صدیق نبی تھے۔ (۵۶ : ۱۹) ۔ (۱۴)۔ حضرت یحییٰؑ نبی تھے۔ (۳۸ : ۳)

۱۵۔ ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ و اسباط۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ اور جو تمام انبیاء کو دیا۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ (۱۳۶ : ۲) ۔ (۸۳ : ۳)

۱۶۔ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور حضرت داؤدؑ کو زبور عطا کی۔ (۵۵ : ۱۷)

۱۷۔ ان کے علاوہ قرآن کریم میں ان حضرات کا بھی نام آیا ہے۔ ہودؑ (۶۵ : ۷) ۔ صالحؑ (۷۳ : ۷)۔ لوطؑ (۸۰ : ۷) شعیبؑ (۸۵ : ۷)۔ یوسفؑ (۸۵ : ۶)۔ ایوبؑ (۸۵ : ۶) ۔ الیاسؑ (۸۵ : ۶) ۔ ذوالکفل۔ (۸۵ : ۲۱)۔ الیسع (۴۸ : ۳۸)

نوٹ:۔ انبیاء کرام کا تفصیلی تذکرہ ان کے ناموں کے عنوانات میں الگ الگ آئے گا۔

ایک ہی ہستی کو نبی بھی کہا ہے اور رسول بھی

۱۔ پہلے کہا کہ تم انبیاء کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ (۱۸۰ : ۳) ۔ پھر ساتھ ہی کہا کہ تم رسولوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ (۱۸۲ : ۳) ۔ قتلِ انبیاء بغیر الحق۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۹۱ : ۲) ۔ (۲۱ : ۳) ۔ (۱۱۲ : ۳) ۔ (۱۵۵ :۴)

۲۔ پہلے کہا کہ رسولؐ، خدا سے فریاد کرے گا۔ پھر کہا کہ اس طرح مجرمین ہر نبی کے دشمن بن جایا کرتے تھے۔ (۲۵ : ۳۱)

۳۔ انبیاء سے میثاق لیا اور تجھ سے (رسول اللہؐ سے) نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ سے۔ (۳۳ : ۷)

۴۔ رسول اللہؐ کو نبی کہہ کر پکارا گیا۔ (۳ : ۶۷)۔ (۵ : ۸۱)۔ (۷ : ۱۵۷؛ ۱۵۸)۔ (۸ : ۶۴؛ ۶۵؛ ۶۷؛ ۷۰)۔ (۹ : ۶۱؛ ۷۳؛ ۱۱۳؛ ۱۱۷)۔ (۳۳ : ۱؛ ۶؛ ۱۳؛ ۲۸؛ ۳۰؛ ۳۲؛ ۳۸؛ ۴۵؛ ۵۰؛ ۵۳؛ ۵۶؛ ۵۹)۔ (۶۰ : ۱۲)۔ (۶۵ : ۱)۔ (۶۶ : ۱؛ ۳؛ ۸-۹)۔ خاتم النبیینؐ۔ (۳۳ : ۴۰)۔ رسول النبی (۷ : ۱۵۷) [رسولہ النبی (۷ : ۱۵۸) اس کا بھیجا ہوا نبی]۔ (۴۹ : ۲)۔ اگلی آیت میں رسول کہا گیا ہے۔ (۴۹ : ۳)

۵۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے انبیاء کی رفاقت۔ (۴ : ۶۹)

۶۔ اے رسولؐ تمہاری طرف وحی کی جس طرح نوح اور اس کے بعد کے انبیاء پر وحی کی۔ اور ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ عیسیٰؑ۔ ایوبؑ۔ یونسؑ۔ ہارونؑ۔ سلیمانؑ پر وحی کی۔ اور داؤدؑ کو زبور دی۔ اور (وہ) رسول جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مبشرین و منذرین۔ (۴ : ۱۶۳ - ۱۶۵)۔ اور موسیٰؑ۔ (۴ : ۱۶۴)

۷۔ بنی اسرائیل کے ایک نبی کو پہلے نبی کہا۔ (۲ : ۲۴۶-۲۴۸)۔ پھر تلک الرسل کہا۔ (۲ : ۲۵۳)

۸۔ انبیاء میں تفریق نہیں کرتے۔ (۲ : ۱۳۶)۔ (۳ : ۸۴)۔ رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔ (۲ : ۲۸۵)

انبیاءؑ کی خصوصیات اور ان کی مخالفت

۱۔ یہود (بنی اسرائیل) انبیاءؑ اللہ کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ "قتل" سے مراد انہیں ذلیل کرنا یا ان کی دعوت کو ماند کر دینا بھی ہو سکتے ہیں اور سچ مچ قتل کر دینا بھی۔ (۲ : ۶۱)۔ (۲ : ۹۱)۔ (۳ : ۲۱؛ ۱۱۲؛ ۱۸۱؛ ۱۸۲)۔ (۴ : ۱۵۵)؛ (۵ : ۷۰)

۲۔ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکمت و نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ۔ (۳ : ۷۹)۔ (۳)۔ انبیاء کو ارباب من دون اللہ نہیں بنانا چاہیئے۔ (۳ : ۸۰)

۴۔ ہر نبی کے دشمن شیاطین جن و انس ہوتے تھے جو ملمع سازی کی باتیں کر کے لوگوں کو بہکاتے تھے۔ (۶ : ۱۱۲)۔ مجرمین ہر نبی کے دشمن ہوتے تھے۔ (۲۵ : ۳۱)

۵۔ ہم نے (رسول اللہؐ سے پہلے) کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی پیش کردہ وحی میں (بعد میں) شیاطین نے تحریف نہ کر دی ہو۔ اس کے بعد کے رسول کے ذریعے اس تحریف کو مٹا دیا جاتا تھا اور اصل وحی پھر سے پیش کر دی جایا کرتی تھی۔

یہ سلسلہ رسولؐ اللہ سے پہلے جاری رہا۔ رسولؐ اللہ کی وحی کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے لیا اور نبوت ختم کر دی ۔(۲۲:۵۲)
(۴۰ : ۳۳) ۔ (۶) ۔ نبی اپنی وحی میں کبھی خیانت نہیں کرتا۔ (۱۶۰ : ۳)

۷۔ نبی کا مشن اعلائے کلمتہ الحق ہے۔ فدیہ کے لالچ میں، جنگ میں قیدی پکڑنا نہیں ۔ (۶۷ : ۸)

۸۔ انبیاء اپنی جماعت کو ساتھ لے کر حق کی مدافعت میں جنگ کیا کرتے تھے۔ (۱۴۵ : ۳)

۹۔ جو نبی آتا، اس کی قوم، ہلکی ہلکی تباہیوں میں جھنجھوڑے جانے کے بعد، ایمان لے آتی۔ لیکن بعد میں پھر جاتی۔ (۹۵-۹۴ : ۷)

۱۰۔ تمام انبیاء سے استہزا ہوا۔ (۷-۶ : ۴۳) ۔تکذیب ہوئی ۔ (۴۴-۴۲ : ۲۲)

انبیاء

۱۔ بنی اسرائیل میں انبیاء پیدا کئے۔ (۲۰ : ۵) ۔ (۲) ۔ انبیاء کو ارباباً من دون اللہ نہ بنالینا۔ (۷۹ : ۳)

۳۔ میثاق انبیاء۔ (۸۰ : ۳) ۔ (۷ : ۳۳)

۴۔ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ۔ (۵۵ : ۱۷) ۔ رسولوں کو ۔ (۲۵۳ : ۲) ۔ ان میں تفریق نہیں کی جاسکتی ۔
(۱۳۶ : ۲) ۔ (۸۴ : ۳)

۵۔ زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ اور انبیاء اور شہداء آئیں گے ۔ (۶۹ : ۳۹)

۶۔ کتب اور انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ (۱۷۷ : ۲)

۷۔ تمام انبیاء منعم علیہ تھے ۔ (۶۹ : ۴) ۔ (۵۸ : ۱۹) ۔مسلم تھے ۔ (۴۴ : ۵) ۔ مومن تھے ۔ (۱۱۱ تا ۸۱ : ۳۷)

۸۔ تمام انبیاء کو ایک ہی دین ملا تھا ۔ (۱۳ : ۴۲)

نبوت اور کتاب

۱۔ ذریت حضرت ابراہیمؑ میں نبوت اور کتاب جاری رکھی ۔ (۲۷ : ۲۹) ۔حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کی
ذریت میں ۔ (۲۶ : ۵۷) ۔ (۲) ۔تمام انبیاء کو کتاب وحکمت دی گئی ۔ (۸۰ : ۳)

۳۔ جو کچھ موسےٰؑ ۔ عیسےٰ اور دیگر انبیاء کو دیا گیا ۔ (۸۳ : ۳)

۴۔ کسی بشر کے لئے یہ جائز نہیں کہ خدا اُسے کتاب وحکمت ونبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا سے ورے میرے
عباد بن جاؤ ۔ (۷۸ : ۳)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ نوحؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ ایوبؑ۔ یوسفؑ۔ موسٰیؑ و ہارونؑ۔ زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسٰیؑ الیاسؑ۔ اسماعیلؑ۔ الیسعؑ۔ یونسؑ۔ لوطؑ۔ ان سب کو کتاب و حکمت و نبوت ملی تھی۔ (۹۰ - ۸۴ : ۶)۔ دوسری جگہ "کتاب و حکمت و نبوت" کا ذکر۔ (۸۰ : ۳) میں ہے۔ نیز (۱۶ : ۴۵) میں جہاں کہا کہ بنی اسرائیل کو یہ کچھ ملا تھا۔

۶۔ رسول اللہؐ سے پہلے ہر رسول اور نبی کی وحی میں شیاطین تحریف کر دیتے تھے۔ رسول اللہؐ کی وحی کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے لیا اور نبوت کو ختم کر دیا۔ (۵۲ : ۲۲)۔ (۴۰ : ۳۳)

۷۔ کوئی نبی اپنی وحی میں خیانت نہیں کرتا۔ (۱۶۰ : ۳)۔ (۸)۔ انبیاء کے نام۔ (۱۶۵-۱۶۳ : ۴)۔ (۷ : ۳۳)

۹۔ حضرت عیسٰیؑ نے کہا کہ خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ (۳۰ : ۱۹)

۱۰۔ جو کچھ تمام انبیاء کو دیا گیا۔ ہم ان میں تفریق نہیں کرتے۔ (۱۳۶ : ۲)۔ رسولوں میں بھی۔ (۲۸۵ : ۲)

۱۱۔ تورات کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ تورات صرف حضرت موسٰیؑ کی کتاب کا نام نہیں یہ مجموعہ ہے ان تمام کتابوں کا جو انبیائے بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں۔ (۴۴ : ۵)۔ بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا ہوئی تھی۔ (۱۶ : ۴۵)

۱۲۔ تمام انبیاء کو کتاب ملی تھی۔ (۲۱۳ : ۲)۔ اور تمام رسولوں کو بھی (۲۵ : ۵۷)۔ تمام انبیاء کی طرف وحی ہوتی تھی (۱۶۳ : ۴)۔ وحی اور کتاب ایک ہی بات ہے۔

۱۳۔ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور داؤد کو زبور دی۔ (۵۵ : ۱۷)

۱۴۔ کتب اور انبیاء پہ ایمان لانا ضروری ہے۔ (۱۷۷ : ۲)

۱۵۔ حضرت موسٰیؑ و حضرت ہارونؑ دونوں کو الفرقان ملی تھی۔ (۴۸ : ۲۱)۔ الکتاب۔ (۱۱۷ : ۳۷)

متفرق

۱۔ آیت (۵۲ : ۲۲) میں رسول اور نبی کا الگ الگ ذکر ہے جس سے یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ رسول اور ہوتا ہے اور نبی اور۔ لیکن (مثلاً)۔ (۷ : ۳۳) میں کہا ہے کہ خدا نے انبیاءؑ سے میثاق لیا اور منکؑ۔ اے رسولؐ! تم سے بھی اور نوحؑ ابراہیمؑ۔ موسٰیؑ۔ عیسٰیؑ سے بھی۔ اس کے بظاہر معنی یہ ہو سکتے کہ موخر الذکر حضرات انبیاء سے الگ تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ اور (۱۶۵-۱۶۳ : ۴) میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے۔ وہاں (وَ رُسُلاً) نے بالکل وضاحت کر دی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان رسولؑ)

۲۔ خدا نے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے جو کچھ دینا تھا اُسے رسول اکرمؐ کو مکمل طور پہ دے دیا۔ جو کچھ دیا گیا اس میں تغیر و تبدل کی بھی ضرورت نہیں ہوگی (۶ : ۱۱۶)۔ پھر اس قرآن کو محفوظ کر دیا۔ (۹ : ۱۵)۔ لہٰذا، قرآن کریم کے بعد خدا کی طرف سے انسانوں کے لئے کچھ نازل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے معنی ختمِ نبوت ہیں۔

۳۔ نبی کو جو علم الغیب ملتا تھا، وحی کے ذریعے ملتا تھا۔ یہی اس کی "پیش گوئیاں" تھیں۔ اب اگر کوئی شخص "پیشگوئیوں" کا دعوےٰ کرتا ہے تو وہ خدا سے وحی پانے (یعنی نبوت) کا مدعی ہے، لہٰذا کاذب اور مفتری علی اللہ، کیونکہ ختم نبوت کے بعد وحی پانے کا دعوےٰ کذب اور افتراء ہے۔

۳۔ نجات

نجات کے بنیادی معنی کسی خطرہ سے محفوظ رہنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ دنیاوی خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے بھی آیا ہے، اور اُخروی زندگی میں عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے بھی۔ جہاں تک دنیاوی زندگی میں خطرات سے محفوظ رہنے کا تعلق ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (اولاً) اگر کوئی شخص یا قوم ایسے اقدامات سے شروع ہی سے احتیاط برتتی ہے جن کا نتیجہ نقصان یا تباہی ہو تو وہ اس خطرہ سے بالکل محفوظ رہتی ہے۔ (ثانیاً) اگر کوئی فرد یا قوم، کسی غلط روش کی بنا پر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے لیکن اس کے بعد اپنی روش کو درست کر لے، تو اسے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔

جہاں تک اُخروی عذاب کا تعلق ہے، عام تصور یہ ہے کہ لوگ، اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں ڈالے جائیں گے اور جب وہ سزا بھگت لیں گے تو انہیں اس عذاب سے نجات مل جائے گی اور وہ جنت کی طرف منتقل کر دئے جائیں گے۔ یہ تصوّر قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے جن لوگوں کے حسنات کا پلڑا بھاری ہوگا وہ سیدھے جنت میں چلے جائیں گے اور جن کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا وہ جہنم میں بھیج دئے جائیں گے جہاں سے نکلنا نہیں ہوگا۔ تفصیل ان امور کی جنت اور جہنم کے عنوانات میں گذر چکی ہے)۔ لہٰذا، اُخروی زندگی میں نجات سے مراد ہے 'عذاب سے سرے سے محفوظ رہنا' نہ کہ اس میں مبتلا ہو کر پھر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا،

واضح رہے کہ قرآن کریم کی رُو سے، عذاب سے محفوظ رہنا ہی مقصودِ حیات نہیں۔ اس کا پیش کردہ تصوّر یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں اقدارِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی انسانی صلاحیتوں میں اس قدر نشو و نما ہو جاتی ہے کہ وہ،

قانونِ ارتقاء، کے مطابق، مرنے کے بعد، زندگی کی اگلی اور بلند سطح پہ پہنچ جاتے ہیں۔ (اس کا نام جنت ہے)۔ جن کی صلاحیتوں میں اس انداز کی نشوونما نہیں ہوتی، ان کا ارتقاء رک جاتا ہے۔ (اسے جہنم کہا جاتا ہے)۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے، نجات (عذاب سے محفوظ رہنا) عملِ ارتقاء کا فطری نتیجہ ہے، انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ نہیں۔ اس کا مقصد، اس سطح سے بلند مدارج حاصل کرنا ہے۔

۲۔ عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے مادہ (و - ق - ی) سے بھی بعض الفاظ آتے ہیں جنہیں یہاں درج کر دیا گیا ہے۔ (اس مادہ کے دیگر الفاظ، تقویٰ۔ متقین کے عنوانات میں دیکھئے۔)

دنیاوی زندگی میں نجات

(ا) خطرات سے شروع ہی سے محفوظ رہنا۔

۱۔ حضرت موسیٰؑ کا قومِ فرعون کی گرفت سے محفوظ رہنا۔ (۱۰ : ۸۶) – (۲۰ : ۴۰) – (۲۸ : ۲۱ ؛ ۲۵)

۲۔ حضرت نوحؑ جب کشتی میں سوار ہو گئے تو کہا کہ الحمدللہ۔ ہم قومِ ظالمین کی دستبرد سے محفوظ ہو گئے۔ (۷ : ۶۴) – (۱۰ : ۷۳) – (۲۱ : ۷۶) – (۲۳ : ۲۸) – (۲۶ : ۱۱۸-۱۱۹) – (۲۹ : ۱۵) – (۳۷ : ۷۶)

۳۔ حضرت ہودؑ اور ان کے ساتھیوں کا عذاب سے محفوظ رہنا۔ (۷ : ۷۲) – (۱۱ : ۵۸)

۴۔ حضرت صالحؑ اور ان کے رفقاء کا عذاب سے محفوظ رہنا۔ (۱۱ : ۶۶) – (۲۷ : ۵۳) – (۴۱ : ۱۸)

۵۔ حضرت شعیبؑ اور ان کے رفقاء کا عذاب سے محفوظ رہنا۔ (۱۱ : ۹۴)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کا قوم کی گرفت سے محفوظ رہنا۔ (۲۱ : ۷۱)۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے محفوظ رہنا۔ (۲۹ : ۲۴) – (۷)۔ حضرت لوطؑ کا اس قوم کی خباثتوں سے محفوظ رہنا۔ (۷ : ۸۳) – (۲۱ : ۷۴) – (۲۶ : ۱۶۹) – (۲۷ : ۵۷) – (۲۹ : ۳۲) – (۳۷ : ۱۳۴) – (۵۴ : ۳۴)

۸۔ رسولوں کو اور جماعتِ مومنین کو خطرات سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ مومنین کو خطرات سے محفوظ رکھنا خدا پر واجب ہے۔ حقاً علینا۔ اس سے مراد شروع ہی سے محفوظ رکھنا بھی ہو سکتا ہے اور خطرات میں گھر جانے کے بعد، ان سے نجات حاصل کر لینا بھی، کیونکہ مخالفین کا مقابلہ کرتے، ان کے خطرات میں گھر جانے کا ذکر قرآن میں کئی ایک مقامات پر آیا ہے۔ (۱۰ : ۱۰۳) – (۱۲ : ۱۱۰) – (۲۱ : ۹)

۹۔ فرعون کی بیوی کی دعا کہ بار الٰہا! مجھے فرعون اور اس کی قوم کے جرائم کے عواقب سے محفوظ رکھنا۔ (۶۶ : ۱۱)

۱۰۔ سبت کی عدول حکمی کرنے والے - جو لوگ انہیں اس سے منع کرتے تھے انہیں بچا لیا اور باقیوں کو مبتلائے عذاب کر دیا - (۱۶۳ : ۷) - ایسا ہر قوم کے ساتھ ہوا۔ (۱۱۶ : ۱۱)

۱۱۔ اے جماعتِ مومنین کیا تمہیں ایک ایسی تجارت کا سراغ دیا جائے جو تمہیں الم انگیز تباہی سے محفوظ رکھے - (۱۱-۱۰ : ۶۱)

۱۲۔ دربارِ فرعون کا مردِ مومن ان کے چنگل سے محفوظ رہا۔ (۴۵ : ۴۰)

مصائب میں مبتلا ہونے کے بعد ان سے رستگاری حاصل ہونا

۱۔ انسان کی کیفیت یہ ہے کہ جب مصیبت میں پھنستا ہے تو واویلا مچاتا ہے اور خدا کو پکارتا ہے۔ اور جب اسے اس سے نجات مل جاتی ہے تو اعراض برتتا اور شرک کرنے لگ جاتا ہے - (۶۴-۶۳ : ۶) - (۲۳-۲۲ : ۱۰)- (۶۷ : ۱۷) - (۶۵ : ۲۹) - (۳۲ : ۳۱)

۲۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جب خدا نے ہمیں باطل کے مذہب سے نجات عطا کر دی ہے، تو یہ خدا کے خلاف افترا ہوگا اگر ہم پھر اسی مذہب کی طرف لوٹ جائیں - (۸۹ : ۷)

۳۔ بنی اسرائیل کا قومِ فرعون کے مظالم سے نجات حاصل کرنا - (۴۹ : ۲) - (۳۰ : ۴۴) - مع حضرت موسےٰؑ و ہارونؑ (۱۱۵ : ۳۷) - چونکہ قومِ بنی اسرائیل فرعون کی غلامی کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی تھی اور حضرت موسےٰؑ اور ہارونؑ بھی اسی قوم کے افراد تھے اس لئے ان کا ذکر قوم کے ساتھ ہی آیا ہے، ورنہ ان پر فرعون ہاتھ نہیں ڈال سکا تھا - (۵۰ : ۲) - (۱۴۱ : ۷) - (۸۶ : ۱۰) - (۶ : ۱۴) - (۸۰ : ۲۰) - (۶۵ : ۲۶)

۴۔ حضرت یونسؑ کا خطرات سے نجات پانا - (۸۸ : ۲۱) - اس طرح مومنین کو خطرات سے نجات مل جاتی ہے۔

اُخروی زندگی میں نجات - عذاب سے محفوظ رہنا

۱۔ مومنین کا جہنم سے محفوظ رہنا، (۷۲ : ۱۹) - (۶۱ : ۳۹) - (۵۰ : ۴۴) - (۲۷ ; ۱۸ : ۵۲) - (۱۱ : ۷۶)

۲۔ عذابِ جہنم میں ماخوذ ہونے والے اگر چاہیں گے کہ سب کچھ بطور فدیہ دے کر اس سے چھوٹ جائیں تو ایسا نہیں ہو سکے گا - (۱۳-۱۱ : ۷) - خدا (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہیں - (۳۳ : ۱۳) - (۳۷ : ۱۳)

۳۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر جس میں اس نے قوم سے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو۔ (۴۱ : ۴۰)

۴۔ مومنین سے تاکید کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو عذابِ نار سے بچاؤ۔ (۲۴ : ۲) - (۶ : ۶۶)

۵۔ جو اس دن کے عذاب سے محفوظ رہا وہ خدا کی رحمت میں ہو گا ۔ (۲۴ : ۳۹) ۔ (۹ : ۴۰)

۶۔ مومنین کی دعائیں کہ ہمیں عذابِ نار سے محفوظ رکھیو ۔ (۲۰۱ : ۲) - (۱۶ : ۳) - (۱۹۱ : ۳)

ملائکہ کی ان کے لئے دعائیں ۔ (۷ ؛ ۴۰)

متفرق

۱۔ فرعون کی لاش کا محفوظ رہنا ۔ (۹۲ : ۱۰) - (۲) - خدا (کے عذاب) سے کوئی بچا نہیں سکتا ۔ (۲۱ : ۴۰)

(-)

۴۔ نحوست (منحوس)

عربی زبان میں ہر قسم کی مصیبت ، نامبارک ، نامسعود ، ناخوشگوار واقعہ وغیرہ کو "نحس" کہتے ہیں یہ جو ہمارے ہاں عام عقیدہ ہے کہ فلاں دن منحوس ہوتا ہے اور فلاں ساعت نحس ہوتی ہے ، یہ سب توہم پرستیاں ہیں جنہیں ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہے دن اور ساعتیں سب خدا کی پیدا کردہ ہیں - ان میں بذاتہٖ نہ کوئی دن منحوس ہوتا ہے نہ سعید - ان کا خوشگوار (سعید) یا ناخوشگوار (نحس) ہونا ہمارے اپنے کاموں پر منحصر ہے - اگر ہمارے کسی غلط کام کا مضرت رساں نتیجہ سامنے آتا ہے - تو وہ دن ہمارے لئے نحس ہو گا - اگر اچھے کام کا خوشگوار نتیجہ مرتب ہوتا ہے تو وہ دن سعید ہو گا -

قرآن کریم نے قومِ عاد کے سلسلہ میں کہا ہے کہ ان پر ایام نحسات یا یوم نحس میں تباہی کا جھکڑ آیا - (۱۶ : ۴۱) - (۱۹ : ۵۴) - ان آیات میں "یوم نحس" کے معنی ہیں - تباہی کا دن - یعنی جس دن (یا جن دنوں میں) ان پر تباہی آئی - ظاہر ہے کہ جس دن کسی پر تباہی آئے گی وہ اس کے لئے تباہی کا دن (یوم نحس) ہو گا - یعنی یہ نہیں کہ چونکہ وہ دن ، نحس تھا اس لئے ان پر اس دن تباہی آئی - بلکہ یہ کہ جس دن ان پر تباہی آئی وہ دن اُن کے لئے نحس ہو گیا - قومِ لوط کے سلسلہ میں بھی یہی کہا گیا ہے - (۷۷ : ۱۱)

۲۔ نہ ہی کوئی انسان منحوس ہوتا ہے - جب قومِ فرعون پر تباہیاں آئیں تو انہوں نے کہا کہ موسیٰؑ بڑا منحوس ہے - جب سے یہ آیا ہے ہم پر مصیبتوں پر مصیبتیں آ رہی ہیں - اس پر خدا نے کہا کہ مصیبتیں (حضرت موسیٰؑ) کی وجہ سے

نہیں آ رہیں۔ یہ تو خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق آ رہی ہیں۔ (۷ : ۱۳۰ - ۱۳۱)۔ یہی بات حضرت صالحؑ کے سلسلہ میں کہی گئی۔ (۲۷ : ۴۷)۔ اور "بستی والوں" کے سلسلہ میں بھی۔ (۳۶ : ۱۸ - ۱۹)۔

۲۔ سورۃ الرحمٰن میں جہنم کے شعلوں کو نحاس کہا گیا ہے۔ (۵۵ : ۳۵)

ن ز ل ۵ – نزول

نَزَلَ کے عام معنی اوپر سے نیچے کی طرف آنے (اترنے) کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ نزول، عروج کے مقابل میں آتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں یہ مادہ، عام طور نزولِ وحی کے لئے آیا ہے (جیسا کہ وحی کے عنوان میں ——— آپ کے سامنے آئے گا) وحی کے معنی ہیں وہ علم جو نبی کو براہِ راست خدا کی طرف سے ملتا تھا۔ یعنی وہ اس کی اپنی فکر کا پیدا کردہ نہیں ہوتا تھا۔ انسان کی فکر کے پیدا کردہ تصورات وخیالات، اس کے اندر سے باہر آئیں گے۔ یعنی ان میں (SUBJECTIVITY) ہوگی۔ اس کے برعکس وحی کا علم، انسان کو خارج سے عطا ہوتا ہے۔ یعنی اس میں (OBJECTIVITY) ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے نزول سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اندر سے باہر آنا نہیں، بلکہ باہر سے اندر آنا۔ اوپر سے نیچے اترنا۔

اس اعتبار سے، وحی کے علاوہ، ان اشیائے فطرت کے لئے بھی نزول کا لفظ آتا ہے۔ جو انسان کو بلا مزد ومعاوضہ، بطور عطیہ، خدا کی طرف سے ملتی ہیں۔ مثلاً لوہے کے متعلق کہا ہے کہ "ہم نے اسے نازل کیا ہے" (۵۷ : ۲۵)

انزال اور تنزیل (نَزَّلَ) میں یہ فرق ہے کہ تنزیل آہستہ آہستہ اتارنے کو کہتے ہیں اور انزال میں یہ شرط نہیں۔ نیز تنزیل کے معنی کسی چیز کو اتار کر اسے اس کے ٹھیک مقام پر ترتیب سے رکھنے کے بھی ہیں۔ قرآن کریم کے لئے تنزیل (نَزَّلَ) بھی عام طور پہ آیا ہے۔ اور اس سے یہی مراد ہے یعنی وحی کا علم، جو آہستہ آہستہ عطا کیا گیا اور پھر اسے نہایت ترتیب سے، ہر آیت کو اس کے ٹھیک مقام پہ رکھا گیا۔

مُنَزِّلٌ کے معنی اتارنے والا۔ اور مُنَزَّلٌ کے معنی اتارا ہوا۔ نَزْلَةٌ - ایک مرتبہ اتارنا۔ نزیل - مہمان کو کہتے ہیں۔ مَنْزِلٌ - اترنے کی جگہ۔

اس عنوان کے تابع، نزولِ وحی سے متعلقہ آیات کو بالخصوص سامنے لایا جائے گا کہ اس مادہ کی اہمیت کی یہی وجہ ہے۔

نزولِ قرآن

۱۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ (۱۰۵ : ۴)۔(۱۶۲ : ۴)۔(۱۶۶ : ۴)۔(۴۸ : ۵)۔(۴۹ : ۵)۔
(۶۷-۶۸ : ۵)۔(۲ : ۷)۔(۹۴ : ۱۰)۔(۲۴ : ۱۶)۔(۳۰ : ۱۶)۔
(۴۷ : ۲۹)۔(۶ : ۳۴)۔(۲ : ۳۹)

۲۔ مآ انزل علیك۔ (۲۳ : ۲)۔(۴۱ : ۸)۔(۹۷ : ۹)۔(۱ : ۱۸)

۳۔ نزولِ کتاب۔ (۱۷۶ : ۲)۔(۳ : ۳)۔(۱۱۳ : ۴)۔(۱۳۶ : ۴)۔(۱۰۱ : ۵)۔
(۹۳ : ۶)۔(۱۵۶ : ۶)۔(۱۹۶ : ۷)۔(۲ : ۱۲)۔(۱ : ۱۳)۔(۳۷ : ۱۳)۔
(۱ : ۱۴)۔(۶۴ : ۱۶)۔(۸۹ : ۱۶)۔(۸۲ : ۱۷)۔(۱ : ۱۸)۔(۲ : ۲۰)۔
(۱۱۳ : ۲۰)۔(۶ : ۲۵)۔(۵۱ : ۲۹)۔(۲۹ : ۳۸)۔(۴۱ : ۳۹)۔(۱۵ : ۴۲)۔

۴۔ انزل الیکم۔ (۱۷۵ : ۴)۔(۵۹ : ۵)۔(۱۱۵ : ۶)۔(۱۰ : ۲۱)۔(۴۶ : ۲۹)۔
(۵۵ : ۳۹)۔(۵ : ۶۵)۔(۱۰ : ۶۵)

علیکم۔ (۱۰۵ : ۲)۔(۲۳۱ : ۲)۔(۷۱ : ۳)۔(۱۴۰ : ۴)۔(۶۸ : ۵)

علینا۔ (۹۱ : ۲)۔(۸۳ : ۳)۔(۹۳ : ۱۷)۔ علیہم۔ (۶۴ : ۹)

۵۔ مآ انزل اللہ۔ (۲۳ : ۲)۔(۴۱ : ۲)۔(۹۱ : ۲)۔(۱۷۰ : ۲)۔(۱۷۴ : ۲)۔
(۵۲ : ۳)۔(۴۷ : ۴)۔(۶۱ : ۴)۔(۴۴-۴۷ : ۵)۔(۴۹ : ۵)۔
(۱۰۴ : ۵)۔(۹۲ : ۶)۔(۹۴ : ۶)۔(۱۰۵ : ۱۷)۔(۲۱ : ۳۱)۔(۹ : ۴۷)۔(۲۶ : ۴۷)

۶۔ نزولِ سلطان۔ (۱۵۰ : ۳)۔(۸۲ : ۶)۔(۳۳ : ۷)۔(۷۱ : ۷)۔(۴۰ : ۱۲)۔
(۷۱ : ۲۲)۔(۳۵ : ۳۰)۔(۲۳ : ۵۳)۔ (۷)۔ اَنزل الرحمٰن۔ (۱۵ : ۳۶)

۸۔ مَآ اُنْزِلَ۔ (۴ : ۲)۔(۱۳۶ : ۲)۔(۲۸۵ : ۲)۔(۱۹۸ : ۳)۔(۶۰ : ۴)۔
(۱۶۲ : ۴)۔(۸۱ : ۵)۔(۸۳ : ۵)۔(۱۵۷ : ۶)۔(۳ : ۷)۔(۱۴ : ۱۱)۔
(۱۹ : ۱۳)۔(۳۶ : ۱۳)۔(۸۷ : ۲۸)۔(۳۰ : ۴۶)

۹۔ نزولِ قرآن۔ رمضان میں۔ (۱۸۵ : ۲)۔ نور۔ (۱۷۵ : ۴)۔(۱۵۷ : ۷)۔(۸ : ۶۴)۔

فرقان - (۳ : ۳) - (۱ : ۲۵) - علیٰ جبلٍ - (۲۱ : ۵۹) - لیلۃ مبارکۃ - (۳ : ۴۴)
لیلۃ القدر - (۱ : ۹۷)

۱۰- الذکر - (۶ : ۱۵) - (۹ : ۱۵) - (۴۴ : ۱۶) - (۵۰ : ۲۱) - (۸ : ۳۸)

۱۱- انزال سورۃ - (۸۶ : ۹) - (۱۲۴-۱۲۷ : ۹) - (۱۶ : ۲۲) - (۲۰ : ۴۷)

۱۲- نزولِ آیت - (۹۹ : ۲) - (۳۷ : ۶) - (۱ : ۲۴) - (۳۴ : ۲۴) - (۴۶ : ۲۴) -
(۴ : ۲۶) - (۹ : ۵۷) - (۵ : ۵۸) - (۱۳) نزولِ بینات - (۱۵۹ : ۲)

۱۴- تنزیل - (۱۰۶ : ۱۷) - (۳ : ۲۰) - (۱۹۲ : ۲۶) - (۲ : ۳۲) - (۵ : ۳۶) -
(۲ : ۳۹) - (۲ : ۴۰) - (۲ : ۴۱) - (۲ : ۴۵) - (۸۰ : ۵۶) - (۲۳ : ۷۶)

۱۵- شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے - (۲۱۰ : ۲۶)

۱۶- ما نزل - (۱۰۱ : ۱۶) - (۲ : ۴۷) - (۶ : ۵۷)

۱۷- طریقِ نزولِ قرآن - روح الامین قلبِ نبوی پر لے کر نازل ہوا - عربی زبان میں (یعنی الفاظ کے ساتھ)-
(۹۸ : ۲) - (۲ : ۱۴) - (۱۰۲ : ۱۶) - (۱۹۳-۹۵ : ۲۶)
شیطان نازل نہیں ہوئے - (۲۱۰ : ۲۶) - (۱۸) - احسن الحدیث - (۲۳ : ۳۹)

۱۹- اعتراض کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی سردار پر نازل کیوں نہیں ہوا - (۳۱ : ۴۳) - ایک ہی بار سارا قرآن کیوں نہیں نازل ہو جاتا - (۳۲ : ۲۵)

۲۰- اگر قرآن کسی عجمی پر نازل کیا جاتا تو انہیں اعتراض ہوتا - (۱۹۸ : ۲۶)

اشیائے فطرت کے لئے لفظ نزول

۱- بادلوں (سماء) سے پانی (بارش) نازل کیا - (۲۲ : ۲) - (۱۰۰ : ۶) - (۵۷ : ۷) - (۱۱ : ۸) -
(۲۴ : ۱۰) - (۱۷ : ۱۳) - (۳۲ : ۱۴) - (۲۲ : ۱۵) - (۱۰ : ۱۶) - (۶۵ : ۱۶) -
(۴۵ : ۱۸) - (۵۳ : ۲۰) - (۵ : ۲۲) - (۶۳ : ۲۲) - (۴۳ : ۲۴) - (۴۸ : ۲۵) -
(۶۰ : ۲۷) - (۶۳ : ۲۹) - (۲۴ : ۳۰) - (۴۹ : ۳۰) - (۱۰ : ۳۱) - (۳۴ : ۳۱) -
(۲۷ : ۳۵) - (۲۱ : ۳۹) - (۲۸ : ۴۲) - (۱۱ : ۴۳) - (۵ : ۴۵) - (۹ : ۵۰) -

(۶۹ : ۵۶) - (۱۴ : ۷۸)

۲- نزولِ رزق - (۵۹ : ۱۰) - (۱۳ : ۴۰) - (۵ : ۴۵) - بقدر معلوم - (۲۱ : ۱۵) - (۲۷ : ۴۲)

۳- نزولِ انعام (مویشی) - (۶ : ۳۹) - (۴) - نزول لباس - (۲۶ : ۷)

۵- نزولِ حدید - (۲۵ : ۵۷) - (۶) نزول من و سلویٰ - دیکھئے "متفرق" ملا) .

۷- حواریوں کی درخواست کر ان پر مائدۃ من السماء نازل ہو - (۱۱۵-۱۱۲ : ۵)

۸- وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف چڑھتا ہے - (۴ : ۵۷)

دیگر کتبِ سماوی کا نزول

۱- ما انزل من قبلک - (۱۳۶ : ۴) - (۱۶۲ : ۴)

۲- نزولِ تورات و انجیل - (۳ : ۳) - (۶۴ : ۳) - (۹۳ : ۳) - (۴۴ : ۵) - (۴۷ : ۵) - (۹۲ : ۶)
وحئ حضرت موسےٰ کو بصائر کہا گیا - (۱۰۲ : ۱۷)

۳- مَا اُنزِلَ عَلینا - (۹۱ : ۲) - (۸۳ : ۳) - الیکم - (۶۸ : ۵)

۴- انبیا کے ساتھ کتاب نازل کی - (۲۱۳ : ۲) - تمام رسولوں کے ساتھ کتاب - (۲۵ : ۵۷)

نزولِ ملائکہ

۱- ایسے لشکر جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے - (۱۲۳ : ۳) - (۲۶ : ۹)

۲- اس (رسول) پر ملک نازل کیوں نہیں ہوتا؟ (۸ : ۶) - (۷ : ۲۵) - ہم پر ملائکہ کیوں نہیں نازل ہوئے (۲۱ : ۲۵)

۳- آیت نازل کیوں نہیں ہوتی - (۲۰ : ۱۰) - (۷ : ۱۳) - (۲۷ : ۱۳) - (۵۰ : ۲۹)

۴- مخالفین کا اعتراض کہ خدا نے ملائکہ کیوں نہیں نازل کئے - (۲۴ : ۲۳) - (۱۴ : ۴۱)

۵- نزول جنداً من السماء - (۲۸ : ۳۶) - (۶) - ایمان و استقامت سے نزولِ ملائکہ - (۳۰ : ۴۱)

۷- نزولِ شیاطین - (۲۲ - ۲۲۱ : ۲۶) - (۸) - لیلۃ القدر میں نزولِ ملائکہ اور الروح - (۵ : ۹۷)

۹- جس دن نزولِ ملائکہ ہوگا - (۲۵ : ۲۵) - (۱۰) - ملائکہ بالحق نازل ہوتے ہیں - (۸ : ۱۵)

۱۱- اگر ان پر ملائکہ بھی نازل ہو جائیں یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں - (۱۱۲ : ۶)

۱۲۔ اگر زمین پر فرشتے بستے تو ان کی طرف فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا۔ (۹۵ : ۱۷)

۱۳۔ ملائکہ، روح (وحی) لے کر رسولوں پہ نازل ہوتے ہیں۔ (۲ : ۱۶)

۱۴۔ خدا خیر المنزلین ہے۔ (۵۹ : ۱۲) - (۲۹ : ۲۳)

متفرق

۱۔ نزول سکینت فی قلوب المؤمنین۔ (۲۶ : ۹) - (۴۰ : ۹) - (۴ : ۴۸) - (۱۸ : ۴۸) (۲۶ : ۴۸)
(۲)۔ نزولِ امن (۱۵۴ : ۳)

۳۔ مفتری وہ ہے جو کہے کہ میں بھی نازل کر سکتا ہوں۔ (۹۴ : ۶)

۴۔ حواریوں کی استدعا کہ ہم پہ مائدۃ من السماء نازل کیا جائے۔ (۱۱۴ : ۵)

۵۔ اعتراض کہ رسول پہ کنز (خزانہ) نازل کیوں نہیں ہوتا۔ (۱۲ : ۱۱) - (۸ : ۲۵)

۶۔ ما انزل علی الملکین ببابل۔ (۱۰۲ : ۲) - (۷)۔ انزل کے معنی لیست کر دینا۔ (۲۶ : ۳۳)

۸۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تو اپنی طرف سے عطا کر دے (ما انزلت)۔ (۲۴ : ۲۸)

۹۔ مقتسمین پہ نزول۔ (۹۰ : ۱۵) - (۱۰)۔ نزول رجزاً من السماء۔ (۵۹ : ۲) - (۳۴ : ۲۹)

(۱۱) من و سلویٰ کا نزول۔ (۵۷ : ۲) - (۱۶۰ : ۷) - (۸۰ : ۲۰)

۱۲۔ نزولِ حدید (فولاد)۔ (۲۵ : ۵۷) - (۱۳)۔ دعائے حضرت نوحؑ کہ خدا مبارک منزل پہ اتارے۔ (۲۹ : ۲۳)

۱۴۔ اعتراض کہ بنی بنائی کتاب آسمان سے اتار کر لاؤ۔ (۱۵۳ : ۴) - (۷ : ۶)۔ ہم پہ بھی کتاب اترنی چاہیے۔ (۹۳ : ۱۷)

۱۵۔ نزولِ عذاب۔ (۱۷۷ : ۳۷) - (۱۶)۔ کفار کا بیان کہ خدا نے کچھ نازل نہیں کیا۔ (۹ : ۶۷)

۱۷۔ نُزُل۔ مہمانی۔ (۱۹۸ : ۳) - (۱۰۲ : ۱۸) - (۱۰۷ : ۱۸) - (۱۹ : ۳۲) - (۶۲ : ۳۷) - (۳۲ : ۴۱)
(۵۶ : ۵۶) - (۹۳ : ۵۶)

۱۸۔ نزلۃ۔ ایک بار نازل ہونا۔ (۱۳ : ۵۳)

۱۹۔ ارض و سمٰوٰت میں خدا کا امر نازل ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۶۵)

۶۔ نسک

اس مادہ کے بنیادی معنی دھونے اور صاف کرنے کے ہیں۔ اس سے مراد کسی معاملہ کو درست اور صاف کر دینا ہوتا ہے۔ اسی سے اس کے معنی اچھا راستہ اختیار کر لینے کے آتے ہیں۔ نسک اس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف آنے جانے کے لوگ عادی ہو چکے ہوں۔ یہیں سے اس کے معنی رسوم و رواج اور طور طریق کے آتے ہیں۔ اور واجبات خداوندی کے بھی۔ بعض لغت میں نسکیۃ کے معنی ذبیحہ یا خون بھی آتے ہیں۔

۱۔ ہر قوم کے لئے زندگی کے مختلف طور طریقے یا رسوم و رواج ہیں۔ (۳۴ : ۲۲) - (۶۷ : ۲۲)

۲۔ دعائے ابراہیمیؑ کہ ہمیں ہمارے مناسک بتا دے۔ (۱۲۸ : ۲)

۳۔ مراسم حج کے سلسلہ میں صیام یا صدقہ یا نسک بطور فدیہ۔ یہاں اس سے مراد وہ شے ہو گی جسے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا جائے۔ (۱۹۶ : ۲)۔ بعض اس سے مراد جانور ذبح کرنا لیتے ہیں۔

۴۔ حج کے مقتضیات کو مناسک کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۲۰۰ : ۲)

۵۔ رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے اعلان کہ میری صلوٰۃ۔ میرے نسک۔ میرا مرنا اور میرا جینا سب خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ہے۔ یہاں نسک سے مراد زندگی کے طور طریقے ہوں گے۔ (۱۶۲ : ۶)

۷۔ نصاریٰ (واحد نصرانی)

(حواری - احبار و رھبان - رھبانیت)

حضرت عیسےٰ کے متبعین کو قرآن کریم میں نصاریٰ کہہ کر پکارا گیا ہے جس کا واحد نصرانی ہے۔ حضرت عیسےٰؑ ناصرۃ گاؤں کے رہنے والے تھے۔ غالباً اس نسبت سے (یعنی مسیح ناصری کی نسبت سے) آپ کے پیروؤں کو نصرانی کہا گیا۔ ان میں سے جو السابقون الاولون تھے، انہیں قرآن نے حواری کہہ کر پکارا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ انجیل نے ان حواریوں (حضرت

مسیحؑ کے شاگردوں) کا عجیب کیریکٹر پیش کیا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک نے (انجیل کے بیان کے مطابق) آپ کو چند سکوں کے عوض دشمن کے ہاتھ بیچ دیا۔ (انہیں سازش سے گرفتار کرا دیا) اور باقی گیارہ کے گیارہ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن قرآن کریم نے کہا ہے کہ وہ بڑے بلند کیریکٹر کے اصحاب تھے جو حضرت عیسےٰؑ کے مشن کی کامیابی کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہتے۔ آپ نے دیکھا کہ انسانوں کے خود ساختہ افسانوں اور خدا کی وحی میں کتنا فرق ہے!

نصاریٰ

۱۔ مسلمان کے گھر پیدا ہونے والے ہوں۔ یہودی ہوں یا نصاریٰ یا صابئین۔ کسے باشد۔ جو بھی قرآن کے دیئے ہوئے تصور کے مطابق خدا اور آخرت پر ایمان لائے گا اور اعمال صالح کرے گا۔ (یعنی ایسے کام جنہیں قرآن صالح قرار دیتا ہے) اسے کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔ (۲ : ۶۲) – (۵ : ۶۹)۔ ان میں قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ (۲۲ : ۱۷)

۲۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جنت میں صرف یہود اور نصاریٰ ہی داخل ہو سکیں گے۔ یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ (۲ : ۱۱۱) دعوےٰ کہ ہدایت انہی کے پاس ہے۔ (۲ : ۱۳۵)

۳۔ حالت ان کی یہ ہے کہ یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ سچے دین پر نہیں۔ نصاریٰ یہودیوں کے متعلق یہی کچھ کہتے ہیں۔ اور تماشا یہ کہ دونوں کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۱۳)

۴۔ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کرو گے۔ (۲ : ۱۲۰)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد نہ یہود تھی نہ نصاریٰ۔ (۲ : ۱۴۰) – (۳ : ۶۶)

۶۔ نصاریٰ سے بھی خدا نے صحیح تعلیم پر کاربند رہنے کا وعدہ لیا تھا لیکن وہ سب کچھ فراموش کر بیٹھے۔ اب ان (کے مختلف فرقوں) میں قیامت تک باہمی عداوت رہے گی۔ (۵ : ۱۴)

۷۔ یہود اور نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی چہیتی اولاد ہیں۔ (۵ : ۱۸)

۸۔ مسلمانو! تم یہود اور نصاریٰ کو کبھی اپنا دوست اور سرپرست نہ بنانا۔ وہ تمہارے خلاف ایک دوسرے کے دوست بن جائیں گے۔ تمہارے دوست اور بہی خواہ کبھی نہیں بنیں گے۔ (۵ : ۵۱)

۹۔ زمانۂ نزولِ قرآن میں، یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ البتہ عیسائی ان سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔

کیونکہ ان میں رہبان اور قسیسین تھے۔ ان لوگوں پہ قرآن کی تعلیم کا اثر ہو جاتا تھا۔ اور ان میں سے بعض اسلام بھی لے آئے تھے۔ (۸۵ - ۸۲ : ۵)

۱۰۔ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے تھے۔ (۳۰ : ۹)

۱۱۔ الوہیت مسیحؑ کے قائل کفر کے مرتکب ہیں۔ (۱۷ : ۵)۔ یہ شرک ہے۔ (۷۲ : ۵)۔ تثلیث کے قائل بھی کافر ہیں۔ (۱۷۱ : ۴)۔ (۷۳ : ۵)۔ حضرت مسیحؑ قیامت کے دن خدا سے کہہ دیں گے کہ یہ میری تعلیم نہیں۔ اسے انہوں نے میرے بعد خود ہی وضع کر لیا تھا۔ (۱۱۷ - ۱۱۶ : ۵)۔ یہ اپنے احبار و رہبان کو بھی رب مانتے تھے۔ (۳۱ : ۹)

۱۲۔ جب خدا نے حواریوں کو حضرت عیسٰیؑ کی وساطت سے حکم دیا کہ وہ ایمان لائیں تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لاتے ہیں اور مسلم ہیں۔ ان کی مائدۃ من السماء کی درخواست بھی قبول کر لی گئی۔ (۱۱۵ - ۱۱۲ : ۵)۔ نیز دیکھئے (۵ا نیچے)

۱۳۔ ان کے احبار و رہبان لوگوں کا مال حرام طور پہ کھا جاتے ہیں۔ (۳۴ : ۹) ۔ لوگوں کو بھی ایسا کرنے سے نہیں روکتے۔ (۶۳ : ۵)

۱۴۔ متبعین حضرت عیسٰیؑ نرم دل ہوتے تھے۔ انہوں نے مسلک رہبانیت خود ہی ایجاد کر لیا۔ خدا نے ان پر اسے فرض نہیں کیا تھا۔ اور پھر اسے نباہ بھی نہ سکے۔ (۲۷ : ۵۷)

۱۵۔ حضرت عیسٰیؑ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون خدا کی مدد کے لئے میرا ساتھ دیتا ہے۔ تو ان سب نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ان کے اس کردار کو مومنین کے لئے بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ (۵۲ - ۵۱ : ۳)۔ (۱۴ : ۶۱)

۱۶۔ احبار و رہبان یہودیوں کے بھی تھے اور عیسائیوں کے بھی۔ یہودیوں کے احبار اور ربانی تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ (۴۴ : ۵)

۱۷۔ خدا کی اولاد کا عقیدہ شرک ہے۔ (۱۱۱ : ۱۷) ۔ (۲ : ۲۵)۔ ایسا عقیدہ جس سے آسمان پھٹ پڑے۔ (۹۱ - ۹۰ : ۱۹)

نصرت

(تائید - امداد)

نصرت (مادہ ن - ص - ر) - اس مادہ کے بنیادی معنی اس قسم کی مدد کرنا ہوتے ہیں جس طرح بارش، پیداوار کے لئے زمین کی مدد کرتی ہے - اس لئے بارش یا دور دراز سے آنے والے پانی کو نصرت سے تعبیر کیا جاتا ہے - نیز اس کے معنی کسی کو رزق پہنچانے کے بھی آتے ہیں -

قرآن کریم نے کامیابی کے لئے فلاح کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی کھیتی کے پروان چڑھنے کے ہیں - کھیتی کے پروان چڑھنے کے لئے بارش کی ضرورت ہوتی ہے - لیکن بارش سے بھی اسی کسان کی کھیتی پروان چڑھتی ہے جو قانون خداوندی کے مطابق زمین تیار کرے اور فصل کی پیدائش کے لئے محنت اور کوشش کرے - لہٰذا، ہر وہ محنت جو قانون خداوندی کے مطابق ہوگی، اس میں خدا کی نصرت شامل ہوگی - اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص پانی کے بہاؤ کی طرف کشتی چلاتا ہے اس میں کم محنت سے کشتی کی رفتار تیز ہوگی - دوسرا شخص پانی کے بہاؤ کے خلاف کشتی چلاتا ہے - اس میں اُسے زور بھی زیادہ لگانا پڑے گا - اور کشتی کی رفتار (اس کے باوجود) کم رہے گی - پہلے شخص کے ساتھ "خدا کی نصرت" شامل تھی - دوسرا اس سے محروم تھا -

قرآن کریم کی رُو سے خدا کے قوانین دو قسم کے ہیں - ایک طبیعی قوانین اور دوسرے اخلاقی قوانین، جنہیں مستقل اقدار کہتے ہیں - جو قوم اپنے معاملات میں ان دونوں قوانین کی متابعت کرتی ہے اس کی کوششوں کے نتائج محیر العقول ہوتے ہیں - اس سے انسان کی مضمر قوتیں اس انداز سے بیدار اور مشہود ہوتی ہیں کہ اور تو اور، وہ خود بھی شعوری طور پر ان کا اندازہ نہیں کر سکتا - اسی کو عام اصطلاح میں 'تائیدِ غیبی' کہا جاتا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی اس تائید و نصرت کے ذرائع و مظاہر خود انسان کے دست و بازو ہوتے ہیں - کوئی فوق الفطرت قوتیں نہیں ہوتیں - طبیعی قوانین کے اتباع سے ان "ملائکہ" کی تائید حاصل ہوگی جو فطرت کی قوتوں کے انداز میں کام کرتے ہیں - اور اخلاقی قوانین کے اتباع سے ان "ملائکہ" کی تائید جو خود انسان کے اندر کارفرما ہیں -

معاونت ہر قسم کی مدد کو کہتے ہیں، اور نصرت میں دفعِ مضرت کا پہلو خصوصیت سے نمایاں ہوتا ہے - اس لئے نصرت میں، اپنی حفاظت، مخالفین کی روک تھام، اور غلبہ کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے -

انصار کے عام معنی "مدد کرنے والے" ہیں، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ اُن مدنی مسلمانوں کے لئے بولا گیا ہے، جنہوں نے ابتدائے اسلام میں، مکہ سے آنے والے مہاجرین کو پناہ دی۔ اور ان کی ہر قسم کی امداد کی تھی۔

معاونت کے لئے دیکھئے عنوان استعانت

تائید کے معنی ہیں کسی کو تقویت دینا۔ سامانِ قوت بہم پہنچانا۔ قوانینِ خداوندی کے مطابق سعی و عمل سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اسے تائیدِ خداوندی کہا جاتا ہے۔ اس سے انسان کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ اس کی قوتیں بہترین نتائج پیدا کرتی ہیں۔

نصرتِ خداوندی

۱۔ دنیا میں آسمانی انقلاب لانے والی جماعتوں کو ایسی شخصیتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ (رسول اور اس کے ساتھی) پکار اٹھتے ہیں کہ خدا کی نصرت کب آئے گی؟ ایسے صبر آزما حالات میں ان سے کہا جاتا ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا کی نصرت قریب ہے۔ (۲۱۴ : ۲) – (۱۱۰ : ۱۲)

۲۔ خدا کی نصرت حاصل ہو جائے تو کامرانی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ (۱۳ : ۶۱)

۳۔ رسول اللہ اور جماعتِ مومنین سے خدا کی نصرت کا وعدہ جو فتحِ مکہ کی صورت میں پورا ہوا۔ (۳ : ۴۸)۔ نیز غزوۂ حنین میں۔ (۲۵ : ۹)۔ اور جنگِ بدر میں۔ (۱۲ : ۳) – (۱۲۲ : ۳) – (۴۰ : ۹)

۴۔ انبیاءِ سابقہ کو بھی خدا کی نصرت ملی جب انہیں لوگوں نے سخت تکالیف پہنچائیں۔ اور انہوں نے ان کا استقامت سے مقابلہ کیا۔ (۳۴ : ۶) – (۱۷۲-۱۷۱ : ۳۷)

۵۔ حضرت نوحؑ کو نصرتِ خداوندی عطا ہوئی۔ (۷۷ : ۲۱)

۶۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور بنی اسرائیل کو نصرتِ خداوندی ملی۔ (۱۱۵-۱۱۴ : ۳۷)

۷۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ وہ وقت یاد کرو جب تم کمزور اور قلیل تھے۔ خدا نے تمہاری مدد کی اور تمہیں اس قدر کامیابیاں عطا کیں۔ (۲۶ : ۸)

۸۔ خدا نے رسول اللہ کو اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین کے ساتھ تقویت دی۔ (۶۲ : ۸)

۹۔ نصرتِ خداوندی انسانوں کے ہاتھوں سے ملا کرتی ہے۔ مکہ کے مظلومین کی فریاد پہ مدینہ کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان کی مدد کے لئے جاؤ۔ (۷۵ : ۴)۔ انہیں انصار اللہ کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے عنوان "انصار")

۱۰۔ رسول اللہؐ کی خدا سے دعا کہ واجعل لی من لدنک سلطانا نصیراً ۔ (۸۰ : ۱۷)

۱۱۔ حضرت نوحؑ نے خدا سے فریاد کی کہ میں مغلوب ہو رہا ہوں ۔ میری مدد کر ۔ (۱۰ : ۵۴)

۱۲۔ نصرتِ خداوندی سے ثابت قدمی حاصل ہو جاتی ہے ۔ (۷ : ۴۷)

۱۳۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ۔ اور اگر وہ چھوڑ دے تو پھر کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا ۔ (۳ : ۱۵۹) ۔ (۱۴) ۔ جس پر کوئی زیادتی ہو وہ اس زیادتی کا اتنا ہی بدلہ لے سکتا ہے ۔ پھر جو سرکشی پر اتر آئے تو اس کی مدد خدا کرے گا ۔ (۲۲ : ۶۱)

الناصر ۔ النصیر

۱۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہو سکتا ۔ (۲ : ۱۰۷) ۔ (۹ : ۱۱۶) ۔ (۴۳ : ۱۸) ۔ (۲۸ : ۸۱) ۔ (۴۵ : ۵۱)

۲۔ اگر تم نے لوگوں کے خیالات کا اتباع کیا تو خدا کی ولایت و نصرت سے محروم ہو جاؤ گے ۔ (۲ : ۱۲۰)

۳۔ بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ۔ (۸ : ۴۰) ۔ (۲۲ : ۷۸)

۴۔ خدا کی ولایت و نصرت کافی ہے ۔ (۴ : ۴۵) ۔ (۲۵ : ۳۱)

۵۔ خدا خیر الناصرین ہے ۔ (۳ : ۱۴۹) ۔ (۶) ۔ نصرت صرف خدا کی نصرت ہے ۔ (۳ : ۱۲۶) ۔ (۸ : ۱۰)

نصرتِ خداوندی کیسے ملتی ہے

۱۔ مومنین کی مدد کرنا خدا پر فرض ہے ۔ (۳۰ : ۴۷) ۔ مرسلین کی بھی ۔ (۱۰ : ۱۰۳) ۔ (۳۷ : ۱۷۱ - ۱۷۲) ۔ (۴۰ : ۵۱)

۲۔ خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے ۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر کامیابیاں قریب آجاتی ہیں ۔ (۶۱ : ۱۱ - ۱۳)

۳۔ جو خدا کی مدد حاصل کرنا چاہے اسے وہ مدد مل سکتی ہے ۔ (۳ : ۱۲) ۔ (۳۰ : ۵)

۴۔ جن مسلمانوں پر اس قدر مظالم ہوتے ہیں ، انہیں اپنی حفاظت کے لئے جنگ کی اجازت دی جاتی ہے اور خدا انکی نصرت پر قادر ہے ۔ (۲۲ : ۳۹)

۵۔ ظالمین کا کوئی ولی اور نصیر نہیں ہوتا ۔ (۲ : ۲۷۰) ۔ (۳ : ۱۹۱) ۔ (۵ : ۷۲) ۔ (۲۲ : ۷۱) ۔ ———

(۴۷ : ۳۵) — (۸ : ۴۲) — (۲۵ : ۷۱)

۶۔ جو لوگوں کے خیالات اور خواہشات کا اتباع شروع کر دے اسے نصرتِ خداوندی نہیں مل سکتی ۔ (۱۲۰ : ۲)

۷۔ منافقین کو کسی کی مدد نہیں مل سکتی ۔ (۱۴۵ : ۴)

۸۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے موقف پر ثابت قدم نہ رہتے اور ذرا سا بھی مخالفین کی طرف جھک جاتے، تو تمہیں سخت سزا دی جاتی اور اس کے خلاف تمہارا کوئی حامی و ناصر نہ ہوتا ۔ (۷۵-۷۴ : ۱۷) ۔ یہی مومنین سے کہا گیا ۔ (۱۱۳ : ۱۱)

۹۔ اس میں عقیدہ یا آرزو کی کوئی بات نہیں ۔ جو بھی ناہمواریاں پیدا کرے گا اس کی سزا بھگتے گا ۔ اور پھر وہ خدا کے سوا کسی کو اپنا ولی و نصیر نہیں پائے گا یعنی اسے اگر مدد ملے گی تو اس صورت میں کہ وہ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرے ۔
(۱۲۳ : ۴) — (۱۷۴ : ۴)

۱۰۔ جو اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا ۔ (۲۹ : ۳۰)

۱۱۔ جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے ۔ یعنی اسے ثابت قدم رکھتا ہے ۔ (۴۰ : ۲۲) — (۷ : ۴۷)

۱۲۔ عذاب آجانے سے پہلے اگر قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائے تو بچاؤ ہو سکتا ہے ۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد کوئی مدد نہیں دے سکتا ۔ (۵۴ : ۳۹)

غیر خدائی قوتیں

۱۔ معبودانِ باطل تو اپنی مدد آپ بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ کسی اور کی مدد کریں ۔ (۱۹۲-۱۹۱ : ۷) — (۱۹۷ : ۷) — (۴۳ : ۲۱) — (۱۹ : ۲۵) — (۹۳ : ۲۶) — (۷۵ : ۳۶)

۲۔ کتنی قومیں ہلاک ہو گئیں ۔ سو جنہیں وہ اپنا معبود سمجھتے تھے ۔ انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی ۔ (۲۸ : ۴۶)

۳۔ منافقین اور کفار کا دنیا میں کوئی ولی اور ناصر نہیں ہوگا ۔ (۲۲ : ۳) — (۹۰ : ۳) — (۱۴۵ : ۴) — (۷۴ : ۹)

۴۔ اللہ کے سوا کوئی ولی اور ناصر نہیں ہو سکتا ۔ (۳۱ : ۴۲)

۵۔ غیر خداوندی قوتوں کی اطاعت اختیار کرنا ظلم ہے ۔ ایسے ظالمین کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا ۔ (۷۱ : ۲۲)

۶۔ جو خدا کی نصرت سے محروم ہو جائے اس کا مددگار کوئی نہیں ہو سکتا ۔ (۵۲ : ۴)

۷۔ کفار، نصرتِ خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں اور پھر دنیا میں ان کا کوئی ولی اور نصیر نہیں ہوتا ۔ (۶۵-۶۴ : ۳۳) یعنی قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو تباہی ان پر آتی ہے، اس سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا ۔ یہ مطلب ہوتا ہے

یہ کہنے سے کہ ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا۔ (۳ : ۵۵) — (۲۹ : ۲۲) — (۲۹ : ۲۵) —
(۴۵ : ۳۴) — (۲۲ : ۴۸)

۸۔ خدا کے خلاف کوئی کسی کا حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔ (۳۳ : ۱۷)

۹۔ جو قومیں قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے ہلاک ہو جاتی ہیں۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ (۴۷ : ۱۳)

۱۰۔ مکافاتِ عمل کے خلاف کوئی کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ (۱۰ : ۸۶) ۔ حتیٰ کہ اس وقت خدا بھی مدد نہیں کرتا۔
(۲۳ : ۶۶) —

۱۱۔ غلط راستے پر چلنے والوں کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا۔ (۱۶ : ۳۷)

۱۲۔ جو اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔ (۳۰ : ۲۹)

۱۳۔ خدا کے خلاف کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا۔ (۶۷ : ۲۰)

۱۴۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر تمہاری مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ (۳ : ۱۵۹)

۱۵۔ کوئی قوم کتنی ہی بڑی قوتوں کی مالک ہو، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی اسے خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ (۴۰ : ۲۹)

۱۶۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق ان غریب مومنوں کو دھتکار دوں تو اس سے مجھے جو خدا کی طرف سے سزا ملے گی، مجھے اس سے کون بچا سکے گا۔ (۱۱ : ۳۰) ۔ ایسا ہی حضرت صالحؑ نے کہا۔ (۱۱ : ۶۳)

۱۷۔ قانونِ مکافات کے خلاف کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ (۲ : ۴۸) — (۲ : ۸۶) — (۲ : ۱۲۳) —
(۱۸ : ۴۳) — (۲۱ : ۳۹) — (۲۸ : ۴۱) — (۳۷ : ۲۵) — (۴۱ : ۱۶) — (۴۲ : ۴۶) ——
(۴۴ : ۴۱) — (۵۲ : ۴۶) — (۵۵ : ۳۵) — (۷۱ : ۲۵)

۱۸۔ قارون پر جب تباہی آئی ہے تو کوئی اس کی مدد نہ کر سکا۔ نہ ہی وہ اپنے آپ کو اس تباہی سے بچا سکا۔
(۲۸ : ۸۱) — (۱۹) ۔ تم قوانینِ خداوندی سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دیکھ لو کہ کوئی بھی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ (۲۲ : ۱۵)

انصار ۔ انصار اللہ

۱۔ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۸ : ۷۲)

۲۔ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو تم ان کی امداد کرو بشرطیکہ یہ امداد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ جائے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ (۷۲ : ۸)

۳۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون خدا کی مدد کرتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ (۵۱ : ۳) — جماعتِ مومنین سے کہا کہ تم بھی اسی طرح خدا کے انصار بنو۔ (۱۴ : ۶۱)

۴۔ مہاجرین و انصار میں سے السابقون، ان سے اللہ راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ (۱۰۰ : ۹)۔ اللہ ان کی طرف اپنی رحمت سے لوٹ آیا۔ (۱۱۷ : ۹)

۵۔ مومنین رسول اللہ کی مدد کرتے ہیں اور انکے مشن کے لئے تقویت کا موجب بنتے ہیں۔ (۱۵۷ : ۷)۔ یہی عہد انبیاءِ سابقہ نے اپنی امتوں سے لیا تھا۔ (۸۰ : ۳)

۶۔ جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ (۴۰ : ۲۲) - (۷ : ۴۷)

۷۔ جو خدا کی راہ میں ہجرت کرنے سے محتاج و نادار ہو جائیں، یہ لوگ امداد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خدا اور رسول کی مدد کی ہے۔ (۸ : ۵۹)

۸۔ خدا نے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ شمشیر بھی بھیجی ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون خدا اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ (۲۵ : ۵۷)

تائید (تقویت پہنچانا)

۱۔ خدا نے حضرت عیسیٰ کو وحی کی رو سے تقویت پہنچائی۔ (۸۷ : ۲) - (۲۵۳ : ۲) - (۱۱۰ : ۵)

۲۔ خدا نے رسول اللہ کو اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین سے تقویت پہنچائی۔ (۶۲ : ۸)۔ خود جماعتِ مومنین کو بھی (۲۶ : ۸)

۳۔ حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف تقویت پہنچائی۔ (۱۴ : ۶۱)

۴۔ خدا نے رسول اللہ کو ایسے لشکروں سے تقویت پہنچائی، جو نظر نہیں آتے تھے۔ (۴۰ : ۹) - (۹ : ۳۳)

۵۔ مومنین کو خدا وحی (روح) سے تقویت پہنچاتا ہے۔ (۲۲ : ۵۸)

۶۔ جو چاہتا ہے اس کی خدا اپنی نصرت سے تائید کرتا ہے۔ (۱۲ : ۳)

۷۔ خدا نے جنگِ بدر میں ملائکہ سے مدد کی۔ (۱۲۳ : ۳) - (۱۲۴ : ۳)۔ ان سے مومنین کے دلوں میں اطمینان پیدا ہوگیا اور کامیابی یقینی ہوگئی۔ (۱۲۵ : ۳) - (۹ : ۸)

۸۔ جہاں تک طبیعی قوانین کا تعلق ہے۔ ان کے مطابق مومن و کافر، ہر ایک اپنی اپنی کوشش سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ خدا کی امداد دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔ (۲۰ : ۱۷)۔ لیکن جب یہ (کفار) اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس سے ان کی تباہی آجاتی ہے۔ (۵۶-۵۷ : ۲۳)۔ اور کامیاب وہی ہوتے ہیں جو اس کے قوانین کے مطابق چلتے ہیں۔ (۵۸-۶۱ : ۲۳)

۹۔ بنی اسرائیل کی مدد، مال اور بنون سے کی۔ (۶ : ۱۷)

۱۰۔ جنت کی نعمار کو مددِ خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲۲ : ۵۲)

۱۱۔ قومِ عاد کو مویشی اور اولاد اور دیگر ساز و سامان سے امداد دی۔ (۱۳۲-۳۳ : ۲۶)۔ قومِ نوح کو بھی (۱۱ : ۷۱)

متفرق

۱۔ منافقین کی یہ حالت ہے کہ خطرات کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں اور جب نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (۱۰ : ۲۹)

۲۔ جب نصرتِ خداوندی مل جائے اور فتح حاصل ہو جائے تو یہ نہ سمجھ لو کہ بس اب تمہارا پروگرام مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد نیا پروگرام شروع ہو گا جس کے لئے بڑی سعی و کاوش کی ضرورت ہو گی۔ (۳-۱ : ۱۱۰)

۳۔ مومنین، رسولؐ کی مدد کرتے ہیں اور اس کے مشن کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ (۱۵۷ : ۷)

۴۔ رسول اللہؐ کی دعائیں کہ مجھے اپنی طرف سے حامی و مددگار عطا فرما۔ (۸۰ : ۱۷)۔ جماعت مومنین کی دعا۔ (۲۵۰ : ۲)۔ (۲۸۶ : ۲)۔ (۱۴۶ : ۳)

۵۔ مخالفین کہتے ہیں کہ رسولؐ اور اس کے ساتھیوں کی جماعت بہت کمزور ہے۔ ہم بڑے طاقتور ہیں اور ہمارے حامی بھی بہت ہیں۔ کہا کہ ذرا مقابلہ ہو جائے تو پتہ لگ جائے گا کہ کون کمزور ہے اور کس کے ساتھی زیادہ ہیں۔ (۲۴ : ۷۲)۔ (۶)۔ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ظالم سے بدلہ لینے کے لئے مظلوم کی مدد کرے۔ (۳۹ : ۲۲)

۷۔ جس پر ظلم ہو وہ اگر اس کا بدلہ لے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ (۴۱ : ۴۲)

۸۔ کسی سے بدلہ لینے کے معنوں میں۔ (۲۲۷ : ۲۶)۔ (۴۱ : ۴۷)۔ غلبہ کے معنوں میں۔ (۹ : ۴۷)۔ (۳۹ : ۴۲)

۹۔ اہلِ کتاب اگر تمہارے مقابلہ کے لئے آئیں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا —— (۱۱۰ : ۳)۔ (۱۲ : ۵۹)

۱۰۔ حضرت نوحؑ نے نصرتِ خداوندی کے لئے دعا کی۔ (۲۶ : ۲۳) - (۳۹ : ۲۳) - (۱۰ : ۵۴)

۱۱۔ حضرت لوطؑ کی دعا۔ (۳۰ : ۲۹)

۱۲۔ جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان کی مدد کرنے کی شرط۔ (۲، : ۸)

۹۔ نعمت

(انعام)

مادہ (ن - ع - م) انسانی زندگی کے ہر پہلو کا خوشگوار، کشادہ، ملائم، آسودہ، بلند اور اذیت و تکلیف سے مبرّیٰ ہو جانا۔ تر و تازگی، شگفتگی۔ شادابی۔ سرفرازی حاصل ہونا۔ نیز، قوم کی اجتماعیت اور باہمی اتفاق و ائتلاف کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

انعاماتِ خداوندی کی تفصیل

۱۔ قرآن کریم کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پہ چلنے والوں کو انعاماتِ خداوندی حاصل ہوتے ہیں۔ (۶ : ۱)

۲۔ بنی اسرائیل کو انعاماتِ خداوندی کی یاد دلائی گئی (۴۰ : ۲) - (۴۷ : ۲) - (۱۲۲ : ۲)

۳۔ اقوامِ عالم پہ فضیلت حاصل ہونا، انعامِ خداوندی ہے۔ (۴۷ : ۲) - (۱۲۲ : ۲)

۴ جس قوم کو انعاماتِ خداوندی حاصل ہوں اور وہ انہیں (اپنے غلط اعمال کی وجہ سے) ضائع کر دے تو یہ خدا کا عذاب ہوتا ہے۔ (۲۱۱ : ۲) - (۲۸ : ۱۴)

۵ کعبہ (یعنی مرکزِ نظامِ خداوندی) کے ساتھ متمسک رہنے سے اتمامِ نعمت ہوگا۔ (۱۵۰ : ۲)

۶۔ خدا کی طرف سے ضابطۂ قوانین کا مل جانا، اور ان قوانین کی غرض و غائت اور علم و حکمت کا معلوم ہو جانا، خدا کا انعام ہے۔ (۲۳۱ : ۲)

۷۔ باہمی اتحاد، اتفاق۔ ائتلاف، اخوت، محبت۔ خدا کی نعمت ہے۔ (۱۰۲ : ۳)

۸۔ حق و صداقت کی خاطر جان دے دینے والے انعاماتِ خداوندی کے مستحق ہوتے ہیں۔ (۱۷۰ : ۳)

۹۔ میدانِ جنگ سے فاتح و منصور لوٹنا، انعامِ خداوندی ہے۔ (۱۷۳ : ۳) ۔ (۹ : ۳۳)

۱۰۔ خدا و رسول کی اطاعت سے، ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو جاتی ہے جن پر خدا کی نعمت ہوتی ہے ۔ وہ انبیاء، صدیق شہداء اور صالحین ہیں ۔ (۶۹ : ۴)

۱۱۔ اسلام، نعمتِ خداوندی ہے جس کا اتمام قرآن کریم میں آکر ہوا ہے۔ (۳ : ۵)

۱۲۔ تطہیرِ فکر و نظر کے علاوہ، جسمانی پاکیزگی بھی باعثِ انعامِ خداوندی ہے ۔ (۶ : ۵)

۱۳۔ سمع و طاعت کا عہد، خدا کی نعمت ہے ۔ (۷ : ۵)

۱۴۔ دشمن کی دست درازیوں سے محفوظ رہنا، خدا کا انعام ہے ۔ (۱۱ : ۵)

۱۵۔ کسی قوم کو حضراتِ انبیاء کرام کی وساطت سے آسمانی راہ نمائی کا مل جانا ۔ اور انہیں مملکت اور قوت کا حاصل ہو جانا، انعاماتِ خداوندی ہیں ۔ (۲۱ : ۵)

۱۶۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ، پر انعاماتِ خداوندی سایہ فگن تھے ۔ (۱۱۰ : ۵) ۔ (۵۹ : ۴۳)

۱۷۔ تمکن و قوت ۔ شوکت و حشمت ۔ انعاماتِ خداوندی ہیں ۔ (۷۴ : ۷)

۱۸۔ خدا کسی قوم کی نعمتوں کو نہیں چھینتا تا وقتیکہ وہ قوم خود اپنے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلیاں نہ پیدا کرے جن سے وہ ان انعامات کی اہل نہ رہے ۔ (۵۳ : ۸)

۱۹۔ آلِ یعقوب جن نعمائے خداوندی کی حامل تھی ان کے اہل حضرت یوسف ؑ ہوئے ۔ (۶ : ۱۲)

۲۰۔ مستبد قوتوں کے مظالم سے نجات مل جانا، نعمتِ خداوندی ہے ۔ (۶ : ۱۴)

۲۱۔ قوم کے لیڈر، نعمائے خداوندی کا کفران کرتے ہیں اور اس طرح قوم کو تباہی کے جہنم میں دھکیل دیتے ہیں ۔ (۲۸ : ۱۴)

۲۲۔ تم نعمائے خداوندی کا احاطہ نہیں کر سکتے ۔ (۳۴ : ۱۴) ۔ (۱۸ : ۱۶)

۲۳۔ اکتسابِ رزق (زیادہ رزق کمانے) کی استعداد، نعمتِ خداوندی ہے جو انسان کو بلا مزد و معاوضہ ملتی ہے ۔ اس لئے اس استعداد کے ماحصل کو ذاتی ملکیت نہیں سمجھ لینا چاہیئے ۔ (۵۳ : ۱۶) ۔ (۷۱ : ۱۶) ۔ یہ کفرانِ نعمت اور باطل پر ایمان ہے ۔ (۷۲ : ۱۶)

لہ ۔ آلاء کے معنی قدرت اور نعمت دونوں کے آتے ہیں ۔ ہم نے اسے اسی عنوان میں درج کر دیا ہے ۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات پر یہ صرف قدرت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔

۲۴۔ طبیعی زندگی کے اسباب و وسائل نعمائے خداوندی ہیں۔ (۸۳-۸۰ : ۱۶) – (۳۱ : ۳۱)

۲۵۔ رزق کی فراوانی اور مرفہ الحالی، خدا کی نعمت ہے۔ بھوک اور خوف اس کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۲۶۔ خوش حالی کے زمانے میں انسان، خدا فراموش ہوجاتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت مایوس۔ (۱۰ : ۱۱) – (۸۳ : ۱۷)
(۸ : ۳۹) – (۵۱ : ۴۱) – (۲۷) – انبیاء کرامؑ سب منعم علیہ تھے۔ (۵۸ : ۱۹)

۲۸۔ شوکتِ سلیمانیؑ۔ خدا کی نعمت تھی۔ (۱۹ : ۲۷)

۲۹۔ سامانِ حفاظت (مغفرت) مل جانا، انعامِ خداوندی ہے۔ (۱۷ : ۲۸)

۳۰۔ تسخیرِ ارض و سما، اور آسمانی راہ نمائی، نعمائے خداوندی ہیں۔ (باطن کی نعمتیں خدائی راہ نمائی سے حاصل ہوتی ہیں (۸۱ : ۱۶)
(۲۰ : ۳۱) – (۱۳-۱۲ : ۴۳) – باطن کی نعمتوں سے مراد وہ آسمانی راہ نمائی ہے جس سے انسان کے قلب و نگاہ میں
انقلاب واقع ہوجاتا ہے۔ (۳۱) – حضرت زیدؓ پر خدا اور رسولؐ کے انعامات تھے۔ (۳۷ : ۳۳)

۳۲۔ نوعِ انسان کے لئے سامانِ زیست، نعمتِ خداوندی ہے۔ یعنی بلا مزد و معاوضہ ملا ہے۔ (۳ : ۳۵)

۳۳۔ دنیا میں معاشی فساد کی وجہ یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کو خدا کی طرف سے بطور نعمت (بلا مزد و معاوضہ) ملی ہیں، وہ ان کے
متعلق بھی دعوےٰ کرتا ہے کہ وہ اس کی ہنرمندی کا نتیجہ ہیں۔ (۴۹ : ۳۹)

۳۴۔ انعاماتِ خداوندی کا شکریہ یہ ہے کہ انسان ایسے کام کرے جن سے اس کی اپنی ذات کی صلاحیتوں کی بھی نشوونما ہو، اور
عالمگیر انسانیت کے بھی کام سنورتے جائیں (یعنی اعمالِ صالح)۔ (۱۵ : ۴۶)

۳۵۔ نبی اکرمؐ پر اتمامِ نعمت۔ (۲ : ۴۸) – (۳۶) – رُشد و ہدایت، نعمتِ خداوندی ہے۔ (۸ : ۴۹)

۳۷۔ تباہی سے محفوظ رہنا نعمتِ خداوندی ہے۔ (۳۵ : ۵۴)

۳۸۔ جنت کی آسائشیں اور عظیم مملکت، نعمائے خداوندی ہیں۔ (۲۰ : ۷۶)

۳۹۔ سورہ رحمٰن (۵۵) میں۔ فبای آلاء ربکما تکذبان۔ میں بعض مقامات پر اس کے معنی نعمت ہیں اور اکثر مقامات پر
قدرت۔ (مضمون کے سیاق و سباق سے مفہوم واضح ہوجاتا ہے)

۴۰۔ عزت و تکریم اور کشائشِ رزق خدا کی نعمت ہے۔ (۱۵ : ۸۹)

۴۱۔ یہ نعمت چھنتی اس طرح ہے کہ معاشرہ ان لوگوں کی عزت و تکریم نہ کرے جو تنہا رہ جائیں۔ محتاجوں کے لئے سامانِ
زیست مہیا نہ کرے۔ افراد ساری دولت سمیٹ کر اپنے لئے جمع کرلیں۔ (۲۰-۱۵ : ۸۹)

۴۲۔ صحیح راستے کا سامنے آجانا۔ مفلسی کے بعد رزق کی فراخی حاصل ہوجانا۔ تنہا رہ جانے کے بعد، پناہ کا مل جانا۔ سبب

نعمائے خداوندی ہیں جو حضورؐ پہ ارزاں ہوئی تھیں، اور جن کے متعلق آپؐ سے کہا گیا کہ انہیں اپنے پیشِ نظر رکھا کرو۔ (۹۳ : ۵-۱۱) - (۴۳)۔ انسان کو جو کچھ خدا کی طرف سے بطورِ نعمت ملا ہے، اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس نے اسے کیسے صرف کیا تھا۔ (۱۳ : ۲۱) - (۱۰۲ : ۸)

۴۴۔ لوگوں کی راہ نمائی صحیح راستے کی طرف کرنے والے منعم علیہ ہوتے ہیں۔ (۵ : ۲۳)

۴۵۔ اہلِ جنت کے چہرے تر و تازہ (۸۸ : ۸)

۴۶۔ ہر قسم کی فارغ البالی۔ آسائش۔ مرفہ الحالی، نعماء خداوندی ہیں۔ (۴۴ : ۲۷)

۴۷۔ مال و دولت نعمتِ خداوندی ہے۔ (۷۳ : ۱۱) - (۴۸)۔ شکرِ نعمت، عبودیتِ خداوندی کا ثبوت ہے۔ (۱۶ : ۱۱۴)

۴۹۔ کسی قوم کو محکوم بنا کر اس کی پرورش کرنا۔ ارزانیٔ نعمت نہیں۔ فرعون ـــ بنی اسرائیل کے ساتھ ایسا ہی کرتا تھا (۲۶ : ۲۲)

۵۰۔ کفرانِ نعمت اور باطل پہ ایمان ایک ہی بات ہے۔ (۱۶ : ۷۲) - (۲۹ : ۶۷)

۵۱۔ عذابِ جہنم سے محفوظ رہنا، نعمتِ خداوندی ہے۔ (۳۷ : ۵۷)

۵۲۔ حضورؐ نہ کاہن تھے نہ مجنون۔ یہ نعمتِ خداوندی تھی۔ (۵۲ : ۲۹) - (۶۸ : ۲)

۵۳۔ حضرت یونسؑ کا ہلاکت سے محفوظ رہنا انعامِ خداوندی تھا۔ (۶۸ : ۴۹)

۵۴۔ حضرت ابراہیمؑ نعماء خداوندی کے شکرگزار تھے۔ (۱۶ : ۱۲۱)

۵۵۔ جنت زندگی میں نعماء خداوندی۔ نعیم۔ (۵ : ۶۵) - (۹ : ۲۱) - (۱۰ : ۹) - (۲۲ : ۵۶) - (۸۵ : ۲۶) - (۸ : ۳۱) - (۴۳ : ۳۷) - (۱۷ : ۵۲) - (۱۲ : ۵۶) - (۸۹ : ۵۶) - (۳۴ : ۶۸) - (۳۸ : ۷۰) - (۱۳ : ۸۲) - (۲۲ : ۸۳)

نعماء خداوندی کی تقسیم

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ نعماء خداوندی میں کچھ تو ایسی ہیں جو خدا کی طرف سے تمام انسانوں کو بلا مزد و معاوضہ ملتی ہیں۔ مثلاً سامانِ رزق۔ بنیادی ضروریاتِ زیست۔ ان نعماء خداوندی کو تمام انسانوں کی ضروریات کے لئے عام رہنا چاہیئے۔ ان پر کسی کی ذاتی ملکیت کا تصور ہی باطل ہے۔ قرآنی نظامِ معاشرہ کا فریضہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی تقسیم کا ایسا انتظام کرے کہ ان سے ہر ایک کی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور کوئی فرد کسی دوسرے کے راستے میں روک بن کر نہ بیٹھ جائے۔

دوسری قسم ان نعماء کی ہے۔ جو انسانی محنت اور کاوش سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً مملکت و حکومت۔ شوکت و ثروت

مرفہ الحالی و فارغ البالی وغیرہ۔ اگر کسی قوم کو یہ چیزیں حاصل ہیں اور وہ انہیں قوانینِ خداوندی (قرآنی تعلیم) کے مطابق صرف کرتی ہے۔ تو وہ قوم خدا کی منعم علیہ ہے۔ اگر اسے یہ کچھ حاصل نہیں تو وہ مغضوب علیہ ہے۔ یعنی خدا کے عذاب میں مبتلا ہے۔ یہ ایک ایسا محسوس معیار ہے جس کے مطابق ہم ہر وقت اپنا جائزہ لے سکتے اور محاسبہ کر سکتے ہیں۔

یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی ہنگامی حادثہ کی وجہ سے کوئی قوم کچھ وقت کے لئے ان نعمتوں میں سے کسی سے محروم ہو جائے۔ لیکن ہنگامی طور پہ ان سے محروم ہو جانا اور اسے خدا کے مقرب بندوں کی نشانی سمجھ لینا اور بات۔ خدا کے مقرب بندوں کو یہ انعام حاصل ہوتی ہیں اور اگر کسی وقت ہنگامی طور پہ یہ چھن جاتی ہیں۔ تو وہ ان کی بازیابی کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ محتاجی۔ محکومی۔ کمزوری۔ مفلسی۔ خوف۔ ہراس۔ پریشانی۔ خدا کے عذاب کی علامات ہیں۔

―――――(۔)―――――

نَفْسٌ

نَفْسٌ ۔ یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ کوئی شخص یا جان۔ جیسے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا (۲ : ۷۲)۔ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ یا ایک جان کو ہلاک کر دیا۔

۲۔ خود۔ یا "اپنے آپ" کے معنوں ہیں جیسے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۲ : ۴۴)۔ تم دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔

۳۔ اپنے لوگ۔ بھائی بند۔ جیسے وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ (۲ : ۸۴)۔ تم اپنے بھائی بندوں کو (اپنے لوگوں کو) اپنے گھروں سے باہر مت نکالو۔

۴۔ ہم جنس۔ جیسے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (۱۶ : ۷۲)۔ خدا نے تم میں سے (یعنی تمہارے ہم جنس) تمہارے جوڑے بنائے۔

۵۔ اولین جرثومۂ حیات (LIFE - CELL) جس سے زندگی کے ارتقائی سلسلہ کا آغاز ہوا۔ جیسے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (۴ : ۱)۔ اس نے تمہیں ایک جرثومۂ حیات سے پیدا کیا۔ (تفصیل کے دیکھئے عنوانات آدم انسان - ارتقاء)

۶۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے ۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ (۲۷ : ۳) ۔ اہلِ لغت نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تمہیں اپنے آپ (یا اپنی ذات) سے ڈراتا ہے ۔ اس کے معنی ہیں، خدا تمہیں اپنے قانونِ مکافاتِ عمل سے محتاط رہنے کے لئے کہتا ہے ۔

۷۔ لیکن اس لفظ کے سب سے اہم معنی وہ ہیں جسے ہم انسانی ذات ۔ یا خودی ۔ یعنی (HUMAN PERSONALITY) کہتے ہیں ۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے ۔

انسانی زندگی کے دو تصورات ہیں ۔ ایک یہ کہ انسان نام ہے اس کے طبیعی جسم کا جو سلسلۂ ارتقاء کی رُو سے اولین جرثومۂ حیات سے شروع ہو کر موجودہ پیکر تک پہنچا ہے ۔ یہ ایک مشینری ہے جو طبیعی قوانین کے تابع سرگرمِ عمل رہتی ہے اور جب یہ چلنی بند ہو جائے گی تو انسان کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ اُسے مادی تصورِ حیات کہا جاتا ہے جس کی رُو سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا ۔

دوسرا تصورِ حیات یہ ہے کہ زندگی جب پیکرِ انسانی میں پہنچی تو یہاں اس میں ایک ایسی شے کا اضافہ ہوا جو نہ اس سے پہلے اس میں موجود تھی اور نہ ہی وہ طبیعی قوانین کی تخلیق تھی ۔ اُسے خدا نے "روحنا" کہہ کر پکارا ہے ۔ (دیکھئے عنوان روح) ۔ یعنی الوہیاتی توانائی ۔ اس کو انسانی ذات یا خودی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اسی سے انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہوتا ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ۔ ذمہ دار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے ہر عمل (حتکہ اس کے خیالات، اور ارادہ تک) کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے ۔ "اچھے اعمال" سے اس کی ذات میں استحکام پیدا ہوتا ہے ۔ یعنی یہ نشوونما پاتی جاتی ہے اور "برے اعمال" سے یہ کمزور ہوتی جاتی ہے ۔ موت سے انسان کا جسم تو منتشر ہو جاتا ہے ۔ لیکن انسانی ذات فنا نہیں ہوتی ۔ یہ آگے بھی جاتی ہے ۔ اسے اُخروی زندگی یا حیاتِ آخرت کہتے ہیں ۔ نشوونما یافتہ یا مستحکم ذات، زندگی کے اگلے (اور بلند) درجہ میں پہنچ جاتی ہے ۔ اسے جنتی زندگی کہتے ہیں ۔ اور غیر مستحکم ذات کی ترقی رک جاتی ہے ۔ اسے مقامِ جہنم سے تعبیر کیا جاتا ہے (دیکھئے عنوانات جنت اور جہنم) ۔ واضح رہے کہ انسانی ذات کے اندر اس بات کی صلاحیت نہیں کہ وہ خیرِ مطلق اور شرِ مطلق (ABSOLUTE GOOD AND EVIL) میں از خود تمیز کر سکے ۔ یہ تمیز صرف وحی کی رُو سے ہو سکتی ہے ۔ وحی جن امور کو خیر کہے انہیں "اچھے کام" کہا جائے گا ۔ جن سے وہ روکے، وہ "برے کام" کہلائیں گے ۔ انسانی ذات صرف صاحبِ اختیار ہے ۔ یعنی یہ اس کے اپنے فیصلے پر ہے کہ وہ خیر کو اختیار کرتی ہے یا شر کو ۔ اور جب خیر و شر کی تمیز اس کے اندر نہیں تو جسے ضمیر کی آواز کہا جاتا ہے اس سے بھی یہ مراد نہیں کہ ضمیر کی آواز ہمیشہ خیر کی طرف دعوت دیتی ہے اور شر سے ملامت کرتی ہے ۔ جس بات کو انسان اچھا یا بُرا سمجھتا ہے اسی کو اس کی ضمیر اچھا یا بُرا کہتی ہے ۔ اور اگر وہ اچھے یا برے کی تمیز وحی کی رو سے

نہیں کرتا تو پھر جن باتوں کو سوسائٹی اچھا سمجھتی ہے وہ اسے اچھا سمجھتا ہے اور جسے سوسائٹی معیوب قرار دیتی ہے وہ اسے مذموم خیال کرتا ہے ۔ اس کے ضمیر کی آواز، اس کے مطابق ہوتی ہے ۔ لہٰذا قابلِ اعتماد، وحی کا فیصلہ ہے نہ کہ انسانی ضمیر کا ۔ اور انسانی ذات اس کے اختیار و ارادہ کی قوت کا نام ہے ۔ یہ خیر و شر میں تمیز کرنے کی از خود صلاحیت نہیں رکھتی ۔

خدا کی ذات، مکمل ترین ذات ہے اور اگر یہ دیکھنا ہو کہ کسی شخص کی ذات میں کس قدر نشو و نما ہو رہی ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس میں (بحد بشریت) خدائی صفات کی کس حد تک نمود ہوتی ہے ۔ اس اعتبار سے، خدائی صفات، وہ خارجی معیار قرار پاتی ہے جس سے انسانی ذات کی نشو و نما ماپی جاسکتی ہے ۔ یاد رکھیئے کہ انسانی ذات، ذاتِ خداوندی کا حصہ نہیں کسی ذات کے حصے بخرے نہیں کئے جاسکتے ۔ انسانی ذات، خدا کی عطا کردہ قوت ہے یہ نظریات کہ انسانی ذات، ذاتِ خداوندی کا ایک حصہ ہے جو اپنی اصل یا کل سے الگ ہو کر مادہ کی دلدل میں پھنس رہی ہے ۔ اسے اس دلدل سے نکال دینا تاکہ یہ پھر اپنی اصل سے جا کر مل جائے، مقصودِ انسانی ہے، اس قسم کے تمام نظریات خلاف قرآن ہیں اور دوسروں سے مستعار ۔ وحدت الوجود ہمہ اوست وغیرہ انہی نظریات کا نام ہے ۔ اسی طرح تصوّف کے نظریہ کے مطابق "تزکیۂ نفس" بھی غیر قرآنی تصور ہے ۔ تزکیۂ نفس، قرآنی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتا ہے نہ کہ نفس کشی کے لئے چلہ کشی اور ریاضات سے شعورِ خویش (SELF CONSCIOUSNESS) اور حافظہ (MEMORY) انسانی ذات کی خصوصیات ہیں ۔ انسانی دماغ (BRAIN) وہ ذریعہ ہے جس سے انسانی ذات اپنی ان خصوصیات کا مظاہرہ کرتی ہے ۔ جیسے (مثال کے طور پر) ریڈیو سیٹ وہ ذریعہ ہے جس سے براڈکاسٹ کرنے والے کی آواز ہم تک پہنچتی ہے ۔ موت سے، وہ سب چیزیں جنہیں انسان "میری" کہتا ہے، یہاں رہ جاتی ہیں اور انسان کا 'میں' (ذات) اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھ جاتی ہے ۔ (دیکھئے عنوان آخرت)

زیرِ نظر عنوان میں، انہی آیات کو پیش کیا جائے گا جن میں نفسؔ کا لفظ انسانی ذات (یا ذاتِ خداوندی) کے لئے آیا ہے نَفَسؔ (ف کے زبر کے ساتھ) کے معنی سانس یا ہوا کے ہیں ۔ اس کی جمع اَنْفَاسٌ ہے ۔

انسانی ذات کی ذمہ داریاں ۔ قانونِ مکافاتِ عمل

۱۔ ہر نفس (ہر شخص) کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا ۔ اور کوئی ذات نہ کسی دوسری ذات کے کام آسکے گی نہ کسی دوسرے کے اعمال کا اثر اس پر مرتب ہوگا ۔ (۲ : ۴۸، ۱۲۳) ۔ (۲ : ۲۸۱) ۔ (۳ : ۲۵) ۔ (۳ : ۱۶۱) ۔ (۱۴ : ۵۱) ۔ (۱۶ : ۱۱۱) ۔ (۲۰ : ۱۵) ۔ (۳۶ : ۵۴) ۔ (۳۹ : ۷۰) ۔ (۴۰ : ۱۷) ۔ (۴۵ : ۲۲) ۔ (۵۳ : ۳۸)

۲۔ جس نفس نے جو کچھ بھی کیا ہوگا وہ اس دن اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ (۳۰ : ۳) ۔ (۳۰ : ۱۰) ۔ (۱۴ : ۸۱) ۔ (۵ : ۸۲)

۳۔ انہیں قوانینِ خداوندی سے آگاہ کرتا رہ تاکہ کوئی نفس اپنے غلط اعمال کی وجہ سے تباہ نہ ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفسِ انسانی (انسانی ذات) کو صحیح راستے کی طرف راہ نمائی خارج سے ملتی ہے۔ (۷۰ : ۶)

۴۔ ہر ذات (نفس) جو کچھ کرتی ہے اس کا اثر اس پر پڑتا ہے (۱۶۴ : ۶) [نیز دیکھئے اس عنوان کا باب "انسانی ذات کی خصوصیات)۔ (۵) کوئی ذات فدیہ دے کر چھوٹ نہیں سکے گی۔ (۵۴ : ۱۰)

۶۔ خدا نفسِ انسانی کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (۳۳ : ۱۳) ۔ (۷)۔ وہاں ہر نفس ایک سائق اور شہید کے ساتھ آئے گا۔ (۲۱ : ۵۰)

۸۔ نفسِ انسانی کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت خیال رکھے کہ وہ کل کے لئے کیا بھیج رہا ہے۔ (۱۸ : ۵۹) ۔ ہر نفس جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور مؤخر کیا کیا ہے۔ (۵ : ۸۲)

۹۔ صحیح نظامِ زندگی میں کوئی نفس کسی دوسرے نفس پر کسی قسم کا اختیار و اقتدار نہیں رکھے گا۔ (۱۹ : ۸۲)

۱۰۔ ہر نفس پر ایک محافظ ہے۔ (۴ : ۸۶)

۱۱۔ انسان اگر مصیبتوں میں پھنستا ہے تو اس لئے کہ اس کی ذات وحی کی روشنی میں قدم نہیں اٹھاتی۔ وحی کی راہ نمائی میں قدم اٹھانے کا نتیجہ خوشگواریاں ہوتا ہے۔ (۷۹ : ۴)

۱۲۔ انسان سے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ آپ پڑھ۔ تیری ذات آج خود تیرے خلاف حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔ (۱۳۰ : ۶) ۔ (۳۷ : ۷) ۔ (۱۴ : ۱۶) ۔ (۱۴ : ۷۵) ۔ (۵ : ۸۲)

۱۳۔ جس دن ہر نفس اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (۱۱۱ : ۱۶)

۱۴۔ جو کچھ تمہارے دل (نفس) میں ہے اسے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو۔ خدا اس کا حساب لے گا۔ (۲۸۴ : ۲)۔ (۲۱ : ۱۱)

انسانی ذات اور اس کی خصوصیات

۱۔ جس دن ہر نفس (ہر شخص) اپنے نفس (اپنی ذات) سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (۱۱۱ : ۱۶)۔ یہ اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں کہا گیا ہے کہ (مثلاً) وہ لوگ جو اپنے نفس پر زیادتی کرتے ہیں۔ یا جو غلط کام کرتا ہے اس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ وغیرہ۔ ان آیات میں غور طلب بات یہ ہے کہ "جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے"

میں "جو شخص" کون ہے جو برا کام کرتا ہے اور اس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ پوری سمجھ میں آتا ہے کہ نہ صرف بات کرنے کا انداز سے ورنہ اچھے یا برے کام کی ذمہ دار تو انسانی ذات ہی ہے اور

اسی پہ اس کے فیصلوں اور اعمال کا اثر پڑتا ہے۔ ان آیات میں یہی مفہوم موزوں نظر آتا ہے۔ ایسی آیات کے متعلق دوسرا عنوان "جس نے اپنی ذات پہ ظلم کیا" بھی دیکھئے۔

۲۔ کوئی شخص (نفس) نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ (۳۴ : ۳۱) یعنی انسانی ذات مستقبل کا علم نہیں رکھ سکتی۔ یہ صرف وحی کر سکتی ہے۔ لہٰذا، مستقبل کی خبریں بتانے کا دعوےٰ اور پیش گوئیاں کرنا، قرآنی تعلیم کے خلاف ہے (یہ صرف وحی کی رُو سے نبی کر سکتا تھا)۔

۳۔ کوئی ذات یہاں اُخروی زندگی کی کیفیات کا علم نہیں حاصل کر سکتی۔ (۱۷ : ۳۲)

۴۔ انسانی ذات اپنی راہ نمائی کے لئے وحی کی محتاج ہے۔ (۶ : ۷۰) ۔ (۶ : ۱۰۴) ۔ (۷ : ۲۰۵) ۔ (۱۰ : ۱۰۸) ۔ (۵۰ - ۵۵ : ۳۹) ۔ (۲۳ : ۵۳)

۵۔ مذکورہ صدر شق ۱ کے سلسلہ میں قابلِ غور مقامات۔ جس شخص نے اپنی ذات (نفس) کو پست جذبات سے روکا۔ اس کا مقام جنت ہے۔ (۴۰ : ۷۹)۔ [نیز دیکھئے شق ۶]

۶۔ نفسِ انسانی، غیر نشوونما یافتہ شکل میں (ہر انسان کو) ملتا ہے۔ اس میں نشوونما پاکر استحکام حاصل کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور تخریبی اقدامات سے منتشر (DISINTEGRATE) ہوجانے کی صلاحیت بھی۔ اس کو قرآن نے تقوٰھا اور فجورھا سے تعبیر کیا ہے۔ (۷ : ۹۱)۔ اس آیت کے یہ معنی لینے کہ خدا نے فجور اور تقویٰ (غلط اور صحیح) کا علم، انسانی ذات کے اندر رکھ دیا ہے، حقیقت کے بھی خلاف ہے اور قرآنی تعلیم کے بھی خلاف۔ اگر اس کا علم انسانی ذات کے اندر موجود ہوتا تو انسان کو وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہی نہ پڑتی (جیسے دیگر اشیائے کائنات کہ جن کے اندر جبلی طور پہ ضروری راہ نمائی رکھ دی گئی ہے، خارجی وحی کی محتاج نہیں ہوتیں)۔

۷۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا (۲ : ۲۸۶) ۔ (۷ : ۴۲) ۔ (۲۳ : ۶۲) ۔ (۷ : ۶۵)

ان آیات کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کسی شخص کو اس کی وسعت یا استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ٹھہراتا۔ دوسرے یہ کہ خدا کی طرف سے انسانی ذات پہ جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو ان سے مقصود، انسانی ذات کو مقید اور محبوس کرنا نہیں۔ ان پابندیوں سے اس کی وسعت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ مزید نشوونما حاصل کر لیتی ہے۔

۸۔ جو بھی جرم کرتا ہے وہ اپنی ذات کے خلاف جرم کرتا ہے۔ (۴ : ۱۱۱)۔ یعنی جرم کا ایک نقصان تو معاشرہ کو ہوتا ہے۔ لیکن اس کا بنیادی نقصان خود اس شخص کی اپنی ذات کو ہوتا ہے۔ یہ وہ نقصان ہے جس کی تلافی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس کی تلافی یہ انسان خود ہی کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ وہ ایسے کام کرے جس سے اس کی ذات میں زیادہ سے زیادہ استحکام

پیدا ہوجائے۔

خدا کی طرف سے بصائر آگئے۔ جو ان کی روشنی میں قدم اٹھاتا ہے اس کا فائدہ اس کی ذات کو ہوتا ہے۔ جو آنکھیں بند کرکے چلتا ہے اس کا نقصان بھی اسی کی ذات کو ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۱۰) ۔ (۲ : ۱۸۷) ۔ (۲ : ۲۷۲) ۔ (۶ : ۱۰۴) ۔ (۱۰ : ۱۰۸) ۔ (۱۷ : ۷) ۔ (۱۷ : ۱۵) ۔ (۲۷ : ۴۰) ۔ (۲۷ : ۹۲) ۔ (۲۹ : ۶) ۔ (۳۰ : ۴۴) ۔ (۳۱ : ۱۲) ۔ (۳۵ : ۱۸) ۔ (۳۹ : ۴۱) ۔ (۴۱ : ۴۶) ۔ (۴۵ : ۱۵) ۔ (۴۷ : ۳۸) ۔ (۴۸ : ۱۰) ۔ (۵۹ : ۹) ۔ (۶۴ : ۱۶) ۔ (۷۳ : ۲۰) ۔

۹۔ جس قیمت پر انہوں نے اپنی ذات کو بیچ دیا وہ بہت بری تھی۔ (۲ : ۹۰) ۔ (۲ : ۱۰۲)

۱۰۔ خدا کی راہ میں مال و دولت کھلا رکھنے سے نفسِ انسانی میں ثبات پیدا ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۶۵) ۔ (۹۲ : ۱۸)

۱۱۔ جنہوں نے اپنی ذات سے خیانت کرلی ہو ان کی طرف سے مت جھگڑو۔ (۴ : ۱۰۷)

۱۲۔ ان کی ذات (انفسھم) نے جو کچھ ان کے لئے آگے بھیجا ہے وہ بہت برا ہے۔ (۵ : ۸۰)

۱۳۔ جب تک کسی قوم کی نفسیات میں تبدیلی نہ ہو خارج میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (۸ : ۵۳) ۔ (۱۳ : ۱۱)

۱۴۔ انسانی ذات کا کھو جانا سب سے بڑا عذاب ہے۔ (۹ : ۵۵) ۔ (۹ : ۸۵) ۔ خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی۔ (۵۹ : ۱۹)

۱۵۔ (بہ سلسلہ ش ق ع ؛ ۴۸ : ۵) ۔ وہ صداقت سے انکار کرتے تھے حالانکہ انفسھم اس کا یقین رکھتے تھے۔ (۲۷ : ۱۴)

جس نے اپنے نفس (ذات) پہ ظلم کیا

جو سوال "انسانی ذات کی خصوصیات" کے باب میں اُٹھایا گیا تھا اسے ایک مرتبہ پھر سامنے لائیے۔ قرآن کریم میں اس قبیل کی بہت سی آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ "جس نے اپنی ذات (نفس) پر ظلم کیا ....." اگر اسے عام محاورہ کے اعتبار سے یوں کہا جائے کہ "جس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ....." تو اس میں کوئی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب ہم انسانی نفس یا ذات کو وہ شے تسلیم کرلیں جو تمام انسانی اعمال کی ذمہ دار ہے تو پھر یہ کہنا کہ "جس نے اپنی ذات پر ظلم کیا ....." ایک ایسا سوال سامنے لاتا ہے جو بڑا مشکل اور غور طلب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح "ذات" یا نفس پہ کون ظلم کرتا ہے؟ یعنی ظلم کرنے والا کون ہے؟ ذیل کی آیات میں ایسا ہی کچھ کہا گیا ہے

۱۔ ملتِ ابراہیمی سے وہی شخص اعراض برت سکتا ہے جس نے اپنی ذات کے متعلق غور و فکر نہ کیا ہو۔ (۲ : ۱۳۰) ۔ جو ایسا کرتا ہے، وہ اپنی ذات پہ ظلم کرتا ہے۔ (۲ : ۲۳۱)

۲۔ جو برائی کا کام کرتا ہے ۔ یا اپنی ذات پہ ظلم کرتا ہے ۔ پھر خدا سے حفاظت طلب کرتا ہے ۔ اسے حفاظت مل سکتی ہے ۔
(۳ : ۱۳۴) – (۴ : ۶۴) – (۴ : ۱۱۰)

۳۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی ذات پہ ظلم کرتے ہیں ۔ (۳۵ : ۳۲) – (۳۷ : ۱۱۳)

۴۔ جس نے حدودِ خداوندی سے تجاوز کیا اس نے اپنی ذات پہ ظلم کیا ۔ (۶۵ : ۱)

۵۔ انی ظلمت نفسی (۲۷ : ۴۴) – (۲۸ : ۱۶) ۔ ظلمنا انفسنا ۔ (۷ : ۲۳)

۶۔ رسول اللہ کی زبان سے اعلان کرایا گیا کہ اگر میں غلط راستے پہ چلتا ہوں تو اس کا وبال میری ذات پہ پڑے گا ۔ یا اس کی ذمہ داری میری ہوگی ۔ (۳۴ : ۵۰)

۷۔ اے نوعِ انسان ! تمہاری بغاوت خود تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہے ۔ (۱۰ : ۲۳)

۸۔ ہم نے ان پہ کوئی ظلم نہیں کیا ۔ انہوں نے خود اپنی ذات پہ ظلم کیا ۔ (۲ : ۵۷) – (۳ : ۱۱۶) – (۷ : ۱۶۰) –
(۹ : ۷۰) – (۱۰ : ۴۴) – (۱۱ : ۱۰۱) – (۱۶ : ۳۳) – (۱۶ : ۱۱۸) – (۲۹ : ۴۰) –
(۹ : ۳۰) – (۹) ۔ جنہوں نے اپنی ذات پہ ظلم کیا جب ملائکہ انہیں وفات دیتے ہیں تو .... (۴ : ۹۷) – (۱۶ : ۲۸)

۱۰۔ تکذیبِ آیات کرنے والے اپنی ذات پہ ظلم کرتے ہیں ۔ (۷ : ۱۷۷)

۱۱۔ اپنی ذات پہ ظلم کرنے والے لوگوں کی بستیوں میں تم بس رہے ہو ۔ (۱۴ : ۴۵) ۔ وہ تباہ ہو جاتے ہیں ۔ (۳۴ : ۱۹)

۱۲۔ اے میرے بندو ! جنہوں نے اپنی ذات پہ زیادتی کی ہے ۔ میری رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ ۔ (۳۹ : ۵۳)

اس قسم کی آیات سے ذہن ایک اور سمت کو منتقل ہو جاتا ہے ۔ انسانی زندگی کی دو سطحیں ہیں ۔ ایک طبعی یا حیوانی سطح جو طبعی قوانین کے تابع رہتی ہے ۔ اس میں انسان ، وحی کی راہ نمائی سے آزاد ہو کر اپنے ذہن اور جذبات کی رو سے اپنے لئے فیصلے کرتا ہے ۔ یہ فیصلے مستقل اقدارِ خداوندی کے خلاف ہوتے ہیں تو ان کا تخریبی اثر اس کی ذات پہ پڑتا ہے ۔ اس کے لئے کہا گیا کہ وہ شخص اپنی ذات پہ ظلم کرتا ہے ۔ دوسری سطحِ زندگی ، انسانی سطح ہے جس میں انسان وحی کی راہ نمائی میں فیصلے کرتا ہے ۔ یہ وہ فیصلے ہیں ۔ جن سے اس کی ذات نشوونما حاصل کرتی ہے ۔

ایک زندگی منافقت کی ہے جس میں انسان ، اقدارِ خداوندی سے سرکشی برتتا ہے لیکن ظاہر ایسا کرتا ہے کہ وہ ، اقدارِ خداوندی کا معترف اور پابند ہے ۔ ایسی زندگی کو علم النفس کی اصطلاح میں (DUAL PERSONALITY) کہتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں عنوانات ۔ منافقت ۔ دل کے امراض ۔ سینے کے امراض وغیرہ بھی دیکھئے ۔

ذاتِ خداوندی کیلئے نفس کا لفظ

۱۔ خدا تمہیں اپنے نفس (ذات) سے محتاط رہنے کو کہتا ہے۔ یہاں نفسِ خداوندی سے مراد اس کا قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ (۳ : ۳۰)

۲۔ خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب قرار دے رکھا ہے۔ (۶ : ۱۲)۔ (۶ : ۵۴)۔ یعنی اپنے آپ پر۔

۳۔ اے موسیٰؑ! ہم نے تجھے اپنی ذات کے لئے چن لیا۔ (۲۰ : ۴۱)۔ یعنی اپنے بلند پروگرام کی تکمیل کے لئے۔

اصل نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا

۱۔ قرآن کریم نے نقصانات دو طرح کے بتائے ہیں۔ ایک قسم ان نقصانات کی ہے جن کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس قسم کا نفع نقصان ہر ایک، ایک دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ لیکن دوسری قسم کا نقصان وہ ہے، جو انسان کی ذات کو پہنچتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس قسم کا نقصان کوئی شخص کسی دوسرے کو نہیں پہنچا سکتا۔ یہ نقصان انسان خود ہی اپنی ذات کو پہنچاتا ہے۔ اور اس کی تلافی بھی وہ خود ہی کر سکتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں۔ (۵ : ۱۰۵)

۲۔ جنہوں نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۶ : ۲۰)

۳۔ جن کا پلڑا ہلکا رہا، یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا۔ (۷ : ۹)۔ (۲۳ : ۱۰۳)

۴۔ کتاب اللہ کو فراموش کر دینے والے (یا پس پشت ڈال دینے والے) اپنی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں (۷ : ۵۳)

۵۔ خدا کی راہ سے روکنے والے اور ان میں پیچیدگیاں پیدا کرنے والے اپنی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں اور آخر الامر یہ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے۔ (۱۱ : ۲۱)

۶۔ اصل نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں رکھا۔ (۳۹ : ۱۵)۔ (۴۲ : ۴۵)۔ اس سلسلہ میں عنوان "خسران" بھی دیکھئے۔

انسانی ذات کی مختلف کیفیات

۱۔ سورۂ یوسف میں ہے کہ عزیز کی بیوی نے کہا کہ انسانی نفس، برائی کا حکم دیتا ہے۔ (۱۲ : ۵۳)۔ یہاں سے نفسِ امارہ

کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ عزیزِ مصر کی بیوی کا قول ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر نفسِ انسانی، وحی کی روشنی میں فیصلے نہ کرے تو وہ غلط فیصلے بھی کرسکتی ہے۔ اسی کیفیت کو نفسِ امارہ کہا جائے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ نفس ہے ہی برائی کی طرف لے جانے والی چیز اس لئے اسے (تصوف کے نظریہ کی رُو سے) فنا کر دینا چاہیئے۔ نفس (انسانی ذات) بہت بڑی قوت کا نام ہے اور انسان اسی سے انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اسے فنا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے وحی کی روشنی میں کام لینا چاہیئے۔ پھر وہ نفسِ امارہ نہیں رہتا۔

۲۔ نفسِ لوّامہ (۲ : ۷۵)۔ انسان جس بات کو معیوب سمجھتا ہے۔ اس پر سرزنش کرنے والا جذبہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسانی ذات کے اندر صحیح یا غلط بات کو اختیار کرنے کی جو صلاحیتیں ہیں وہ (ایک بیدار ذات میں) باہمی کشمکش میں رہتی ہیں۔

۳۔ نفسِ مطمئنہ۔ انسانی ذات، قوانینِ خداوندی کے اتباع سے ایسا استحکام حاصل کرلیتی ہے۔ جس سے وہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل میں جانے کے قابل ہو جاتی ہے (اسے جنت کی زندگی کہا جاتا ہے) اس کی اس کیفیت کو نفسِ مطمئنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲۷ : ۸۹)۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اسے (BALANCED PERSONALITY) کہا جاسکتا ہے لیکن اس کا تصوّر، عام نفسیاتی تصوّر سے مختلف ہے۔

۴۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا نفس کیا وسوسہ انگیزیاں کرتا رہتا ہے۔ (۱۶ : ۵۰)

۵۔ سامری کا قول کہ اس طرح میرے نفس نے اس اقدام کو مجھے مزین کرکے دکھایا۔ (۹۶ : ۲۰)

۶۔ وہ اس پست راہ کا اتباع کرتے ہیں جدھر ان کا نفس انہیں لے جاتا ہے۔ (۲۳ : ۵۳)

۷۔ شیطان کہے گا کہ مجھے ملامت کیوں کرتے ہو۔ اپنے آپ (اپنی ذات) کو ملامت کرو۔ (۲۲ : ۱۴)

تزکیۂ ذات

انسانی ذات ہر انسانی بچے کو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی ہے۔ اس کی نشوونما کرنا انسانی زندگی کا مقصود ہے۔ جس نے اس کی نشوونما کرلی وہ کامیاب ہوگیا۔ جس نے اسے دبائے رکھا وہ تباہ ہوگیا (۱۴ : ۸۷)۔ (۹ : ۹۱)

۱۔ خود فریبی میں نہ رہو کہ تمہاری ذات نشوونما پا رہی ہے۔ اس کے لئے اقدارِ خداوندی کو معیار قرار دو۔ (۴۹ : ۴)

(۲۱ : ۲۴)۔ (۳۲ : ۵۳)

۲۔ رسول اللہ کا منصب تعلیم کتاب و حکمت سے جماعت مومنین کا تزکیۂ نفس کرنا تھا۔ (۱۵ : ۲) ۔ (۱۶۴ : ۳) ۔ (۲ : ۶۲) ۔ (۱۸ : ۷۹) ۔ (۷ ؛ ۳ : ۸۰)

۳۔ تزکیۂ نفس، ایتائے مال سے ہوتا ہے (۲۶۵ : ۲) ۔ (۱۰۳ : ۹) ۔ (۱۸ : ۹۲)

۴۔ ہر ایک، اپنی اپنی ذات کا تزکیہ کر سکتا ہے ۔ (۱۸ : ۳۵) ۔ اسے جنت کی زندگی ملے گی۔ (۷۶ : ۲۰) ۔ جس کی ذات کا تزکیہ نہیں ہوا ہو گا خدا اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ (۱۷۴ : ۲) ۔ (۷۷ : ۳)

متفرقات

۱۔ جہاں کہا گیا ہے کہ ہر "نفس" کو موت آئے گی وہاں اس سے مراد متنفس، یا ہر شخص ہے۔ نہ کہ انسانی ذات۔ (۱۴۵ : ۳) (۱۶۸ : ۳) ۔ (۱۸۵ : ۳) ۔ (۳۵ : ۲۱) ۔ (۵۷ : ۲۹) ۔ (۱۱ : ۶۳) ۔ سورہ تکویر میں ہے ۔ واذا النفوس زوجت (۷ : ۸۱)

۲۔ حضرت عیسٰی کا قول کہ مجھے اس کا علم ہو سکتا ہے جو میرے دل میں ہے۔ جو تیرے علم (نفسك) میں ہے اس کا مجھے علم نہیں ہو سکتا۔ یہاں نفس خداوندی سے مراد، علم عنداللہ ہے۔ خدا کا علم ۔ (۱۱۶ : ۵)

۳۔ تمہارا رب جانتا ہے کہ تمہارے نفوس میں کیا ہے ۔ (۲۳۵ : ۲) ۔ (۲۵ : ۱۷)

۴۔ خدا نیند اور موت کی حالت میں نفوس کو وفات دے دیتا ہے ۔ نیند سے بیداری پر اسے واپس لوٹا دیتا ہے اور موت کی صورت میں اسے روک لیتا ہے۔ یہاں نفس سے مراد انسانی شعور ہے ۔ (۴۲ : ۳۹)

۵۔ جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جو نفس انسانی چاہے گا۔ (۱۰۲ : ۲۱) ۔ (۳۱ : ۴۱) ۔ (۷۱ : ۴۳)

۶۔ ارض میں بھی آیات ہیں۔ اور تم اپنی ذات (اپنے آپ) میں بھی غور و فکر کرو۔ (۸ : ۳۰) ۔ (۵۳ : ۴۱) ۔ (۲۱ : ۵۱)

۷۔ خود ہی اس کے مدعی نہ بن جاؤ کہ ہماری ذات کی نشو و نما ہو رہی ہے ۔ خدا جانتا ہے کہ کون متقی ہے (۴۹ : ۴) ۔ (۲۲ : ۵۳)

۸۔ کوئی واقعہ خواہ وہ زمین میں ہو (یعنی خارج میں) اور خواہ تمہاری ذات کے اندر وہ وقوع پذیر ہونے سے پہلے الکتاب (قانون خداوندی) میں ہوتا ہے۔ یعنی ہر واقعہ قانون خداوندی کے مطابق سرزد ہوتا ہے۔ (۲۲ : ۵۷)

۹۔ اطاعت یہ ہے کہ اپنی ذات میں بھی حکم کے خلاف گرانی محسوس نہ ہو۔ (۶۵ : ۴)

۱۰۔ انسانی ذات ربوبیت خداوندی کی شاہد ہے ۔ (۱۷۲ : ۷)

۱۱۔ وہ تین صحابہؓ جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے، خود ان کی ذات (انفسہم) ان کے لئے وبال جان بن گئی ۔ (۱۱۸ : ۹)

۱۲۔ غرور اور تجبر (باطل کی بنا پر بڑا بننا) نفسِ انسانی کی ایک کیفیت ہے۔ (۲۱ : ۲۵)

۱۳۔ وہ صداقت سے انکار کرتے تھے حالانکہ ان کے نفوس (انفسھم) اس کا یقین رکھتے تھے۔ (۱۴ : ۲۷)

۱۴۔ انفس و آفاق میں آیات اللہ (۵۳ : ۴۱)۔ اپنی ذات کے متعلق غور و بصیرت (۲۱ : ۵۱)۔ ہمارے زمانے میں علم النفس (سائیکالوجی) اس سمت کی طرف قدمِ اول ہے۔ لیکن چونکہ یہ اقدام، وحی کی روشنی میں نہیں کیا جارہا ہے، اس لئے یہ علم، راستے میں رک جائے گا۔ بہرحال یہ کوششیں، بہت سی مفید معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو رہی ہیں۔ این ہم غنیمت است۔ یہ بہرحال، ہمارے قدیم "روحانیت کے تصور" سے تو بہتر ہیں کہ وہ توہم پرستی سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ علم اور حقیقت تو خدا کی کتاب ہی ہے۔

۱۱۔ نفع نقصان

نفع، نقصان عام فہم الفاظ ہیں۔ نفع کے لئے تو یہی لفظ (نفع) قرآن میں آیا ہے۔ لیکن نقصان کے لئے "ضرر" کا لفظ آتا ہے۔ ایک لفظ خسران بھی ان معانی میں آتا ہے لیکن وہ درحقیقت خسارہ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ اسے الگ عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں نفع، نقصان عام کاروباری اصطلاح کے طور پر ہی نہیں آیا بلکہ بڑے وسیع مفہوم کے لئے آیا ہے۔ اس میں انسان کی طبیعی (مادی) زندگی کی منفعت اور مضرت بھی شامل ہیں اور انسانی ذات کی منفعت اور مضرت بھی۔ بلکہ آخر الذکر پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے کیونکہ قرآن کی مرکزی تعلیم کا تعلق انسانی ذات سے ہے۔

۳۔ نفع یا نقصان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک اضافی، دوسری مطلق۔ اضافی سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی چیز ایک وقت یا ایک حالت میں نفع بخش ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں نقصان رساں۔ مثلاً کھانا عام حالات میں منفعت بخش ہے لیکن سوءِ ہضم کی شکایت ہو تو وہی کھانا نقصان رساں ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برعکس، فریب دہی بہرحال اور بہرجہت نقصان رساں ہے، کیونکہ اس سے انسانی ذات کا نقصان ہوتا ہے۔

۴۔ اکثر آیات میں یہ لکھا ملے گا کہ کسی شخص کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں۔ یہ صرف قانونِ مشیت کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ "قانونِ مشیت" کے معنی ہیں، خدا کے مقرر کردہ قوانین۔ قرآن کے اس دعوے کا مفہوم حسب ذیل وضاحت

سے سمجھ میں آجائے گا۔

(i) آپ سنکھیا کھا جاتے ہیں تو اس کا ہلاکت آمیز اثر خدا کے قانونِ فطرت کی رو سے ہوتا ہے اس کے بعد اگر آپ کوئی ایسی دوا بروقت کھالیں جو اس کے اثر کا ازالہ کر سکے تو یہ نفع بھی خدا کے قانونِ فطرت ہی کی رُو سے ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو سنکھیا کسی دشمن نے کھلا دیا ہو، اور دوائی ڈاکٹر نے دی ہو۔ لیکن قرآن کریم ان دونوں صورتوں میں بھی یہی کہے گا کہ یہ نقصان یا نفع خدا کے قوانینِ فطرت کی رُو سے ہوا ہے۔ اگرچہ قوانینِ معاشرت کی رو سے اس کے ذمہ دار اشخاص ہی ہیں۔

(ii) انسانی ذات کو نفع یا نقصان کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچا سکتا۔ ایسا یہ متعلقہ فرد خود ہی کرتا ہے۔ یعنی انسان اپنی ذات کو ــــــــــ خود ہی نقصان پہنچاتا ہے اور خود ہی نفع۔ لیکن چونکہ ہوتا یہ بھی قوانینِ خداوندی کی رو سے ہے۔ یعنی اس کے قوانین کے اتباع سے انسانی ذات کو نفع پہنچتا ہے اور ان کی خلاف ورزی سے نقصان۔ اس لئے اس کی نسبت بھی قرآن میں قوانینِ مشیت کی طرف کی جاتی ہے۔

(iii) باقی رہا وہ نفع نقصان جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایک شخص کو دوسرے شخص یا اشخاص کے ہاتھوں پہنچتا ہے تو اس کا تعلق قانونِ عدل سے ہے۔ ناحق نقصان پہنچانے والے کو قرآن مجرم قرار دیتا ہے اور سزا کا مستوجب۔

(iv) یہ جو عقائد (یا توہمات) ہیں کہ فلاں حضرت صاحب کی بددعا یا ناراضگی سے فلاں نقصان ہوگیا اور ان کی دعا یا خوشنودی سے فلاں مراد مل گئی، تو قرآن اس عقیدہ کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ اس قسم کا اقتدار اور اختیار کسی کو حاصل نہیں باب اگر یہ کہا جائے کہ صاحب! ایسا ہوتا ہے۔ یہ ہمارا تجربہ ہے تو یہ صرف اثر لینے والے کی اپنی نفسیاتی کیفیت ہے جو ایسا کر دیتی ہے۔ اگر وہ "حضرت صاحب" کا معتقد نہ ہو۔ یعنی یہ ان کی بددعا یا ناراضگی کا کوئی اثر نہ لے۔ تو پھر یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس مقام پر یہ چند اشارات کافی ہیں۔ تفصیل کے لئے تقدیر اور دعا کے عنوانات دیکھئے۔

۱۔ ذکر۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا پیشِ نظر رکھنا منفعت بخش ہوتا ہے

۱۔ ان کے سامنے قوانینِ خداوندی پیش کرتا رہ۔ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ (۵۵ : ۵۱)۔(۴ : ۸۰)۔(۹ : ۸۷)

۲۔ جب غلط اعمال کا نتیجہ سامنے آجائے تو پھر کوئی شے نفع نہیں دے سکتی

۱۔ قومِ یونسؑ نے قبل از وقت توبہ کر لی تو ان کا ایمان ان کے لئے نفع بخش ثابت ہوگیا۔ (۹۸ : ۱۰)

۲۔ اُس دن کسی کی شفاعت فائدہ مند ثابت نہیں ہوگی۔ (۱۲۳ : ۲)۔(۱۰۹ : ۲۰)۔(۲۳ : ۳۴)۔(۴۸ : ۷۴)

۲۔ قیامت میں بیوی بچے کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے۔ (۲۶ : ۸۸)۔(۶۰ : ۴)۔ نہ ہی کسی کی معذرت۔(۳۰ : ۵۷)
ایک دوسرے کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (۳۴ : ۳۲)۔ قرین بھی نہیں۔ (۴۰ : ۵۲)۔(۴۳ : ۳۹)

۴۔ جب محسوس علامات سامنے آجائیں تو پھر ایمان فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۶ : ۱۵۸)۔(۳۲ : ۲۹)۔(۴۰ : ۸۵)

۳۔ مادی منافع

۱۔ کشتیاں منفعت بخش ہیں۔ (۲ : ۱۶۴)۔(۲۳ : ۷۵)

۲۔ خمر اور میسرہ کا نقصان ان کے منافع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۱۹)

۳۔ مویشی منفعت بخش ہیں (۱۶ : ۵)۔(۲۲ : ۳۳)۔(۲۳ : ۲۱)۔(۳۶ : ۷۳)۔(۴۰ : ۸۰)

۴۔ حدید (فولاد) میں لوگوں کے لئے سامانِ منفعت ہے۔ (۵۷ : ۲۵)

۵۔ لوگوں کو دعوت دو کہ وہ حج کے اجتماع میں آکر دیکھیں کہ ان کی منفعت کے لئے کیا کچھ کیا جارہا ہے۔ (۲۲ : ۲۸)

۴۔ انسانی ذات کے لئے نفع بخش

۱۔ اس دن صادقین کو ان کا صدق نفع دے گا۔ (۵ : ۱۱۹)

۵۔ محو و ثبات کا اصول

۱۔ جو شے، جو نظریہ، جو نظام، جو عمل، عالمگیر انسانیت کے لئے نفع بخش ہو، وہی باقی رہ سکتا ہے۔ (۱۳ : ۱۷)

۶۔ نفع نقصان کا اختیار خدا کے سوا کسی کو نہیں

۱۔ ایسا سمجھنا شرک ہے۔ (۵ : ۷۶)۔(۶ : ۷۱)۔(۱۰ : ۱۸)۔(۱۰ : ۱۰۶)۔(۱۳ : ۱۶)۔
(۱۷ : ۵۶)۔(۱۷ : ۷۶)۔(۲۰ : ۸۹)۔(۲۱ : ۶۶)۔(۲۲ : ۱۲)۔(۲۵ : ۵۵)۔
(۲۶ : ۷۳)۔(۲۶ : ۸۳)

۲۔ اگر خدا نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ (۲۳ : ۲۶)۔(۳۸ : ۳۹)۔(۴۸ : ۱۱)

۳۔ معبودانِ باطل خود اپنے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ (۲۵ : ۳)

۴۔ جسے یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کے لیے نفع کے مقابلہ میں نقصان زیادہ پہنچاتا ہے۔ یعنی اس سے اگر انہیں کوئی مادی نفع ہو بھی تو اس سے ان کی ذات کا جو نقصان ہو جاتا ہے، وہ اس نفع سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (۱۳ : ۲۲)

۵۔ خدا نقصان کو روک لے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور نفع کے دروازے کھول دے تو کوئی انہیں بند نہیں کر سکتا۔ (۱۷ : ۶) — (۱۰۷ : ۱۰) — (۶۲ : ۲۷)

۷۔ رسول اللہ

۱۔ ان سے کہہ دو کہ میں (تمہارے لیے تو ایک طرف) خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب قوانینِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۱۸۸ : ۷) — (۴۹ : ۱۰)

۲۔ میں تمہارے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (۲۱ : ۷۲)

مضرت

۱۔ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہو

۱۔ اگر تم نے اپنی غلط روش نہ بدلی تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکو گے۔ (۳۹ : ۹) — (۵۷ : ۱۱)

۲۔ جو الٹے پاؤں پھر جائے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (۱۴۴ : ۳) — (۱۷۶ - ۱۷۵ : ۳)

۳۔ کفر کرنے والے خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (۳۲ : ۴۷)

۲۔ لوگوں کی مضرت رسانیوں سے حفاظت

۱۔ اگر تم استقامت پذیر اور اطاعت کوش رہو گے تو مخالفین کی سازشیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ (۱۲۰ : ۳)

۲۔ تم اپنی ذات کی حفاظت کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر چلو گے تو غلط رو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (۱۰۵ : ۵)

۳۔ اگر تم ان سے اعراض برت لو گے تو بھی یہ تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے۔ (۴۲ : ۵)

۴۔ جماعتِ مجاہدین کو دشمن معمولی تکلیف سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (۱۱۱ : ۳) — (۱۱۳ : ۴)

۳۔ تکلیف میں انسان خدا کو پکارتا ہے

۱۔ تکلیف میں خدا کو پکارتا ہے اور وہ رفع ہو جاتی ہے تو پھر اُسے فراموش کر دیتا ہے۔ (۱۲ : ۱۰)۔ (۲۱ : ۱۰)۔ (۱۰ : ۱۱)۔ (۵۳ : ۱۶)۔ (۵۴ : ۱۶)۔ (۳۳ : ۳۰)۔ (۸ : ۳۹)۔ (۴۹ : ۳۹)۔ (۵۰ : ۴۱)

۲۔ حضرت ایوبؑ نے تکلیف کے وقت خدا کو پکارا تو ان کی تکلیف رفع ہو گئی۔ (۸۳ - ۸۴ : ۲۱)

۴۔ تکلیف قانونِ خداوندی کی رو سے آتی ہے

۱۔ کوئی شر یا النفس تمہیں، بجز قانونِ خداوندی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۱۰۲ : ۲)۔ (۱۰ : ۵۸)

۵۔ مضرات میں استقامت

۱۔ مومنین کا شیوہ ہے۔ (۱۷۷ : ۲)۔ (۲۱۴ : ۲)۔ (۱۳۴ : ۳)

۲۔ مضرتیں اور مصیبتیں خدا کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ (۶۲ : ۲۷)

۱۲۔ نفل

النفل۔ ہر وہ عمل جو واجب سے زائد ہو۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ تہجد (رات کا اٹھنا) نافلۃ لک (۷۹ : ۱۷) ہے۔ یعنی واجب پر اضافہ۔ نفل کی جمع انفال ہے جس کے متعلق (۱ : ۸) میں حکم آیا ہے۔

۲۔ النافلۃ۔ پوتے کو کہتے ہیں۔ (۷۲ : ۲۱)

نوٹ۔ یہ جو نماز میں فرض۔ سنت۔ نفل کی تخصیص و تقسیم ہے، قرآن کریم میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان صلوٰۃ۔

۱۳- نکاح

نکاح ایک معاہدہ ہے (۴ : ۲۱) جس کی رو سے، ایک مرد اور عورت، ان حقوق اور ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہوئے جو اس باب میں قرآن نے عائد کی ہیں میاں بیوی کی حیثیت سے باہمی رفاقت کی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ نکاح کا لفظ بنیادی طور پر اس قسم کے عقد (معاہدہ) کے لئے آیا ہے۔ اگرچہ استعارۃً یہ لفظ مجامعت کے لئے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ (۲۴ : ۳) میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے۔ نکاح کے لئے کسی قسم کی رسم یا تقریب کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔

نکاح کی عمر

نکاح چونکہ ایک معاہدہ ہے اس لئے فریقین کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ نابالغ کوئی معاہدہ کر ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم نے بالتصریح اس کے لئے عمر کا تعین نہیں کیا۔ بلوغت کی عمر، آب و ہوا کے لحاظ سے مختلف مقامات پر مختلف ہو سکتی ہے۔ اس کا تعین ہر ملک کی اسلامی حکومت خود کریگی۔ حسب ذیل آیات سے بلوغت کی شرط واضح ہو جاتی ہے۔

۱۔ سورۂ نساء میں ہے کہ تم یتیموں کے سرپرست بنے رہو حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ (۴ : ۶) تاآنکہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔

۲۔ دوسری جگہ ہے۔ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ (۶ : ۱۵۳)۔ (۱۷ : ۳۴)۔ یعنی جب تک وہ جوانی کی عمر تک نہ پہنچ جائیں۔

ان دونوں مقامات کو سامنے رکھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نکاح کی عمر، جوان ہو جانا ہے اس لئے قرآن کی رُو سے نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی ولی کے ذریعے نکاح کا سوال۔ قرآن میں اس کا بھی ذکر نہیں۔ ہاں، اگر کوئی عورت اپنے معاملات میں کسی کو اپنا مختارِ کار بنانا چاہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ (۲ : ۲۳۷) سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت میں بیدہٖ عقدۃ النکاح سے مراد عورت کا مختارِ کار ہے۔

باہمی رضامندی

معاہدۂ نکاح کے لئے باہمی رضامندی بنیادی شرط ہے۔ مردوں سے کہا کہ تم اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔ (۴ : ۳) اور عورتوں کے متعلق کہا کہ تمہارے لئے یہ قطعاً حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ (۴ : ۱۹)۔ اس سے عورت کی رضامندی واضح ہے۔

محرمات

حسب ذیل شکلوں میں باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔

۱۔ کسی مسلمان مرد یا عورت کا کسی مشرک عورت یا مرد سے نکاح جائز نہیں۔ (۲۲۱ : ۲)

۲۔ مسلمان مرد، اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ مسلمان عورتیں، کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتیں۔ (۵ : ۵)

۳۔ ان مسلمان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جن کی تفصیل (۲۴-۲۲ : ۴) میں دی گئی ہے۔ یعنی حقیقی ماں۔ بیٹی۔ بہن پھوپھی۔ خالہ۔ بھتیجی۔ بھانجی۔ رضاعی ماں۔ رضائی بہن۔ بیوی کی ماں۔ وہ سوتیلی لڑکی جس نے تمہاری نگہداشت میں پرورش پائی ہو بشرطیکہ تم نے اس کی ماں سے (بہ حیثیت اپنی بیوی کے) خلوت کی ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس لڑکی سے نکاح کی ممانعت نہیں۔ اور تمہارے صلبی بیٹے کی بیوی۔ نیز یہ کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں لے آؤ۔ (یہ بھی حرام ہے) اور سوتیلی ماں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اور ان عورتوں سے بھی جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہوں۔

(نوٹ:۔ قرآن نے کہا ہے کہ رضاعی بہن بھائیوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔ نہ اس عورت سے جس کا دودھ پیا ہو۔ قرآن نے اس کی تصریح نہیں کی کہ رضاعت (دودھ پینے کی شرط کس طرح پوری ہوگی)

۴۔ اوپر (۲۴ : ۴) میں کہا گیا ہے کہ ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہوں۔ صدرِ اول کے خصوصی حالات کے پیشِ نظر اس حکم میں استثناء کیا گیا تھا۔ (۱۰ : ۶۰)

۵۔ عدت کے دوران بھی عورت سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ (دیکھئے عنوان "عدت")

۶۔ رسول اللہ کی ازواجِ مطہرات سے بھی نکاح حرام تھا۔ (۵۳ : ۳۳)

۷۔ رسول اللہ کے لئے نکاح کے خصوصی احکام۔ (۵۲-۵۰ : ۳۳)

۸۔ منہ بولے رشتے حقیقی رشتے نہیں بن جاتے۔ (۴ : ۳۳)

۹۔ معاشرہ کو چاہیئے کہ لوگوں کے نکاح کے لئے سہولتیں بہم پہنچائے۔ (۳۲ : ۲۴)

(قرآن کریم میں میاں اور بیوی دونوں کے لئے زوج کا لفظ آتا ہے۔ (دیکھئے عنوان زوج) لیکن بعض جگہ دیگر الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً خاوند کے لئے بعل۔ (۲۲۸ : ۲)۔ (۱۲۸ : ۴)۔ (۷۲ : ۱۱)۔ (۳۱ : ۲۴)۔ ایسا محاورۂ عرب کی رُو سے کہا گیا ہے۔ اسی طرح بیویوں کے لئے نساء یا امرأۃ کے الفاظ۔ (۱۲۸ : ۴)۔ (۱ : ۶۵)

۱۰۔ ازدواجی زندگی بسر کرنا فریضۂ خداوندی نہیں۔ جو لوگ تجرد کی زندگی بسر کرنا چاہیں یا جن کے لئے نکاح کی صورت پیدا

ہو سکے وہ ضبطِ نفس سے کام لیں۔ (۳۳ : ۲۴)

مباشرت

۱۔ ان حالتوں میں مباشرت منع ہے

(۱)۔ ایامِ حیض میں۔ (۲۲۲ : ۲)۔ (۲)۔ روزہ اور اعتکاف کی حالت میں۔ (۱۸۷ : ۲)

۲۔ قرآن کریم میں ہے کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (۲۲۳ : ۲)۔ تمہاری بیویاں بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں۔ تم اپنی کھیتیوں میں اپنی منشار کے مطابق (یعنی جب مناسب سمجھو) جاؤ۔ ظاہر ہے کہ کھیتی میں تخم ریزی کے لئے جایا جاتا ہے۔ جب تخم ریزی مقصود نہ ہو تو پھر کھیتی میں نہیں جایا جاتا۔

دوسری جگہ محصنین غیر مسافحین کہا ہے۔ (۲۴ : ۴)۔ یعنی نکاح سے مقصد مادۂ تولید کا بہا دینا (سفح) نہیں۔ اسے محفوظ کر دینا ہے۔

تعدّدِ ازواج

قرآن کریم میں وحدتِ زوج (یعنی ایک وقت میں ایک بیوی) کو بطور اصول بیان کیا گیا ہے۔ (۳ : ۴)۔ اگر بیوی سے نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو اسے طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی لائی جا سکتی ہے۔ (۲۰ : ۴)۔ تفصیل طلاق کے عنوان میں دیکھئے۔

لیکن اگر کسی وقت معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہو جائے (مثلاً جنگ وغیرہ کی وجہ سے) جس کی رُو سے بیوہ عورتوں اور ناکتخدا جوان لڑکیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے اور ان کے مسئلہ کا اور کوئی اطمینان بخش حل نہ مل سکتا ہو، تو اسلامی حکومت، وحدتِ زوج کے اصول میں استثنار کر کے، اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ (چار تک) شادیاں کر لی جائیں۔ (۳ : ۴)۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مرد، ان بیویوں میں عدل کر سکے اور اتنے بڑے کنبہ کا بوجھ اٹھا سکے (۳ : ۴)۔ عدل سے مقصود یہ ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کی طرف یکسر نہ جھک جائے۔ (۱۲۹ : ۴)

۲۔ نزولِ قرآن کے وقت، عربوں کے ہاں لونڈیاں بھی تھیں۔ ان سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں عنوان "غلام اور لونڈیاں" نیز "مِلکِ یمین" دیکھئے۔

ازدواجی زندگی سے مقصد

ازدواجی زندگی سے مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی میں مودّت۔ رحمت اور سکینت پیدا ہو۔ اور اس طرح گھر کی زندگی امن و سکون کی جنت در آغوش زندگی ہو۔ (۲۱ : ۳۰) - میاں بیوی کی مثال بدن اور لباس کی سی ہے کہ ان کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوتی۔ (۱۸۷ : ۲)

قرآن نے ان کے لئے زوج کا لفظ استعمال کیا ہے۔ زوج کے معنی صرف جوڑا نہیں۔ بلکہ ایسا جوڑا ہے جن میں ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہ ہو سکے۔ (دیکھئے عنوان زوج) — لہٰذا میاں بیوی ایسے ہونے چاہئیں جن میں سے ایک، دوسرے کی ذات کی تکمیل کا ذریعہ بن سکے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے مزاج۔ خیالات۔ معتقدات۔ نظریات۔ ذوق کی ہم آہنگی بنیادی شرط ہے۔ اس قسم کے جوڑے کی زندگی کو قرآن جنت کی زندگی کہہ کر پکارتا ہے۔ اور جہاں ایسی صورت نہ ہو، اسے جہنم کا عذاب۔ (۲۲۱ : ۲)

۲۔ جہاں تک حقوق اور ذمہ داریوں کا تعلق ہے، قرآن کریم نے کہا ہے کہ "جسقدر عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں اسی قدر ان کے حقوق ہیں" ہر ذمہ داری کے مقابلہ میں ایک حق۔ (۲۲۸ : ۲) — (مرد کو صرف ایک معاملہ میں عورت کے مقابلہ میں رعایت حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ اسے نکاحِ ثانی کے لئے عدت کی مدت نہیں گزارنی پڑتی۔ (۲۲۸ : ۲)

۳۔ عورت کو جو فرائض طبیعی طور پر ادا کرنے پڑتے ہیں، ان کے پیشِ نظر، تقسیمِ کار کی رُو سے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ (۳۴ : ۴) - (لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت اکتسابِ دولت کر نہیں سکتی۔ اس کے لئے دیکھئے عنوان عورت)

۴۔ ازدواجی زندگی سے رشتوں میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے قرآن نے نسبی رشتوں کے علاوہ سسرال کے رشتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۵۴ : ۲۵)

۵۔ خاوند کے ترکہ میں بیوی کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ (دیکھئے عنوان ترکہ یا وراثت) نیز بیوہ کے لئے ایک سال کے "نان نفقہ" کی ذمہ داری مرد پر ہے اسے چاہیئے کہ اس کے لئے وصیت کر جائے۔ ہاں اگر عورت خود ہی کہیں اور چلی جائے تو پھر اس کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ (۲۴۰ : ۲)

۱۴۔ حضرت نوحؑ

قرآن کریم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر ملک (قریہ) اور ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے تھے۔ ان میں سے بعض کا خصوصی ذکر قرآن میں آیا ہے، اور باقیوں کا اس طرح ذکر نہیں آیا۔ جن رسولوں کا خصوصیت سے ذکر آیا ہے وہ سامی اقوام کی طرف مبعوث شدہ تھے جن سے زمانۂ نزولِ قرآن کی اولیں مخاطب قوم (عرب) پہلے سے شناسا تھے۔ قرآن میں اس سلسلہ کی ابتدا حضرت نوحؑ سے کی گئی ہے۔ (۱۶۳ : ۴)۔ لہذا، وہ جو ہمارے ہاں عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے نبی (حضرت) آدمؑ تھے وہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں تو آدمؑ کی نبوت کا بھی خصوصیت سے ذکر نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان آدمؑ)

حضرت نوحؑ کی تعلیم

۱۔ باقی انبیاء حضرت نوحؑ کے بعد آئے تھے۔ (۱۶۳ : ۴)۔ (۸۵ : ۶)۔ (۴۷ : ۱۰)۔ (۲۷-۲۶ : ۵۷)۔
بنی اسرائیل قومِ نوح کی ذریت میں سے تھے۔ (۳ : ۱۷)۔ (۵۸ : ۱۹)

۲۔ ان کا زمانہ قومِ عاد سے پہلے کا ہے۔ (۶۹ : ۷)

۳۔ میں تم سے اجر نہیں مانگتا۔ (۷۲ : ۱۰)۔ (۲۹ : ۱۱)۔ (۱۰۹ : ۲۶)

۴۔ اللہ کے سوا کسی کی محکومیت اور اطاعت اختیار نہ کرو۔ (۲۶-۲۵ : ۱۱)۔ میرے پاس خزانے نہیں۔ نہ ہی میں ملکؑ ہوں۔ نہ غیب جانتا ہوں۔ (۵۹ : ۷)۔ (۳۵-۳۱ : ۱۱)۔ (۲۳ : ۲۳)

۵۔ اگر بیٹا بھی ایمان نہیں لایا تو وہ بھی اپنوں میں سے نہیں۔ تفصیلی گفتگو۔ (۴۷-۴۵ : ۱۱)۔ بیوی بھی۔(۱۰ : ۶۶)

۶۔ فاتقوا اللہ و اطیعون۔ (۱۱۰-۱۰۵ : ۲۶)۔ (۳-۱ : ۷۱)۔ (۷) حضرت نوحؑ سے میثاق۔ (۷ : ۳۳)

۸۔ قوم سے تفصیلی گفتگو۔ (۲۰-۱ : ۷۱)۔ (۹)۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ وغیرہ کو منتخب کیا۔ (۳۲ : ۳)

۱۰۔ حضرت نوحؑ کی عمر (بازمانۂ رسالت) ساڑھے نو سو برس۔ (۱۴ : ۲۹)

۱۱۔ دین ایک ہی ہے جو حضرت نوحؑ سے لے کر آخر تک چلا آیا ہے۔ (۱۳-۱۴ : ۴۲)

قوم کی طرف سے مخالفت

۱ـ قوم کی طرف سے تکذیب ـ (۷۳ : ۱۰)

۲ـ تمہارے متبعین نچلے طبقہ کے لوگ ہیں ـ انہیں دھتکار دو ـ حضرت نوحؑ کا جواب کہ میں ایسا نہیں کر سکتا ـ کشتی بننے پر قوم کی طرف سے تمسخر ـ (۲۷-۳۸ : ۱۱) ؛ (۱۱۱-۱۱۴ : ۲۶)

۳ـ سردارانِ قوم کی طرف سے مخالفت ـ (۶۰-۶۳ : ۷) ـ (۲۴-۲۵ : ۲۳)

طوفان ـ کشتی ـ مخالفین کی غرقابی

۱ـ قومِ نوحؑ ـ عادؑ ـ ثمودؑ ـ قومِ ابراہیمؑ ـ قومِ مدین وغیرہ کی تباہی کا اجمالی ذکر ـ (۷۰ : ۹) ـ (۸۹ : ۱۱) ـ (۹ : ۱۴) ـ (۱۷ : ۱۷) ـ (۴۲ : ۲۲) ـ (۳۷ : ۲۵) ـ (۱۲ : ۳۸) ـ (۵ : ۴۰) ـ (۳۱ : ۴۰) ـ (۱۲ : ۵۰) ـ (۴۶ : ۵۱) ـ (۵۲ : ۵۳) ـ (۹ : ۵۴)

۲ـ مخالفت اور غرقابی ـ (۷۱-۷۳ : ۱۰)

۳ـ خدا کی وحی کے مطابق اس کی زیرِ نگرانی کشتی ـ طوفان کا ابھرنا ـ کشتی میں ہر شے کے جوڑے رکھ لینا ـ کشتی کا تلاطم خیز موجوں میں تیرتے جانا ـ مخالفین کا ڈوب جانا ـ طوفان کا تھم جانا ـ (۳۸-۴۸ : ۱۱) ـ (۲۷-۳۱ : ۲۳) ـ

(۴) ـ مخالفت اور غرقابی ـ (۶۴ : ۷) ـ (۱۱۷-۱۱۹ : ۲۶)

۵ـ اجمالی ذکر ـ (۱۴-۱۵ : ۲۹) ـ (۷۵-۸۳ : ۳۷)

۶ـ حضرت نوحؑ کی خدا سے فریاد اور قوم کی غرقابی ـ (۷۶-۷۷ : ۲۱) ـ (۲۱-۲۸ : ۷۱)

۱۵ـ نُور (ضیاء)

نُور کے معنی روشنی ہیں ـ قرآن کریم نے اس لفظ کو ظلمات (تاریکیوں) کے مقابلہ میں لا کر اس کے معنی واضح کر دئے ہیں ـ ضیاء کا لفظ بھی روشنی کے معنوں میں آتا ہے ـ

۲- نور صرف مادی روشنی کے لئے نہیں آتا بلکہ فکر و بصیرت اور علم و عقل کی روشنی کے لئے بھی آتا ہے۔ خدا نے اپنی کتاب (قرآن مجید) کو بھی نور کہا ہے کہ یہ انسانوں کیلئے زندگی کی سیدھی راہ میں مشعلِ ہدایت بنتی ہے۔ واضح رہے کہ روشنی، اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی اور کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ فی ذاتہٖ روشن ہوتی ہے اور دوسروں کو روشنی عطا کرتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم اپنے معانی واضح کرنے کے لئے کسی خارجی سہارے کا محتاج نہیں (تفصیل قرآن کے عنوان میں ملیگی)۔

۳- سورۂ نور میں ہے اللہ نور السمٰوات والارض۔ (۳۵ : ۲۴)۔ یعنی ارض و سما میں جہاں بھی روشنی ہے وہ خدا کی عطا کردہ ہے۔ (یہاں مصدر بمعنی فاعل آیا ہے۔ یعنی روشنی عطا کرنے والا)۔ روشنی مادی ہو یا فکر و بصیرت کی روشنی، سب خدا کی عطا کردہ ہے۔ اور قرآن کی روشنی تو وہبی طور پر اس کی عطا کردہ ہے۔ اسی حقیقت کو اس آیت میں مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔

نور بمعنی عام (مادی) روشنی

۱- خدا نے ظلمات اور نور پیدا کئے۔ اس سے مجوسیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہوگئی کہ روشنی (یزداں) اور تاریکی (اہرمن) دو مستقل بالذات قوتیں ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ (۱ : ۶)

۲- کیا تاریکی اور روشنی (ظلمات اور نور) برابر ہو سکتے ہیں؟ - (۱۶ : ۱۳)

۳- اللہ کائنات کو نور عطا کرنے والا ہے۔ (۳۵ : ۲۴)

۴- خدا نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور بنایا۔ (۵ : ۱۰)۔ قمر کو نور اور شمس کو سراج بنایا۔ (۱۶ : ۷۱)۔ (۱۶ : ۲۵)

۵- اگر خدا رات کو ہمیشہ کے لئے تاریک بنا دیتا تو وہ کون تھا جو تمہیں ضیا (روشنی) دے سکتا۔ (۷۱ : ۲۸)

نور بمعنی بصیرت و ہدایت کی روشنی

۱- اللہ، مومنین کو ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ طاغوت لوگوں کو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتا ہے (۲۵۷ : ۲)۔ خدا کی طرف سے یہ بات اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے ہوتی ہے۔ (۱۶-۱۵ : ۵)

۲- کیا ظلمات و نور برابر ہو سکتے ہیں! کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔ (۱۶ : ۱۳) - (۲۰ : ۳۵)

۳- حضرت موسٰےؑ سے کہا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لے آؤ۔ (۵ : ۱۴)۔ یہاں ظلمات سے مراد غیر اللہ کی محکومی ہے اور نور سے مراد، قوانینِ خداوندی کے مطابق آزادی کی زندگی بسر کرنا۔ اب قرآن کریم کا منتہٰی یہی ہے۔ (دیکھئے باب "قرآن کے لئے نور کا لفظ")۔

۴۔ خدا اور اس کے ملائکہ مومنین پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تاکہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف لے آئیں۔ (۴۳ : ۳۳)
۵۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جائے اس کے لئے نورٌ علیٰ نور ہے۔ (۲۲ : ۳۹)
۶۔ اللہ کے نور سے زمین جگمگا اٹھے گی۔ (۶۹ : ۳۹)

قرآن کریم کے لئے بالخصوص نور کا لفظ

۱۔ تمہاری طرف خدا کے ہاں سے نور یعنی کتاب مبین آگئی۔ (۱۵ : ۵)۔ خدا اس کے ذریعے ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ (۱۶ : ۵)۔ (۱ : ۱۴)۔ (۹ : ۵۷)۔ (۱۱ : ۶۵)
۲۔ رسول اللہ کے ساتھ نور (قرآن) نازل ہوا تھا۔ (۱۵۷ : ۷)۔ (۸ : ۶۴)
۳۔ یہ مخالفین چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو بجھا دیں۔ لیکن یہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ (۳۲ : ۹)۔ (۸ : ۶۱)
۴۔ اللہ آسمانوں اور زمین کو نور عطا کرنے والا ہے۔ کائنات میں یہ نور مادی روشنی بھی ہے اور وہ ہدایت بھی جو ہر شے کے اندر ازخود موجود ہے۔ اور انسانوں کے لئے نور قرآن کے اندر ہے جس کی مثال اگلی آیات میں دی گئی ہے۔ (۳۵ : ۲۴)
۵۔ جسے وحیٔ خداوندی کا نور میسّر نہ ہو اسے کہیں نور نہیں مل سکتا۔ (۴۰ : ۲۴)
۶۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جائے اس کے لئے نورٌ علیٰ نور ہے۔ (۲۲ : ۳۹)
۷۔ قرآن نور مبین ہے۔ (۱۸۴ : ۴)۔ (۵۲ : ۴۲)
۸۔ کیا مردے، اور وہ شخص جسے زندگی عطا کر کے نور دے دیا جائے کہ وہ اسے لے کر دنیائے انسانیت میں چلے پھرے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (۱۲۲ : ۶)۔ مومنین کو ایسا ہی نور دیا گیا ہے۔ (۲۸ : ۵۷)
۹۔ کتابِ منیر۔ (۱۸۴ : ۳)۔ (۸ : ۲۲)۔ (۲۰ : ۳۱)۔ (۲۵ : ۳۵)

کتبِ سابقہ

۱۔ تورات اور انجیل بھی اپنے دفتوں میں ہدایت اور نور کی حامل تھیں۔ (۴۶ ; ۴۴ : ۵)۔ (۹۱ : ۶)
کتابِ حضرت موسیٰؑ کو ضیاء بھی کہا گیا ہے۔ (۴۸ : ۲۱)

متفرقات

۱۔ قیامت میں اہلِ جہنم مومنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو۔ ہم تمہارے نور سے تھوڑا سا لے لیں؟ (۱۳ : ۵۷)

۲۔ اہلِ جنت کا نور ان کے آگے آگے جائے گا اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ان کا نور مکمل ہو جائے۔ (۸ : ۶۶)۔ اس سے واضح ہے کہ اہلِ جنت کو مزید ارتقائی منازل طے کرنی ہونگی۔ جنت زندگی کا آخری مقام نہیں۔ (۱۲ : ۵۷)

۳۔ منافق کی مثال کہ اس نے تاریکی میں روشنی جلائی۔ جب ماحول روشن ہو گیا تو اس کی روشنی بجھ گئی۔ (۱۷ : ۲)

۴۔ رسول اللہؐ کو سراجاً منیرا کہا گیا ہے۔ (۴۶ : ۳۳)

——(۰)——

و

۱۔ والدین

ہمارے ہاں والدین سے مراد صرف ماں باپ ہوتے ہیں۔ (والد۔ باپ، اور والدہ ماں) ۔ اور اور اولاد سے مراد صرف بیٹے بیٹیاں۔ لیکن عربی زبان میں والدین کا سلسلہ، ماں باپ سے اوپر بھی جاتا ہے۔ یعنی ان میں دادا، دادی۔ نانا، نانی اوپر تک سب شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولاد میں پوتا پوتی۔ نواسہ۔ نواسی۔ نیچے تک سب شامل ہوتے ہیں۔

۲۔ یہ جو ہمارے ہاں (اور دنیا کے ہر مذہب میں) مشہور ہے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ قرآن کریم اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ بچہ، جب تک اس عمر تک نہ پہنچے جہاں وہ معاملات کے فیصلے خود کرنے کے قابل ہو، اس وقت تک تو اسے لامحالہ ماں باپ کے فیصلوں کے مطابق چلنا چاہیئے، لیکن جب وہ خود اپنے سنِ شعور کو پہنچ جائے تو پھر ماں باپ کے فیصلوں کی اطاعت اس پر فرض نہیں قرار پا سکتی۔ ماں باپ، بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ چکے یا پہنچ رہے ہوتے

متفرقات

۱۔ قیامت میں اہلِ جہنم مومنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو۔ ہم تمہارے نور سے تھوڑا سا لے لیں؟ (۱۳ : ۵۷)

۲۔ اہلِ جنت کا نور ان کے آگے آگے جائے گا اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ان کا نور مکمل ہو جائے۔ (۸ : ۶۶)۔ اس سے واضح ہے کہ اہلِ جنت کو مزید ارتقائی منازل طے کرنی ہونگی۔ جنت زندگی کا آخری مقام نہیں۔ (۱۲ : ۵۷)

۳۔ منافق کی مثال کہ اس نے تاریکی میں روشنی جلائی۔ جب ماحول روشن ہو گیا تو اس کی روشنی بجھ گئی۔ (۱۷ : ۲)

۴۔ رسول اللہ کو سراجاً منیرا کہا گیا ہے۔ (۴۶ : ۳۳)

—(۰)—

و

۱۔ والدین

ہمارے ہاں والدین سے مراد صرف ماں باپ ہوتے ہیں۔ (والد۔ باپ، اور والدہ ماں) ۔ اور اور اولاد سے مراد صرف بیٹے بیٹیاں۔ لیکن عربی زبان میں والدین کا سلسلہ، ماں باپ سے اوپر بھی جاتا ہے۔ یعنی ان میں دادا، دادی۔ نانا، نانی اوپر تک سب شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولاد میں پوتا پوتی۔ نواسہ۔ نواسی۔ نیچے تک سب شامل ہوتے ہیں۔

۲۔ یہ جو ہمارے ہاں (اور دنیا کے ہر مذہب میں) مشہور ہے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ قرآن کریم اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ بچہ، جب تک اس عمر تک نہ پہنچے جہاں وہ معاملات کے فیصلے خود کرنے کے قابل ہو، اس وقت تک تو اسے لامحالہ ماں باپ کے فیصلوں کے مطابق چلنا چاہیئے، لیکن جب وہ خود اپنے سنِ شعور کو پہنچ جائے تو پھر ماں باپ کے فیصلوں کی اطاعت اس پر فرض نہیں قرار پا سکتی۔ ماں باپ، بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ چکے یا پہنچ رہے ہوتے

ہیں، جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وہاں انسان کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے۔ (۶۸ : ۳۶)۔ وہ عمر کا ارذل حصہ ہوتا ہے۔
(۵ : ۲۲)۔ وہاں انسان اپنا سابقہ علم بھی فراموش کر جاتا ہے۔ (۵ : ۲۲)۔ اس کے مقابلہ میں، نوجوان جدید صلاحیتوں
کو لے کر ابھرتا ہے۔ پھر اس کے زمانے کے حالات بھی بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے اُسے ان لوگوں کے فیصلوں کا پابند
بنا دینا، جن کے قویٰ، علم اور عقل کے متعلق قرآنی تصریحات اوپر بیان کی جا چکی ہیں، انسان کو جامد بنا دینے کے مرادف
ہوگا۔ قرآن کی یہ تعلیم نہیں۔ اس کے نزدیک قابلِ تقلید اسوۂ حضرت ابراہیمؑ کا ہے، جنہوں نے اپنے باپ سے برملا کہہ
دیا کہ وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ اس لئے وہ اس کا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ (۴۲ : ۱۹)۔ دیگر مقامات
جن کی تفصیل عنوان "ابراہیم" میں ملے گی۔

۳۔ قرآن نے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی ہے۔ یعنی ان کی ان ضروریات کا پورا کرنا جنہیں بوجہ ضعیف العمری خود
پورا کرنے کے قابل نہ رہے ہوں۔ نیز یہ بھی کہ ان سے درشتی سے پیش نہ آیا کرو۔ (اولاد کے حقوق و فرائض کے
متعلق عنوان "اولاد" دیکھئے)۔ وراثت میں ماں باپ کے حصے کے متعلق عنوان وراثت دیکھئے۔

۴۔ قرآن کریم میں باپ کے لئے اَبْ اور ماں کے لئے اُم کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور آباءَ یعنی آباء و اجداد یا اسلاف۔
اس سلسلہ میں عنوان تقلید دیکھئے۔

والدین اور اولاد کا رشتہ

۱۔ اعمال اپنے اپنے ہیں۔ قانونِ مکافات کی رو سے، نہ ماں باپ اولاد کے کام آسکتے ہیں نہ اولاد ماں باپ کے
(۳۳ : ۳۱)۔ یہ رشتے طبعی اور تمدنی زندگی تک محدود ہیں۔ (۱۰ : ۳)۔ (۱۱۶ : ۳)۔(۱۷ : ۵۸)
(۳ : ۶۰)۔ (۳۵ : ۸۰)

۲۔ اولاد، تقربِ خداوندی کا موجب نہیں بن سکتی۔ (۳۷ : ۳۴)

۳۔ دیکھنا! اولاد کی جاذبیت تمہیں ذکر اللہ (قوانینِ خداوندی کی نگہداشت) سے غافل نہ کر دے۔ (۹ : ۶۳)

۴۔ ہمیشہ عدل پر قائم رہو خواہ ایسا کرنا تمہارے والدین کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ (۱۳۵ : ۴)

۵۔ اگر تمہارے آباء کفر کو زیادہ پسند کریں تو انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ (۲۳ : ۹)۔ (۲۲ : ۵۸)

۶۔ جنت میں وہی آباء داخل ہو سکیں گے جو صالح ہوں گے۔ (۲۳ : ۱۳)۔ محض کسی صالح کا باپ یا بیٹا ہونا اسے جنت
کا مستحق نہیں بنا سکے گا۔ (۸ : ۴۰)

والدین کے فرائض

قرآنِ کریم نے بالتصریح والدین کو حکم نہیں دیا کہ تم اپنے بچوں کی پرورش کرو۔ اس لئے کہ بچوں کی پرورش تو ہر حیوان کا طبیعی تقاضا ہے۔ ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے تو کسی خارجی حکم کی تکمیل میں ایسا نہیں کرتی۔ وہ اپنے داخلی تقاضا (مامتا) کے ماتحت ایسا کرتی ہے۔ البتہ اس نے اولاد سے حکماً کہا ہے کہ وہ والدین سے حسنِ سلوک کریں۔ یہ اس لئے کہ والدین سے حسنِ سلوک، حیوانات کا طبیعی تقاضا نہیں۔ حیوانات تو اپنے ماں باپ کو پہچانتے تک نہیں۔ یہ انسانی تقاضا ہے جس کی تلقین ضروری تھی۔ والدین سے یہ ضرور کہا ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ (۶ : ۱۵۱) - (۱۷ : ۳۱) - "قتل" میں جان سے مار ڈالنا بھی شامل ہوتا ہے اور کسی کو ذلیل کرنا بھی۔ اس حکمِ قرآنی میں دونوں باتیں شامل ہیں اور ان کا علاج ساتھ ہی یہ کہہ کر بتا دیا کہ نحن نرزقکم و ایاھم (۶ : ۱۵۲)۔ ان کے رزق کی اور خود تمہارے رزق کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہے۔ خدا کی یہ ذمہ داری، اسلامی نظامِ مملکت پوری کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رو سے امت کے بچوں کی پرورش اور تعلیم وغیرہ کی ذمہ داری انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ یہ ماں باپ کا انفرادی فریضہ نہیں۔ نظامِ مملکت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اولاد کی خاطر بھی کوئی غلط کام نہ کرو۔ اس مقام پر اولاد فتنہ کا موجب بن جاتی ہے۔ (۸ : ۲۸) - (۶۴ : ۱۵)
بلکہ تمہاری دشمن ہوتی ہے۔ (۶۴ : ۱۴)

۳۔ مشرکین اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ (غالباً دیوی دیوتاؤں کے استھان پر اولاد کی قربانی سے مراد ہے)۔ (۶ : ۱۳۷)
یہ سخت نقصان رساں عمل ہے۔ (۶ : ۱۴۰) - اس کی ممانعت (۶۰ : ۱۲)

ماں

۱۔ جو لوگ جہالت سے، غصہ میں آکر، بیوی کو ماں کہہ دیتے ہیں، اس سے وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ ماں وہی ہے جس نے اسے جنم دیا ہے۔ ایسا کہہ دینے کا کفارہ دینا ہوتا ہے۔ (۵۸ : ۲ - ۳)

۲۔ مائیں دو سال تک بچوں کو دودھ پلائیں۔ (۲ : ۲۳۳) - (۳۱ : ۱۴)

۳۔ طلاق کی صورت میں بچے کی ماں کے حقوق وغیرہ کے سلسلہ میں متعلقہ عنوانات دیکھئے۔ (۲ : ۲۳۳)

۴۔ سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح حرام ہے۔ (۴ : ۲۲)

۵۔ تمہاری ماں نے تمہیں مشقت برداشت کرکے اپنے بطن میں رکھا۔ پھر دو سال تک دودھ پلایا۔ اس کے لئے خدا کا

اور والدین کا شکریہ ادا کرو۔ (۱۴ : ۳۱)

والدین سے حسنِ سلوک

۱۔ والدین سے احسان کرو۔ (۸۳ : ۲)۔ (۱۸۰ : ۲)۔ (۲۱۵ : ۲)۔ (۳۶ : ۴)۔ (۱۵۲ : ۶)۔ (۲۳ : ۱۷)۔ (۸ : ۲۹)۔ (۱۴ : ۳۱)۔ (۱۵ : ۴۶)

۲۔ خدا کا شکریہ اور والدین کا ——— (۱۹ : ۲۷)۔ (۱۴ : ۳۱)۔ (۱۵ : ۴۶)

۳۔ والدین کے خلاف سخت گیر اور سرکش نہیں ہونا چاہیئے۔ (۱۴ : ۱۹)۔ (۳۲ : ۱۹)

۴۔ والدین کی صحیح تعلیم سے (جو قرآن کے مطابق ہو) انکار کرنے والی اولاد۔ (۱۷ : ۴۶)

۵۔ والدین کے لئے دعائے مغفرت (اس کا مفہوم 'دعا' اور 'مغفرت' کے عنوانات میں دیکھئے)۔ (۴۱ : ۱۴)۔ (۲۸ : ۷۱)

۶۔ ماں باپ سے درشتی سے بات نہ کرو۔ (۲۳ : ۱۷)۔ ان کے لئے خدا سے دعا کرو کہ وہ ان کی اسی نرمی سے پرورش کرے جس طرح انہوں نے تمہاری بچپن میں پرورش کی تھی۔ (۲۴ : ۱۷)

۷۔ ان کی عام باتوں کی تو بے شک تعمیل کر دو۔ لیکن اگر وہ شرک کرنے کو کہیں تو ان کی قطعاً اطاعت نہ کرو۔ (۸ : ۲۹)۔ (۱۵ : ۳۱)۔

متفرق

۱۔ تم نہیں کہہ سکتے کہ تمہارے آباء یا ابناء میں سے کون زیادہ نفع رساں ہے۔ (۱۱ : ۴)

۲۔ تم اپنے آباء کے گھر سے کھا سکتے ہو۔ (۶۱ : ۲۴)

—(۰)—

۲۔ وحدتِ انسانیت

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ شروع میں، تمام انسان ایک برادری کے افراد (امتِ واحدہ) تھے۔ پھر، ان کی مفاد پرستیوں کے شاخسانوں سے ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان اختلافات کے مٹانے کے لئے آسمانی رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

اس سلسلہ کی تکمیل نزولِ قرآن سے ہوئی۔ اب قرآنی تعلیم کا منتہیٰ یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان کو پھر سے امتِ واحدہ بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ پوری انسانیت کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جو قرآن کی عطا کردہ راہ نمائی کی روشنی میں، انسانیت کو ایک عالمگیر برادری میں مربوط کرنے کے داعی ہوں۔ انہیں جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے وہ جو اپنی ذاتی یا گروہ بندانہ مفاد پرستیوں کے پیشِ نظر انسانوں کو مختلف گروہوں اور قوموں میں منقسم رکھنے پر مصر ہوں۔ انہیں کافر کہا جائے گا۔ (۲ : ۶۴)۔ جماعتِ مومنین کا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ قرآنی تعلیم کو عام کر کے انسانوں کے تفرقے مٹاتی چلی جائے اور اس طرح انہیں ایک برادری کے افراد بناتی جائے۔ اس کا عملی طریق یہ ہوگا کہ وہ ایک ضابطۂ حیات (یعنی قرآن کریم) کو اپنے تمام اختلافی معاملات میں سندِ آخر (فائنل اتھارٹی) تسلیم کریں۔ اور اس اتھارٹی کو عملاً نافذ کرنے والے ایک مرکز کے تابع رہیں۔ اس مرکز کی ہیئت کیا ہوگی، اسے یہ لوگ باہمی مشورہ سے طے کریں گے۔ اس مرکز کی وحدت کا محسوس نشان، کعبہ ہے۔ اور اس برادری کے اجتماعات کو حج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اس سلسلہ میں عنوانات ــ اسلامی نظام، حج، کعبہ" فرقہ بندی، اختلاف، قرآن، رب، عالمین وغیرہ ــ دیکھئے)

امتِ واحدہ

۱۔ تمام انسان امتِ واحدہ تھے۔ انہوں نے باہمی اختلافات پیدا کر لئے۔ (۱۹ : ۱۰)۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے۔ اور ان کے ساتھ ضابطۂ حیات بھیجا گیا تاکہ وہ اس کی روشنی میں لوگوں کے اختلافی معاملات کا فیصلہ کریں۔ (۲۱۳ : ۲) ــ (۲۵ : ۵۷)

۲۔ تمام انسانوں کی تخلیق نفسِ واحدہ سے۔ (۱ : ۴)۔ سب کے لئے ایک ہی طریقِ تخلیق (فطرت)۔ (۳۰ : ۳۰)۔ تمہاری تخلیق اور بعث نفسِ واحدہ کی طرح ہے۔ (۲۸ : ۳۱)

۳۔ جس نے ایک جان کو بھی ناحق تلف کر دیا اس نے گویا تمام نوعِ انسانی کو ہلاک کر دیا۔ جس نے ایک جان بھی بچا لی اس نے گویا تمام نوعِ انسانی کو حیات عطا کر دی۔ (۳۲ : ۵)

۴۔ حیوانات یا دیگر اشیائے کائنات میں اختلافات نہیں ہوتے۔ لیکن ان کی یہ وحدت بالارادہ نہیں۔ مجبوری کی ہے۔ انسانوں میں اس طرح وحدت پیدا کرنا مقصود نہیں۔ یہ سوچ سمجھ کر، اپنے اختیار و ارادہ سے ایک برادری کے افراد بنیں۔ (۱۹-۱۱۸ : ۱۱)

۵۔ بقا اس نظریۂ حیات اور اس نظام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔ (۱۷ : ۱۳)

۶۔ اگر تمام انسانوں کو امتِ واحدہ میں منتشکل کرنا مقصود نہ ہوتا تو دولت کو انبار در انبار چند افراد (کفار) کے پاس مرکوز

ہونے دیا جاتا۔ (۴۳ : ۳۳)

۷۔ شعوب و قبائل محض باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ تخلیقِ انسانی میں یہ تفریق نہیں۔ وجۂ تکریم ذاتی کیریکٹر ہے (۴۹ : ۱۳)

۸۔ امتِ واحدہ کی تشکیل اس دور میں ہو گی جب تمام انسان، خدا کی ربوبیتِ عالمینی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے (۸۳ : ۶) اور اس طرح لوگ جوق در جوق دینِ خداوندی میں داخل ہو جائیں گے۔ (۱۱۰ : ۲)

۹۔ جنہیں ملانے کا خدا نے حکم دیا ہے انہیں ٹکڑے ٹکڑے مت کرو۔ (۲ : ۲۷) – (۱۳ : ۲۱ ؛ ۲۵)

۱۰۔ اختلافِ رنگ اور زبان، اہلِ علم کے لئے اس حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں۔ اور بس۔ (۳۰ : ۲۲)۔ ورنہ تخلیق سب کی ایک ہی مادہ سے ہوئی ہے۔ (۳۰ : ۱۹)۔ یہ محض طبیعی زندگی (یعنی جسم) کے اختلافات ہیں جو حیوانات میں بھی ہیں (۳۵ : ۲۸)۔ انسانی سطح پر زندگی کا معیار اس سے بلند ہو جاتا ہے۔ اس کی رُو سے مدارج کا تعین جوہرِ ذاتی کی رُو سے ہوتا ہے۔ (۴۶ : ۱۹)

۱۱۔ پیشے وجۂ اختلاف و باعثِ تفریق نہیں ہو سکتے۔ (۱۱ : ۲۷-۲۹)۔ (۲۶ : ۱۱۱-۱۱۴)

۱۲۔ تمام انسان (ابنِ آدم) یکساں واجب التکریم ہیں۔ (۱۷ : ۷۰)

قرآن اور رسول اللہ تمام نوعِ انسان کے لئے

۱۔ مومنین کو امتِ وسطاً بنایا تاکہ یہ تمام نوعِ انسان کے اعمال کی نگرانی کریں۔ (۲ : ۱۴۳) – (۲۲ : ۷۸) – دنیا میں فساد برپا نہ ہونے دیں۔ (۲ : ۲۵۱) – (۳ : ۱۱۰) – (۶ : ۱۲۲) – (۲۲ : ۴۰)

۲۔ قرآن تمام نوعِ انسان کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ (۲ : ۱۸۵) – (۳ : ۱۳۸) – (۴ : ۱۷۵) –
قرآن کا مقصد یہ ہے کہ نوعِ انسانی کے معاملات کا تصفیہ کیا جائے۔ (۴ : ۱۰۵) – (۱۰ : ۵۷) –
(۱۰ : ۱۰۸) – (۱۴ : ۱) – (۱۴ : ۵۲) – (۱۶ : ۴۴) – (۱۶ : ۸۹) – (۱۸ : ۵۴) –
(۲۸ : ۴۳) – (۳۹ : ۲۷) – (۳۹ : ۴۱) – (۴۵ : ۲۰)
ذکر للعالمین۔ (۶ : ۹۱) – (۱۲ : ۱۰۴) – (۲۵ : ۱) – (۳۸ : ۸۷) – (۶۸ : ۵۲)

۳۔ تمام نوعِ انسان کی طرف رسول۔ (۴ : ۱۷۰) – (۷ : ۱۵۸) – (۲۲ : ۴۹) – (۳۴ : ۲۸) –
رحمت للعالمین۔ (۲۱ : ۱۰۷)

تمام نوعِ انسان کا ایک رب اور معبود

۱۔ اے نوعِ انسان! تم اس ایک رب کی محکومیت اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (۲ : ۲۱)۔ (۲۲ : ۱)۔
(۳۱ : ۳۳) — (۲)۔ رب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ (۱۱۴ : ۱-۳)۔ (۳)۔ رب العالمین۔ (۱ : ۲)
۲۔ مشرق و مغرب میں تم کہیں بھی ہو، وہاں خدا موجود ہوگا۔ (۲ : ۱۱۵)۔ مشرق و مغرب اس کے ہیں۔ (۲ : ۱۴۲)
وہ رب المشرق والمغرب ہے۔ (۲۶ : ۲۸)۔ (۷۳ : ۹)۔ رب المشرقین والمغربین۔ (۵۵ : ۱۷)
رب المشارق (۳۷ : ۵)۔ رب المشارق والمغارب۔ (۷۰ : ۴۰)

نسلی امتیاز کا تصور باطل ہے

۱۔ حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے کام اچھے نہیں۔ (۱۱ : ۴۵-۴۶)
۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہہ دیا کہ اگر آپ خدا کی ابدی صداقتوں پر ایمان نہیں رکھتے تو میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں۔ (۶ : ۷۵)۔ پوری قوم سے قطع تعلق۔ (۶۰ : ۴)
۳۔ حضرت ابراہیمؑ کو نوعِ انسانی کی امامت کا منصب عطا ہوا۔ آپ نے کہا کہ کیا میری ذریت کو بھی یہی مقام حاصل رہے گا جواب ملا کہ ہمارا یہ وعدہ ظالمین کے لئے نہیں خواہ وہ کسی کی اولاد میں بھی کیوں نہ ہوں۔ (۲ : ۱۲۴)۔ چنانچہ ان میں سے اچھے بھی تھے اور برے بھی۔ محض ذریتِ ابراہیمی (یعنی، حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا) ان کے لئے وجۂ اختصاص نہیں ہو سکا۔ (۳۷ : ۱۱۳)
۴۔ جنت کا حصول اپنے اپنے اعمال کی بنا پر ہوگا۔ کسی کے ساتھ حسب نسب کی نسبت کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ (۱۳ : ۲۳)۔
(۸ : ۴۰) — (۲۱ : ۵۲)
۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس باب میں دوٹوک بات کہدی کہ جو میرے پیچھے چلتا ہے وہ میرا ہے۔ جو اس راستے پر نہیں چلتا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی دینِ قیم ہے۔ (۱۴ : ۳۶)
۶۔ قرآن کا فیصلہ۔ اگر ماں باپ۔ بیوی بچے۔ خویش و اقارب میں سے کوئی بھی ایمان سے زیادہ عزیز ہو گیا تو ایسے شخص کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ (۹ : ۲۳-۲۴)۔ (۵۸ : ۲۲)

ایمان وجۂ مواخات

۱۔ اس نئی برادری کی وجہِ جامعیت ایمان ہوگا۔ اس سے مختلف نسلوں، وطنوں، رنگوں والے انسان باہمی بھائی بھائی بن جائیں گے۔ (۳ : ۱۰۲) ۔ یہ جنتی زندگی کی کیفیت ہے۔ (۴۷ : ۱۵)

۲۔ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (۵ : ۴۳) ۔ (۱۰ : ۴۹) ۔ موجودہ بھی اور وہ بھی جو گزر چکے۔ (۱۰ : ۵۹)

۳۔ یہ برادری ایسی ہے کہ ایک بھائی خود تنگی میں گزارہ کر لیتا ہے لیکن اپنے بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہے۔ (۹ : ۵۹)

۴۔ یہ رحماء بینھم ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ نہایت محبت کے تعلقات رکھنے والے (۲۹ : ۴۸) انہیں کبھی ایک دوسرے کو ایذا نہیں دینی چاہیئے۔ (۵۸ : ۳۳) ۔ اور ایک دوسرے کو بالارادہ قتل کر دینا تو سیدھا جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ (۴ : ۹۲-۹۳) ۔ (لہٰذا یہ سمجھنا کہ صحابہؓ میں باہمی لڑائیاں ہوئی تھیں مسخ شدہ تاریخ کی افسانہ طرازیاں ہیں[1]۔) مومنین میں اگر کبھی باہمی اختلاف پیدا ہو جائے تو ان کے نظام (مملکت) کا فریضہ ہے کہ ان میں فوراً مصالحت کرا دے۔ (۹ : ۴۹)

۵۔ اسلام میں قومیت کی تشکیل ایمان کے اشتراک کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس معیار کے مطابق دنیا میں دو ہی قومیں آباد ہیں۔ یعنی مومن اور کافر (مسلم اور غیر مسلم)۔ (۲ : ۶۴)

(۰)

۳۔ وحی

وحی کے لغوی معنی ہیں۔

۱۔ نہایت تیز اشارہ۔ الوحی۔ جلدی کرنا۔ تیزی کرنا۔

۲۔ کتابت۔ (لکھنا) ۔ الوحیُ۔ لکھی ہوئی چیز۔ (۳) ۔ حکم کرنا۔ حکم دینا۔

۴۔ ہر وہ شے جسے کوئی کسی دوسرے تک پہنچا دے خواہ اس کے پہنچانے کا طریقہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] تفصیل کے لئے میری کتاب "شاہکارِ رسالت" دیکھیے۔

لیکن اس کے اصطلاحی معنی ہیں، خدا کی طرف سے کسی انسان کو براہِ راست علم حاصل ہونا ۔ یعنی ایسا علم جس میں اس انسان کی اپنی عقل و فکر کا کوئی دخل نہ ہو۔ اسے منزل من اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کا علم صرف حضرات انبیاءؑ تک مخصوص تھا اسے وحیؔ کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یا خدا کے کلام سے ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (وحی) لغوی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور اصطلاحی معنوں میں بھی ۔ اصطلاحی معنوں میں جو وحیؔ حضرات انبیاء کرام کو ملتی تھی اس کی کنہ و حقیقت کو غیر از نبی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ نہ ہی کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ نبی کو وہ علم کس طرح ملتا تھا یہ سلسلہ حضور نبیؐ اکرمؐ کی ذات پر ختم ہوگیا۔ اب کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ خواہ اس کا نام وحی رکھ لیا جائے یا کشف و الہام، خدا سے ہمکلامی یا مبشرات ۔ ختمِ نبوت کے بعد اس قسم کے علم حاصل ہونے کے امکان کا تصوّر، نبوت کے بند کردہ دروازہ کو کھولنے کے مرادف ہے ۔

جو وحی نبی اکرمؐ کو عطا ہوئی تھی وہ بتمامہٖ قرآن کریم کے اندر اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں محفوظ ہے ۔ نہ اس وحی کا کوئی ایک لفظ بھی قرآن کے اندر درج ہونے سے رہ گیا ہے ۔ نہ ہی قرآن کے باہر وہ کہیں اور جگہ ہے ۔ اس وحیؔ کی ایک ہی قسم تھی ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس وحی کی دو قسمیں تھیں ۔ ایک وحی جلی یا وحی متلو، جو قرآن کے اندر ہے اور دوسری وحی خفی یا وحیٔ غیر متلو، جو قرآن سے باہر ہے۔ اس تقسیم کی کوئی سند قرآن سے نہیں ملتی ۔ یہ تصور غیر قرآنی ہے ۔

۲۔ واضح رہے کہ انبیا پر جو وحی نازل ہوتی تھی۔ اس کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے ہوتے تھے ۔ یہ نہیں کہ محض ایک خیال ان کے دل میں ڈال دیا جاتا تھا ۔ جس کا اظہار وہ اپنے الفاظ میں کرتے تھے ۔ کوئی خیال بغیر الفاظ کے دل میں آ ہی نہیں سکتا ۔ یہ نفسیاتی ناممکنات میں سے ہے ۔ لہٰذا، وحیٔ غیر متلو کا تصور ہی غلط ہے ۔

(اس سلسلہ میں عنوانات مثل قرآنؔ ۔ نبیؔ ۔ رسولؔ ۔ نزولؔ ۔ الہام بھی دیکھئے ۔)

۳۔ اشیائے کائنات اپنے فرائضِ حیات جبلی تقاضوں کی رو سے سرانجام دیتے ہیں۔ انہیں بھی وحیؔ سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً شہد کی مکھی کی طرف وحیؔ ۔

رسولؐ اللہ کی طرف وحی

۱۔ اس طرح تیرے رب نے تیری طرف اس پُرحکمت (قرآن) کو وحی کیا ۔ (۱۶ : ۳۹)

۲۔ رسولؐ اللہ کی طرف اور انبیائے سابقہ کی طرف وحی کہ شرک نہ کریں ۔ (۳۹ : ۶۵)

۳۔ جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے اس سے متمسک رہو ۔ (۴۳ : ۴۳)

۴۔ کہو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ صحرانوردوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تھا۔ (۱ : ۷۲)

۵۔ جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے اس کا اتباع کرو۔ (۵۰ : ۶) ― (۱۰۶ : ۶) ― (۲۰۳ : ۷)۔(۱۵ : ۱۰)
(۱۰۹ : ۱۰) ― (۲ : ۳۳)

۶۔ جو کتاب تیری طرف وحی کی جا رہی ہے اسے پیش کرو (یا اس کا اتباع کرو۔ تلاوت)۔(۲۷ : ۱۸)۔(۴۵ : ۲۹)

۷۔ کہو کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں، میں بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ (۱۴۶ : ۶)

۸۔ خدا نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کرنا مطلوب تھا۔ (۱۰ : ۵۳)

۹۔ میری طرف یہ قرآن وحی ہوا ہے تاکہ میں تمہیں بھی، اور جن تک یہ پہنچے انہیں بھی، اس کے ذریعے ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کروں۔ (۱۹ : ۶)

۱۰۔ جو وحی تیری طرف کی گئی ہے اسے اپنی قوم کے سامنے پیش کرو۔ (۳۰ : ۱۳)۔(۴۵ : ۲۹)

۱۱۔ اگر خدا کی مشیت ہوتی تو وہ اس وحی کو لے جاتا اور حضور کچھ بھی نہ کر سکتے۔ (یہ بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ وحی، رسول کی اپنی فکر کی پیدا کردہ نہیں ہوتی تھی)۔ (۸۶ : ۱۷)

۱۲۔ خدا نے تیری طرف وحی کی (جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف دین بھیجا تھا)۔ (۳۱ : ۳۵)۔(۳ : ۴۲)۔(۱۳ : ۴۲)

۱۳۔ مخالفین کی سازش کہ حضور کو وحی کی طرف سے بہکا دیں تاکہ آپ خدا کے خلاف افترٰی کریں۔ (۷۳ : ۱۷)

۱۴۔ کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ انہی میں سے ایک انسان پر کیوں وحی کی گئی ہے۔ (۲ : ۱۰)

۱۵۔ اسی طرح وحی جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (۱۶۳ : ۴)

۱۶۔ رسول اللہؐ کی طرف وحی کہ اتباعِ ملتِ ابراہیمی کریں۔ (۱۲۳ : ۱۶)

۱۷۔ حضورؐ کی طرف قرآناً عربیاً وحی کیا گیا۔ (۱۹ : ۶)۔(۳ : ۱۲)۔(۳۱ : ۳۳)۔(۷ : ۴۲)

۱۸۔ انسانوں کے ساتھ کلامِ خداوندی کے تین طریقے۔ اسی طرح حضورؐ کی طرف وحی کی گئی۔ اس سے پہلے حضورؐ جانتے ہی نہیں تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا۔ (۵۱-۵۲ : ۴۲)

۱۹۔ رسول کا پیغام اس کی اپنی فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ وحی ہوتی ہے۔ (۳-۴ : ۵۳)

۲۰۔ ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں وحی کے ذریعے آگاہ کرتا ہوں۔ (۴۵ : ۲۱)

۲۱۔ قرآن کے معاملہ میں جب تک اس کی وحی پوری نہ ہو جائے، جلدی مت کرو۔ (۱۱۴ : ۲۰)

۲۲۔ کہو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ اس فرق کے ساتھ کہ میری طرف وحی ہوتی ہے۔ (۱۱۰ : ۱۸)۔(۶ : ۴۱)

۲۳۔ میری طرف وحی ہوئی ہے کہ میں نذیر مبین ہوں۔ (۱۰۸ : ۲۱) ۔ (۷۰ : ۳۸)

۲۴۔ تو لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر وحی کو ترک نہیں کر سکتا۔ (۱۲ : ۱۱)

۲۵۔ میں اگر ہدایت پہ ہوں تو وحی کی رو سے ہوں۔ اور غلطی کرتا ہوں تو وہ میرے اپنے فیصلے کی وجہ سے ہوتی ہے۔(۵۰:۳۴)

۲۶۔ غیب کے امور وحی کے ذریعے بتائے جاتے تھے۔ (۴۴ : ۳) ۔ (۴۹ : ۱۱) ۔ (۱۰۲ : ۱۲)

۲۷۔ ساری وحی متلو تھی۔ (۴۵ : ۲۹)

دیگر انبیاءؑ کی طرف وحی

۱۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے خدا کی طرف سے وحی نہ ہو اور وہ کہے کہ مجھ پہ وحی ہوتی ہے۔ (۹۴ : ۶)

۲۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ نے کہا کہ خدا نے ہماری طرف وحی کی ہے۔ (۸۷ : ۱۰) ۔ (۴۸ : ۲۰)

۳۔ رسولوں کی طرف وحی کہ خدا ظالمین کو ہلاک کر دے گا (۱۳ : ۱۴) ۔ (۴) ۔ حضرت نوحؑ کی طرف وحی ۔ (۳۶ : ۱۱)

۵۔ رسول اللہؐ کی طرف اسی طرح وحی کی گئی تھی جسطرح انبیائے سابقہ کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (۱۶۳ : ۴)

۶۔ حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی۔ (۱۱۷ : ۷) ۔ (۱۶۰ : ۷) ۔ (۸۷ : ۱۰) ۔ (۱۳ : ۲۰) ۔ (۷۷ : ۲۰)
(۵۲ : ۲۶) ۔ (۶۳ : ۲۶)

۷۔ حضرت نوحؑ کی طرف وحی کہ خدا کی زیر نگرانی کشتی بنائیں۔ (۳۷ : ۱۱) ۔ (۲۷ : ۲۳)

۸۔ حضرت یوسفؑ کی طرف وحی۔ (۱۵ : ۱۲) ۔ (۹) ۔ تمام انبیاء کی طرف وحی۔ (۷۳ : ۲۱)

۱۰۔ تمام رسولوں کی طرف یہی وحی کیا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (۲۵ : ۲۱)

نزولِ وحی کا طریقہ

۱۔ جبرئیلؑ، قلبِ نبوی پہ وحی نازل کرتا تھا۔ (۹۷ : ۲) ۔ روح القدس۔ (۱۰۲ : ۱۶) ۔ ملائکہ۔ (۲ : ۱۶)
روح الامین علیٰ قلبک۔ (۱۹۴ : ۲۶) ۔ شیاطین نازل نہیں ہوتے تھے۔ (۲۱۰ : ۲۶)

۲۔ وحی خود خدا سے ملتی تھی۔ (۶ : ۲۷)

۳۔ اسے خدا سکھاتا تھا۔ (۵ : ۵۳) ۔ (۲-۱ : ۵۵) ۔ (۶ : ۸۷)

۴۔ یہ وحی رسول کی زبان سے لوگوں تک پہنچتی تھی۔ اس اعتبار سے اسے قولِ رسول کہا گیا۔ (۱۹ : ۸۱)

۵۔ لیلۃ القدر میں نزولِ وحی۔ (۹۷ : ۱-۲)

۶۔ نتلوہ علیک۔ (۲ ، ۲۵۲)۔ (۳ : ۵۷)۔ (۳ : ۱۰۷)۔ (۴۵ : ۶)

اعتراضات

۱۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے براہِ راست ہم کلام کیوں نہیں ہوتا۔ (۲ : ۱۱۸)

۲۔ اس شخص پر وحی کیوں نازل ہوتی ہے؟ (۳۸ : ۸)

عام انسانوں کے لئے وحی کا لفظ (لغوی معنوں میں)

۱۔ حضرت زکریاؑ نے لوگوں سے کہا (اشارہ سے کہا) کہ تم اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں مشغول رہو۔ (۱۹ : ۱۱)

۲۔ خدا نے حواریوں کی طرف وحی کی (یعنی حضرت عیسےٰؑ کی وساطت سے یہ حکم بھیجا) کہ۔۔۔۔ (۵ : ۱۱۱)

۳۔ اُمِ موسےٰؑ کی طرف وحی (یعنی خدا کا حکم جو کسی کی وساطت سے اُس کی طرف پہنچایا گیا)۔ (۲۰ : ۳۸)۔ (۲۸ : ۷)

۴۔ شیاطین الجن والانس ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (اشارے کرتے ہیں۔ باتیں پہنچاتے ہیں)۔ (۶ : ۱۱۳)

۵۔ شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں (اکساتے ہیں) کہ وہ تجھ سے جھگڑیں۔ (۶ : ۱۲۲)

۶۔ رسول دوسروں تک خدا کا حکم پہنچاتا ہے اسے بھی یوحیٰ کہا گیا ہے۔ (۴۲ : ۵۲)

خارجی کائنات میں وحی (یعنی جبلت یا قوانینِ فطرت)

۱۔ زمین کی طرف وحی۔ (۹۹ : ۵) (۲)۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی۔ (۴۱ : ۱۲)

۳۔ تمام سماءٓ (اجرامِ فلکی) کی طرف وحی۔ (۴۱ : ۱۲)

ملائکہ کی طرف وحی

۱۔ خدا نے ملائکہ کی طرف وحی کی کہ وہ مومنوں کی مدد کریں۔ (۸ : ۱۲)

متفرق

۱۔ خدا کے بندوں کے ساتھ کلام کرنے کے تین طریقے۔ دو طریقے انبیاء کے ساتھ کلام کرنے کے۔ یعنی بذریعہ وحی۔ یا بذریعہ کلام (جیسے حضرت موسےٰؑ کے ساتھ) اور تیسرا طریقہ غیر انبیاء کے ساتھ ہم کلامی کا۔ یہ طریقہ یہ ہے کہ خدا کی جو وحی رسول کی طرف آئی ہو، رسول وہ وحی دوسروں تک پہنچا دے۔ اس طرح خدا عام لوگوں سے بھی باتیں کرنے لگتا ہے۔ (۵۲-۵۱ : ۴۲) - کوئی انسان خدا سے بات نہیں کر سکتا۔ انبیاء سے بھی خدا بات کرتا تھا۔ یعنی ابتدا خدا کی طرف سے ہوتی تھی۔ اسی لیے یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ جب جی چاہے خدا سے باتیں کرنے لگ جائے۔

۲۔ وحی، فکرِ انسانی کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ (۴-۳ : ۵۳)

۳۔ ان سے کہو کہ میں اگر صحیح راستے پر ہوں تو وحی کی وجہ سے ہوں۔ اور اگر مجھ سے کبھی غلطی ہوتی ہے تو وہ میرے اپنے فیصلے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۵۰ : ۳۴)

۴۔ وحی کے لیے خدا خود کسی کو منتخب کرتا تھا۔ (۹۰ : ۲) - (۱۰۵ : ۲) - (۷۳ : ۳) - (۱۱ : ۱۴) - (۲ : ۱۶) - (۱۳ : ۲۰) - (۵ : ۲۲) - (۱۵ : ۴۰)

۵۔ نبی، وحی سے پہلے جانتا تک نہیں تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ (۵۲ : ۴۲)

۶۔ وحی کو العلم کہا گیا ہے۔ (۱۲۰ : ۲)

۷۔ جن کی طرف وحی بھیجی گئی تھی وہ سب رجال تھے۔ (۱۰۹ : ۱۲) - (۴۳ : ۱۶) - (۷ : ۲۱) - اور عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ (۸-۷ : ۲۱)

۸۔ اس سے ظالم کون ہوگا کہ جس پر وحی نازل نہ ہوتی ہو اور وہ کہے کہ مجھے وحی ملتی ہے۔ یا یہ کہے کہ میں بھی اسی قرآن کی مانند پیش کر سکتا ہوں۔ (۹۳ : ۶)

———(۰)———

کلام ۔ کلمہ

وحی کے لیے چونکہ کلام کا لفظ بھی آیا ہے اس لیے اس ضمن میں متعلقہ آیات بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ خدا انسان سے کلام کرتا ہے۔ (انسان خدا سے کلام نہیں کر سکتا۔ یعنی کلام کی ابتدا خدا کی طرف سے ہوتی ہے)——
(۴۲ : ۵۱)—— (۲) خدا کے کلام کرنے کے تین طریقے۔ (۴۲ : ۵۱)

۳۔ خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ (نظروں سے اوجھل رہ کر)۔ (۴ : ۱۶۴)۔ (۷ : ۱۴۳)

۴۔ قیامت میں روح اور ملائکہ میں سے وہی کلام کر سکے گا جسے خدا اجازت دے۔ (۱۱ : ۱۰۵)۔ (۷۸ : ۳۸)

۵۔ رسولوں میں سے وہ بھی ہیں جن سے خدا نے کلام کیا۔ (۲ : ۲۵۳)

۶۔ کفار کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ (۲ : ۱۱۸)

۷۔ کتمانِ حقیقت کرنے والوں سے خدا قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔ (۲ : ۱۷۴)۔ (۳ : ۷۷)

۸۔ کلام اللہ۔ (۲ : ۷۵)۔ (۹ : ۶)۔ (۴۸ : ۱۵)۔ تحریفِ کلمات (۴ : ۴۶)۔ (۵ : ۱۳)۔ (۵ : ۴۱)

۹۔ حضرت موسیٰؑ کو رسالات و کلام کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ (۷ : ۱۴۴)

۱۰۔ **کلمات اللہ** ۔ لا انتہا ہیں۔ (۱۸ : ۱۰۹)۔ (۳۱ : ۲۷)
آدم نے رب سے کلمات سیکھے۔ (۲ : ۳۷)
(حضرت) ابراہیمؑ کی چند کلمات سے ابتلا کی۔ (۲ : ۱۲۴)
(حضرت) مریم نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی۔ (۶۶ : ۱۲)

۱۱۔ لا مبدل لکلمات اللہ۔ (۶ : ۳۴)۔ (۶ : ۱۱۶)۔ (۱۰ : ۶۴)۔ (۱۸ : ۲۷)

۱۲۔ یحق الحق بکلمات اللہ۔ (۸ : ۷)۔ (۱۰ : ۸۲)۔ (۴۲ : ۲۴)

۱۳۔ خدا اور اس کے کلمات پر ایمان۔ (۷ : ۱۵۸)

۱۴۔ تمت کلمت ربک۔ (۶ : ۱۱۶)۔ (۷ : ۱۳۷)۔ (۱۱ : ۱۱۹)

۱۵۔ **حقت علیھم کلمۃ اللہ**۔ (۱۰ : ۱۹)۔ (۱۰ : ۳۳)۔ (۱۰ : ۹۶)۔ (۱۱ : ۱۱۰)۔ (۲۰ : ۱۲۹)
(۳۷ : ۱۷۱)۔ (۳۹ : ۱۹)۔ (۳۹ : ۷۱)۔ (۴۰ : ۶)۔ (۴۱ : ۴۵)۔ (۴۲ : ۱۴)۔ (۴۲ : ۲۱)

۱۶۔ خدا کا کلمہ بلند۔ کفر کا کلمہ مغلوب۔ (۹ : ۴۰)۔ الکلم الطیب بلند ہوتا ہے۔ (۳۵ : ۱۰)

۱۷۔ کلمۃ التقویٰ۔ (۴۸ : ۲۶)۔ کلمہ طیبہ۔ کلمہ خبیثہ۔ (۱۴ : ۲۴-۲۵)۔ کلمۃ باقیہ۔ (۴۳ : ۲۸)۔
کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ (۳ : ۶۴)۔ (۱۸)۔ حضرت یحییٰؑ۔ کلمت اللہ کے مصدق تھے۔ (۳ : ۳۸)۔
حضرت مریم کو بشارتِ کلمہ۔ (۳ : ۴۴)۔ حضرت عیسیٰؑ کلمۃ۔ (۴ : ۱۷۱)

۴- وراثت - ترکہ

مادہ کے لحاظ سے اس لفظ (ورث) کے معنی مالک ہونے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ میراث السموات والارض اسی کی ہے۔ (۳ : ۱۸۰) - لیکن عام استعمال کی رو سے، اس کے معنی، کسی کے بعد، کسی کا، وارث ہونے کے ہیں۔ جیسے ایک قوم کی تباہی کے بعد، اس کی جگہ دوسری قوم کا آجانا۔ (۴۴ : ۲۷) - یا متوفی کے ترکہ کا وارث ہونا۔ زیرِ نظر عنوان میں اسی وراثت کے متعلق لکھا جائے گا۔

۲- قرآن کی رُو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے ترکہ کے متعلق وصیت کرے۔ دیکھئے عنوان "وصیت"۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ کسی شخص کو وصیت کا موقعہ نہ مل سکے۔ یا اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو پھر یہ مال، قرآن میں بیان کردہ حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ قرآن میں جہاں حصے مقرر کئے گئے ہیں، ہر مقام پر اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ تقسیم متوفی کا قرضہ چکا دینے اور وصیت پوری کر دینے کے بعد عمل میں آئے گی۔ (۴ : ۱۱ - ۱۲)

۳- قرآن کریم نے بعض وارثوں کے حصے خود مقرر کر دیئے ہیں (مثلاً ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ۱/۶ - تفصیل آگے آئے گی) - اور بعض کے متعلق صرف اصول بیان کیا ہے۔ (مثلاً یہ کہ مذکر کا حصہ دو مونث کے برابر)۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان وارثوں کے حصے الگ کر دیئے جائیں جن کے حصے قرآن نے مقرر کر دیئے ہیں اور بقایا ترکہ اس اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

۴- تقسیمِ وراثت کے سلسلہ میں قرآن میں ایک اصطلاح کلالہ کی بھی آتی ہے۔ کلالہ سے مراد ہوتی ہے ایسا شخص جو لاولد وفات پا جائے۔ لیکن بہن بھائی ہوں۔ (۴ : ۱۲) - (۴ : ۱۷۶) - وراثت میں حصوں کے اعتبار سے کلالہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جس کے ماں باپ (یا ان میں سے کوئی ایک) زندہ ہو۔ اور دوسرا وہ جس کے ماں باپ بھی نہ ہوں۔ اب حصوں کی طرف آیئے۔

۵- قرآن کی رو سے، وراثت کے حصے حسب ذیل ہیں۔

(۱)- اگر متوفی کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوہ کا حصہ (۱/۴) ہو گا۔ اگر متوفی کی اولاد ہو تو اس کی بیوہ کا حصہ (۱/۸) ہو گا۔ (۴ : ۱۲)

(۲)- اگر بیوی فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو خاوند کا حصہ (۱/۲) ہو گا۔ اگر اس کی اولاد ہو تو خاوند کا حصہ

(۱/۴) ہوگا ۔ (۴ : ۱۲)

(۳)۔ اگر متوفی کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصّہ (۱/۶) ہوگا ۔ (۴ : ۱۱)

(۴)۔ اگر متوفی کے اولاد نہ ہو۔ اور وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کا حصہ (۱/۳) ہوگا (اور باپ کا بقایا ۲/۳)۔ لیکن اگر متوفی کے بہن بھائی بھی ہوں (کلالہ) تو پھر ماں کا حصّہ (۱/۶) ہوگا ۔ (۴ : ۱۱)

(بھائیوں یا بھائی بہنوں کو کیا ملے گا اس کا ذکر آگے آتا ہے ۔)

(۵)۔ اگر متوفی لاولد ہو (کلالہ) اور اس کے ماں باپ بھی ہوں اور بہن بھائی بھی تو :۔

ا۔ اگر ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا حصّہ (۱/۶) ہوگا ۔ (۴ : ۱۲)

ب۔ اگر بھائی بہنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو سب (۱/۳) میں شریک ہوں گے ۔ (۴ : ۱۲)

(بھائی کا حصّہ بہن سے دوگنا کا اصول کارفرما ہوگا)

۶۔ اگر متوفی کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ (کلالہ کی دوسری قسم) تو

ا ۔ اگر متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اس کا حصّہ (۱/۲) ہوگا ۔ (۴ : ۱۷۶)

ب۔ اگر ایک کے بجائے دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ (۲/۳) ہوگا ۔ (دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حصہ ہوگا)۔ (۴ : ۱۷۶) — (ج)۔ اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو سارا ترکہ انہی کا ہوگا اور ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ کا اصول کارفرما ہوگا ۔ (۴ : ۱۷۶)

(د) اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا بھائی ہوگا ۔ (۴ : ۱۷۶)

۷۔ اولاد

متعین حصّے نکالنے کے بعد، بقایا کی تقسیم ۔ اگر صرف بیٹے ہوں تو

(۱) ایک ہی لڑکا ہو تو سارا ۔ (۲)۔ ایک سے زیادہ لڑکے برابر برابر تقسیم کرلیں گے ۔

(۳)۔ اگر صرف بیٹیاں ہوں تو ۔ ایک ہی بیٹی ہو تو (۱/۲) ۔ بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو (۲/۳) میں سب شریک ۔

(۴)۔ لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ہوں تو ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا ۔ (۴ : ۱۱)

۶ ۔ اگر تقسیم ترکہ کے وقت ایسے لوگ بھی موجود ہوں جن کا ترکہ میں کوئی حصہ نہ ہو لیکن وہ مستحقِ امداد ہوں تو (عدالت) انہیں بھی اُن کی دلجوئی کے لئے کچھ دے سکتی ہے ۔ (۴ : ۸)

۷۔ مقررہ حصّے تقسیم کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے ۔ (۴ : ۷) ۔ (۴ : ۹)

۸۔ یہ حدود اللہ ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے اسلامی مملکت جزئی قواعد خود متعین کرے گی۔ (۱۳ : ۴)

۹۔ اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو۔ یا مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ مملکت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

۱۰۔ "معاشی نظام" کے عنوان میں آپ دیکھیں گے کہ جب وہ نظام اپنی تکمیل کو پہنچے گا تو اس میں (ذاتی استعمال کی اشیاء وغیرہ کے سوا) دولت یا جائداد کی شکل میں ترکہ باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے ترکہ یا وصیت وغیرہ کے احکام کا تعلق عبوری دَور سے ہے جب ہنوز قرآن کا معاشی نظام زیرِ تکمیل ہو۔ اس دور میں بھی، قرآن نے اس ذہنیت کی سخت مذمت کی ہے جس کی رُو سے ایک شخص سارے کا سارا ترکہ اپنے لئے سمیٹ کر بیٹھ جائے۔ (۱۹ : ۸۹)۔ قرآن درحقیقت، محنت کرنا سکھاتا ہے۔ بیٹھے بٹھائے دولت یا جائیداد کا مالک بن جانا اس کے نزدیک نظامِ سرمایہ داری کا پیدا کردہ تصور ہے جو قرآن کے معاشی نظام کی ضد ہے۔

یتیم پوتے کی وراثت

وراثت کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں والدؔ صرف باپ کو کہتے ہیں اور ولدؔ (اولاد) صرف بیٹے بیٹیوں کو۔ لیکن عربی زبان میں (اور قرآن کریم کی رُو سے) والدؔ میں باپ۔ دادا۔ پردادا (اوپر تک) سب شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ولدؔ میں بیٹا۔ پوتا۔ پرپوتا (نیچے تک) شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں جہاں والدؔ کا حصہ بیان ہوا ہے، اگر متوفی کا والد (باپ) مرچکا ہو، تو اس کی جگہ اس کا دادا وہی حصہ لے لے گا۔ اسی طرح جہاں ولدؔ (بیٹے۔ بیٹی) کا حصہ مذکور ہے، اگر متوفی کا بیٹا پہلے مرچکا ہو، تو اس کا حصہ اس کے پوتے کو مل جائے گا۔ اسے ذیل کی مثال کی رُو سے سمجھئے۔

زید
|
عمرؔ
|
رشیدؔ

زیدؔ کی وفات پر، ترکہ کا حصہ اس کے بیٹے عمرؔ کو ملیگا۔ لیکن اگر عمرؔ، زید کی زندگی میں مرگیا تھا تو جو حصہ عمرؔ کو (اگر وہ زندہ ہوتا) ملتا، وہ حصہ اب رشیدؔ کو مل جائیگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یتیم پوتے کو اپنے دادا کے ترکہ میں سے وہ حصہ

مل جائے گا جو اس کے مرحوم باپ کو ملتا۔ اگر رشید، زید سے پہلے مر جائے تو اس کے ترکہ میں سے جو حصہ عمر کو جانا تھا وہ اس کے دادا زید کو مل جائے گا۔

نوٹ: ترکہ اور وصیت کے متعلق ہمارا مروجہ قانون (خواہ وہ شرعی ہو یا ملکی) قرآن کے مطابق نہیں۔

۵۔ وزن میزان

کائنات کا سارا نظام، عدل کی بنیادوں پر استوار ہے۔ اسے قرآن کریم نے صحیح صحیح وزن سے تعبیر کیا ہے۔ اور جس طریق وتنظیم سے یہ وزن برقرار رہتا ہے، اسے میزان کہہ کر پکارا گیا ہے۔ عدل (یا توازن برقرار رکھنے) کے مختلف گوشے ہیں۔ مثلاً

۱۔ نظامِ کائنات کا دارومدار صحیح توازن وتناسب پر ہے۔ اگر اس میں کہیں ذرا سا بھی توازن بگڑ جائے تو سارا نظام تہس نہس ہو جائے۔

۲۔ معاشرہ کے قیام کا دارومدار، قانونِ خداوندی کے احترام اور تنفیذ پر ہے۔ اگر اس کے توازن میں فرق آجائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ خود انسان کی اپنی زندگی اور اس کے نظامِ ارتقاء کا دارومدار، قانونِ مکافات پر ہے یعنی یہ کہ انسان کا ہر عمل نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ اسے بھی وزن اور میزان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ قرآن کریم نے ماپ تول کے صحیح رکھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ اس سے مراد صرف دکاندار کا ترازو نہیں۔ اس سے مفہوم معاشی عدل ہے، جس کا دائرہ بڑا وسیع ہے تفصیل اس کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔

نظامِ کائنات میں توازن

۱۔ خدا نے کائنات میں میزان کھڑی کر رکھی ہے۔ (۵۵ : ۷)

۲۔ ہر شے موزون (صحیح صحیح توازن لئے ہوئے) پیدا کی گئی ہے۔ (۱۵ : ۱۹)

معاشی عدل (صحیح ماپ تول) کی تاکید

۱۔ مطففین سب سے بڑے مجرم ہیں۔ یہ معاشی عدل بگاڑتے ہیں۔ (۲-۱ : ۸۳)

۲۔ قومِ مدین (حضرت شعیبؑ کی قوم) کا یہی طریق تھا جس کی وجہ سے وہ تباہ ہوگئی۔ (۸۵ : ۷) (۸۵-۸۴ : ۱۱) - (۱۸۲-۱۸۱ : ۲۶)

۳۔ ماپ تول (معاشی عدل) صحیح رکھنے کی تاکید۔ (۱۵۳ : ۶)-(۳۵ : ۱۷)-(۹-۸ : ۵۵)

قانونِ مکافاتِ عمل (میزانِ قیامت)

۱۔ وزن بالحق ہوگا۔ جس کا (تعمیری) پلڑہ بھاری ہوگا، اسے خوشگواریاں حاصل ہوں گی۔ جس کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا، وہ تباہی کے جہنم میں جائے گا۔ (۹-۸ : ۷)-(۴۷ : ۲۱)-(۱۰۳-۱۰۲ : ۲۳) - (۸-۶ : ۱۰۱)

۲۔ صرف طبیعی زندگی کو زندگی سمجھنے والوں کے اعمال رائگاں جائیں گے ان کیلئے میزان تک کھڑی کرنیکی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۱۰۵ : ۱۸)

نظامِ عدل (میزان) منزل من اللہ

۱۔ خدا نے الکتاب اور المیزان، حق کے ساتھ نازل کیں۔ (۴۲ : ۱۷)۔ اور ان کے ساتھ شمشیرِ خارہ شگاف۔ تاکہ لوگوں میں میزانِ عدل قائم رکھی جاسکے۔ (۲۵ : ۵۷)

(۰)

۶۔ وسوسہ

وسوسہ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں نہایت خفیف سی آواز۔ شکاری دبے پاؤں چلتا ہے تاکہ اس کے پاؤں کی آہٹ سے جانور بدک نہ جائے۔ اس سے وسوسہ کا مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ یہ دساوس، مفسد اور متفنی لوگ بھی پیدا کرتے ہیں۔ انہیں، عصرِ حاضر کی اصطلاح میں (WHISPERING CAMPAIGN) کہتے ہیں۔ اور خود انسان کے اپنے جذبات بھی اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جن سے عزمِ راسخ میں کمزوری لاحق

ہوجائے۔ یہ نفسیاتی عمل کہلائے گا۔ قرآن کریم نے ان ہر دو انواعِ وساوس سے محتاط رہنے کی تاکید ہے۔ (نفسیاتی عمل کی وضاحت کے لئے "شیطان" ۔ "ابلیس" ۔ "جذبات" (ہوئی) کے عنوانات دیکھئے۔ انہیں مخفی قوتیں (جنات) بھی کہا گیا ہے۔

نفسیاتی عوامل سے وسوسہ انگیزی

۱۔ شیطان نے آدم اور اس کی بیوی کے دل میں وسوسہ پیدا کر دیا۔ (۲۰ : ۷) ۔ (۱۲۰ : ۲۰)

۲۔ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کا نفس کس قسم کے وساوس پیدا کرتا رہتا ہے۔ (۱۶ : ۵۰)

انسانی وسوسہ انگیزیاں

۱۔ جنات اور ناس، لوگوں کے دل میں وساوس پیدا کرتے ہیں۔ (جنات اور ناس کے مفہوم کے لئے عنوان جن دیکھئے۔) (۴ : ۱۱۴)

۲۔ یہ خناس۔ یعنی چپکے سے دبے پاؤں آکر، کان میں کچھ پھونکنے اور پھر اسی طرح دبے پاؤں واپس چلے جاتے والے (۴ : ۱۱۴)

۳۔ اس وسوسہ انگیزی سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کا عزمِ مصمم کمزور پڑ جائے۔ (۴ : ۱۱۴)

۴۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان قوانینِ خداوندی کے حصار میں پناہ لے۔ (۱ : ۱۱۳) ۔ (۱ : ۱۱۴)

۷۔ وسیلہ

وسیلہ ۔ ہمارے ہاں تو لفظ وسیلہ کے ایک ہی معنی ہیں ۔ یعنی ذریعہ یا واسطہ۔ لیکن عربی زبان میں اس کے معنی اور بھی ہیں یعنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا ۔ منزلت ۔ مقام ۔ مرتبہ ۔ درجہ ۔ قرب ۔ تعلق ۔ یہ تمام معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف دو جگہ آیا ہے۔ (۳۵ : ۵) اور (۵۷ : ۱۷) میں۔

(۳۵ : ۵) میں ہے ۔ "اے ایمان والو! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور اس کی طرف "وسیلہ" طلب کرو۔" یعنی اس کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔" اس آیت میں لفظ وسیلہ کا غلط مفہوم لے کر اس پر "پیری مریدی" کی ایسی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے جو قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے ایک وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ وسیلہ پیر ہوتا ہے۔ پیر کے بغیر خدا تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا۔

یہ عقیدہ، قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن کی رُو سے، انسان اور خدا کا براہِ راست تعلق قائم ہوتا ہے یعنی جب انسان خدا کے احکام اور قوانین کی اطاعت کرتا ہے تو اس کا تعلق خدا سے قائم ہو جاتا ہے۔ یہ تعلق حاکم اور محکوم۔ عبد اور معبود کا ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی درمیانی واسطہ، ذریعہ یا وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ خدا نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ "اے رسولؐ! جب میرے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں ان کے قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ (۲ : ۱۸۶)۔ اس پکار کے بعد خدا انسان کا مرشد (ہدایت دینے والا) بن جاتا ہے۔ (۲ : ۱۸۶)۔ اس کے سوا کوئی مرشد نہیں ہو سکتا۔ (۱۸ : ۱۷)

آیت (۵ : ۳۵) کے معنی واضح ہیں۔ یعنی خدا کے مقرب ہونے، اس کے ہاں مرتبہ پانے اور مدارج بلند حاصل کرنے کی طلب و جستجو کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور اس کی راہ میں جہاد (جدوجہد) کرو۔ اس سے تمہیں اپنے مقصد پیشِ نظر میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ بات صاف ہے۔

باقی رہے وہ لوگ جو خدا تک پہنچنے کے لئے انسانوں کو وسیلہ یا ذریعہ قرار دیتے ہیں تو قرآن کریم میں ہے کہ جنہیں یہ خدا کا مقرب سمجھ کر دستگیر بناتے ہیں، وہ خود خدا کے ہاں مرتبہ اور مدارجِ بلند کی طلب و آرزو رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو خود قربِ خداوندی کا متلاشی اور طالب ہو، اسے قربِ خداوندی کا وسیلہ یا ذریعہ سمجھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ (۱۷ : ۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی نگاہوں سے قرآن اوجھل ہوا اور اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کی جگہ انسانوں کے نظام اور حکومت نے لے لی۔ تو اسلام کا صحیح تصور ان کی نگاہوں سے غائب ہو گیا اور انہوں نے اس قسم کے غیر قرآنی تصورات و عقائد دوسروں سے مستعار لے کر، انہیں جزوِ اسلام، بلکہ عین اسلام، بنا لیا۔ تصوف، اور اس کے تضمنات، سب غیروں سے مستعار لئے ہوئے نظریات ہیں۔ (تفصیل کے لئے میری کتاب "شاہکارِ رسالت" کا آخری باب ملاحظہ کیجئے)

۸۔ وصیّت

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے ترکہ کے متعلق (اگر اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے تو) وصیت کرے۔ یہ حکم ایسا تاکیدی ہے کہ ایک ہی آیت میں دو مرتبہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ وصیت کے لئے نہ تو یہ کہا گیا ہے کہ اتنے حصے کے لئے وصیت

کی جاسکتی ہے اس سے زیادہ کے لیے نہیں۔ نہ ہی یہ کہ فلاں کے لیے کی جاسکتی ہے اور فلاں کے لیے نہیں۔ ہر شخص اپنے پورے ترکہ کے متعلق جس (یا جس جس) کے حق میں چاہے وصیت کر سکتی ہے۔ (۱۸۰ : ۲)

۲۔ اس حکم کی اہمیت کے پیشِ نظر، قرآن کریم نے اس کے لئے شہادت وغیرہ کی تفصیل بھی خود ہی بیان کر دی ہے۔ (۱۰۸-۱۰۶ : ۵)

۳۔ اگر کوئی سمجھے کہ کسی کی وصیت میں کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو وہ ان میں مصالحت کی کوشش کرے۔ (۱۸۲-۱۸۱ : ۲)

۴۔ وصیت پورے ترکہ کے متعلق ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ ترکہ کا کوئی حصہ وصیت سے باقی رہ جائے (یا مرنے والا کسی وجہ سے وصیت کر نہ سکا ہو۔) تو پھر ترکہ کی تقسیم، وراثت سے متعلق قرآنی احکام کی رو سے کی جائے گی۔ (۱۲-۱۱ : ۴) ۔ (۵)۔ بیوہ کے لئے (ترکہ میں حصہ کے علاوہ) سال بھر کی کفالت کی وصیت بھی ضروری ہے۔ (۲۴۰ : ۲)

ترکہ اور وراثت کے متعلق ہمارا مروجہ قانون (خواہ وہ شرعی قانون ہو یا ملکی) قرآن کے مطابق نہیں۔

۹۔ وضو — تیمم

وضو کا لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اور تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ ہمارے ہاں مبادیاتِ صلوٰۃ کے لئے بطور اصطلاح استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن میں اس سلسلہ میں حسبِ ذیل احکام آئے ہیں۔

۱۔ جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے۔ کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو۔ اور سر کا مسح کر لیا کرو۔ یعنی اسے پونچھ لیا کرو۔ اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو اپنے آپ کو پاک کر لیا کرو۔ لیکن اگر تم مریض ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آئے۔ یا عورت کے پاس ہو کر۔ اور پانی موجود نہ ہو تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرو۔ اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھ پونچھ لو۔ (۶ : ۵)

۲۔ حالتِ جنابت میں صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ۔ تاآنکہ غسل نہ کرو۔ لیکن اگر تم مریض ہو۔ یا سفر میں۔ یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو۔ یا عورت کے پاس سے۔ اور پانی موجود نہ ہو۔ تو تم پاکیزہ مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو پونچھ لو۔ (۴۳ : ۴)

۱۰- وقر

الوقر۔ کان کے بھاری پن (ثقلِ سماعت) یا سماعت کا بالکل جاتے رہنا۔ ان معانی کے لئے یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات میں آیا ہے۔ (۲۵ : ۶) — (۴۶ : ۱۷) — (۵۷ : ۱۸) — (۷ : ۳۱) — (۵ : ۴۱) — (۴۴ : ۴۱)

۲۔ وقار کے معنی بھاری بھرکم ہونا۔ سنجیدگی۔ عظمت۔ قرآن کریم میں ہے کہ تم خدا سے وقار کے طالب کیوں نہیں ہوتے۔ (۱۳ : ۷۱)۔ لہٰذا زندگی کا باوقار ہونا شعار خداوندی میں سے ہے۔

۳۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم رسول اللہ (کے پروگرام) کو باوقار بناؤ۔ (۹ : ۴۸)

۴۔ سورۂ ذاریات میں فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا آیا ہے (۲ : ۵۱)۔ یعنی زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والی جماعتیں۔

(۰)

۱۱- ولی (ولایت - اولیاء)

اس مادہ (و - ل - ی) کے بنیادی معنی کسی کے قریب ہونا ہیں۔ اس جہت سے ولی دوست کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی غلبہ و اقتدار، حکومت وسطوت اور محافظت اور سرپرستی کے بھی ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کی رو سے خدا اور بندے کا تعلق باہمی رفاقت کا ہے۔ اس رفاقت کے معنی یہ ہیں کہ انسان، خدا کے احکام و قوانین کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی تائید و نصرت (ان قوانین کے ثمرات و نتائج کی شکل میں) انسان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ یوں خدا، انسان کا ولی بن جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، جب انسان کو خدا کا ولی کہا جائے گا تو اس کے معنی ہوں گے۔ خدا کے قوانین کی اطاعت کرنے والا۔ اس کے کائناتی پروگرام کو بروئے کار لانے والا۔ اور جب خدا کو انسان کا ولی کہیں گے تو اس کے معنی ہوں گے، ان کی اعمال کے ثمرات عطا کرنے والا۔ یا اس کا کارفرما اور سرپرست۔ حاکم اور محافظ۔ جس کے غلبہ و تسلط (یعنی احاطۂ قوانین) سے باہر نہ جایا جا سکے۔ اس مفہوم کے لئے مولیٰ کا لفظ آیا ہے۔

۳۔ قرآن کی رو سے اولیاء اللہ (خدا کے دلیوں) کا کوئی خاص گروہ نہیں ہوتا۔ تمام مومن، اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ جو ہم میں خاص خاص انسانوں کو اولیاء اللہ سمجھا جاتا ہے، اور ان کی خصوصیت، فوق الفطرت کرامات کا ظہور قرار دی جاتی ہیں۔ تو یہ تصور غیر قرآنی ہے اور دوسرے مذاہب سے مستعار لیا ہوا۔ بالخصوص، عیسائیوں کے طریق رہبانیت کے حامل، (SAINTS) کا عکس۔ پھر سن رکھیئے کہ قرآن کی رُو سے جس طرح ولی المؤمنین ہونا خدا کی صفت ہے، اسی طرح ولی اللہ ہونا ہر مومن کی صفت ہے۔ یعنی ہر مومن، ولی اللہ ہوتا ہے۔

۴۔ انسان ایک دوسرے کے اولیاء (دوست) ہو سکتے ہیں۔ مومن، کن لوگوں کو اپنا دوست بنا سکتا ہے؟ اسے قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس کے لئے عنوان "دوستی" ملاحظہ کیجئے۔ زیرِ نظر عنوان کو خدا اور بندے کی ولایت تک محدود رکھا گیا ہے۔

۵۔ انسان غلط روش اختیار کرے تو وہ خدا کی ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ پھر اسے حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غلط روش کو چھوڑ کر صحیح روش اختیار کرے۔ یہ مفہوم ہے ان آیات کا جن میں کہا گیا ہے کہ (مثلاً) غلط روش پہ چلنے والوں کا خدا کے سوا کوئی ولی اور نصیر نہیں۔

۶۔ یہ مادہ اور بھی بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن ان کا تعلق زیرِ نظر موضوع سے نہیں۔ اس لئے وہ آیات یہاں درج نہیں کی گئیں۔

خدا مومنین کا ولی ہے۔ مولیٰ ہے

۱۔ وہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ (۲ : ۲۵۷)۔ (۳ : ۶۷)

۲۔ خدا متقین کا ولی ہے۔ (۴۵ : ۱۹)۔ صالحین کا۔ (۷ : ۱۹۶)

۳۔ تمہارا ولی خدا، رسولؐ اور جماعتِ مومنین ہے۔ یہاں ولایت کے معنی رفاقت کے ہیں۔ سرپرستی، حاکمیت اور مولائیت کے نہیں، کیونکہ ان معنوں میں خدا کے سوا کوئی اور ولی نہیں ہو سکتا۔ (۵ : ۵۵)

۴۔ مومنین کا اعتراف و اعلان۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ (۷ : ۱۵۵)۔ (۳۴ : ۴۱)

۵۔ خدا مومنین کا، ان کے اعمال کی بنا پر، ولی ہے۔ (۶ : ۱۲۷)

۶۔ خدا، دنیا اور آخرت میں ولی ہے۔ (۱۲ : ۱۰۱)۔ (۷)۔ میدانِ جنگ میں ولی۔ (۳ : ۱۲۲)

۸۔ اولیاء اللہ کو خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ یہ مومنین اور متقین کی خصوصیت ہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی خوشگوار ایاں

ہیں اور آخرت میں بھی - یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے - لہٰذا اولیاء اللہ کی ایک محسوس علامت یہ ہے کہ ان کی اس دنیا کی زندگی سرفرازیوں اور کامیابی کی زندگی ہو - یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے - یہی مومنین کی علامت ہے - (۶۴-۶۲ : ۱۰)

۹- خدا تمہارا مولیٰ ہے - بہترین مولیٰ اور بہترین نصیر - (۱۵۰ : ۳) - (۴۰ : ۸) - (۷۸ : ۲۲) - (۲ : ۶۶) - (۱۰) - مومنین کی پکار - انت مولانا - تو ہی ہمارا مولا ہے - (۲۸۶ : ۲) - (۵۱ : ۹) -

ان آیات سے سمجھ لیجئے کہ خدا کے سوا کسی اور کو (مولانا) یا (مولوی) کہنا، انسان کو کہاں پہنچا دیتا ہے!

(۱۱) خدا، جبریل اور مومنین، رسول اللہ کے مولیٰ تھے - ظاہر ہے کہ جن معنوں میں خدا مولا ہوتا ہے، جبریل اور مومنین ان معنوں میں مولیٰ نہیں ہو سکتے - لہٰذا، جبریل اور مومنین کے مولیٰ ہونے کے معنی دوست اور مددگار کے ہیں - اور خدا کے مولیٰ ہونے کے معنی آقا اور سرپرست کے - یا یہاں مولیٰ کے معنی رفیق کے ہیں - اس صورت میں، خدا - جبریل اور مومنین سب مولیٰ ہو سکتے ہیں - (۴ : ۶۶)

۱۲- خدا مولائے حقیقی ہے - (۶۲ : ۶) - (۳۰ : ۱۰)

۱۳- اتباعِ کتاب اللہ سے خدا مومنین کا ولی ہوتا ہے - (۳ : ۷) - (۲۷ : ۱۳)

مومن، خدا کے ولی ہیں - اولیاء اللہ

۱- اس ولایت کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو کسی ضعف یا عجز کی وجہ سے کسی سہارے کی ضرورت ہے - مومنین کا خدا کا ولی ہونا خود مومنین کے فائدے کے لئے ہے - (۱۱۱ : ۱۷)

۲- اولیاء اللہ کو خوف و حزن نہیں ہوتا - انہی کو مومنین اور متقین کہا جاتا ہے - ان کی دنیا بھی خوشگوار ہوتی ہے - اور آخرت بھی - یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے - (۶۴-۶۲ : ۱۰)

۳- اولیاء اللہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ موت کی تمنا کرتے ہیں - یعنی خدا کی راہ میں جان دینے کے متمنی - (۶ : ۶۲)

۴- جو لوگ کہہ دیں کہ خدا ہمارا رب ہے اور پھر اس پہ استقامت سے کھڑے ہو جائیں - تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو ان سے کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے ولی ہیں اور آخرت میں بھی - اور تمہیں جنت کی بشارت دیتے ہیں - (۳۲-۳۰ : ۴۱)

ولایت بمعنی سرپرستی، حکومت صرف خدا کے لئے ہے۔ وہی مولیٰ ہے

۱۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی ولی اور نصیر نہیں۔ (۲ : ۱۰۷) — (۲ : ۱۲۰) — (۹ : ۷۴) — (۹ : ۱۱۶) — (۲۹ : ۲۲)
(۴۲ : ۳۱) — (۴۲ : ۴۶)

۲۔ خدا کے سوا کوئی اور شفیع نہیں۔ (۶ : ۵۱) — (۶ : ۷۰) — (۳۲ : ۴)

۳۔ کوئی ولی اور واق نہیں۔ (۱۳ : ۳۷)

۴۔ غلبہ۔ تسلط۔ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ ان معانی میں خدا کے سوا کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ (۱۷ : ۱۱۱)۔ (۱۸ : ۲۶)

۵۔ خدا، ولی الحمید ہے۔ (۴۲ : ۲۸) — (۶)۔ خدا کی ولایت اور نصرت کافی ہے۔ (۴ : ۴۵)

۷۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ تم ان کفار کی طرف ذرا نہ جھکنا۔ خدا کے سوا تمہارا ولی کوئی نہیں۔ (۱۱ : ۱۱۳)

۸۔ اللہ کے سوا کوئی ولی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ (۴۵ : ۱۰)۔ ۹۔ ولایت فی الحقیقت خدا کے لئے ہے۔ (۱۸ : ۴۴)

غیر اللہ کو ان معانی میں ولی یا مولیٰ سمجھنا شرک ہے

۱۔ کیا انہوں نے غیر اللہ کو اپنا ولی سمجھ رکھا ہے۔ ولی صرف خدا ہے۔ (۴۲ : ۹)

۲۔ جس نے شیطان کو اپنا ولی بنا لیا وہ تباہ ہو گیا۔ (۲ : ۲۵۷)۔ (۴ : ۱۱۹)۔ (۶ : ۱۲۱) — (۷ : ۲۷)۔
(۷ : ۳۰)۔ (۱۶ : ۶۳) — (۱۸ : ۵۰)

۳۔ ان سے کہو کہ کیا میں غیر اللہ کو اپنا ولی بنا لوں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ (۶ : ۱۴)

۴۔ خدا کی کتاب کا اتباع کرو۔ اس کے سوا اولیاء کا اتباع نہ کرو۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کے ولی بننے سے مراد ہے اس کی کتاب کا اتباع کرنا۔ اور غیر اللہ کو ولی بنانے کا مطلب ہے کتاب اللہ کو چھوڑ کر ان کا اتباع کرنا۔ (۷ : ۳)۔
(۱۳ : ۳۷)۔ (۵)۔ یہ غیر اللہ کو اپنا ولی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔
(۱۳ : ۱۶)۔ (۶)۔ خدا کے بندوں کو اپنا ولی سمجھ لینا کفر ہے۔ (۱۸ : ۱۰۲)

۷۔ قیامت میں یہ (معبودانِ باطل) خود اس سے انکار کریں گے۔ (۲۵ : ۱۸)

۸۔ غیر اللہ کو اپنا اولیاء سمجھنے والوں کی مثال تارِ عنکبوت کی سی ہے۔ (۲۹ : ۴۱)

۹۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انہیں اس لئے اپنا اولیاء بناتے ہیں کہ ان کے ذریعے ہمیں خدا کا تقرب حاصل ہو جائے۔ یہ عقیدہ

باطل اور کفر کا ہے - خدا کا تقرب (احکام الہیہ کی اطاعت سے) براہِ راست حاصل ہو سکتا ہے - اس کے لیے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں - (۳ : ۳۹)

۱۰- ان لوگوں کے اعمال پر خدا کڑی نگاہ رکھتا ہے - (۶ : ۴۲)

۱۱- غیر اللہ، بدترین مولیٰ اور بدترین نصیـــر ہوتے ہیں - (۱۳ : ۲۲)

۱۲- قیامت کے دن کوئی مولیٰ کسی مولیٰ کے کام نہیں آ سکے گا - (مفہوم تابع و متبوع سے ہے - یا عام دوست سے) (۴۱ : ۴۴)

جن کا کوئی ولی (محافظ - سرپرست) نہیں ہو سکتا

۱- ظالمین کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۸ : ۴۲)

۲- غلط راہوں پر چلنے والوں کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۱۷ : ۱۸) - (۴۴ : ۴۲) - نہ ولی نہ مرشد -
(۲۰ - ۱۹ : ۱۱) - (۹۷ : ۱۷)

۳- غلط اعمال کے مرتکب کا خدا کے سوا کوئی ولی نہیں - (۱۲۳ : ۴) - (۱۷۴ : ۴)

۴- منافقین کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۱۷ : ۳۳) - (۵) - اہلِ جہنم کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۶۵ : ۳۳)

۶- جو داعیٔ الی اللہ کی دعوت پر لبیک نہیں کہتا، اس کا خدا کے سوا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۳۲ : ۴۶)

۷- کفار کا کوئی مولیٰ نہیں ہو سکتا - (۱۱ : ۴۷)

متفرقات

۱- نبیٔ اکرمؐ، مومنین کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں - (۶ : ۳۳)

———(٠)———

۱۲- وھاب

وھب کے معنی ہیں بلا مزد و معاوضہ عطا کر دینا - یہیں سے خدا کی ایک صفت الوھاب آئی ہے - (۸ : ۳)-
(۹ : ۳۸) - (۳۵ : ۳۸)

۲۔ مومنوں کو دعا سکھائی گئی ہے کہ ھب لنا من لدنك رحمة - ہمیں اپنی رحمت عطا فرما۔ (۸ : ۳)۔ ازواج اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کی دعا۔ یہ بھی خدا کی موہبت سے ہے۔ (۷۴ : ۲۵)

۳۔ اولاد کے لئے موہبت آیا ہے۔ (مثلاً) حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے سلسلہ میں (۸۴ : ۶) - (۳۹ : ۱۴) - (۵۰-۴۹ : ۱۹) (۷۲ : ۲۱) - (۲۷ : ۲۹)- اور حضرت زکریاؑ کے بیٹے کے سلسلہ میں۔ (۳۸ : ۳)- (۵ : ۱۹) - (۹۰ : ۲۱)- حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ جیسا بیٹا ملنے کے سلسلہ میں۔ (۳۰ : ۳۸)

۴۔ عام اولاد کے سلسلہ میں۔ (۴۹ : ۴۲)- یعنی بیٹے یا بیٹیاں عطا کرنے کے سلسلہ میں۔

۵۔ حضرت مریمؑ کو بیٹا عطا کر دینے کے لئے۔ (۱۹ : ۱۹)

۶۔ حضرت موسیٰؑ کو حضرت ہارونؑ جیسا بھائی مل جانا موہبتِ خداوندی تھی۔ (۵۳ : ۱۹)

۷۔ حضرت ایوبؑ کے اہل و عیال اور رفقا کا دوبارہ مل جانا موہبتِ خداوندی تھا۔ (۴۳ : ۳۸)

۸۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ خدا نے مجھے حکم عطا فرمایا اور رسول بنایا۔ یہ اس کی موہبت ہے۔ (۲۱ : ۲۶)- نبوت تو خالصۃً موہبتِ خداوندی ہے جس میں کسی کے کسب و ہنر کا کوئی دخل نہیں۔ (دیکھئے عنوان نبوت)۔
حضرت ابراہیمؑ نے بھی ایسا ہی کہا۔ (۸۳ : ۲۶)
حضرت سلیمانؑ نے بےمثل مملکت ملنے کی دعا مانگی۔ (۳۵ : ۳۸)

۹۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے وقت کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مجھے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ بتا دے گا۔ اس کے بعد دعا مانگی کہ انہیں صالح اولاد عطا ہو تو خدا نے بیٹے کی بشارت دی۔ (۱۰۰-۹۸ : ۳۷)۔

۱۰۔ رسول اللہؐ کی ایک بیوی نے ہبہ کے طور پہ آپ سے نکاح کیا تھا۔ (۵۰ : ۳۳)- تفصیل رسولؐ کے عنوان میں دیکھئے۔

(نوٹ :۔ فقہ میں ہبہ سے مراد ایسا عطیہ ہے جو بلاقیمت دیا جائے)

ھ

۱- ہاروت و ماروت

یہودیوں نے جو افسانے تراش رکھے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ خدا نے بابل میں دو فرشتے بھیجے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے اور انہیں شرک کی تعلیم دیتے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ سب خرافات ہیں۔ نہ خدا نے کوئی ایسے فرشتے بھیجے۔ نہ انہیں جادو سکھایا۔ (۲ : ۱۰۲)

قرآن کریم میں ان کا ذکر اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(-)

۲- ہجرت

رسول کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ وحیٔ خداوندی کے مطابق نظام متشکل کرے۔ اس کے لئے وہ پہلے اس سرزمین میں کوشش کرتا ہے۔ جس میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ دیکھے کہ وہاں کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں، تو وہ، پاؤں توڑ کر وہیں بیٹھا نہیں رہتا۔ وہ کسی ایسی سرزمین کی طرف چلا جاتا ہے۔ جہاں کا ماحول اس کے مشن کے لئے زیادہ سازگار ہوتا ہے۔ اسے اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی کسی چیز کو چھوڑ کر اس سے الگ ہو جانا ہیں۔ اس ہجرت میں صرف وطن چھوڑنا ہی مقصود نہیں ہوتا۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے جو کچھ بھی چھوڑنا پڑے، وہ وسیع معانی کے اعتبار سے، ہجرت کے اندر آجائے گا۔

قرآن کریم سے مترشح ہوتا ہے کہ قریب قریب ہر رسول کو ہجرت کرنی پڑی۔ حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ میں تو لفظ بھی یہی (انی مھاجرٌ الی ربی۔ ۲۹:۲۶) آیا ہے۔ دوسری جگہ اسے ذاہب الی ربی کہا گیا ہے۔ (۳۷ : ۹۹)۔ لیکن اس

عمل نے ایک متعین پروگرام کی شکل نبیؐ اکرمؐ کے مشن میں اختیار کی جب حضورؐ اور آپ کے رفقاءؓ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے اور آتے رہے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے ان آنے والوں کی اسقدر امداد کی کہ قرآن نے انہیں انصار کہہ پکارا۔ چنانچہ وہ مہاجرین اور انصار اسی نسبت سے پکارے گئے ہیں۔

مہاجرین کے مدارج

۱۔ مہاجرین رحمتِ خداوندی کے امیدوار تھے۔ (۲۱۸ : ۲)
۲۔ ان کی سیّئات دور کر دی گئی تھیں۔ (۱۹۵ : ۳)
۳۔ مہاجرین اور مجاہدین کے درجات بلند۔ ان کے لئے جنت کی بشارت۔ (۲۲-۲۰ : ۹)
۴۔ جنہوں نے ظلم اٹھا کر ہجرت کی انہیں دنیا میں بھی اچھی پناہ ملے گی اور آخرت میں بھی اجرِ کبیر۔ (۴۱ : ۱۶)-(۱۱۰:۱۶)
۵۔ ہجرت کرنے والے قتل ہو جائیں یا مر جائیں انہیں رزقِ حسنہ ملے گا۔ (۱۰۰ : ۴)-(۵۸ : ۲۲)
۶۔ مہاجرین میں سے جن کی تم مدد کرتے تھے۔ ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی امداد سے دست کش نہیں ہونا چاہیئے۔ (واقعۂ اِفک کے بعد یہ حکم آیا تھا)۔ (۲۲ : ۲۴)
۷۔ مالِ فے میں سے ضرورت مند مہاجرین کا حصہ۔ (۸ : ۵۹)

مہاجرین و انصار

۱۔ انصارِ مدینہ نے بڑی خندہ پیشانی سے مہاجرین کا استقبال کیا۔ اور خود تنگی میں گذارہ کر کے ان کی ضروریات کو اپنے اوپر ترجیح دی۔ (۹ : ۵۹)
۲۔ مہاجر و انصار ایک دوسرے کے دوست اور سرپرست ہیں۔ (۷۲ : ۸)
۳۔ مہاجر و انصار دونوں مومنِ حقاً (پکے اور سچے مومن) ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ اور جنہوں نے بعد میں ہجرت کی وہ بھی انہی میں شامل ہیں۔ (۷۵-۷۴ : ۸)
۴۔ مہاجر و انصار بے شک بھائی بھائی ہیں لیکن قانون کی رو سے ان کی حیثیت اولوالارحام کی نہیں۔ (۷۵ : ۸)۔ (۶ : ۳۳)۔ (۵)۔ ہجرت میں سابقت کرنے والے اور انصار، اور ان کا اتباع کرنے والے حسن کارانہ انداز سے ان سب سے خدا راضی ہو گیا۔ اور وہ خدا سے راضی ہو گئے۔ ان کے لئے جنت تیار کر دی گئی ہے (۱۰۰ : ۹)۔

(ضمناً۔ قبل از فتح مکہ اور بعد فتح انفاق اور جہاد کرنے والوں میں فرق (۱۰ : ۵۷) میں بیان ہوا ہے۔ لیکن وعدۂ حسنیٰ سب کے لئے ہے)

۶۔ مہاجرین اور انصار نے ساعتِ عسرۃ میں حضورؐ کا اتباع کیا۔ خدا ان کی طرف پلٹ آیا۔ (۱۱۷ : ۹)

ہجرت کا عمومی ذکر

۱۔ حضورؐ کے ساتھ ہجرت کرکے آنے والی خواتین۔ (۵۰ : ۳۳)

۲۔ جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان سے ولایت کا معاملہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ البتہ اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد مانگیں تو ان کی مدد کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہوچکا ہے (۸ : ۷۲) — (۴ : ۸۹)

۳۔ ہجرت نہ کرنے والوں پر موت کے وقت عذاب۔ ان سے کہا جائے گا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی۔ جو تم معذوری ظاہر کرتے ہو کہ ہم کیا کرتے، ہم ضعیف و ناتواں تھے۔ تم دوسری جگہ ہجرت کرکے کیوں نہ چلے گئے۔ (۴ : ۹۷)

۴۔ ہجرت کرنے والے کو زمین میں وسیع جائے پناہ اور وسائل لاانتہا مل جائیں گے۔ (۴ : ۱۰۰)

۵۔ ہجرت کرکے آنے والی عورتوں کا امتحان کرلیا کرو۔ (۶۰ : ۱۰)

۲۔ ہدایت

ھدایت۔ اس مادہ (ھ۔ د۔ ی) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں واضح، نمایاں اور روشن ہونا۔ چنانچہ اس چٹان کو جو پانی میں ابھری ہوئی دور سے نظر آجائے۔ ھَادِیَۃ کہتے ہیں، لہٰذا ہدایت سے مراد ایسی راہ نمائی ہے جو نہایت واضح اور روشن ہو۔ اس میں کسی قسم کا ابہام یا التباس، الجھاؤ یا پیچیدگی نہ ہو۔

اس کے دوسرے معنی کسی کے آگے آگے چلنا ہیں۔ اس سے، اس کا مفہوم راہ نمائی ہوتا ہے۔ یعنی راستہ دکھانے والا خود آگے آگے چل کر راستہ دکھاتا ہے۔

۲۔ خدا نے کائنات کو پیدا کیا تو ہر شے کو بتا دیا کہ اس کی منزلِ مقصود کونسی ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ کونسا۔

اشیائے کائنات میں یہ ہدایت، ان کے اندر رکھ دی گئی۔ اسے ان اشیاء کی فطرت یا جبلت کہا جاتا ہے۔ لیکن انسان کے اندر یہ راہ نمائی نہیں رکھی گئی۔ اسے یہ راہ نمائی وحی کے ذریعے عطا کی گئی جو عام انسانوں تک حضرات انبیاءکرام کے ذریعے پہنچی۔ ختمِ نبوت کے بعد، یہ راہ نمائی خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے اندر محفوظ ہے۔ اب انسانوں کے لئے ہدایت یہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور ہدایت نہیں۔ اگر انسانی عقل سے اس راہ نمائی کی روشنی میں کام لیا جائے تو انسان نہایت امن و سلامتی سے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

۳۔ ہدایت خدا نے عطا کر دی۔ اب یہ انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے کہ وہ اس کے مطابق چلے یا کوئی اور راستہ اختیار کرلے۔ "کوئی اور راستہ اختیار کرنے" کو ضلالت یا گمراہی کہا جاتا ہے۔ "ضلالت" کو ہم نے الگ عنوان کے تحت لکھا ہے۔

۴۔ بعض آیات سے ایسا مترشح ہوگا کہ "خدا جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے"۔ یہ مفہوم قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کی رُو سے سیدھے راستے پر چلنے یا اُسے چھوڑ دینے کی ذمہ داری انسان پر ہے اور یہی اس کی وہ ذمہ داری ہے جس کی بنا پر وہ اپنے اعمال کا جواب دِہ قرار پاتا ہے۔ یعنی اسے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔ اس قسم کی آیات کے صحیح مفہوم کے لئے مشیت اور تقدیر کے عنوانات دیکھنے چاہئیں[1]۔ زیرِ نظر عنوان میں، ہم ان آیات کو بلا تشریح درج کر دیں گے۔

۵۔ رسول کا فریضہ، ہدایتِ خداوندی کو لوگوں تک پہنچا دینا تھا۔ انہیں زبردستی راستے پر لگا دینا اس کی ذمہ داری نہیں تھی۔ ھَدَیٰ کے معنی راستے کو پہچنوا دینا۔ واضح کر دینا، ہوتے ہیں۔ حضورؐ کے بعد، قرآن کریم کے معلّمین کا بھی یہی فریضہ ہے۔

۶۔ بعض آیات میں کہا گیا ہے کہ مثلاً کافرین۔ ظالمین۔ فاسقین وغیرہ کو ہدایت نہیں ملتی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان لوگوں پر ہدایت کے راستے بند ہیں۔ اس قسم کی آیات سے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی قوم ظلم و ستم اور جور و استبداد کی روش چھوڑنے پر تیار نہ ہو، اور یہ چاہے کہ اس کے باوجود اسے ہدایت حاصل ہو جائے تو ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ وہ چلتا تو رہے مشرق کی طرف لیکن پہنچ جائے اس منزل پر جو مغرب کی طرف واقع ہے تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اسے یہ طے کرنا ہوگا کہ اگر وہ مطمئن ہو گیا کہ منزلِ مقصود مغرب کی جانب ہے تو وہ اپنا رخ مغرب کی طرف کرے گا۔ اس ذہنیت کے ساتھ بات سمجھنے پر آمادہ ہو جانے والے کے لئے اس بات کا امکان ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرے۔

---

[1] مسئلہ تقدیر و مشیت کی تفصیلی بحث میری تصنیف "کتاب التقدیر" میں ملے گی۔

۷۔ "خدا کی طرف سے ہدایت ملتی ہے" سے مراد یہ ہے کہ خدا نے ہدایت، قرآن کے اندر دے دی ہے۔ اب جس نے ہدایت حاصل کرنی ہے، قرآن سے حاصل کرے۔

ہدایت خدا کی طرف سے ملتی ہے

۱۔ تحویلِ قبلہ ان لوگوں پر گراں نہیں گزرا جنہیں خدا نے ہدایت دی تھی۔ (۲ : ۱۴۳)

۲۔ خدا، ان لوگوں کو جو ایمان لائیں، ہدایت دیتا ہے جس سے ان کے اختلافات ختم ہو جائیں۔ (۲ : ۲۱۳)

۳۔ خدا نے ہر شے کو پیدا کیا اور اسے ہدایت دی۔ (۲۰ : ۵۰) ۔ (۸۷ : ۳) ۔ (۳ : ۸۶) ۔ (۹۲ : ۱۲)

۴۔ خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت دی۔ (۲۰ : ۱۲۲)

۵۔ خدا نے جو تمہیں ہدایت دی ہے تو اس کی قدر دانی کرو۔ (۲ : ۱۸۵) ۔ اس کا کلمہ بلند کرو۔ (۲۲ : ۳۷)

۶۔ احکامِ حج کے بعد کہا کہ جس طرح اللہ نے تمہیں ہدایت دی ہے اس کے مطابق اس کا ذکر کرو۔ (۲ : ۱۹۸)

۷۔ ہدایت دینا خدا کا احسان ہے۔ (۴۹ : ۱۷)

۸۔ حقیقی ہدایت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملے۔ (۲ : ۱۲۰) ۔ (۳ : ۷۲) ۔ (۶ : ۷۱) ۔ (۷ : ۱۷۸) ۔ (۱۷ : ۹۷) ۔ (۱۸ : ۱۷) ۔ (۹) ۔ اہلِ جنت کہیں گے کہ خدا نے ہماری راہ نمائی اس کی طرف کر دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ (۷ : ۴۳)

۱۰۔ باطل پرست پیشوایانِ مذاہب اپنے متبعین سے جہنم میں کہیں گے کہ اگر اللہ ہماری ہدایت کرتا تو ہم تمہاری بھی ہدایت کرتے۔ (۱۴ : ۲۱)

۱۱۔ مومنین کی دعائیں کہ ہدایت ملنے کے بعد ہمارے دل بے راہ رَو نہ ہو جائیں۔ (۳ : ۸)

۱۲۔ اگر یہ منافق، خلوص اختیار کر لیتے ہم انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتے۔ (۴ : ۶۸)

۱۳۔ جسے اس کی طرف سے ہدایت نہ ملے اسے کوئی سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتا۔ (۴ : ۸۸) ۔ (۷ : ۱۸۶) ۔ (۱۳ : ۳۳) ۔ (۲۹ : ۳۰) ۔ (۲۳ : ۳۹) ۔ (۳۶ : ۳۹) ۔ (۳۳ : ۴۰)

۱۴۔ اے رسولؐ! ایسا نہیں کہ جسے تو پسند کرے وہ ضرور ہدایت کی راہ اختیار کرلے۔ ہدایت قانونِ مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ (۵۶ : ۲۸)

۱۵۔ جسے خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ (۳۷ : ۳۹)

۱۶۔ جو خدا پہ ایمان لاتا ہے۔ اس کے قلب کو خدا ایسی راہ نمائی دے دیتا ہے۔جس سے وہ مصائب سے بچ جاتا ہے۔ (۱۱ : ۶۴)

۱۷۔ حق ——کی طرف ہدایت صرف خدا کرتا ہے۔معبودانِ باطل نہیں۔ (۳۵ : ۱۰)۔ اس لئے اتباع صرف خدا کی طرف سے عطا کردہ حق کا کرنا چاہیئے۔ (۳۵ : ۱۰)

۱۸۔ خدا حق کی بات کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۴ : ۳۳)۔ (۶ : ۳۴)

۱۹۔ خدا اقوامِ سابقہ کی سرگزشتوں سے عبرت دلاتا ہے۔ (۲۶ : ۴)

۲۰۔ خدا سے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کی آرزو کرتے رہنا چاہیئے۔ (۲۴ : ۱۸)

۲۱۔ جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو حضرت موسےٰؑ نے کہا کر گھبراؤ نہیں۔ خدا ہماری راہ نمائی کرے گا۔ (۶۲ : ۲۶)۔ (۲۲)۔حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے وقت کہا کہ خدا میری راہ نمائی کریگا۔ (۹۹ : ۳۷)۔(۲۷ : ۴۳)

۲۳۔ حضرت موسےٰؑ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا کہ خدا میری راہ نمائی کرے گا۔ (۲۲ : ۲۸)

۲۴۔ اہلِ جنت کی صراطِ حمید کی طرف راہ نمائی۔ (۲۴ : ۲۲)

۲۵۔ ہدایت وحی کے ذریعے ملتی تھی - اب بھی وحی (قرآن) ہی کے اندر ہے۔ (۵۰ : ۳۴)

۲۶۔ یہودی یا نصرانی ہو جانے سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ (۲ : ۳)۔ (۳۷- ۱۳۵ : ۳)۔

۲۷۔ اہلِ جنت کا تشکرانہ اعتراف کہ اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے۔ (۴۳ : ۷)

۲۸۔ خدا کی ہدایت کافی ہے۔ (۳۱ : ۲۵)

۲۹۔ خدا نے بنی آدم سے کہہ دیا کہ میری طرف سے ہدایت آئے گی۔ جو اس کا اتباع کرے گا وہ خوف و حزن سے مامون رہے گا۔ (۳۸ : ۲)۔ (۱۲۳ : ۲۰)۔ (۳۰) تمام انبیاء کی طرف ہدایت آتی رہی تھی۔ (۸۹ : ۶)

۳۱۔ خدا، قرآن کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ (۲۳ : ۳۹)

۳۲۔ ان کے خدا کی طرف سے ہدایت آگئی۔ (۲۳ : ۵۳)۔ (۳۳)۔ہدایت دینا خدا کے ذمے ہے۔ (۱۲ : ۹۲)

۳۴۔ خدا نے ہدایت بھیجی۔تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ اگر ہماری طرف ہدایت آتی تو ہم اس کے مطابق چلتے۔ (۱۵۸ : ۶)۔(۴۲ : ۳۵)

۳۵۔ ہدایت یہ وہی ہے جو خدا کی عطا کردہ ہدایت کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ (۱۷۸ : ۷)۔ (۹۷ : ۱۷)۔(۱۷ : ۱۸)
(۴۲ : ۳۵)

ہدایت اور مشیت

۱۔ خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (۱۴۲ : ۲)۔ (۲۱۳ : ۲)۔ (۸۹ : ۶)
(۲۵ : ۱۰)۔ (۴۶ : ۲۴)

۲۔ خدا کی مشیت میں ہوتا تو وہ تمام انسانوں کو جبراً راہِ راست پر چلاتا۔ (۳۵ : ۶)۔ (۱۴۹ : ۶)۔ (۳۱ : ۱۳)
(۹ : ۱۶)۔ (۱۳ : ۳۲)

۳۔ حضرت موسٰےؑ نے خدا سے کہا کہ ہدایت تیری مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ (۱۵۵ : ۷)

۴۔ اے رسولؐ! یہ ضروری نہیں کہ جسے تو پسند کرے وہ ضرور ہدایت اختیار کرے۔ یہ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۵۶ : ۲۸)۔ یہ رسول کی ذمہ داری ہی نہیں۔ (۲۷۲ : ۲)

۵۔ من یشاء کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو گمراہ رہنا چاہے، وہ گمراہ رہتا ہے۔ جو ہدایت لینا چاہے اسے ہدایت مل جاتی ہے۔ اس قسم کی آیات دوسرے عنوان میں دیکھئے جہاں کہا گیا ہے کہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہے، اسے ہدایت مل جاتی ہے۔

۶۔ خدا ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا شرحِ صدر کر دیتا ہے۔ (۱۲۵ : ۶)۔ تشریح کے لئے دیکھئے عنوان تقدیر۔

جو چاہے ہدایت حاصل اور اختیار کرے

۱۔ عذاب آنے سے پہلے کتاب اللہ کا اتباع کر لو تاکہ بعد میں تم یہ نہ کہو کہ اگر خدا ہماری ہدایت کرتا تو ہم بھی متقین میں سے ہوتے۔ (۵۷ : ۳۹)

۲۔ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے اختیار کرے۔ جی چاہے اس سے انکار کر دے۔
(۲۹ : ۱۸)۔ (۳ : ۷۶)۔ (۱۰ : ۹۰)

۳۔ خدا نے قومِ ثمود کو ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی۔ (۱۷ : ۴۱)

۴۔ قومِ فرعون کے مردِ مومن نے اپنی قوم سے کہا کہ میرا اتباع کرو۔ میں تمہیں صحیح راستے پر لے چلوں گا ——
(۲۹ : ۴۰)۔ (۳۸ : ۴۰)

۵۔ جو اندھا بن بیٹھے اسے، اے رسولؐ! تو کیسے ہدایت دے سکتا ہے۔ (۴۳ : ۱۰)۔ (۸۱ : ۲۷) ——
(۵۳ : ۳۰)۔ (۴۰ : ۴۳)

۶۔ جو جدوجہد کرے اسے خدا اپنی طرف لے جانے والوں راستوں کی راہ نمائی کر دیتا ہے۔ (۶۹ : ۲۹)

۷۔ جو اتباعِ رضوان اللہ کرے اسے سلامتی کے راستوں کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے۔ (۱۶ : ۵)

۸۔ جو اس کی طرف رجوع کرے اسے ہدایت ملتی ہے۔ (۲۷ : ۱۳) — (۱۳ : ۴۲)

۹۔ من یشاء کے معنی۔ جو ہدایت لینا چاہے اسے ہدایت مل جاتی ہے۔ جو گمراہ رہنا چاہے وہ گمراہ رہتا ہے۔ (۲۷ : ۱۳)
(۴ : ۱۴) — (۹۳ : ۱۶) — (۱۶ : ۲۲) — (۳۵ : ۲۴) — (۴۶ : ۲۴) ——
(۸ : ۳۵) — (۲۳ : ۳۹) — (۳۱ : ۷۴)

۱۰۔ جو غلط راستہ اختیار کرے اسے غلط راستے پر چلایا جاتا ہے۔ (۵ : ۶۱)

۱۱۔ خدا، ایمان کی بنا پر ہدایت دیتا ہے۔ (۹ : ۱۰) — (۵۴ : ۲۲)

۱۲۔ فی سبیل اللہ جنگ کرنے والوں کو۔ (۵-۴ : ۴۷)۔ (۱۳)۔ مومنین کی دعا۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ (۶ : ۱)

۱۴۔ اعتصام باللہ سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت۔ (۱۰۰ : ۳)

۱۵۔ جو قرآن سے ہدایت حاصل کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ (۱۰۸ : ۱۰)۔ جو غلط راستہ اختیار کرے گا، اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا۔ (۱۵ : ۱۷) — (۹۲ : ۲۷) — (۴۱ : ۳۹)

۱۶۔ جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ عملِ صالح کرے۔ پھر صحیح راستے پر چلے۔ اس کے لئے مغفرت ہے۔ (۸۲ : ۲۰)

۱۷۔ اگر یہ (اہلِ کتاب) اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ صحیح راستے پر چل سکیں گے۔ (۱۳۷ : ۲)

۱۸۔ اگر یہ اپنا سر تسلیم خم کر دیں تو پھر صحیح راستے پر ہوں گے۔ اگر اعراض برتیں تو تمہاری ذمہ داری ختم ہوگئی۔ (۲۰ : ۳)

۱۹۔ صحیح راستے پر چلنے والوں کی ہدایت خدا زیادہ کر دیتا ہے۔ (۷۶ : ۱۹)۔ یعنی جو صحیح راستے پر چلتا ہے اس کے سامنے مزید کشادگی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ (۱۷ : ۴۷)

۲۰۔ تم اپنی ذات کا خیال رکھو۔ اگر تم سیدھے راستے پر چلو گے تو غلط راستے پر چلنے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (۱۰۵ : ۵)

۲۱۔ جو راستہ کے خطرات سے بچ کر چلنا چاہے۔ متقین۔ قرآن اس کے لئے ہدایت ہے۔ (۲ : ۲)

۲۲۔ مومنین کی خصوصیات بیان کرکے کہا کہ یہ لوگ ہدایت پر ہیں۔ (۵ : ۲) — (۵ : ۳۱)

۲۳۔ قرآن مومنین کے لئے ہدایت ہے۔ (۹۷ : ۲)

۲۴۔ ثمود کی طرف ہدایت بھیجی تھی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ (۱۷ : ۴۱)

۲۵۔ راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنے والے اور جانیں دیدینے والے، ہدایت پر ہیں۔ (۱۵۷ : ۲)

۲۶۔ ایمان والے۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے۔ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۱۸ : ۹)

۲۷۔ قانونِ مکافات سے انکار کرنے والے ہدایت یافتہ نہیں۔ (۴۵ : ۱۰)

ہدایت قرآن کریم کے اندر ہے۔ کتبِ سابقہ میں بھی ہدایت ہوتی تھی

۱۔ ہدایت کتاب اللہ کے اتباع میں ہے۔ (۵۷ : ۳۹)۔ یہی حق ہے۔ (۳۵ : ۱۰)۔ (۲۳ : ۳۹)

۲۔ نیک نیت قرآن سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ بدنیت اور غلط بیں اس سے ضلالت خریدتے ہیں۔ (۲۶ : ۲)

۳۔ یہ قرآن اسی راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو اقوم ہے۔ (۹ : ۱۷)

۴۔ آیاتِ بینات سے ہدایت۔ (۱۵۷ : ۶)۔ (۵۲ : ۷)۔ (۲۰۳ : ۷)۔ (۶۴ : ۱۶)۔ (۸۹ : ۱۶)۔
(۱۰۲ : ۱۶)۔ (۱۶ : ۲۲)

۵۔ یہ نور، عملی نور ہے۔ اس کے ذریعے خدا ہدایت دیتا ہے۔ (۳۵ : ۲۴)

۶۔ قرآن حق کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (۵۷ : ۱۰)۔ (۱۱۱ : ۱۲)۔ (۳۰ : ۴۶)۔ (۲ : ۷۲)

۷۔ یہ نور ہے۔ برہان ہے۔ اس کے ساتھ اعتصام سے ہدایت ملتی ہے۔ (۱۷۴-۱۷۵ : ۴)۔ (۵ : ۱۴)

۸۔ الحق خدا کی طرف سے آگیا جو ہدایت حاصل کرنا چاہے، حاصل کرلے۔ (۱۰۸ : ۱۰)۔ (۲۹ : ۱۸)۔ (۴۱ : ۳۹)

۹۔ رسول کو ہدایت وحی کے ذریعے ملتی تھی۔ (۵۰ : ۳۴)

۱۰۔ کتابِ موسیٰ میں بھی (اپنے وقت میں) ہدایت تھی۔ (۵۳ : ۲)۔ (۴۹ : ۲۳)۔ انجیل میں بھی۔ (۴ : ۳)
(۴۴-۴۶ : ۵)۔ (۹۱ : ۶)۔ (۱۵۴ : ۶)۔ (۱۵۴ : ۷)۔ (۲ : ۱۷)۔ (۲۳ : ۲۲)۔ (۵۳ : ۴۰)
(۵۴ : ۴۰)۔ (۱۱)۔ خدا تبیینِ آیات کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو۔ (۱۰۳ : ۳)

۱۲۔ قرآن کریم سے ہدایت ملتی ہے۔ (۲ : ۲۷)۔ (۷۷ : ۲۷)۔ (۹۲ : ۲۷)۔ (۴۳ : ۲۸)

۱۳۔ قرآن ان کے لئے ہدایت ہے جو راستے کے خطرات سے بچ کر چلنا چاہیں۔ متقین۔ (۲ : ۲)

۱۴۔ قرآن جو قلبِ نبوی پر نازل ہوا، ہدایت ہے۔ (۹۷ : ۲)

۱۵۔ ہدایت قرآن میں ہے۔ [اسے چھپانا باعثِ لعنتِ خداوندی ہے]۔ (۱۵۹ : ۲)۔ (۱۸۵ : ۲)۔ (۱۳۸ : ۳)
(۱۱۵ : ۴)۔ (۳ : ۳۱)

۱۶۔ قرآن مصدق ہے کتبِ سابقہ کا۔ اور ہدایت ہے متقین کے لئے۔ (۴۶ : ۵)

۱۷۔ قرآن، ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے۔ (۴۴ : ۴۱) ۔ (۲۰ : ۱۱ : ۴۵)

مومنین دوسروں کو بھی ہدایت دیتے ہیں

۱۔ قومِ فرعون کا مردِ مومن ۔ (۲۹ : ۴۰) ۔ (۳۸ : ۴۰)

۲۔ قومِ موسیٰؑ کے آئمہ، حق کے ساتھ ہدایت دیتے تھے اور اس کے مطابق عدل کرتے تھے۔ (۱۵۹ : ۷) ۔ (۱۸۱ : ۷)
(۷۳ : ۲۱) ۔ (۲۴ : ۳۲) ۔

۳۔ اگر تم مشرکین کو ہدایت کی طرف دعوت دو تو وہ کبھی تمہارا اتباع نہیں کریں گے۔ (۱۹۳ : ۷) ۔ (۱۹۸ : ۷)

ہدایت رسولوں کے ذریعے ملتی تھی

۱۔ خدا نے اپنے تمام رسولوں کو ہدایت دی تھی۔ انہی کے راستے (یعنی خدا کی ہدایت) پر چلنا چاہیئے۔ (۸۴ ، ۶) ۔
(۸۸ : ۶) ۔ (۹۰ ، ۶۱) ۔ (۱۲ : ۱۴) ۔ (۵۸ : ۱۹)

۲۔ رسول اللہ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں تھے تو خدا نے انہیں ہدایت دی۔ (۷۱ : ۶) ۔ (۱۶۱ : ۶)
(۴۸ : ۲) ۔ (۷ : ۹۳)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے مجھے ہدایت دی ہے۔ (۷۷ : ۶) ۔ (۸۰ : ۶)

۴۔ (حضرت) موسیٰؑ اور ہارون کو ہدایت دی۔ (۱۱۸ : ۳۷)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ میرا اتباع کرو۔ میں تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دوں گا۔ (۴۳ : ۱۹)

۶۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میں تمہاری راہ نمائی خدا کے راستے کی طرف کر دوں گا۔ (۱۹ : ۷۹)

۷۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ رسول جسے چاہتا راہِ راست پر لے آتا۔ وہ خدا کی ہدایت لوگوں تک پہنچا دیتا تھا۔ ہدایت قانونِ مشیت کے مطابق حاصل ہوتی تھی۔ (۳۷ : ۱۶) ۔ (۵۶ : ۲۸) ۔ یہ رسول کی ذمہ داری ہی نہیں تھی (۲۷۲ : ۲)

۸۔ رسول، اپنے کسب و ہنر سے خدا سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ خدا اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا اس منصب کے لئے منتخب کر لیتا۔ وہ رسول، خدا سے وحی پا کر لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا۔ (۱۳ : ۴۲) ۔ (۵۲ : ۴۲)

۹۔ لوگ کہتے تھے کہ کیا ایک بشر ہمیں ہدایت دے گا؟ (۶ : ۶۴)

۱۰۔ جھگڑا کرنے والے اپنا مقدمہ حضرت داؤدؑ کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ ہماری راہ نمائی صحیح راستے کی طرف کر دیجئے۔ (۲۲ : ۳۸)۔ (۱۱)۔ رسول اللہؐ نے کہا کہ اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ وحی کی بدولت ہے۔ (۵۰ : ۳۴)۔ اور اگر غلطی کرتا ہوں تو وہ میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

۱۲۔ رسول کا فریضہ ہدایت کا پہنچا دینا ہے۔ اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو تم سیدھے راستے پر چل سکو گے۔ (۱۵۸ : ۷)۔ (۵۴ : ۲۴)۔ (۱۳)۔ رسول بھیج کر اتمام نعمت کیا تاکہ تم ہدایت پا سکو۔ (۱۵۰-۱۵۱ : ۲)

۱۴۔ خدا تبیینِ آیات کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پا سکو۔ (۱۰۳ : ۳)

۱۵۔ رسول اللہؐ کو ان لوگوں کی طرف بھیجا جن کی طرف اس سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا۔ (۳ : ۳۲)

۱۶۔ ہر قوم کی طرف ہادؔ (ہدایت دینے والا) بھیجا گیا۔ (۷ : ۱۳)

۱۷۔ خدا نے رسول کو ہدایت اور دین الحق دے کر بھیجا۔ (۳۳ : ۹)۔ (۲۸ : ۴۸)۔ (۹ : ۶۱)

۱۸۔ اے رسولؐ! تو لوگوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دے۔ تو صراطِ مستقیم پر ہے۔ (۶۷ : ۲۲)

۱۹۔ خدا جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے۔ (۸۵-۸۶ : ۲۸)

۲۰۔ رسولوں کا اتباع کرو جو راہِ راست پر ہیں اور تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتے۔ (۲۱ : ۳۶)

ہدایت کسے نہیں مل سکتی

۱۔ جو پہلے ہی طے کرلے کہ مجھے ماننا ہی نہیں (کافر) اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۲۶۴ : ۲)۔ (۱۶۸ : ۴)۔ (۶۷ : ۵)۔ (۳۷ : ۹)

۲۔ جو ظلم کی روش نہ چھوڑنا چاہے اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۲۵۸ : ۲)۔ (۸۶ : ۳)۔ (۵۱ : ۵)۔ (۱۴۴ : ۶)۔ (۱۹ : ۹)۔ (۱۰۹ : ۹)۔ (۱۰ : ۴۶)۔ (۷ : ۶۱)۔ (۵ : ۶۲)

۳۔ جو ایمان کے بعد کفر اختیار کرے۔ (۸۶ : ۳)۔ (۱۳۷ : ۴)۔ (۲۵ : ۴۷)

۴۔ قومِ فاسقین کو ہدایت نہیں ملتی۔ (۱۰۸ : ۵)۔ (۲۴ : ۹)۔ (۸۰ : ۹)۔ (۵ : ۶۱)۔ (۶ : ۶۳)

۵۔ جو گمراہ رہنا چاہے اسے ہدایت نہیں ملتی۔ (۳۷ : ۱۶)

۶۔ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو ترجیح دے، وہ کافر ہے۔ اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۱۰۷ : ۱۶)

۷۔ جو وحی کی روشنی کے بغیر اپنے جذبات کا اتباع کئے چلا جائے۔ وہ سب سے زیادہ گمراہ ہے۔ انہی کو ظالم کہتے ہیں۔

(۴۵ : ۲۳) — (۲۸ : ۵۰)

۸۔ کاذب کفار کو نہیں مل سکتی۔ (۳ : ۳۹) - مسرف کذاب کو نہیں۔ (۲۸ : ۴۰)

۹۔ جو آیات اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰۴ : ۱۶) — (۱۰) - آیات اللہ سے اعراض برتنے والوں کو۔ (۵۷ : ۱۸)

۱۱۔ قرآن کو افک قدیم کہنے والے۔ (۱۱ : ۴۶)

۱۲۔ جو اسلاف کی اندھی تقلید کرتا رہے۔ (۱۷۰ : ۲) — (۱۰۴ : ۵) — (۲۲ : ۴۳) — (۲۴ : ۴۳)

۱۳۔ شیطان جن کے برے اعمال کو مزین بنا کر دکھا دے۔ (۲۴ : ۲۷) — (۱۴) - شرک کرنے والوں کو۔ (۶۴-۶۲ : ۲۸)

۱۵۔ لوگوں کے خوف سے ہدایت کی طرف نہ آنے والے۔ (۵۷ : ۲۸)

۱۶۔ تبیانِ حقیقت کے بعد رسول کی مخالفت کرنے والے۔ (۳۲ : ۴۷)

ہدایت برعکس ضلالت

۱۔ ایک فریق ہدایت پر ایک ضلالت پر۔ (۳۰ : ۷) — (۳۶ : ۱۶)

۲۔ فرعون نے اپنی قوم کو ضلالت پر چلایا۔ ہدایت پر نہیں۔ (۷۹ : ۲۰)

۳۔ خدا نے ہدایت دی۔ اس سے قبل تم ضلالت پر تھے۔ (۱۹۸ : ۲)

۴۔ قوم ثمود کو خدا نے ہدایت دی۔ لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی۔ (۱۷ : ۴۱)

۵۔ جو خدا کی ہدایت پر نہ ہو وہ ضلالت پر ہوتا ہے۔ (۸۸ : ۴) — (۱۷۸ : ۷) — (۱۷ : ۱۸)

۶۔ جسے خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ (۳۷ : ۳۹)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر مجھے خدا ہدایت نہ دیتا تو میں ضلالت پر ہوتا۔ (۷۷ : ۶)

۸۔ جسے خدا کی ہدایت نہ ملے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ (۲۹ : ۳۰)

۹۔ خدا جانتا ہے کہ کون صحیح راستے پر چلتا ہے اور کون غلط پر۔ (۳۰ : ۵۳)

۱۰۔ اگر تم ہدایت پر ہوگے تو ضلالت میں مبتلا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (۱۰۵ : ۵)

۱۱۔ جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی ان کی تجارت منفعت بخش ثابت نہ ہوئی۔ (۱۶ : ۲) — (۱۷۵ : ۲)

۱۲۔ اوندھے منہ چلنے والا، اور سر اٹھا کر چلنے والا۔ (۲۲ : ۶۷)

۱۳۔ بہت سے ہدایت یافتہ ہیں۔ بہت سے فاسق ہیں۔ (۲۶ : ۵۷)

۱۴۔ شیطان کی راہوں پر چل رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ (۳۰ : ۷)۔ (۳۷ : ۴۳)

۱۵۔ لوگوں کے جذبات کا اتباع کرنے والا ضلالت پر ہوتا ہے۔ ہدایت پر نہیں۔ (۵۶ : ۶)

۱۶۔ خدا جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون ضلالت پر۔ (۱۱۷ : ۶)۔ (۱۲۵ : ۱۶)۔ (۵۶ : ۲۸)۔ (۷ : ۶۸)

۱۷۔ مذہبی پیشواؤں کی توہم پرستیوں کے قائل ضلالت پر ہیں۔ ہدایت پر نہیں۔ (۱۴۰ : ۶)

متفرقات

۱۔ طبعی ذرائع (ستاروں وغیرہ) کے ذریعے راہ نمائی کو بھی خدا کی عطا کردہ ہدایت کہا گیا ہے۔ (۹۷ : ۶)۔ (۱۵ : ۱۶)۔
(۳۱ : ۲۱)۔ (۶۳ : ۲۷)۔ (۱۰ : ۴۳)

۲۔ میدانِ جنگ میں فتح و نصرت سے بھی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ملتی ہے۔ (۲۰ : ۴۸)

۳۔ شیطان جہنم کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۴ : ۲۲)

۴۔ رسول اللہ سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر انتظار کرو۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون صحیح راستے پر چلتا تھا۔
(۱۳۵ : ۲۰)۔ (۵)۔ کعبہ مرکزِ ہدایت ہے۔ (۹۶ : ۳)

۶۔ اتباعِ ہدایت کرنے والے کے لئے نوید امن و سلامتی ہے۔ (۴۷ : ۲۰)

۷۔ بغیر علم و ہدایت خدا کے بارے میں جھگڑنے والے۔ (۸ : ۲۲)۔ (۲۰ : ۳۱)

۸۔ تم اپنی اپنی مشاکلت کے مطابق کام کرتے جاؤ۔ خدا جانتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ (۸۴ : ۱۷)

۴۔ ہلاکت

۱۔ مادہ کے اعتبار سے ہلاکت کے معنی، ٹوٹ جانے یا گر پڑنے کے ہوتے ہیں۔ استعمال کی رُو سے یہ لفظ کبھی تو کسی شے کے بالکل مٹ جانے، ختم ہو جاتے، انسان کے مرجانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی کمزوری اور زوال کے لئے۔ افراد کی طرح قوموں کی ہلاکت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے اور یا از سرِ نو قوت حاصل کرکے، پھر زندہ ہو جاتی ہے۔

اس کے زوال آمادہ اور بالکل فنا ہو جانے، دونوں کے لئے ہلاکت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ قوموں کی صورت میں ہلاکت کے معنی تباہی اور بربادی لئے جائیں تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات بھی دیکھئے۔

۳۔ قرآن کریم میں ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (۸۸ : ۲۸)۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ کائنات ایک دن معدوم ہو جائے گی اور صرف خدا کی ذات باقی رہ جائے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ کائنات مخلوق ہے اس لئے ابدی نہیں۔ لیکن اس آیت (نیز، ۲۷-۲۶ : ۵۵) میں هَالِكٌ کے معنی یہ ہیں کہ کائنات کی ہر شے کی توانائی کم ہوتی جا رہی ہے۔ بس صرف ایک خدا کی ذات (یا اس کی متعین کردہ مستقل اقدار) ہیں جو تغیر آشنا نہیں۔

قانون فنا و بقا (زوال و عروج)

۱۔ یہاں دھاندلی نہیں۔ عروج و زوال اور فنا و بقا کے لئے قوانین مقرر ہیں۔ انہی قوانین کے مطابق قومیں ابھرتی اور مٹتی ہیں۔ (۴۲ : ۸)

۲۔ ہلاکتِ امم کے لئے ایسے قوانین مقرر ہیں جن کا انسان کو علم دے دیا گیا ہے۔ (۴ : ۱۵)

۳۔ قومیں آہستہ آہستہ اپنی آخری تباہی تک پہنچتی ہیں۔ (۱۸۲ : ۷)۔ (۵۹ : ۱۸)۔ (۴۴ : ۶۸)

۴۔ جب مترفین (دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے والے) فسق میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو قوم کی تباہی آجاتی ہے۔ (۱۶ : ۱۷)۔ (۵)۔ اگر کوئی قوم مصلح ہو تو اسے یونہی دھاندلی سے ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔ (۱۱۷ : ۱۱)

۶۔ لوگ غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں۔ (۲۶ : ۶)

۷۔ صرف ظالم قوم ہلاک ہوتی ہے۔ (۴۷ : ۶) اور فاسق قوم۔ (۳۵ : ۴۶)

ہلاکتِ اقوام

۱۔ نظامِ سرمایہ داری کی حامل اقوام، قوت و ثروت کے باوجود، ہلاک ہوگئیں۔ (۶ : ۶)۔ (۴۷ : ۱۹)۔ (۲۸ : ۱۲۸)۔ (۵۸ : ۲۸)۔ (۸)۔ (۷۷-۷۸ : ۲۸)۔ (۲۶ : ۳۲)۔ (۳۱ : ۳۶)۔ (۳ : ۳۸)۔ (۸ : ۴۳)۔ (۲۷ : ۴۶)۔ (۳۶ : ۵۰)۔ (۵۱ : ۵۴)

۲۔ عادِ اولیٰ بھی ہلاک ہوگئی۔ (۵۰ : ۵۳)۔ (۶ : ۶۹)۔ قومِ نوح کے بعد اقوام کی تباہی۔ (۱۷ : ۱۷)۔

قومِ ثمود کی ہلاکت۔ (۶۹ : ۵)

۳۔ جو قوم محض دنیاوی زندگی ہی کو مقصودِ حیات سمجھے اور مستقل اقدار کا خیال نہ رکھے، وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ (۱۱۶ : ۳)

۴۔ قومیں ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتی ہیں۔ (۵-۴ : ۷) – (۱۳ : ۱۰) – (۱۳ : ۱۴) – (۵۹ : ۱۸) – (۴۵ : ۲۲) – (۵۹ : ۲۸)

۵۔ ایسی ہلاکت جس کے بعد ان کے محسوس نشانات بھی باقی نہ رہیں۔ (۹۸ : ۱۹)

۶۔ ہلاکت مسرفین کی ہوتی ہے۔ (۹ : ۲۱)

۷۔ تباہی سے پہلے قوموں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ جس راستے پر تم چل رہے ہو، یہ خطرناک ہے۔ (۱۳۱ : ۶)-(۱۳۴ : ۲۰) (۲۰۸ : ۲۶) – اس کے مرکزی مقام میں رسول بھیجا جاتا تھا۔ (۵۹ : ۲۸) – اتمامِ حجت کے لئے۔ (۱۶۴ : ۷)

۸۔ حضرت موسٰیؑ سے پہلے قوموں کی تباہی۔ (۴۳ : ۲۸)

۹۔ جو قومیں ابدی صداقتوں پر ایمان نہ لائیں، تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۶ : ۲۱) – (۱۳۹ : ۲۶)

۱۰۔ قومیں اسطرح بھی تباہ ہوتی ہیں کہ ان میں بازآفرینی یا نشاۃِ ثانیہ کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ (۹۵ : ۲۱) –
[اگلی آیت کا 'مطلب' مفہوم القرآن میں ملے گا۔]

۱۱۔ قومیں اپنے جرائم کی وجہ سے ہلاک ہوتی ہیں۔ (۶ : ۶) – (۵۴ : ۸) – (۵۹ : ۱۸) – (۳۷ : ۴۴)

۱۲۔ ہلاک ہونے والی قوموں کا خدا حامی و مددگار نہیں ہوتا۔ (۲۲ : ۴۸) – (۱۳) – قومِ لوط کی تباہی۔ (۳۱ : ۲۹)

۱۴۔ کوئی قوم ایسی نہیں جسے یومِ قیامت سے پہلے تباہ نہ کر دیا جائے یا سخت عذاب نہ دیا جائے۔ (۵۸ : ۱۷)

۱۵۔ قومِ فرعون نے حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ کی تکذیب کی اور تباہ ہو گئی۔ (۴۸ : ۲۳)

۱۶۔ لیڈر قوموں کو، کفرانِ نعمت کی وجہ سے جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۸ : ۱۴)

۱۷۔ اس طرح ہلاکت کہ قوم واپس ہی نہ آسکے۔ (۳۱ : ۳۶)

قانونِ استبدال و استخلاف

۱۔ قومیں اپنے جرائم کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں اور ان کی جگہ دوسری قوموں نے لے لی۔ (۶ : ۶) – (۵۷ : ۱۱) – (۴۲-۴۱ : ۲۳) – (۱۷-۱۶ : ۷۷)

۲۔ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم اس لئے لائی جاتی ہے کہ دیکھیں وہ کیسے کام کرتی ہے۔ (۱۲۹ : ۷) – (۱۴ : ۱۰)

۳۔ قوموں کی ہلاکت و استخلاف کا بڑا دلنشین اور عبرت آمیز منظر۔ (۱۵-۱۱ : ۲۱)
۴۔ جماعتِ مومنین سے بھی کہا گیا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم لے لے گی۔ (۳۹ : ۹) - اگر انفاق نہ کرو گے تو بھی دوسری قوم آجائے گی۔ (۱۹۵ : ۲) - (۳۸ : ۴۷)
۵۔ خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہیں مٹا کر تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لا سکتا ہے۔ جس طرح اس نے تمہیں ایک سابقہ قوم کی ذریت سے پیدا کیا تھا۔ (۱۳۴ : ۶)

متفرقات

۱۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اپنے مخالفین سے کہہ دو کہ (بفرضِ محال) میں اور میرے ساتھی اگر تباہ بھی ہو جائیں (جیسا کہ تم چاہتے ہو) تو بھی تم تباہی سے نہیں بچ سکتے۔ تمہاری تباہی تو تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہماری زندگی اور موت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (۲۸ : ۶۷)
۲۔ مفسدین کو غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ حرث اور نسل کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ (۲۰۵ : ۲)
۳۔ حیاتِ آخرت کے منکرین کہتے ہیں کہ ہم صرف گردشِ زمانہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (۲۴ : ۴۵)
۴۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ - (۸۸ : ۲۸)
۵۔ انفاق فی سبیل اللہ کرو، اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی کی طرف مت لے جاؤ۔ (۱۹۵ : ۲)
۶۔ اگر خدا کی مشیت میں ہو۔ تو وہ پوری نوعِ انسان کو لے جائے اور اس کی جگہ ایک اور مخلوق لے آئے۔ (۱۶ : ۳۵)

۵- ہویٰ

اس مادہ (ھ - و - ی) کے بنیادی معنی ہیں - (۱) کسی شے کا اوپر سے نیچے گرنا۔ محض کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور (۲) خالی ہونا۔ پھر اس کے مجازی معنی کسی کی طرف مائل ہونے یا جھک جانے کے کئے گئے۔

نیچے کی طرف گرنے سے پستی کا مفہوم سامنے آیا تو یہ لفظ انسان کے ان جذبات اور خواہشات کے لئے بولا جانے لگا جو اسے شرفِ انسانیت کی بلندیوں سے گرا کر، ذلت کی پستیوں میں گرا دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ، ان معنوں میں عام

طور پہ آیا ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح انسان میں عقل و شعور۔ فہم و ادراک یا طاقت اور قوت، مختلف صلاحیتیں، اسی طرح جذبات بھی ایک صلاحیت کے مظہر ہوتے ہیں اور یہ صلاحیت بڑی اہم ہے اس لئے کہ انسانی عمل (کام) کے محرک اس کے جذبات ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے، جس طرح عقل و شعور یا دولت و قوت بذاتِ خویش، مقبوح یا قابلِ نفرت نہیں، اسی طرح جذبات بھی بجائے خویش قابلِ نفرت نہیں۔ ان صلاحیتوں کو اگر اقدارِ خداوندی کے تابع صرف میں لایا جائے تو ان کے نتائج تعمیری ہوتے ہیں اور یہ سراپا مستحسن۔ لیکن اگر انہیں، ان اقدار کے تابع نہ رکھا جائے تو ان کا نتیجہ تخریبی ہوتا ہے، اور یہ اس طرح قابلِ مذمت قرار پا جاتے ہیں۔ اس قسم کے سرکش جذبات کو عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔ انہی جذبات (ھوی) کے اتباع کا نتیجہ وہ جہنمی زندگی ہے جسے هَاوِيَةٌ (۱۱-۹ : ۱۰۱) کہہ کر پکارا گیا ہے۔

(سرکش جذبات کی مزید تفصیل کے لئے عنوان شیطان اور انڈکس میں 'جذبات' کا عنوان بھی دیکھئے۔)

پستی میں گر جانا۔ عذاب جہنم کا مستحق ہو جانا۔ تباہ ہو جانا

۱۔ جس پہ خدا کا غضب وارد ہو گیا، وہ پستیوں میں گر گیا اور تباہ ہو گیا۔ (۸۱ : ۲۰)

۲۔ ویران شدہ بستیاں جنہیں تباہ کر دیا گیا۔ (۵۳ : ۵۳)

نیچے گرنے کے معنوں میں

۱۔ ستارہ جب وہ نیچے جاتا یا غروب ہو جاتا ہے۔ (۱ : ۵۳)

۲۔ مشرک کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پرکاہ کو ہوا اڑائے اڑائے پھرے اور دور جا کر گرا دے۔ (۳۱ : ۲۲)

مائل ہونا یا پسند کرنا

۱۔ جب کوئی ایسا رسول آیا، جسے مخالفین ناپسند کرتے تھے تو .... (۸۷ : ۲) - (۷۰ : ۵)

۲۔ یہ لوگ اپنے قیاسات کا اتباع کرتے ہیں یا اس کا جسے ان کا نفس پسند کرے۔ (۲۳ : ۵۳)

۳۔ دعائے ابراہیمی کہ خدا لوگوں کے دلوں کو خادمینِ کعبہ (ان کی اولاد) کی طرف مائل کر دے۔ (۳۷ : ۱۴)

پست جذبات کا اتباع کرنا۔ یا ایسے لوگوں کا اتباع کرنا

۱۔ جن لوگوں کو شیطان ان کے پست جذبات کا مطیع بنا دے۔ (۱۷۱ : ۶)

۲۔ جس نے اپنے آپ کو پست جذبات سے باز رکھا۔ اس کا مقام جنت ہے۔ (۴۰ : ۷۹)

۳۔ ہم چاہتے تھے کہ قرآن کے ذریعے انسان کو بلندیوں کی طرف لے جائیں لیکن وہ اپنے پست جذبات کا اتباع کر کے زمین کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ (۱۷۶ : ۷)

۴۔ اس کی اطاعت مت کرو جو قوانینِ خداوندی کو پس پشت ڈال کر اپنے پست جذبات کا اتباع کرتا ہے۔ (۲۸ : ۱۸) — (۵)۔ جو اپنے پست جذبات کا اتباع کرتا ہے وہ تمہیں راہِ خداوندی سے بہکا نہ دے۔ وہ تباہ ہو جائے گا۔ (۱۶ : ۲۰)

۵۔ جو اپنے پست جذبات کا اتباع کرتا ہے وہ تمہیں راہ خداوندی سے بہکا نہ دے۔ وہ تباہ نہ ہو جائیگا۔ (۱۶:۲۰)

۶۔ کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو اپنے پست جذبات کا اتباع کئے جاتا ہے۔ اے رسول! تجھے اس پر نگران نہیں بنایا گیا۔ (۴۳ ا ۲۵)

۷۔ جب جذبات غالب آجائیں تو عقل و شعور کی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اور وہ علم کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو کون صحیح راستے پر لا سکتا ہے۔ (۲۳ : ۴۵) — (۱۶ : ۴۷)

۸۔ ایسی قوم کے خیالات و خواہشات کا اتباع مت کرو جو خود بھی گمراہ ہوئی اور اس نے اوروں کو بھی گمراہ کر دیا (۷۷:۵)

۹۔ ان کا اتباع مت کرو جنہوں نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی۔ (۱۵۰ : ۶) — (۳ : ۵۴)

۱۰۔ ایسے لوگوں کے خیالات کا اتباع مت کرو جنہیں علم نہیں۔ (آیت کے موضوع سے مترشح ہوتا ہے کہ علم سے مراد وحیٔ خداوندی ہے۔ (۱۸ : ۴۵)

۱۱۔ اے رسولؐ! ان مشرکین سے کہدو کہ اگر میں نے تمہاری روش کا اتباع کیا تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ (۵۶ : ۶)

۱۲۔ اگر تم نے العلم (وحی) آجانے کے بعد ان کے خیالات کا اتباع کر لیا تو خدا تمہارا ولی اور ناصر نہیں رہے گا۔ (۱۲۰ : ۲) — (۱۴۵ : ۲) — (۳۷ : ۱۳)

۱۳۔ الحق آجانے کے بعد ان کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۴۸ : ۵) — (۱۵ : ۴۲)

اپنے خیالات اور خواہشات کے پیچھے چلنا

۱۔ اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ تمہیں عدل کرنے سے باز رکھیں۔ (۴ : ۱۳۵)

۲۔ لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کرو۔ اور اپنی خواہشات کا اتباع مت کرو۔ یہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گی۔ (۵ : ۴۹)۔ (۳۸ : ۲۶)

۳۔ رسول، خدا کی وحی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ اس میں اس کی اپنی خواہشات یا فکر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یعنی وحی ایک خارجی حقیقت ہوتی ہے۔ جس میں رسولؐ کی داخلی کیفیات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ما ینطق عن الھوی۔ (۵۳ : ۳)

اتباعِ جذبات بلا علم و ہدایت

۱۔ اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو بغیر ہدایتِ خداوندی اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے۔ (۲۸ : ۵۰)۔ اس سے واضح ہے کہ ہدایتِ خداوندی کے تابع جذبات کا اتباع، گمراہ نہیں کرتا۔ (۳۰ : ۲۹)

۲۔ بلا علم، اپنے خیالات اور خواہشات کی رُو سے دوسروں کو گمراہ کرنے والے۔ (۶ : ۱۱۹)

متفرق

۱۔ اگر الحق لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگ جائے تو کائنات میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ (۲۳ : ۷۱)

۲۔ جو وحی کی آواز پر لبیک نہیں کہتا سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ (۲۸ : ۵۰)

۳۔ جو بیّنہ پر ہو وہ اور جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور اس کے غلط اعمال اسے مزین بن کر دکھائی دیں، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۴۷ : ۱۴)

۴۔ شکست خوردہ بھگوڑوں کے دل جرأت و بسالت سے خالی ہو رہے تھے۔ (۱۴ : ۴۳)

۵۔ جس کا بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا، اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا۔ (۱۰۱ : ۹)

۶۔ نوٹ:۔ عرب جب زمین اور آسمان کے درمیان خلا دیکھتے تھے تو خالی ہونے کی جہت سے اسے ھوآء کہتے تھے۔ یہیں سے ہوا (بمعنی AIR) عام ہو گیا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان معنوں میں نہیں آیا۔

ی

۱۔ یاس (ناامیدی)

قرآن کریم میں ناامیدی کے لئے یاس اور قنوط دونوں مادے آئے ہیں۔ بعض اہلِ لغت کا خیال ہے کہ یاس عمومی معنوں میں آتا ہے اور قنوط میں ناامیدی کی شدت ہوتی ہے۔

ہندوؤں کے ہاں، ہر انسانی بچہ اپنے سابقہ جنم کے اعمال کے مطابق اپنا مقدر لے کر پیدا ہوتا ہے جسے وہ اپنے موجودہ جنم میں بدل نہیں سکتا۔ عیسائیوں کے ہاں ہر انسانی بچہ اپنے اولین ماں باپ کے گناہوں کا بوجھ لے کر پیدا ہوتا ہے جس سے وہ کسی طرح رستگاری حاصل نہیں کر سکتا۔ (بجز حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لانے کے)۔ یہودیوں کے ہاں، گناہوں کی سزا سے بچنے (یعنی توبہ) کا تصور نہیں۔ عصرِ حاضر کے پیدا کردہ تصورات میں، مارکس کے نظریۂ تاریخ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی رُو سے، انسان، تاریخ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے جنہیں وہ توڑ ہی نہیں سکتا۔ علم النفس کے ماہرین کے خیال کے مطابق، ہر انسان نے جو کچھ بننا ہوتا ہے وہ اپنے بچپن میں بن چکتا ہے۔ اس لئے وہ بڑا ہو کر ان زنجیروں سے نجات حاصل کر ہی نہیں سکتا۔

قرآنِ کریم نے جبر کی ان تمام زنجیروں کو توڑ ڈالا اور کہا کہ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ اسے قوتِ ارادی اس قدر مضبوط دی گئی ہے کہ اگر وہ اسے صحیح طریق پر استعمال کرے تو کوئی زنجیر ایسی نہیں ہوتی جسے وہ توڑ نہ سکے۔ اسی لئے قرآن، انسان کو بار بار تاکید کرتا ہے کہ وہ کبھی مایوس نہ ہو۔ حالات کتنے ہی ناساعد کیوں نہ ہوں، وہ ان پر قابو پا لینے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ انسان جب اپنے آپ کو مجبور اور بے بس تصور کر لیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم اس کے یکسر خلاف ہے وہ مایوسی کو کفر (یعنی انسان کا اپنے مقام سے انکار کرنا) قرار دیتا ہے۔ قرآن، زندگی کا جواب ہاں سے دیتا ہے۔ نہیں سے نہیں۔

۲۔ یاسَ (کے مادہ) کے معنی، علم حاصل کرنا بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی مجازی ہوتے ہیں اور ہمارے زیرِ نظر موضوع سے خارج۔ (تفصیل کے لئے لغات القرآن دیکھئے)

یاس (ناامیدی)

۱۔ جو لوگ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار کرتے ہیں، خدا کی رحمت سے مایوس ہو سکتے ہیں۔ اس کے معنی واضح ہیں کہ رحمتِ خداوندی، انسانی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے اور انسان میں جب تک عمل کی قوت اور صلاحیت باقی ہے، اسے خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ (۲۳ : ۲۹)

۲۔ جن لوگوں پر خدا کا غضب ہو وہ مستقبل کی طرف سے ناامید ہوتے ہیں۔ (۱۳ : ۶۰)

۳۔ رحمتِ خداوندی سے کفار ہی ناامید ہو سکتے ہیں۔ (۸۷ : ۱۲)

۴۔ حالات کی ناسازگاری سے وقتی طور پر گھبرا جانے کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ ایسے لمحات خدا کے رسولوں پر بھی آجاتے تھے۔ (۱۱۰ : ۱۲)

۵۔ انسان جلدی سے خوش ہو جاتا ہے اور جلدی سے مایوس۔ (۹ : ۱۱)۔ (۸۳ : ۱۷)۔ (۴۹ : ۴۱)

۶۔ مایوسی کے بعد رحمتِ خداوندی بارش کی شکل میں۔ (۲۸ : ۴۲)

۷۔ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اس کے قوانین کی رُو سے، ہر لغزش کے نقصان سے حفاظت کا سامان مل سکتا ہے۔ (۵۳ : ۳۹)۔ خدا کی رحمت سے وہی مایوس ہوتے ہیں جو غلط راہوں پر چلتے رہتے ہیں۔ (۵۶ : ۱۵) یا یہ کہ جن کے سامنے کشاد کی راہ نہیں ہوتی۔

۸۔ انسان اپنے ہاتھوں مصیبت لاتا ہے اور پھر مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ (۳۶ : ۳۰)

۹۔ مغضوب علیہ، آخرت سے مایوس ہوتا ہے جس طرح کفار، مُردوں سے مایوس ہوتے ہیں۔ (۱۳ : ۶۰)

۱۰۔ دین کی تکمیل پر مخالفین کی مایوسی۔ (۳ : ۵)

۲۔ یتیم

یتیم کے بنیادی معنی ہیں، ایسا شخص جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے۔ جس کا کوئی ساتھی نہ ہو، جس کا کوئی سہارا نہ ہو۔ کوئی آسرا نہ ہو۔ کوئی یار و مددگار نہ ہو، خواہ وہ کتنی ہی عمر کا کیوں نہ ہو۔ لیکن عام طور پر اس کے معنی وہ بچہ ہیں جس کے ماں باپ مر گئے ہوں۔ اس اعتبار سے لڑکا سنِ بلوغت تک پہنچنے تک یتیم کہلاتا ہے لیکن لڑکی کی جب تک شادی نہ ہو جائے وہ یتیم کہلائے گی۔ نیز بیوہ عورتوں کو بھی یتامیٰ کہا جاتا ہے (۴ : ۳) اور (۴ : ۱۲۷) میں یتامیٰ کا لفظ اس قسم کی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے آیا ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے، یہ صورتِ حال بڑی ہی دردناک اور تاسف انگیز ہے کہ کوئی شخص اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو تنہا (بے آسرا) محسوس کرے۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کی خبرگیری کے لئے بڑی تاکید کرتا ہے۔ خبرگیری ہی نہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان کی عزت بھی کرو تاکہ ان میں احساسِ کمتری نہ پیدا ہونے پائے۔ اسی طرح یتیم بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت بھی اس انداز سے ہونی چاہیئے کہ ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ یتیم بچوں کو جس طرح یتیم خانوں میں رکھ کر، خیرات کے ٹکڑوں پہ پالا جاتا ہے۔ اس سے ان کا شرفِ انسانیت ذبح ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس قوم میں حالت یہ ہو، وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔ (۸۹ : ۱۷)۔ ان کی پرورش۔ تعلیم و تربیت کا باعزت انتظام کرنا، اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

بے سہارا تنہا رہ جانے والے لوگ

۱۔ جس معاشرہ میں یتیموں کی عزت نہ ہوتی ہو، وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ (۸۹ : ۱۷)۔

۲۔ یتیم کو دھتکارو مت (۹۳ : ۹)۔ جو ایسا کرتا ہے وہ دین کی تکذیب کرتا ہے۔ (۱۰۷ : ۲)

۳۔ وہ شخص جو ہزاروں انسانوں کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پاتا ہو۔ (۹۰ : ۱۵)

۴۔ یتیموں کی روٹی کا انتظام ہے۔ (۷۶ : ۸)

یتیم بچے

۱۔ یتیم جب تک جوان نہ ہو جائیں ان کے مال و متاع کا بطریقِ احسن انتظام کرو۔ (۴ : ۲) ـ (۴ : ۶) ـ (۶ : ۱۵۲) ـ (۱۷ : ۳۴) ـ (۲) - یتیموں کی اصلاح کرو۔ (۲ : ۲۲۰)

۳۔ ترکہ کی تقسیم کے وقت ایسے یتیم موجود ہوں جن کا ترکہ میں حصہ نہیں، تو انہیں بھی کچھ دے دو۔ (۴ : ۸)

۴۔ یتیموں کا مال کھا جانے والے۔ (۴ : ۱۰) ـ (۵)- یتیموں کے ساتھ انصاف ـ (۴ : ۱۲۷)

۶۔ مالِ غنیمت میں یتیموں کا حق۔ (۸ : ۴۱)- انفال میں- (۵۹ : ۷)

۷۔ یتیم پوتے کی وراثت کے لئے عنوان " وراثت" دیکھئے ـ

یتیموں کے رزق کا انتظام کرو

۱۔ اس شق میں یتیم بچے اور بے سہارا افراد سب آ سکتے ہیں۔ (۷۶ : ۸)

۲۔ یتیموں کے ساتھ احسان۔ (۲ : ۸۳)ـ(۴ : ۳۶)ـ(۳)ـ ان کی مالی امداد۔ (۲ : ۱۷۷)ـ(۲ : ۲۱۵)

یتیم لڑکیاں۔بیوہ عورتیں

۱۔ ان سے نکاح ـ (۴ : ۳) ـ (۴ : ۱۲۷)

متفرقات

۱۔ رسول اللہؐ یتیم رہ گئے تھے۔ خدا نے آپ کے لئے پناہ کا انتظام کیا۔ (۹۳ : ۶)

۲۔ واقعۂ حضرت موسیٰؑ اور مردِ بزرگ میں دو یتیم بچوں کی دیوار کا قصہ ـ (۱۸ : ۸۲)

۳- یثرب

مدینہ منورہ کا قدیمی نام ـ (۳۳ : ۱۳)

۴۔ یوم (جمع ایام)

ہمارے ہاں یوم کے معنی ایک دن کے ہوتے ہیں۔ عربوں کے ہاں، اس لفظ کے معنی ایک دن کے علاوہ، مطلقاً وقت، زمانہ اور دَور کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز حکومت اور دولت کے بھی۔ وہ تاریخ کے اہم اور ناقابلِ فراموش واقعات کے لئے ایّام کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

یوم کے ساتھ اِذٍ کا اضافہ کر کے اسے یَوْمَئِذٍ بنا دیتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں "جس وقت"۔ جس زمانے میں۔ جس دَور میں۔

قرآن کریم میں یوم کا لفظ اس کثرت سے آیا ہے کہ یہاں ان تمام آیات کا درج کرنا مشکل ہے نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ اس عنوان کے تحت صرف ان آیات کو درج کیا جائے گا جن میں یہ لفظ مختلف معانی میں آیا ہے۔

یوم بمعنی چوبیس گھنٹے کا ایک دن یا صبح سے شام تک کا دن کا وقفہ

۱۔ حج کے ایام میں یومین کا ذکر آیا ہے۔ اس کے معنی عام دن کے ہیں۔ (۲ : ۲۰۳)

۲۔ روزوں کو دوسرے دنوں میں پورا کرنے کا حکم۔ (۲ : ۱۸۴) - (۲ : ۱۹۶)

۳۔ حج کے گنتی کے دن۔ (۲ : ۲۰۳) - (۴)۔ روزے گنتی کے دنوں میں۔ (۲ : ۱۸۴)

یَوْمَئِذٍ ۔ اُس وقت

۱۔ تو اُس وقت مجرموں کو دیکھے گا ...... ۔ (۱۴ : ۴۹)

۲۔ اس دَور میں حکومت ساری خدا کی ہوگی۔ (۸۲ : ۱۹)

ایّام

۱۔ یہ زمانے کی گردش (ایام) ہے۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ (۳ : ۱۴۰)

۲۔ اقوامِ سابقہ کی تاریخ۔ (۱۰ : ۱۰۲)

۳۔ تخلیقِ کائنات چھ ایام (ادوار) میں ہوئی ۔ (دیکھئے عنوان ۔ یوم بمعنی مدت)
۴۔ ایام اللہ ۔ تاریخ کے وہ ناقابلِ فراموش واقعات جن میں انقلاب خداوندی برپا ہوا ۔ (۵ : ۱۴)۔(۱۴ : ۴۵)
۵۔ فصلوں کے چار موسم ۔ (۱۰ : ۴۱)

یوم بمعنی مدت ۔ زمانہ ۔ وقفہ ۔ دور ۔ ایک (STAGE) وغیرہ

۱۔ مالک یوم الدین ۔ (۴ : ۱) ——— ۲۔ یوم الآخر ۔ (۸ : ۲)
۳۔ یوم القیامۃ (۸۵ : ۲)——— یوم یبعثون ۔ (۱۴ : ۷)
۴۔ یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ۔ (۲۵۴ : ۲)۔ ۵۔ یوم لا ریب فیہ ۔ (۹ : ۳)
۶۔ آج کے دن (یعنی اس دور میں) تمہارے لئے خدا نے دین کی تکمیل کر دی ۔ (۳ : ۵)
۷۔ جس وقت (یوم) خدا کسی شے سے کہتا ہے کہ ہو جا ' تو وہ ہو جاتی ہے ۔ (۷۳ : ۶)
۸۔ یوم الحج الاکبر ۔ اس کے معنی زمانہ بھی ہو سکتے ہیں اور دن بھی ۔ (۳ : ۹)
۹۔ تخلیقِ کائنات کے وقت (یوم) ۔ (۳۶ : ۹)
۱۰۔ جس زمانے میں یہ زمین بدل جائے گی ۔ آسمان بدل جائے گا ۔ (۴۸ : ۱۴)
۱۱۔ خدا کا ایک ایک دن تمہارے حساب و شمار کے مطابق ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے ۔ (۵ : ۳۲)۔ اور پچاس پچاس ہزار سال کا ۔ (۴ : ۷۰)
۱۲۔ کل یوم ھو فی شان ۔ (۲۹ : ۵۵) ۔ وہ ہر آن میں ایک نئی شان میں ہوتا ہے ۔ یا کائنات کی ہر شے کے تقاضے مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں ۔
۱۳۔ یوم الجمعۃ ۔ جمعہ کا دن ۔ یا اجتماع کے وقت ۔ (۹ : ۶۲)
۱۴۔ جس دور (یوم) میں نوعِ انسان خدا کی عالمگیر ربوبیت کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی ۔ (۶ : ۸۳)
۱۵۔ یومکم ۔ جس وقت تم پر یہ کچھ گزر رہا ہو گا ۔ (۱۰۳ : ۲۱) ۔ انہی معنوں میں یومھم بھی آیا ہے ۔ (۵۱ : ۷)
۱۶۔ خدا نے ارض کو یومین میں تخلیق کیا اور سمٰوٰت کو بھی ۔ (۱۲ و ۹ : ۴۱) ۔ فی ستۃ ایام چھ "دنوں" میں ۔ یعنی مختلف ادوار (PERIODS) ہیں ۔ (۵۴ : ۷) ۔ (۳ : ۱۰) ۔ (۷ : ۱۱) ۔ (۵۹ : ۲۵) ۔ (۴ : ۳۲) ۔ (۳۸ : ۵۰) ۔ (۴ : ۵۷)

۵۔ حضرت یحییٰؑ

قرآن کریم میں حضرت یحییٰؑ کے کوائف حیات تفصیلاً بیان نہیں ہوئے۔ صرف اجمالی تذکرہ ہے۔ آپ کے والد، حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی پیدائش کی دعا مانگی۔ یہ بیٹا ان کے ہاں کبر سنی میں پیدا ہوا۔

حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی پیدائش

حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی خصوصیات۔ (۳۸-۳۷ : ۳) - (۷ : ۱۹) - (۹۰ : ۲۱)۔

حضرت یحییٰؑ نبی تھے۔ (۳۸ : ۳) - (۸۵ : ۶) - (۱۲ : ۱۹)

دیگر خصوصیات۔ (۱۵-۱۳ : ۱۹) - (۳۸-۳۷ : ۳)

۶۔ حضرت یسعؑ

قرآن کریم میں دو مقامات پر آپ کا نام "زمرۂ انبیاء" میں آیا ہے۔ اس سے زیادہ قرآن میں کچھ نہیں آیا۔ وہ دو مقام یہ ہیں۔ (۸۷ : ۶) - (۴۸ : ۳۸)

۷۔ یاجوج وماجوج

یاجوج و ماجوج کا ذکر، ذوالقرنین کے ضمن میں تفصیل سے آچکا ہے۔ وہاں دیکھا جائے۔ حوالے کے لئے یہ آیات دیکھئے۔ (۹۴ : ۱۸) - (۹۶ : ۲۱)

۸-(حضرت) یعقوبؑ

قرآن کریم میں، سلسلۂ انبیاء کرام میں حضرت یعقوبؑ کا بھی ذکر آتا ہے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے، حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے۔ اور حضرت یوسفؑ کے والد تھے۔ اسرائیل آپ کا لقب تھا اور اسی نسبت سے آپ کی ذریت (نسل) کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے قرآن میں آپ کے کوائفِ حیات تفصیل سے بیان نہیں ہوئے۔ صرف اجمالی تذکرہ آیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے یعنی آپؑ کے پوتے

۱۔ حضرت ابراہیم کو اسحٰقؑ، اور ان کے ماوراء یعقوب عطا ہوئے جو ان کے پوتے تھے۔ (۸۵ : ۶) - (۷۱ : ۱۱) - (۴۹ : ۱۹) - (۷۲ : ۲۱) - (۲۷ : ۲۹)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو عبودیتِ خداوندی کی تاکید کی۔ (۱۳۲ : ۲)

حضرت یوسفؑ کے والد

۱۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں اپنے آباء۔ حضرت یعقوبؑ، اسحٰقؑ اور ابراہیمؑ کی ملت کا اتباع کرتا ہوں۔ (۳۸ : ۱۲)

۲۔ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے یوسفؑ سے کہا کہ اپنا خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ (۶-۵ : ۱۲)

۳۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے اطمینان کی خاطر بیٹوں سے کہا کہ مصر جانا تو ایک ہی دروازے سے شہر کے اندر داخل نہ ہونا۔ (۶۸-۶۷ : ۱۲)

۴۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو عبودیتِ خداوندی کی تاکید کی۔ (۱۳۳ : ۲)

آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس پر ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے

۱۔ زمرۂ انبیاء میں آپ کا ذکر۔ اور آپ کی وحی پر ایمان لانے کی تاکید۔ یعنی اس بات پر ایمان لانے کی کہ آپ پر اپنے وقت میں خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔ (۱۳۶ : ۲) - (۸۴ : ۳) - (۱۶۳ : ۴)

۲۔ وہ خدا کے بندوں میں سے تھے۔ (۴۵ : ۳۸)

۴- وہ یہود اور نصاریٰ کی گروہ بندیوں میں شامل نہیں تھے۔ (۱۴۰ : ۲)

حضرت زکریاؑ کی دعا

حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی پیدائش کی دعا مانگی تاکہ وہ آل یعقوب کی تعلیم کا وارث ہو۔ (۶ : ۱۹)

اسرائیل

۱- آپ کا لقب اسرائیل تھا۔ آپ کی ذریت میں انبیاء ہوئے۔ (۵۸ : ۱۹)

۲- اسرائیل نے کسی شے کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ یہ زمانۂ قبل از تورات کا ذکر ہے۔ کیونکہ کتبِ تورات کا آغاز حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے ہوا تھا۔ (۹۲ : ۳)

۹- یقین

یقین - شک کی ضد ہے۔ یعنی شک کے زائل ہو جانے کے بعد، علم و تحقیق کے ساتھ کسی معاملہ کا پایۂ ثبوت تک پہنچ جانا۔ یہ مومنین کی بنیادی خصوصیت ہے کہ ان کا ایمان یقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ قرآن پہ ایمان لاتے ہیں اور آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔ (۴ : ۲)۔ (۳ : ۲۷)۔ (۴ : ۳۱)۔ سورۂ رعد میں ہے کہ خدا اپنی آیات کو واضح طور پہ بیان کرتا ہے تاکہ تم لقاء رب پہ یقین لے آؤ۔ (۲ : ۱۳)

۲- **یقین بمقابلہ ظن** - (۱۵۷ : ۴) - (۳۲ : ۴۵)

۳- آیاتِ خداوندی - یعنی مشاہداتِ فطرت سے یقین -

(۱) - حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت و الارض کا مشاہدہ کرایا گیا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ (۷۵ : ۶)

(۲) - تخلیق خداوندی میں یقین رکھنے والی قوم کے لئے آیات - (۴ : ۴۵)

(۳) - کفار کے متعلق کہا کہ کیا ارض و سما کو انہوں نے تخلیق کیا ہے جو انہیں احکامِ خداوندی پر یقین نہیں آتا۔ (۳۶ : ۵۲)

(۴) - زمین میں، یقین رکھنے والوں کے لئے آیات۔ (۲۰ : ۵۱)

(۵) حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میرا خدا، رب السمٰوٰت والارض ہے۔ اگر تم اس پر یقین کرو تو..... (۲۴ : ۲۶)

۴۔ قرآن، رب السمٰوٰت والارض کی طرف سے ہے۔ اگر تم اس پر یقین کرو تو..... (۷ : ۴۴)

(۱)۔ یہ یقین رکھنے والوں کے لئے رحمت ہے۔ (۲۰ : ۴۵)

(۲)۔ خدا نے اپنی آیات کی وضاحت کر دی ہے اس قوم کے لئے جو یقین کرے۔ (۱۱۸ : ۲)

(۳)۔ یقین کرنے والی قوم کے لئے خدا سے بڑھ کر کون حکم ہو سکتا ہے۔ (۵۰ : ۵)

(۴)۔ لوگ آیاتِ خداوندی پر یقین نہیں رکھتے۔ (۸۲ : ۲۷)

۵۔ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے جو وحیٔ خداوندی کے متعلق ہدایت دیتے تھے۔ اور آیاتِ خداوندی پر یقین رکھتے تھے۔ (۲۴ : ۳۲)۔ (۶)۔ قرآن کی متشابہ آیات، اہلِ کتاب کے لئے وجۂ یقین ہو سکتی ہیں۔ (۳۱ : ۴۷)

۷۔ اہلِ فرعون حضرت موسیٰؑ کی پیش کردہ صداقت پر دل میں تو یقین رکھتے تھے۔ لیکن پندارِ نفس کی خاطر اس سے انکار کئے چلے جاتے تھے۔ (۱۴ : ۲۷)

۸۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ خدا کے وعدے سچے ہیں۔ آخرالامر تم کامیاب ہو کر رہو گے۔ جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ چاہتے ہیں کہ آپ متذبذب ہو کر استقامت چھوڑ دیں۔ ایسا نہ کرنا۔ (۶۰ : ۳۰)

۹۔ حضرت سلیمانؑ کے فرستادہ نے آکر کہا کہ میں ملکۂ سبا کے متعلق یقینی خبر لایا ہوں۔ (۲۲ : ۲۷)

۱۰۔ موت کو بھی یقین کہا گیا ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر یقینی چیز اور کون سی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ تم خدا کی اطاعت پر حکومت مسلسل اختیار کئے جاؤ۔ حتیٰ کہ تمہیں الیقین آجائے (۹۹ : ۱۵)۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم مرتے دم تک ایسے ہی رہو۔ یعنی ساری زندگی اس پر گامزن رہو۔ جیسا کہ (۱۰۱ : ۳) میں کہا گیا ہے اور یہ معنی بھی کہ جب تک وہ نتیجہ سامنے نہ آجائے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ یقینی ہے۔

(۲)۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ ہم آخرت کی تکذیب کرتے رہے تا آنکہ ہمیں الیقین آگئی۔ یہاں اس کے معنی مدت معلوم ہوتے ہیں۔ (۴۷ : ۷۴)

۱۱۔ اہلِ جہنم خدا سے کہیں گے کہ ہم نے اب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور یقین آگیا ہے۔ اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج اور دیکھ کہ ہم کس طرح اچھے کام کرتے ہیں۔ (۱۲ : ۳۲)

۱۲۔ جہنم کا عذاب حق الیقین ہے۔ (۹۵ : ۵۶)۔ (۵۱ : ۶۹)۔ پہلے یہ علم الیقین تھا۔ پھر آنکھوں سے دیکھا تو عین الیقین ہو گیا۔ (۷-۵ : ۱۰۲)

۱۰۔ (حضرت) یوسفؑ

آپ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے تھے۔ آپ وہ منفرد شخصیت ہیں جن کا تذکارِ جلیلہ، پوری تفاصیل کے ساتھ، قرآن کریم کی ایک طویل سورت میں مربوط شکل میں سامنے لایا گیا ہے، اور اس میں آپ کا انفرادی کردار اور جوہرِ ذاتی کا نمایاں ذکر ہے۔ قرآن کریم نے عفت و عصمت کو بلند ترین اقدار میں شمار کیا اور اس کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے۔ اس کی عملی مثال کے لئے، مردوں میں سے حضرت یوسفؑ اور عورتوں میں سے حضرت مریمؑ کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ باقی رہے آپ کے جوہرِ ذاتی، سو ان کا مظاہرہ اسوقت ہوا، جب آپ نے مملکتِ مصر کا نظم و نسق سنبھالا۔ چونکہ آپ کا تذکرہ سورۂ یوسف (۱۲) میں پورے تسلسل سے آیا ہے اس لئے الگ آیات کے حوالے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ اس سورت کے علاوہ جہاں آپ کا تذکرہ آیا ہے، ان حوالوں کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے تھے۔ (۶ : ۸۵)۔ اس آیت میں آپ کا نام انبیاءِ کرام کے زمرہ میں آیا ہے۔

۲۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے جو نہایت بصیرت افروز تقریر کی تھی۔ اس کے ضمن میں اس نے کہا تھا کہ اس سے پہلے (حضرت) یوسفؑ تمہاری طرف واضح دلائل لے کر آئے لیکن تم نے ان کی صداقت کے بارے میں شک کیا اور جب وہ وفات پا گئے تو تم مطمئن ہو گئے کہ اب کوئی خدا کا رسول نہیں آئے گا۔ (۴۰ : ۳۴)

۱۱۔ (حضرت) یونسؑ

آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کا عبرانی نام یوناہ تھا جو عربی زبان میں آکر یونس ہو گیا۔ تورات میں ان کا صحیفہ "کتابِ یوناہ" کے نام سے موجود ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ ۸۰۰ ق م کے قریب تھا۔ قرآن میں آپ کے متعلق ایک واقعہ مذکور ہے۔ یعنی آپ نے یہ خیال کرکے کہ آپ کی قوم ایمان نہیں لائے گی، وہاں سے ہجرت اختیار کی۔ لیکن یہ اقدام قبل از وقت تھا۔ بعد میں آپ کی قوم ایمان لے آئی۔ آپ ایک کشتی میں سوار ہوئے جو ڈوب گئی اور ایک بہت بڑی مچھلی (وہیل وغیرہ) نے آپ کو اپنے جبڑوں میں دبوچ لیا لیکن آپ نے اس سے جھٹکارا حاصل کر لیا اور

تیر کر ساحل پر آگئے۔ اسی واقعہ کی نسبت سے آپ کو کہیں ذوالنون کہا گیا ہے۔ (۸۷ : ۲۱) - اور کہیں صاحب الحوت کہہ کر۔ (۴۸ : ۶۸)

۱- آپ سلسلۂ مرسلین میں سے تھے۔ (۱۶۳ : ۴) - (۸۶ : ۶) - (۱۳۹ : ۳۷) - (۱۴۷ : ۳۷)

۲- آپ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ (۸۷ : ۲۱) - اور ایک بھری ہوئی کشتی میں بیٹھ گئے۔ (۱۴۰ : ۳۷) ایک مچھلی نے انہیں دبوچ لیا۔ (۸۸-۸۷ : ۲۱) - (۱۴۲ : ۳۷) - وہاں سے وہ محفوظ باہر آگئے۔ (۸۸-۸۷ : ۲۱) (۱۴۵-۱۴۳ : ۳۷) - ساحل پر آپ تندرست ہو گئے۔ (۱۴۶ : ۳۷)

۳- ان کی قوم ایمان لے آئی۔ (۱۴۸ : ۳۷) - (۹۸ : ۱۰)

۴- رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ آپؐ، صاحب الحوت کی طرح جلدبازی نہ کرنا۔ (۴۸ : ۶۸)

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

(اقبالؒ)